اولڈبوا

جلد (۳) بابت ماہ جنوری ۱۹۱۴ء نمبر (۱)

اڈیٹر

مد عترت حسین بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام مولوی رشید احمد صاحب انصاری

م مولوی ... مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا رشید احمد صاحب انصاری

ب ایما عبد العلیم خان صاحب مینوسپل کمشنر دفتر اولڈبوائے چھاونی بنارس سے شائع ہوا قیمت سالانہ ہے

اولڈ بوائے

اس ماہواری رسالہ کے خاص مقاصد یہ ہیں

(۱) جملہ سابق طلباء مدرستہ العلوم مسلمانان علیگڈھ کے دلوں میں ان کے کالج کی یاد کا تازہ رکھنا اُس کے حالات سے اُن کو باخبر کرنا اور اس کی ترقی کے لیے کوشاں رہنا۔

(۲) اولڈ بوائز میں رشتۂ اخوت قایم رکھنا اور اُن کو ترقی دینا، اور اُنکے حالات ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

(۳) "اولڈ بوائز ایسوسی ایشن" اور "کالج" کی مالی مدد کے لیے سابق طلباء کو ترغیب عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمت گزاروں میں خود اُس کے فرزندوں کی خدمات کافی اور تسلی بخش ہوں۔

(۴) جملہ اولڈ بوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا تاکہ وہ قومی کاموں میں معتدبہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُن پر ہمارے کالج کے قایم کرنے سے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

(۱) جملہ خط و کتابت دربارۂ ترسیل زر تبدیل پتہ منیجر اولڈ بوائے بنارس سے ہونی چاہیے۔

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ اڈیٹر اولڈ بوائے بنارس سے آنا چاہیے اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان اولڈ بوائے ہر وقت مفید مشورہ و رفع شکایات کے لیے تیار ہیں اور خوشی کے ساتھ اُن پر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر

اولڈ بوائز

چند ہفتے ہوئے میرے اخی معظم و مکرم جناب مولوی مقبول عالم صاحب بی۔اے ایل۔ایل بی نے جو آپ ہ اولڈ بوائز کے پدر بزرگوار ہیں مجھ سے فرمایا کہ میں اولڈ بوائے کے پرچہ میں اولڈ بوائز کی تعریف و ستائش سنتے سنتے تھک گیا۔ وہ اپنے ذاتی تجربہ کے لحاظ سے ہماری جماعت سے ناخوش ہیں اور اس کو ناکارہ بتاتے ہیں بلکہ یہ کہنے لگے کہ اگر یونیورسٹی ایسے ہی ہاتھوں میں رہی تو اسکا خدا حافظ۔ ایک طرف تو ہم پر اپنی جماعت کی بیجا مدح سرائی کا الزام ہے۔ دوسری طرف ہماری ہی جماعت کے بعض اصحاب ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ ہماری نکتہ چینیاں کبھی کبھی اُن کو نہایت تلخ اور ناگوار گذرتی ہیں۔ اوّل الذکر قسم کے اعتراضات ہمارے سر اور آنکھوں پر جناب مولوی مقبول عالم صاحب کے سے بزرگوار ہم پر جسقدر چاہیں بوچھاڑ کریں۔ اُن کی باتیں ہمکو ہرگز بُری نہیں معلوم ہوسکتیں۔ وہ گو اولڈ بوائے نہیں ہیں لیکن بہت سے اولڈ بوائز سے اچھے ہیں۔ زبان سے وہ جتنا چاہیں ہمکو بُرا بھلا کہیں لیکن ہم اُن کے دل کا حال خوب جانتے ہیں۔ وہ دل سے اگر ہماری وقعت نہیں توکم سے کم محبت ضرور کرتے ہیں۔ ہم بھی ایسے بزرگوں کی دل سے عظمت کرتے ہیں اور اُن کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اپنا فخر سمجھتے ہیں۔

آخر الذکر قسم کے اعتراضات کے متعلق ہمکو قدرے توضیح کی ضرورت ہے۔ اگر ہماری باتیں بعض ناگوار گذرتی ہیں تو ہم اس کے لیے معذور ہیں۔ اولڈ بوائے جہاں پیام امید کے جہاں وہ محبت یگانگیت اور یکجہتی کا قاصد ہے وہاں محتسب کا دُرہ بھی اُس کے ہاتھ میں رہتا ہے جو ذرا سی غفلت

اور چوک کو بلا سرزنش کے نہیں چھوڑ سکتا۔ ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہمارا طبقہ نقایص سے پاک ہے
ہم نہایت تجسس نگاہوں سے اپنے عیبوں کو ڈھونڈھینگے اور جہاں کہیں اُن کو پاوینگے وہیں اُنکے
استیصال کی فکر کرینگے۔ ہمارے لیئے یہ ایک ناقابل معافی جرم ہوگا اگر ہم اولڈبوائے کو زرکشتی کا
آلہ بنائیں اور اپنا مقصد یہ رکہیں کہ جہاں تک ہو اپنے خریداروں کو خوش اور محفوظ رکہیں۔ ابتدا
میں بعضوں نے ہم پر شک اور شبہ کی نگاہیں ڈالی تہیں اور یہ خیال کیا تہا کہ ہم کسی فریق کی جانبداری
کرینگے لیکن خدا کا شکر ہے کہ تجربے نے لوگوں کے ان خیالات کو مٹا دیا اور ہمارا وعدہ پورا ہوکر رہا۔

ہمکو نہایت شرم آتی ہے جب ہم کسی کو اپنی جماعت پر حرف گیری کرتے ہوئے دیکھتے ہیں جب
کوئی نکتہ چینی صحیح ہوتی ہے تو اُس وقت ہمارے رنج و افسوس کی کوئی انتہا نہیں باقی رہتی۔ میں اس
طرف یونیورسٹی کے لیے تین ماہ تک برابر باہر رہا اور مجھے نہایت افسوس کے ساتھ یہ ظاہر کرنا پڑتا ہے
کہ میں نے جو انداز اپنے بھائیوں کا دیکھا وہ سخت دل شکن تھا جس ضلع میں میں اس کام کے لیے
گیا تھا وہاں خدا کے فضل سے ہمارے بھائی معزز عہدوں پر فائز ہیں لیکن مجھے اس کہنے میں ذرا
پس و پیش نہیں ہے کہ میں نے یونیورسٹی کے معاملہ میں باستثنای چند کسی میں حقیقی دلچسپی نہیں دیکھی۔
ہمارا کام زبانی جمع خرچ سے اب نہیں چلنے کا اور نہ ہمکو زبانی جوش و خروش کی ضرورت ہے۔ ہمکو تو
کام کی ضرورت ہے اور اگر یہ نہیں تو ہماری ساری قومی تعلیمیں بیکار ہیں۔ اس سے زیادہ تلخ
تجربہ کیا ہو سکتا ہے کہ بجائے اس کے کہ ہمارے بھائی ہمکو کچھ مدد دیتے وہی ہمارے لیے سنگ راہ
ثابت ہوئے۔ اکثر بڑی بڑی موعودہ رقمیں مجھے اس وجہ سے نہیں مل سکیں کہ میں نے جب ان کا
مطالبہ کیا تو مجھ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ فلاں اولڈبوائے نے کیا دیا اور مجکو اس سوال
پر ہکا بکا ہو جانا پڑا ہمارے بعض بھائیوں نے مجھ سے یہ فرمایا کہ اُنہوں نے اپنا چندہ علیگڈہ بہیجدیا ہے
میں نے تو یقین کر لیا لیکن پبلک نے اس بیان کو تبسم کے ساتھ سُنا۔ گورنمنٹ عالیہ کے سرکار سے
جس میں چندہ کی تحریک کے لیے کسی قسم کی ممانعت نہیں تھی میں نے اپنے دو ایک بھائیوں کو ایسا
مرعوب پایا کہ مجھے ہمت نہیں ہوئی کہ میں اُن سے چندہ کی درخواست کرتا۔ ایک صاحب نے مارے

خوف کے اپنے ایک عزیز کو جو میرے ساتھ نہایت مستعدی اور محنت سے کام کر رہے تھے یونیورسٹی کا کام کرنے سے روک دیا۔ یونیورسٹی کا معاملہ ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم ہے اور اگر ہم دوسروں سے اس میں پیچھے رہے تو یہ ہمارے لیے ہمیشہ کے لیے ایک سخت دھبہ ہوگا جو چھڑائے نہ چھوٹیگا۔ ہمارے لیے سخت ذلت ہے کہ ہم دوسروں کی فیاضی کو تکا کریں اور خود کچھ نہ کرسکیں۔ یہی ہمارے امتحان اور آزمایش کا وقت ہے۔ ہماری رائے ہے کہ ایک خاص فہرست اولڈ بوائز کی تیار کیجائے اور اُس میں یہ دکھایا جائے کہ اُنھوں نے یونیورسٹی کے لیے خود کیا دیا اور دوسروں سے کیا دلوایا۔ اور جبتک یہ رقمیں سب پر فوقیت نہ لیجائیں اُنکو نچلا نہ بیٹھنا چاہیئے۔

اڈیٹر

ہمارے بھائی ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب نے کالج ہسکنڈر کو اس مرتبہ نہایت دماغ سوزی سے مرتب کیا ہے اور اس میں ہماری دلچسپی کی بہت سی باتیں موجود ہیں۔ مادر کالج اور سرسید مرحوم کی تصاویر نے کتاب کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہمارے بھائی اپنے پاس اس کا ایک ایک نسخہ ضرور رکھینگے۔ قیمت کتاب پر درج نہیں مگر ہمارا خیال ہے کہ ایک روپیہ (عہ) یا ایک روپیہ آٹھ آنے سے زیادہ نہ ہوگی

ہم ممنون ہیں اپنے بھائی مسٹر سید مصطفٰے حسین صاحب رضوی اور مسٹر سید غلام حسین صاحب رضوی کے جنہوں نے ایک خاص موقع پر ہمیں بہت سے اولڈ بوائز سے ملنے کا موقع دیا۔ ہم اُنکی مہمان نوازی کے بہی شکر گزار ہیں۔

نماز روزہ

ہمارے پیام اُمید میں ان دنوں بہت اچھے مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ خاصکر "اولڈ بوائے اسٹوپیج" اور "قومی لباس" پر جو بحث ہو رہی ہے ضرور قابل داد ہے۔ میں ایک ایسے مضمون کی جانب اپنی برادری کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو ہر مسلمان کے لیے عموماً اور تعلیم یافتہ گروہ کے لیے خصوصاً توجہ طلب ہے۔

میرا عنوان "روزہ نماز" ہے اور میں شرم کے ساتھ اپنی برادری کو اس لیے مخاطب کرتا ہوں کہ ہمیں سرسید نے قوم کا گُل سرسبد فرمایا تھا اور ہمارے ساتھ اُن مرحوم کی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ یہ بات تمام ملک میں مشہور ہے کہ علیگڈہ کالج میں نماز کی بڑی پابندی ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ ہمارے بھائیوں کی ایک بڑی تعداد کالج چھوڑتے ہی اسلام کے اس اہم فرض کو خیرباد کہہ دیتی ہے۔ اکثر نماز پڑھتے ہیں لیکن روزہ کی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔ اور بعض تو ماہ مبارک میں کھلے طور پر پان، سگرٹ، سگار وغیرہ استعمال کرتے نظر آتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ کالج سے واقف نہیں اس بات کا یقین کر لیتے ہیں کہ کالج میں مذہبی پابندی نام کو نہیں مخالفین کالج کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ اس جائز شکایت کو دوسرے مسلمانوں کے سامنے پیش فرمائیں۔ چونکہ ان کا کہنا ایک بڑی حد تک صحیح ہوتا ہے اس لیے ہمیں لاجواب ہونا پڑتا ہے۔ بعض لوگ تو ایسے بھی نظر آتے ہیں کہ عید وجمعہ سے بھی کچھ غرض نہیں رکھتے۔ مادر کالج کی تعلیم کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ ہمارے بھائی اس کے آغوش سے جدا ہو کر قوم کے سامنے بُرا نمونہ قایم کریں اور اُن لوگوں کی بدنامی کا باعث ہوں جن کی زبانیں تعریف کرتے کرتے خشک ہو رہی ہیں۔

اس تحریر سے میرا مدعا یہ ہرگز نہیں ہے کہ سبھی اولڈ بوائز تارک صوم وصلوٰۃ ہیں بلکہ میں

چاہتا ہوں کہ ہم میں سے کوئی ایک بھی ایسا باقی نہ رہے جس کے متعلق خدانخواستہ ایسا گمان کیا جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے اس دیرینہ اسلامی فرض کو پورا کر رہا ہوں اور اپنے بھائیوں سے بھی یہی درخواست کرتا ہوں۔

خدا میرے بھائیوں کو میری التجا سننے کی توفیق دے

راقم ایک "اولڈ بوے"

ہم اپنے بھائی کے ممنون ہیں کہ ہماری قایم مقامی فرما کر اس ضروری فرض کی جانب برادری کو توجہ دلائی ہے اور اپنے بھائیوں سے التماس کرتے ہیں کہ اس مضمون کو غور سے ملاحظہ فرما کر روزہ نماز کے عامل ہوں ؎

روز محشر کہ جان گداز بود
اولین پرسش نماز بود

"اولڈ بوائے"

صوبہ متوسط کے بھائیوں میں مسٹر شیخ منیر الدین صاحب نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹی کے امتحان میں اور مسٹر سید احمد صاحب نے انسپکٹری کے امتحان میں کامیابی حاصل کی ہے۔ مبارک ہو۔

خدا کرے اس افواہ کی کوئی اصلیت ہو کہ ہمارے بھائی مسٹر خواجہ لطیف احمد صاحب صوبہ برار کے ہندوستانی اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس مقرر کئے گئے ہیں اور ہم تصدیق پر انہیں مبارکباد دے سکیں۔

الناس باللباس

نومبر کے "اولڈ بوائے" میں مسٹر شروانی صاحب کا مضمون اس عنوان پر خالی از دلچسپی نہیں۔ مینے مختلف موقعوں پر کچھ عرض کیا کہ جوانان قوم اور خاص کر یعقوب صاحب اپنی رائے کا اظہار فرمائیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیند میں ایک دفعہ بولے اور سو رہے۔ شروانی صاحب نے اُن ضرورتوں کو محسوس کیا ہے جو میرے خیال میں ہیں لیکن وہ بھی نہ معلوم کیوں اصل خیالات کے اظہار میں خاموشی اختیار کر گئے۔ لزوماً میں اپنے اظہار خیالات قطعی و واقعی میں اس سے زیادہ تاخیر کرنا نہیں چاہتا۔ میرے بھائی اسے سنیں یا نہ، کاربند ہوں یا نہ، بہرحال کہدینا فرض سمجھتا ہوں ضروریات موجودہ اور حالات قومی مجبور کرتی ہیں۔ ایک قوم کو قوم رہنے اور اپنی ترقی کے زینے سے نہ گرنے کو کم از کم تین چیزوں کی نہایت ضرورت ہے۔(۱) اپنی زبان۔ (۲) اپنا لباس (۳) پابندی اوقات۔ مسلمانان ہند حقیقتاً مستحق نہیں ہیں کہ دوسرے مسلمانان عالم کے ساتھ مسلمان کہلائے جائیں۔ عالم اسلام میں ہمارے ملک کے مسلمانوں کو ہندی مسلمان کہا جاتا ہے اگر یقین نہ آئے تو ممالک اسلامیہ میں جا کر دیکھ لیجئے۔ اس قسم کا رنجدہ تجربہ مجھے بلاد اسلامیہ میں ہو چکا ہے زائروں سے پوچھئے کہ وہاں اُنہیں کیا کہا جاتا ہے۔ عموماً جو زائر ہندوستان سے جاتے ہیں اُن کا لباس ہندوستانی ہوتا ہے وہ لوگ تمیز نہیں کر سکتے کہ ہندو ہے یا مسلمان۔ چند سال ہوئے کہ مجھے ایک کاردار کے یہاں جانیکا اتفاق ہوا تھوڑی دیر بعد دو ہندوستانی وہاں تشریف لائے اور "آداب و تسلیمات" بجا لا کر بیٹھ گئے۔ ایک صاحب عمر رسیدہ اور دوسرے جوان لباس لکھنؤ کے مضافات کا مگر جوان کا لباس ترکی ٹوپی اور اچکن اور تنگ پائجامہ۔ کاردار صاحب نے اُن کی طرف دیکھ کر کہا "فرمائیش" اُنھوں نے اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اُنھوں نے "ما مسلمان ہستیم واز ہندوستان آمدیم و بزیارت میرویم" کہا۔ کاردار صاحب نے بات کاٹ کر کہا "سلام علیکم۔ خوش آمدید، آقا قدم بچشم بردارید" بعد میں کاردا

صاحب نے مجھ سے کہا کہ وہ ہندوستان سے آنے والوں میں سے ہندو مسلمان میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اہل ہند کیوں اپنے لباس میں خست سے کام لیتے ہیں ہندوستانی تنگ لباس ہندو کفایت شعاری کی زندہ مثال ہے۔ اکبر کے زمانہ سے کسی سیاسی لحاظ سے اس کی بنا شروع ہوئی اور آیندہ عیش پسند رنگیلے شاہان مغلیہ نے بالکل اسلامی لباس کی کایا پلٹ کر کے ایک نئی چیز بنا دیا۔ دوسری نومسلم قوموں نے ہند میں اپنے پرانے لباس کو رائج رکھا۔ اور جوں جوں اسلامی سلطنت کی بنیاد کمزور ہوتی گئی لباس کا طرز اسلامیت اور اسلام کے قومی لباس سے دور ہو کر زیادہ تر ہندوستانی ہوتی ہوگئی۔ اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ جو بحث شروع ہوئی ہے وہ غالباً اسلام کے قومی لباس سے ہے نہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے خاص قومی لباس سے

مسلمانان ہند کی زیادہ تعداد اُن نجیب الاصل عرب، عجم، ترکمان اور افغان فاتحوں کی اولاد سے ہے جو کسی زمانہ میں حملہ آور ہوئے اور اسی ملک میں رہ گئے اس وقت لباس میں سادگی متانت، راحت اور وقار تھا۔ اب وہ راحت و وقار رنگیلے اور بھڑکیلے ابریشم اور طلا سے پیدا کرنیکی کوشش کی جاتی ہے۔ حالی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں ؎

پر گلا یہ ہے کہ جو کچھ اپنا ہم لائے تھے ساتھ ۔۔۔ وہ بھی تو نے ہم سے لے کر کر دیا بالکل گدا
آدمیت کے تھے جو ہر جو ہماری ذات میں ۔۔۔ خاک میں آخر دیے اے ہند تو نے سب مٹا

جبتک آپ کا لباس ایک نہ ہوگا آپ ہم خیال نہونگے۔ اچھا اگر آپ لباس کے واسطے کوشش نہیں کرتے نہ سہی۔ تھوڑے انتظار کے بعد آپ سب ہم خیال ہوجائینگے اور آپ کی ضروریات اور حالات خاص قسم کے ہوجائینگے تو لباس بھی ایک ہوجائیگا۔ لیکن اس کو سو برس چاہئیے۔ بہتر یہی ہے کہ لباس ایک کرلو کہ جلدی ہم خیال ہوجاؤ۔ آپ کو افراد قوم بننے کا اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ قومیت کا حق اس وقت حاصل ہوگا جب آپ اُن کا مروج لباس اختیار کرلینگے۔

میرے خیال میں سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اگر آپ عرب ہیں یا عجم، ترکمان ہیں یا افغان اپنے بزرگوں کا اور اپنے ہم قوموں کا لباس اختیار کریں۔ اپنی اپنی پرانی زبانوں کے سیکھنے

کی بھی کوشش کریں۔ اگر آپ اس پر کاربند ہونے کو آمادہ ہیں تو عرض کرونگا کہ ان ممالک میں لباس کے دو طبقہ ہیں۔ دولتی و ملکی۔ دولتی لباس تو ترکی ٹوپی یا ایرانی سیاہ کشتی نما استرخانی ٹوپی یا افغانی گول استرخانی ٹوپی کے فرق کے ساتھ عموماً ڈھیلی پتلون اور فراک کوٹ پہنا جاتا ہے۔ ملکی لباس ہر ملک کا کچھ کچھ جدا ہے اگر لباس ایک ہونے کی نسبت مسٹر یعقوب یہ تحریک کرتے کہ وہ اسباب پیدا کئے جائیں کہ ہم اپنے پرانے طرز بزرگان کو پیدا کریں تو بہتر ہوتا۔

میں پہلے کسی مضمون میں عرض کر چکا ہوں کہ اعلیٰ طبقہ کے لیے ترکی، ایرانی، یا افغانی ٹوپی کے ساتھ فراک کوٹ اور پتلون سے بہتر باہر کی زندگی کے لیے کوئی لباس نہیں۔ گھر میں اپنا ملکی لباس پہنو۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اپنے آبا و اجداد کی زبانوں اور عادات و خصائل کو پھر سیکھئے اور پابند کان خانہ رہئے۔ ذرا کبھی جائیے اور ان کے ملک کو بھی دیکھ آئیے۔ آپ کو ایک نئی دنیا معلوم ہوگی اور آپ میں ترقی اور قومیت کا مادہ پیدا ہو جائیگا۔

شنیدیم خاک رہست گر بدر دما نرسی
چنان رویم کہ دیگر بگرد ما نرسی

راقم۔ گیشنر

مادر کالج کا فرزند اوّلین

حصہ سوم

بذریعہ چٹھی مورخہ ۱۰ جنوری ۱۸۹۵ء مدار المہام وقت نے حمید اللہ خاں کے لیے ہائیکورٹ کی ججی کی خدمت بمشاہرہ دو ہزار تجویز کی جس کی منظوری بارگاہ خسروی سے یکم رمضان ۱۳۱۲ھ ۲۷ فروری ۱۸۹۵ء ۲۵ فروری ۱۳۰۴ف کو شرف صدور لائے۔ جسکو اُنہوں نے شکریہ کیساتھ منظور کیا۔ اور بذریعہ تار برقی مورخہ یکم مارچ ۱۸۹۵ء سرکار عالی کی جانب سے حمید اللہ خان کو اطلاع دیگئی کہ آپ کا تقرر بارگاہ خسروی سے شرف منظوری حاصل کرچکا ہے اسیلئے آپ یہاں آکر اپنی خدمت کا جائزہ لے لیجیے۔ چنانچہ یکم اُردی بہشت ۱۳۰۴ف سے وہ سرکار عالی کے سلسلہ ملازمت میں یہ شریک ہو گئے۔ اور ۲۸ رہر ۱۳۱۳ف ۱۸ رجب ۱۳۲۲ھ ستمبر ۱۹۰۴ء تک رکنیت مجلس عالیہ عدالت کا کام تقریباً دس سال تک لیاقت و دیانت سے انجام دیا۔ آپکے اُس زمانہ کے فیصلہ کتب نظائر میں موجود ہیں اور جو تنقیحات بحیثیت رکن عدالت العالیہ عدالت ہائے ماتحت اور مجالس کی کیں اُن کے حالات رپورٹ ہائے متعلقہ میں شرح و بسط کے ساتھ مندرج ہیں۔ آپ ہمیشہ پارٹی فیلنگس کے اثر سے علٰحدہ رہے اور کبھی عدل و انصاف کے قواعد کی پابندی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ چونکہ یہ خود بیرسٹر رہ چکے تھے اس لیے ان کو وکلا کی دشواریوں اور ذمہ داریوں کا احساس بدرجہ اتم تھا۔ جو وکلا ان کے اجلاس پر بحث کے لیے آتے تھے اُنکو بسہولت تمام بحث کرنے کا موقع دیتے تھے۔ اور یہ ہمیشہ اس امر کا خیال رکھتے تھے کہ کام بقایا میں نہ رہنے پائے چنانچہ ایک سال جب صیغہ ابتدائی کا کام اُنسے متعلق تھا سال کے آخر روز فوجداری کا ایک مقدمہ بھی بقایا میں اُنہوں نے نہیں چھوڑا تھا۔

مجلس عالیہ عدالت کی رکن کی حیثیت سے اُنہوں نے جسقدر مقدمات کا فیصلہ کیا اُنکا

سب کا ذکر خالی از طوالت نہ ہوگا اس لیے ہم صرف اُن اعلیٰ طبقہ کے مقدمات کا ذکر کرتے ہیں جو اعلیٰ ترین محکمہ جوڈیشنل کمیٹی تک گئے تھے۔

بحالت رکن ابتدائی اُنھوں نے ۲۳ فیصلے ایسے کئے تھے جو بالآخر درجہ بدرجہ جوڈیشنل کمیٹی تک گئے منجلہ اُن کے کمیٹی موصوف سے تین کا مرافع سماعت کرکے فیصلے صادر کئے گئے ۲۰ کی درخواستہائے اپیل یا نگرانی نامنظور ہوئیں۔ ۳ عدم پیروی میں خارج ہوئے۔ ایک مدعی نے چلانے سے انکار کردیا۔ اور تین فی الحال نمبر پر ہیں جن کا سنہ ۱۳۲۲ف تک فیصلہ نہیں ہوا ہے

بحیثیت رکن جلسہ متفقہ و جلسہ کامل صاحب موصوف نے نو ایسے فیصلے کئے تھے جو درجہ بدرجہ جوڈیشیل کمیٹی تک گئے۔ ان میں سے پانچ جلسہ کامل میں بحال رہے دو ترمیماً منظور ہوئے اور دو نامنظور جوڈیشیل کمیٹی میں چھ کی درخواست نامنظور ہوئی اور تین عدم پیروی میں خارج ہوئے۔

بحیثیت صرف رکن اجلاس کامل صاحب موصوف نے سینتالیس فیصلے ایسے کئے جن کا مرافعہ جوڈیشیل کمیٹی میں ہوا۔ ان میں سے، مقدمات کا تصفیہ جوڈیشیل کمیٹی میں ہوا۔ ۴۰ کی درخواستیں نامنظور ہوئیں۔ ۴ عدم پیروی میں خارج ہوئے اور تین ابھی نمبر پر ہیں فیصلہ صادر نہیں ہوا۔ جن کا تصفیہ ہوا وہ سب فیصلات صاحب موصوف کی بحال رہے۔ ایک مقدمہ میں اُنکی رائے کے خلاف بغلبہ آرا اجلاس کامل سے فیصلہ صادر ہوا تھا وہ فیصلہ اجلاس کامل جوڈیشنل کمیٹی سے منسوخ ہوا۔ اور صاحب موصوف کا فیصلہ منظور کیا گیا۔

جہاں تک ہمکو معلوم ہوا ہے صاحب موصوف نے سنہ ۱۳۳۱ف جوڈیشیل کمیٹی میں نو فیصلے تحریر کئے اور سب کے سب بغلبہ آرا بعد منظوری صادر ہوئے۔

اس سے زیادہ تفصیل کسی قسم کے مقدمات کی دفتر جوڈیشیل کمیٹی سے نہیں ملسکی لیکن اعداد متذکرہ صدر سے ظاہر ہے کہ یہ ایک اعلیٰ درجہ کا نتیجہ ہے۔

اوائل ستمبر سنہ ۱۹۱۴ء میں حضرت اقدس و اعلیٰ حضور نظام خلد اللہ ملکہ نے ریاست کی معتمدی عدالت و کوتوالی و امور عامہ کی اعلیٰ ذمہ داری کی خدمت کے لیے جس سے ریاست کے متعدد سررشتے متعلق ہیں اپنی بالغ نظری سے ان کا انتخاب فرمایا۔ اور اس انتخاب کو عام طور پر نظر استحسان سے دیکھا گیا۔ اگرچہ بعض خودغرض اشخاص کو ناگوار ہوا۔

اس موقع پر حیدرآباد کے نامی گرامی شاعروں نے بہت سے اشعار اور قصائد موزوں کئے تھے منجملہ اُن کے چند اشعار لکھے جاتے ہیں:۔ ؎

یعنی قصیدہ مدح میں اُس شخص کے لکھوں — ہے سربلند جنگ زمانہ میں جن کا نام
مشہور ہے جو ہوم سکرٹری میان دہر — نور زمین فروغ زماں مرجع انام
نام خدا کریم ہے منصف مزاج ہے — ہے آج اُس پہ علم و لیاقت کا اختتام
حضرت نے جب سے اور بڑھایا ہے مرتبہ — مثل ہلال خم ہے سراسر مہ تمام
ہے گفتگو سے نرم ہر ایک خاص و عام سے — کرتے نہیں کسی سے بہ سختی کبھی کلام
تعمیل حکم شاہ میں ہوتی نہیں ہے دیر — ممکن نہیں کہ آج کا رہ جائے کل پہ کام
ہر ایک کی زبان پہ رہتا ہے ذکر خیر — ہر ایک شخص خوش ہے یہ ہے حسن انتظام

اس عہدۂ جلیل کے لائق تھا ایسا شخص
اکثر کی تو زبان پہ جاری تھا یہ کلام

ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

پر کیا ہی انتخاب کیا ہے حضور نے
جیسا خطاب ویسا ہی اعلیٰ دیا ہے کام

ایک اور لکھتا ہے ؎

ہے شاہ بے مثال سکتر ہے لاجواب
مخدوم جیسا ویسا ہی خادم ہے لاکلام

ایک دوسرے شاعر نے صنعت توشیح میں قصیدہ کہا ہے جس میں سے اگر ہر شعر کا حرف اول لیا جاوے تو "عالی جناب افضل العلما، نواب سربلند جنگ مولوی حمید اللہ خان بہادر دام اقبالہٗ" بن جاتا ہے اُس کے دو اشعار ہم نقل کرتے ہیں :۔

دہر میں جسکی عدالت سے ہیں خائف ظالم — عہد میں جسکے ہم رہتے ہیں شاہین و غراب
دو۔ میں آپکے انصاف نے پایا ہے فروغ — فتنہ و ظلم و شرارت ہیں گرفتِ رعذاب

معتمدی عدالت و کوتوالی و امور عامہ کی کرسی پر اجلاس کرنیکے ساتھ اس معتمدی کے تحت کے تمام سررشتوں میں اُنھوں نے قابل قدر اصلاحیں کیں جسوقت آپ نے معتمدی کا چارج لیا تھا بہت سے مقدمات ملتوی پڑے تھے اور تحتانی سررشتوں کی کئی کئی سال کی سالانہ رپورٹیں الماریوں میں رکھی ہوئی ریویو کا انتظار کر رہی تھیں۔ آپ تھوڑے ہی عرصہ میں مقدمات ملتویہ کے تصفیہ اور رپورٹوں کے ریویو سے فارغ ہو گئے۔

سررشتہ عدالت و کوتوالی اور امور عامہ کی معتمدی کے ساتھ ساتھ آپکو کیبنٹ کونسل اور مجلس وضع قوانین کی معتمدیوں کے فرائض بھی انجام دینے پڑے۔ اور کیبنٹ کونسل کے معتمد کی حیثیت سے آپکو تمام سررشتوں کے وزراء یعنی مدار المہام اور معین المہاموں کے تحت میں کام کرنیکا اتفاق ہوا۔

آپنے اپنی کارگزاری سے سب کو مطمئن اور خوش رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔ اور کسی سررشتہ کے معین المہام کو موقع شکایت نہیں دیا۔

مجلس وضع قوانین کے معتمد کی حیثیت سے آپ نے مندرجہ ذیل مسودات قانون پیش کئے

(۱) مسودہ قانون ترمیم دستور العمل مجالس عالیہ عدالت
(۲) " " قانون اسٹامپ
(۳) " " ضابطہ مجلس وضع قوانین
(۴) " " انتزاع ہراج اسپان سلحداری

(۵) مسودہ قانون اوزان و پیمانہ جات

(۶) " نفاذ قواعد شکار

(۷) " پٹرولیم

(۸) " ترمیم قانون وکلا

(۹) " " " شہادت

اور آپ کے زمانۂ معتمدی سے حسب ذیل قوانین مکمل ہو کر نافذ ہوئے:-

(۱) قانون عطائے اقتدارات طلبی گواہان نشان ۱ بابتہ سنہ ۱۳۱۴ ف

(۲) " معاہدہ سرکار عالی " " " ۲ "

(۳) " تحقیقات بداعمالی عہدہ داران سرکار " ۳ "

(۴) " حفاظت نظماء و ملازمان " ۴ "

(۵) " ترمیم دستور العمل مجلس عالیہ عدالت " ۵ "

(۶) " " قانون اسٹامپ " ۶ "

(۷) " " ضابطہ مجلس وضع قوانین ممالک محروسہ سرکار عالی نشان ۱ بابتہ سنہ ۱۳۱۵ ف

(۸) " " قواعد محاصل صفائی " " " " ۲ "

(۹) " آبکاری ممالک محروسہ سرکار عالی " " " " ۱ بابتہ سنہ ۱۳۱۶ ف

(۱۰) " تحویل ملزمین " " " " ۲ "

مجلس وضع قوانین کے جس اجلاس میں قانون ترمیم دستور العمل مجلس عالیہ عدالت پاس ہوا تھا اُس میں مجلس موصوف کے معزز صدر نشین بہادر نے اس قانون اور نواب سربلند جنگ بہادر کی نسبت حسب ذیل رائے کا اظہار فرمایا تھا:-

"مجھے بہت خوشی ہوئی کہ ایک ایسا مسئلہ جو عرصہ سے تصفیہ طلب تھا اور جس سے سرکار اور رعایا دونوں کو تکلیف تھی نواب سربلند جنگ بہادر نے ایسی قابلیت سے آسانی کے ساتھ

طے کر دیا انہوں نے معتمدی مجلس وضع قوانین کا جائزہ لینے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ایسے اہم مسئلہ کے تصفیہ کی طرف توجہ کی اور اس مسودہ کے پاس ہو جانے سے مجلس کا کام بہت سہولت سے انجام پائیگا۔ رعایا کو بھی ایک ہی معاملہ کے تصفیہ کے لیے دو مرتبہ رجوع نہ ہونا پڑیگا اور سرکار کو بھی عدالتی معاملات میں دست اندازی کی ضرورت نہ ہوگی۔ میں اس موقع پر سربلند جنگ کی نسبت اظہار خوشنودی مناسب اور ضروری سمجھتا ہوں۔ فی الحقیقت اُن کی قانونی لیاقت بہت ہی قابل قدر ہے"

(ملاحظہ ہو جریدہ اعلامیہ سرکار عالی مورخہ ۷ اسفندار ۱۳۱۵ف جزو ثالث صفحہ ۲)

واضح رہے کہ نواب سربلند جنگ بہادر کو معتمدی عدالت و کوتوالی کے فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ کیبنٹ کونسل اور مجلس وضع قوانین کی معتمدی کے علاوہ مشیر قانونی مجلس مشاورۃ تعلیمات اور کمیٹی کتب خانہ آصفیہ وغیرہ کی رکنیت کے فرائض بھی انجام دینے پڑتے تھے۔ اور آپ دوسری کمیشنوں اور جوڈیشل کمیٹی اور ہائی کورٹ کے جلسہ کامل میں بھی شریک ہوتے رہتے تھے۔

دسمبر ۱۹۰۴ء میں آپ مدارالمہام بہادر کی ہمراہی میں نظام آباد کے دورہ کو تشریف لیگئے اور وہاں کی عدالتوں اور محبس و شفاخانہ جات و دفاتر پولیس و رجسٹریشن و مساجد وغیرہ کی تنقیح فرمائی اور پھر ۱۹۰۵ء میں بہ ہمراہی مدارالمہام بہادر اورنگ آباد کے دورہ کو تشریف لیگئے اور اس دورہ میں آپنے اورنگ آباد کی عدالتوں اور محبس و دفاتر پولیس و رجسٹریشن و شفاخانجات اور دیگر دفاتر متعلقہ کا معائنہ کیا۔ لیکن بوجہ انتقال پُر ملال نواب ظفر جنگ بہادر دورہ بے لطف ہوگیا اور مدارالمہام بہادر نے دورہ کو جلد ختم فرمایا۔ سربلند جنگ بہادر بھی چند روز کے اجازت اتفاقی حاصل کرکے اپنے والد ماجد سے ملنے علیگڈھ چلے گئے لیکن وہاں سے برابر کام کرتے رہے۔

نواب سربلند جنگ بہادر نے اپنے فرائض کو اس خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ کسی کو واجب

شکایت کا موقع نہیں ملسکا۔ معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ کی حیثیت سے آپ نے بہت سے
ضروری اور مفید رزولیوشن نافذ فرمائے جس سے معتمدی مذکور کے متعلقہ سررشتوں کے
کاروبار اور انتظام میں بڑی حد تک اصلاحیں اور سہولتیں ظہور میں آئیں اور جن پر ابتک برابر
عملدرآمد ہو رہا ہے۔ آپ ہی کے عہد معتمدی میں سررشتہ کوتوالی کی تنظیم جدید عمل میں آئی اور
سرکار عالی کے تمام مجالس کی نگرانی انسپکٹر جنرل پولیس سے متعلق کی گئی اور کئی بڑے بڑے
صدر مجالس تیار ہوئے اور اُن میں کارخانوں کو فروغ دیا گیا۔ اور ایک تجربہ کار ناظم بیٹہ خانجات
کے تقرر سے سررشتہ بیٹہ کے انتظام میں اصلاح کی گئی۔ اور بیمہ کا قاعدہ بیٹہ خانہ کیلئے تجویز ہوا
سررشتہ طبابت و تعلیمات میں بڑی حد تک اصلاحیں کی گئیں۔ یونانی طبیبوں کیلئے ایک دستورالعمل
تیار ہوا۔ ایک کمیٹی اُن کی نگرانی کیلئے مقرر ہوئی۔ امتحان طبابت کے قواعد مرتب ہوئے نیز
زنانہ اسکول جو ہندوستان بھر میں اپنی نظیر نہیں رکھتا کھولنا قرار پایا اور تعلیم کی ترغیب دینے کے لیے
سر بلند جنگ بہادر نے اپنی لڑکیوں کو اُس میں داخل کیا جس کے دیکھنے سے اور لوگوں کو بھی شوق
ہوا۔ مدارس اور شفاخانوں کے مدارج قایم کئے گئے اور اُنکے مکانات کے اسٹینڈرڈ پلینز پاس
کئے گئے۔ یونیورسٹی کمیشن مدراس سے نظام کالج کو دیکھنے آیا اور کالج کی ترقی کی تدابیر کی گئیں
پروفیسروں کی ماہوارات اور تعداد بڑہادی گئی۔

آپ ہی کے زمانہ معتمدی میں ۹ رفروری سنہ ۱۹۰۶ع کو ملکہ معظمہ قیصرہ ہند آنجہانی کی یادگار
میں ایک عظیم الشان زنانہ ہسپتال کا سنگ بنیاد پرنسس آف ویلز (حال ملکہ معظمہ) کے دست
مبارک سے شہر حیدرآباد میں نصب ہوا۔ اور اُس کی تکمیل بھی آپ ہی کے عہد معتمدی میں ہوئی
آپنے معتمدی عدالت و کوتوالی کے زمانہ میں انسداد طاعون کے انتظام میں پوری کوشش
فرمائی چنانچہ خدا کے فضل سے آپکی کوششیں مقبول ہوئیں اور آپ کے زمانہ معتمدی میں پایہ تخت
حیدرآباد اُس کی زد سے محفوظ و مصئون رہا۔

اکثر سررشتہ جات متعلقہ کی سالانہ رپورٹیں جو ریویو کے انتظار میں رکھی ہوئی تھیں

تھیں اُن پر آپنے نہایت مستعدی کے ساتھ ریویو لکھ کر اُن کو مکمل کیا۔ اور بہت سے رزولیوشن جاری کئے

اسی سال آپکو یہ فخر بھی حاصل ہوا کہ حضرت اقدس و اعلیٰ حضور پر نور بندگانعالی خلد اللہ ملکہ کی چہل سالہ سالگرہ مبارک کے جشن کی انتظامی کمیٹی کے رکن بنائے گئے جس کے فرائض آپنے بہ طریق احسن انجام دیئے اور آپ کو اس جشن مبارک کے تمام مراسم اور درباروں میں شریک ہونیکی عزت حاصل ہوئی۔ اور ۲۲ ر دسمبر ۱۹۰۵ء کو جو بڑا دربار باغ عامہ کے ایڈریس ہال میں حضرت اقدس اعلیٰ نے رعایا کا ایڈریس قبول فرمانے کی غرض سے منعقد فرمایا تھا اُس میں اُنہوں نے بحیثیت رکن کمیٹی انتظام جشن موصوف بارگاہ خسروی میں پیش ہو کر نذر گزراننے کا شرف حاصل کیا تھا۔ یہ جشن ایسے اعلیٰ پیمانہ پر منایا گیا تھا کہ اس سے پہلے حیدرآباد میں نہیں منایا گیا ہو گا۔

۸ فروری ۱۹۰۶ء کو صاحب عالم و عالیان شہزادہ ویلز اور جنابہ شہزادی ویلز صاحبہ (حال ملک معظم و ملکہ معظمہ) کے قدوم میمنت لزوم سے حیدرآباد کو مشرف ہونیکا فخر حاصل ہوا۔ اور اس عظیم الشان موقع کے متعلق انتظام کوتوالی و نیز معتمدی عدالت و کوتوالی کے دیگر ماتحت سررشتوں کا انتظام و اہتمام مکمل اور قابل اطمینان رہا۔ اور بیادگار ملکہ معظمہ قیصرہ ہند آنجہانی زنانہ ہسپتال کا سنگ بنیاد ۹ ر فروری ۱۹۰۶ء کو رکھا گیا۔

بحیثیت معتمد امور مذہبی آپکو خیرات اور حجاج کی روانگی کا انتظام بھی کرنا پڑتا تھا آپ نے ایسا عمدہ انتظام رقم مقررہ میں کیا کہ سابقہ سالوں سے قریب و چند کے ٹکٹ حجاج کو تقسیم ہوئے اس کا حال اُس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے جو ۱۹۰۶ء میں مرتب کیگئی تھی۔ اوقاف و مساجد اور دیگر امور دینی میں بھی سربلند جنگ بہادر کو نہایت درجہ دلچسپی تھی عیدگاہ کا بڑا شامیانہ اس زمانہ میں تیار ہو کر آیا جس سے عیدین کے نمازیوں کو بڑا آرام ملتا ہے۔ باباشرف الدین اولیاء کے عرس کی تعطیل اسی زمانہ میں منظور ہوئی اور شراب کی بھٹی جو باباصاحب کی پہاڑی کی قریب تھی اس زمانہ میں ہا سے اُٹھوادی گئی۔ مسجد چوک و مسجد میاں مشک کی مرمت اور انتظام کا بندوبست کیا گیا اکثر مساجد

میں ختم قرآن شریف و بخاری شریف وغیرہ وغیرہ کی گئی مسجدوں کے خطیبوں کو خلعت اور غربا و مساکین کو امداد دی گئی۔ خیرات ویرات کی رقم کا عمدہ انتظام کیا گیا۔

معتمدی عدالت و کوتوالی کے فرایض کی انجام دہی میں یہ دو باتیں ہمیشہ آپ کے نصب العین رہیں کہ جو کام کیا جائے اُس میں کسی قسم کی خامی یا نقص نہ رہنے پائے اور معاملات کے تصفیہ میں غیر ضروری تعویق اور درنگ نہ ہونے پائے۔

آپ کے عہد معتمدی کی بہت سی قابل قدر اصلاحوں کے منجملہ یہ عدالتی اصلاح ہمیشہ یاد رہیگی کہ امرائے پائیگاہ کی عدالتوں پر مجلس عالیہ عدالت کی نگرانی قایم کی گئی اور اس طرح رعایائے علاقہ جات پائیگاہ کو بہ نسبت سابق کے دادرسی کا زیادہ موقع دیا گیا۔ جاگیرداروں کو جو عدالتی اختیارات عطا کئے جانیکا طریقہ ایک عرصہ سے پڑا ہوا تھا اُس میں روک تھام کرکے آپ نے رعایائے جاگیرات کو جاگیرداروں کے من مانے فیصلوں کے نتایج بھگتنے سے نجات دلائی۔ اس کے علاوہ جاگیرات کو سرکار عالی کے اسٹامپ و کورٹ فیس استعمال کرنیکیلیے جو دیے جاتے تھے اُن کا اور جاگیرات کے اخراجات عدالت کے متعلق آپکے زمانہ معتمدی میں انتظام شروع ہوا۔

جب مولوی میر افضل حسین صاحب کی آخری علالت کے وقت ۱۹۰۶ء میں مجلس عالیہ عدالت کی میر مجلسی کے تقرر کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت اقدس و اعلی نے اُس جلیل القدر اور ذمہ داری کے عہدہ کیلئے بلحاظ اُن کی قانون دانی اور تجربہ کاری اور عام لیاقت کے سربلند جنگ بہادر کو منتخب فرمایا جسکو یہ تقریباً پانچ سال سے قابل اطمینان طور پر انجام دیرہے ہیں۔ چنانچہ محکمہ سرکار سے سررشتہ عدالت کی سالانہ رپورٹوں پر جو رزولیوشن پاس ہوتے ہیں اُن میں سرکار کی جانب سے انکی نسبت اظہار خوشنودی ہوتا رہتا ہے اس کے ثبوت میں منجملہ دیگر رزولیوشنوں کے رزولیوشن محکمہ سرکار صیغہ عدالت مورخہ ۲۰ امرداد ۱۳۱۸ف سے ذیل کا اقتباس ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

× × × × × × × × × × × × "آخر میں سرکار نواب سربلند جنگ بہادر منصرم میر مجلس عالیہ عدالت و جملہ ارکان مجلس عالیہ عدالت اور نیز دیگر عہدہ داران

عدالت کی کارگزاری پر جنہوں نے محنت ولیاقت کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو انجام دیا اظہار خوشنودی فرماتے ہیں،، فقط

(زمانۂ میر مجلسی کا مفصّل حال ہم آیندہ ہدیۂ ناظرین کرینگے)

مملکت ہند کا دار السلطنت دہلی میں منتقل ہونے سے سب کو خوشی ہے اور ہماری خوشی میں اس بات نے اور اضافہ کر دیا ہے کہ کامریڈ کا دفتر بھی وہیں منتقل ہوگا۔ یقیناً ہمارے ناظرین کو اس کے سننے سے مسرت ہوگی کہ دہلی میں کامریڈ کا اپنا پریس ہوگا۔ اور اسی دفتر سے ایک روزانہ اردو اخبار بھی جاری کیا جائیگا۔ اس اخبار کے چلانے والے زیادہ تر بلکہ تمام تر مادر کالج کے "پڑھے ہندڑے"، ہونگے جنہیں علیگڈھ کا نورتن کہنا چاہئے۔ اور جو دنیا میں کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ پریس کے لیے ولایت کو فرمائش جا چکی ہے۔

ہماری عزیز القدر مسٹر رفیع القدر خان صاحب کا تبادلہ بنارس سے اناؤ کو ہوا ہے اور ہمارے برادر مکرم مسٹر عبدالحمید خاں صاحب بلیا کو منتقل کئے گئے ہیں۔ بنارس کے اولڈ بوائز اور عوام کو دونوں کے تبادلہ کا افسوس ہے لیکن ہم خود پابر کاب بیٹھے ہیں تو ہمارا افسوس فضول ہے۔

ہمارے بھائی مسٹر محبوب علیخاں صاحب نے اپنے فرزند کے انتقال کے بعد ایک مطول رخصت لی تھی اب وہ تھانہ گریڈیہ ضلع ہزاری باغ کے افسر پولیس مقرر ہوئے ہیں۔

سیاحت اور کالج کا بھیس

ایک تو سونُھر، دوسرا میں نیم تُر، تیسرا ٹھیٹھ راجگھاٹ، چلے کاسۂ گدائی لے کر۔ ملتان، مظفر گڈھ
وغیرہ ہوتے ہوئے دو بجے شب کے ڈیرہ اسٹیشن پر یہ بنے ہوئے فقیر پہونچے تو گرمی سے بُرا
حال تھا۔ اس وقت ڈیرہ اسمٰعیل خان تو جا نہیں سکتے تھے، کیونکہ دریائے انڈس تک پہونچنے کی مسافت
میلوں تھی۔ موسم برسات میں انڈس کا پاٹ چودہ میل بتایا جاتا ہے، اسلئے سکرٹری نے خاص دماغ
سے ایک بات اُتاری۔ اس ریتیلے سن سان مقام پر لہجہ توڑ کر اور ضرورت سے زیادہ کھینچکر بڑی
آواز سے ڈانٹ بتائی تو بیچارہ اسٹیشن ماسٹر سٹپٹاتا ہوا لمبے لمبے قدم رکھکر حاضر ہوا۔ اور ایک بلند قامت
صاحب اور دو سیاہ پوش صورتوں کو دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گیا۔ سوال یہ تھا کہ فرسٹ کلاس ویٹنگ روم
کہاں ہے؟ اس برجستہ سوال پر ٹوٹے پھوٹے بے ترتیب انگریزی الفاظ اُس کی زبان سے نکلے
اُنسے یہ مطلب سمجھ میں آسکا کہ اوّل درجہ کا ویٹنگ روم وہاں نہیں تھا مگر دوسرے درجہ کا تھا۔ اور
دور ہی سے اپنی جان بچانے کی غرض سے دو قلیوں کو مقرر کر کے غایب ہوگیا۔ وہ بیچارے دستی
پنکھوں سے کسی قدر آرام دیتے رہے۔ صبح ہوتے ہی تانگہ بھی آسانی سے ملگیا۔ ہم تڑنگ سکرٹری
صاحب کے رعب میں آ کر ہیں تو ہاتھ بھی بٹا لیتا اگرچہ مقابلۃً مجکو زمین دور ہونے کا افتخار حاصل تھا
اور کالج میں نو وارد بھی تھا، مگر ہمارے دوسرے شریک سفر تو باوجود اپنی قدامت قیام کے، بجائے
اُس بیچارہ کی ٹیپ ٹاپ اضافہ کرنیکے ہر موقع پر ایک حصہ گھٹا ہی دیا کرتے۔ ہمارے دوست ازل
ہی سے عہد کر آئے تھے کہ بالوں کو صاف نہ رکھینگے، چہرہ پر مجبوراً کبھی کبھی دو چھینٹے ڈال لیا کرتے
لیکن جب ڈیرہ اسمٰعیل خان میں سکرٹری نے ایک طول طویل التجا پیش کی تو بڑی خوشی سے
منظور کرلیا۔ التجا یہ تھی کہ آپ جرابوں کو زیر پا فرما کر وفد کو زیر بار احسان فرمائے۔ مگر تعمیل کے بعد ہی
سکرٹری پر بن آئی۔ وجہ۔ بھی سن لیجئے۔ ہمارے مخدوم کے ولسیی موزے بڑے اڑیل تھے

بہت سا وقت صرف ہوتا تب کہیں وہ اپنی جگہ سے ہلتے۔ علمی مذاق زیادہ تھا، مذہبی چھیڑ چھاڑ کی عادت تھی، مگر یوں صرف اللہ کا نام تھا۔ ڈیرہ وال پنجابی ہی عام فہم نہ تھے اسلئے ہمارے بھائی اُنہیں اکثر عاری رہا کرتے تھے۔ ہمارے بینار الدولہ صاحب تو ماشاء اللہ ہمیشہ کے فصاحت زدہ تھے اور میں تو پہلے سرے کا بکّی تھا جب کبھی کسی بڑے نواب صاحب کے یہاں ڈیرہ میں ہم سب دعوتیں کرتے اور وہ نہایت سادگی سے، نہایت سچائی سے اور نہایت شستہ زبانی سے "دلہ خوش، پدر خوش، مدر خوش اور ایسے ہی بہت سے کلمات" فرماتے اور کبھی کبھی ان کا اعادہ بھی شروع ہوتا تو میں بے تکلفی قبل تبسم زیرلب ہی پر اکتفا کیا کرتا۔ مگر بعد کو ہنسی کے مارے پیٹ میں بل پڑ پڑ جاتے ڈیرہ اسمٰعیل خان میں رہتے رہتے دو ہفتے گذر گئے مگر جب واپس ہوئے تو کامیاب واپس ہوئے وہاں کی بہت سی باتیں تو سمجھ میں نہیں آئیں، بہت سی سیکھ لیں، بہت سی بھول گیا مگر ایک لفظ ایسا ہے جو کبھی حافظہ سے نہ اُترے گا۔ وہ یہ کہ اگر آپ بکّی ہیں تو "تگڑے" ہیں، اگر آپ امیر ہیں تو "تگڑے" ہیں۔ اگر آپ خوبصورت ہیں تو "تگڑے" ہیں۔ اگر آپ تیز چلنے والے ہیں تو "تگڑے" ہیں، اگر آپ مضبوط ہیں تو "تگڑے" ہیں غرضکہ آپکو جس قدر خوبیوں کا اظہار منظور ہو اسی کا تلفظ فرمائے، کیا مجال کہ آپ کا مفہوم داخل سلسلہ نہ ہو۔ شاید ہی ایسا جامع و مانع کوئی لفظ کسی دوسری زبان سے مہیا کرکے آپ اظہار مطالب کثیرہ فرما سکیں۔

ڈیرہ کے "رمضان علی دوست" اور دوسرے ماسٹر صاحب جو ہمارے پروفیسر ظریف صاحب کے لنگوٹیا یار تھے اب تک یاد ہیں، جہانگیر خان کا فصیح جملہ اب تک نوک زبان ہے "دو بھی دسیوں تو دے بھی وسیون،، (وہاں دے بھی دونگا اور تب بھی دونگا) خاندان قاضی نے تو خوب مجرب کھلا کھلا کر ہم سب کو مرہون منت کر لیا تھا۔ سب سے زیادہ غضب کی بات یہ ہوئی کہ ہمارے بلندی پناہ سکرٹری صاحب نے

غم ہمکو دیا سب میں جو مشکل نظر آیا

یعنی تقسیم وفد فرما کر آپ تو میاں والے سدھارے اور ہم دونوں کیلئے بنوں اور کوہاٹ چلے

جانیکے لیے سفینہ کاٹ دیا، جہاں دن دہاڑے خون کے چھاپے پڑتے ہیں۔ ہنوں میں فقیر صاحب تحصیلدار صاحب خانصاحب، میر عالم خانصاحب کی دستگیری نے تو بالکل رحمت کا کام دیا۔ اُدھر کامیابی بھی خاصی رہی۔ چار پانچ روز کے قیام میں اکثر لوگوں نے نورسے لڑکے ٹوہ لگائیں کہ یہ لندن ٹوپی والے نماز بھی پڑھتے ہیں یا لمبی لمبی باتیں بناتے ہیں۔

اب ہمارے دوست کہیں وکالت کرتے ہیں اور سوٹ پہنا پر رعب سکرٹری نے تو وہ لمبی پھلانگ ماری کہ سات سمندر پار کیمبرج کو زینت دیرہے ہیں۔ اور میں

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادہر کا ہوا نہ اُدہر کا ہوا

اسی پھیر میں سرگردان رہ گیا۔ قصہ بہت صاف ہے مگر سوچنے والوں کا میدان بھی صاف ہے

مؤلف۔ س، ۲، ج، م، و،

اولڈ بوائز

ہمارے بھائیوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مرحوم سرسید نے قومی اصلاح کی تدبیر بنارس میں بیٹھکر فرمائیں مگر عمل درآمد علیگڈھ میں ہوا۔ اسی مناسبت سے ہمارا رسالہ بھی اگر گنگا جی کے اس ساحل سے جاری ہوا تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ بہت عرصہ تک ہم کاشی باشی نہ رہ سکیں اور ہمیشہ کے لیے اس مقام کو خیرباد کہیں۔ ہم کہاں جائینگے؟ یہ ایک فیصلہ طلب بات ہے مگر اب شش ماہی کے اندر ہمارا یہاں سے کوچ ضروری ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود ہم اپنے ناظرین کو ایک یہ خوش خبری بھی سناتے ہیں کہ اپنے آیندہ مستقر پہ پہونچ کر ہم اس سے زیادہ پابند وقت اور اپنے بھائیوں کی زیادہ خدمت کے قابل ہوسکیں گے۔

باشندگان بھپوند کو ہمارے بھائی مسٹر عبدالحکیم خاں صاحب کے تبادلہ کا اور سکان دیبا پور کو انکی مسٹر عطا حسین صاحب کے تبادلہ کا افسوس ہے مسٹر حکیم ضلع اٹاوہ کے تھانہ مہائل کے افسر پولیس مقرر ہوئے ہیں اور مسٹر عطا تھانہ بھرتنہ کے۔

ہمیں نہایت مسرت کیساتھ یہ خبر درج کرنے کا موقع ملا ہے کہ ہمارے بھائی مولوی شمس الحسن صاحب منصف شکوہ آباد ضلع مین پوری کے یہاں فرزند نرینہ تولد ہوا ہے اور ہمارے منھ بولے بھائی مسٹر مسعود (ٹامی) کو بھی خداوند کریم نے ابا جان کہلانے کا موقع دیا ہے۔ خدا کرے دونوں بچے سعید اور اپنے خاندان کے نام کو روشن کرنیوالے ہوں۔ ہم اپنے دونوں بھائیوں کو مبارکباد دیتے ہیں۔

آنریبل مسٹر غلام محمد صاحب ہرگری مادر کالج کے اولین فرزند ہین جنہیں حضور ویسرائے کی کونسل کا ممبر مقرر کیا گیا ہے۔ اس خبر کو ہم پہلے درج کر چکے ہین اور اب نہایت مسرت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ اُنھوں نے کونسل ہال میں وفاداری کی قسم کھائی ہے۔ ہمیں سب سے بڑی خوشی اس بات کی ہوئی کہ اُس وقت ہمارے بھائی اپنی قومی (علیگڈھی) پوشاک میں تھے۔

ہمارے بھائی مسٹر سید باقر حسین صاحب (کلکتہ) پچھلے دنوں سخت علیل ہو گئے تھے خدا کا شکر ہے کہ اب وہ اچھی طرح ہیں۔

ہماری جماعت میں سب سے کم عمر خان بہادر ہمارے بھائی مسٹر عبدالحمید خانصاحب ڈپٹی کلکٹر کو ضلع اٹاوہ میں تحصیل اوریا سپرد کی گئی ہے جہاں وہ تن دہی سے کام کر رہے ہیں:-

ہم خوش ہیں کہ گذشتہ دربار میں ہمارے دو بھائیوں میں سے مسٹر تسیم بیگ صاحب چغتائی کو "خان بہادر" اور مسٹر سید ولایت حسین صاحب کو خان صاحب' بنایا گیا ہے۔ ہم دونوں بھائیوں کو مبارک باد دیتے ہیں۔ ہمیں تو سید ولایت حسین صاحب کو میر صاحب' کہتے ہوئے اچھا معلوم ہوتا ہے۔

قبلہ وکعبہ مولوی خلیل احمد صاحب ظاہری کہ اولڈ بوائے گرہیں۔ انہیں "شمس العلما" بنایا گیا ہے جو ہمارے لیے قابل فخر ہے۔ ہم اپنے قبلہ وکعبہ کو مبارکباد دیتے ہیں۔

خدا کرے قبلہ وکعبہ مولوی سید عباس حسین صاحب کو بھی اُن کے خدمات کے صلہ میں کوئی موزون خطاب عطا ہو۔

ہمارے بھائی مسٹر محمد جنید صاحب نعمانی منصف بھپوند نے قصبہ کی حالت پر رحم کرکے بھپوند میں ایک بار لائبریری قایم کی ہے جس سے وہاں کے باشندوں کو فائدہ پہونچنے کی اُمید ہے۔ مگر ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہاں کتنے اخبار پڑھنے والے اور کتابیں دیکھنے والے مل سکینگے۔ بھپوند کے احسانمند دل اُن کے ممنون ہین۔

ہماری برادری اس خبر کو نہایت افسوس کے ساتھ سنے گی کہ اخی مسٹر محمد یوسف صاحب قریشی کے والد ماجد نے اجمیر میں اور اخی مسٹر ظفر علیصاحب (سہارنپوری) کے برادر نسبتی مسٹر منظور حسین نے بھوپال میں وفات پائی۔ خدا دونوں کو باغ جنت عطا فرمائے اور ہمارے بھائیوں کو صبر دے۔

ہمارے بھائی مولوی طفیل احمد صاحب کی کوشش سے اب ڈائرکٹری طبع ہونی شروع

ہوگئی ہے۔ ہم اپنے بھائیوں سے درخواست کرتے ہین کہ وہ انہیں منگلور ضلع سہارن پور کے پتہ پراپنے اور اپنے دوستون کے نامون سے مطلع فرمائیں۔ نیز سکونت، تاریخ داخلہ کالج معہ کلاس انتہائی تعلیم، شغل اور قیام حال سے بھی اطلاع دین۔

ہمارے بھائی مسٹر راس مسعود الحمدللہ کہ بیرسٹری کے آخری امتحان مین بھی کامیاب ہوگئے ہم انہین مبارکباد کہتے ہین اور ہندوستان میں اُنکے چشم براہ ہین۔

ہمارے بھائیون مین مسٹر آغا محمد اکرم صاحب کا تبادلہ جبلپور سے بلاسپور کو ہوا اور مسٹر اظہر علی حسین آزاد بہیری ضلع بریلی سے خلیل آباد ضلع بستی کے تحصیلداری پر آئے۔ آخرالذکر بھائی نے باوجود اپنی علالت کے تحصیلداری کے امتحان فوجداری مین نمایان کامیابی حاصل کی ہے۔

ہمارے بھائی مسٹر سید محمد رضا صاحب سب انسپکٹر، ریڈکرسچین کالج مین مختصر نویسی کے نصاب کی تکمیل کے لیے لکھنؤ بھیجے گئے ہیں۔

ہمارے بھائی مسٹر سید حامد حسین صاحب سب ڈویژنل افیسر نواب گنج ضلع بریلی کا تبادلہ نٹہور ضلع بجنور کا ہوا ہے۔

دربار کے موقع پر الہ آباد مین ہمارے ایک آیندہ اولڈ بوائے عزیزی سید ہاشم خلف الصدق حضرت اکبر مدظلہ نے یہ دو شعر پڑہے تھے جنہین حضرت اکبر مدظلہ کے کلام سے دلچسپی رکہنے والون کے طبع کے لیے ہم یہان درج کرتے ہیں ؎

دہلی مین بہار آئی ہے دربار کے دم سے
مرغان ہوا مست ہین، گل شاد، صبا خوش
مسجد مین رقصان ہون یہی کہتا ہون سب سے
کیون خوش نہ ہون مین اُس سے کہ ہو جس سے خدا خوش

قدردانان اولڈ بوائے

ہم اپنے بھائی مسٹر محسن حسین صاحب (نرسنگھ پور) کو عے پیشگی رسید دیچکے تھے، اب انکا روپیہ وصول ہوگیا ہے باقی نامکمل فہرست حاضر خدمت ہے۔

۲۶۹ مسٹر خواجہ عبدالمجید صاحب۔ بیرسٹرایٹ لا . . . . . . علیگڈھ

۲۷۰ مولوی معظم علی بیگ صاحب۔ نائب تحصیلدار . . . . . . پیلی بھیت

۲۷۱ مسٹر سید عبدالباقی صاحب جنترار مدرستہ العلوم . . . . . علیگڈھ

۲۷۲ " سید محمد حسن صاحب بلگرامی۔ خیریت آباد . . . . . حیدرآباد دکن

۲۷۳ " سید معصوم علیصاحب سب انسپکٹر۔ بارا . . . . . . ضلع بدایون

۲۷۴ صاحبزادہ حاجی محمد حمید اللہ خان بہادر . . . . . . بھوپال

۲۷۵ خان بہادر مولوی احمد علی صاحب ممبر کونسل . . . . . جے پور

۲۷۶ مسٹر ممتاز حسین صاحب۔ بیرسٹرایٹ لا۔ . . . . . لکھنؤ

۲۷۷ " عبدالجلیل صاحب۔ نائب تحصیلدار۔ بانس گاؤن . . . . . ضلع گورکھپور

۲۷۸ " عبدالرشید خاں صاحب رئیس۔ حسن پور۔ ڈاکخانہ کچلہ . . . . . " بدایون

۲۷۹ " عبدالغفار خاں صاحب ضلعدار نہر۔ شیوراج پور . . . . " کانپور

۲۸۰ " میر سید حسن صاحب معرفت میر سید حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر . . . . لکھنؤ

۲۸۱ نواب معین الدین مرزا بہادر ۲۷ فیکلڈ اسٹریٹ . . . . . کلکتہ

۲۸۲ مسٹر ایس ایم عبداللہ خاں صاحب۔ انسپکٹر . . . . . نرسنگھ پور

۲۸۳ " عبدالغنی صاحب اسسٹنٹ اکاونٹنٹ جنرل . . . . . حیدرآباد دکن

۲۸۴ " قاضی کمال الدین صاحب انسپکٹر آبکاری۔ ہویری . . . . . ضلع دہارواڑ

۲۸۵ مسٹر عبدالسلام صاحب اسسٹنٹ سٹلمنٹ افیسر بیگوسرائے . . . ضلع مونگیر

۲۸۶ " محمد ادریس صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس . . . . . اعظم گڈھ

۲۸۷ " سید حامد علیصاحب - جج ننگاولی . . . . ریاست گوالیار

۲۸۸ مولوی داؤد احمد صاحب وکیل سکر . . . . . . بھوپال

۲۸۹ مسٹر اسلم سیفی صاحب . . . . دہلی

۲۹۰ " حبیب الرحمن خان صاحب انسپکٹر - بندھیاچل . . . . . ضلع مرزاپور

۲۹۱ " محمد علیصاحب حقانی - ای اے سی - اہیری . . . . . " چاندہ

۲۹۲ " محمد وسیم صاحب - بیرسٹر ایٹ لا . . . . لکھنؤ

۲۹۳ " سید محمد علیصاحب ضلعدار نہر - دنیانگر . . . . ضلع گورداسپور

۲۹۴ " شیخ افضال احمد صاحب علوی - کڑا . . . . . " الہ آباد

۲۹۵ " رفیع الدین صاحب انسپکٹر آبکاری . . . . . . جالون

۲۹۶ " ایچ فیاض احمد صاحب نکودر . . . . . . ضلع جلندھر

۲۹۷ " انتظار علیصاحب انسپکٹر آبکاری . . . . . . جون پور

۲۹۸ " محمد الحسن صاحب - سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانجات . . . . فیض آباد

۲۹۹ " نجم الدین احمد صاحب - ڈویژنل فارم ع۸ دلکشا . . . . . لکھنؤ

۳۰۰ نواب ممتاز الدولہ سر محمد فیاض علیخان بہادر . . . . . جے پور

۳۰۱ مولوی بدر الحسن صاحب منصف . . . . لکھنؤ

۳۰۲ " عبدالقادر صاحب - وکیل . . . . . . امراؤتی

۳۰۳ مسٹر ممتاز اللہ خاں صاحب - نائب تحصیلدار . . . . سہارنپور

۳۰۴ " سید الطاف علیصاحب - ای اے سی . . . . . . نواکھالی

۳۰۵ " شجاعت علیخان صاحب - اتالیق مہاراجہ صاحب چھوٹی کھوان . ضلع رائپور

۳۰۶ مسٹر محمد محمود صاحب۔ مددگار مہتمم بندوبست ۔۔۔ سنگھ

۳۰۷ سردار اشرف خان بہادر ۔۔۔ گجرات

۳۰۸ مولوی سید الطاف حسین صاحب مددگار ناظم تعلیمات ۔۔۔ حیدرآباد دکن

۳۰۹ نوابزادہ نصراللہ خان بہادر۔ بیرسٹرایٹ لا ۔۔۔ سچین

۳۱۰ مسٹر عبدالمجید صاحب۔ کنٹرکٹر۔ سوجانپور ۔۔۔ ضلع گورداسپور

۳۱۱ " اعظم جان خان صاحب رو جہان ۔۔۔ ضلع ڈیرہ غازیخان

۳۱۲ " عبدالعزیز صاحب ضلعدار نہر ۔۔۔ مین پوری

۳۱۳ " امتیاز علیخان صاحب ضلعدار کورٹ بیسا۔ ڈاکخانہ دہورارا ضلع لکھیم پور

۳۱۴ " ابن احمد صاحب۔ بیرسٹرایٹ لا ۔۔۔ الہ آباد

۳۱۵ " سید ظہور حسین صاحب انسپکٹر خفیہ پولیس ۔۔۔ "

۳۱۶ " محمد یوسف خاں صاحب۔ نائب تحصیلدار۔ محمد آباد۔ ضلع ۔۔۔ غازی پور

۳۱۷ " سید وقار حسین صاحب سب انسپکٹر ۔۔۔ لکھنؤ

۳۱۸ " سید محمد ہاشم صاحب۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ۔۔۔ ہردوئی

۳۱۹ نواب سید نصیر حسین خان بہادر۔ خیال رئیس ۔۔۔ پٹنہ

۳۲۰ مسٹر یعقوب علی خاں صاحب۔ نائب تحصیلدار۔ شاہ آباد ۔۔۔ ریاست رامپور

۳۲۱ " عبدالقادر صاحب مدراسی۔ انسپکٹر آبکاری ۔۔۔ سہارن پور

۳۲۲ مولوی حبیب الرحمٰن خانصاحب رئیس حبیب گنج ۔۔۔ ضلع علیگڈہ

۳۲۳ مسٹر عابد حسین خاں صاحب سب انسپکٹر۔ کٹھور ۔۔۔ " میرٹھ

۳۲۴ " عبدالکریم خاں صاحب۔ ڈپٹی کلکٹر ۔۔۔ اعظم گڈہ

۳۲۵ " شمس الحسن صاحب۔ منصف۔ شکوہ آباد ۔۔۔ ضلع مین پوری

۳۲۶ " محمد اشفاق حسین صاحب انسپکٹر آبکاری ۔۔۔ جہانسی

۳۲۷ مسٹر عماد اللہ خاں صاحب۔ جج عدالت خفیفہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رامپور

۳۲۸ ؍ احمد سعید خاں صاحب رئیس چھتاری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ضلع بلند شہر

۳۲۹ ؍ عبد الواحد خاں صاحب تحصیلدار۔ جانسٹھ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مظفر نگر

۳۳۰ ؍ قاضی مخدوم حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مراد آباد

۳۳۱ ؍ خان بہادر قاضی عزیز الدین صاحب۔ ممبر کونسل ۔ ۔ ریاست بھرتپور

۳۳۲ ؍ معشوق حسین صاحب۔ تعلقدار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عثمان آباد دکن

۳۳۳ ڈاکٹر محمد سلیم صاحب سب اسسٹنٹ سرجن۔ اگلاس ۔ ۔ ۔ ۔ ضلع علیگڈھ

۳۳۴ مسٹر انعام الحق صاحب۔ فارن آفس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کلکتہ

۳۳۵ ؍ خواجہ سجاد حسین صاحب۔ انسپکٹر مدارس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جلندہر

۳۳۶ ؍ غلام محمد منشی صاحب۔ بیرسٹرایٹ لا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ راجکوٹ

۳۳۷ آنریبل نواب سید نواب علی صاحب چودہری۔ رئیس دین باری ضلع ۔ ۔ میمن سنگھ

۳۳۸ ؍ مسٹر شاہ دین جسٹس چیف کورٹ پنجاب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لاہور

۳۳۹ ؍ نواب عماد الملک بہادر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حیدرآباد دکن

۳۴۰ مسٹر احسان الحق صاحب بیرسٹرایٹ لا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جلندہر

۳۴۱ ؍ سید وصی الحسن صاحب بلگرامی۔ نائب تحصیلدار۔ غازی پور ضلع ۔ ۔ فتحپور

۳۴۲ ؍ محمد صاحب بہرا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اعظم گڈھ

۳۴۳ ؍ شیخ نور احمد صاحب سب انسپکٹر ناداں ضلع ۔ ۔ ۔ ۔ ہردوئی

۳۴۴ ؍ برکت اللہ صاحب انسپکٹر آبکاری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گونڈہ

۳۴۵ ؍ سید افتخار عالم صاحب۔ رئیس۔ مارہرہ ۔ ۔ ۔ ضلع ایٹہ

رجسٹرڈ نمبر اے (۵۲۲)

اولڈ بوائے

جلد ۴ بابت ماہِ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء نمبر ۶

اڈیٹر
ابو حامد عشرت حسین بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام مولوی رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا

حسب الحکم عبد العلیم خاں صاحب میونسپل کمشنر دفتر اولڈ بوائے چھاونی بنارس سے شائع ہوا۔ قیمت سالانہ (۳ عہ)

اولڈبوای

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

۱ جملہ سابق طلبا، مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈھ کے دلوں میں اُنکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُسکے حالات سے اُنکو باخبر کرنا اور اُس کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا۔

۲ اولڈبوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا، اور اُنکو ترقی دینا اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

۳ اولڈبوائز ایسوسی ایشن" اور کالج" کی مالی مدد کے لیے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمتگذاروں میں خود اُسکے فرزندوں کی خدمات کافی وتسلی بخش ہوں۔

۴ جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُنپر ہمارے کالج کے قائم کرنیکے لیے

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

(۱) جملہ خط وکتابت بابت ترسیل زر وتبدیل پتہ "منیجر بائے" بنارس سے ہونی چاہئے۔

(۲) مضامین ودیگر مراسلات بنام "اسسٹنٹ اڈیٹر اولڈبائے" بنارس آنا چاہئے۔

اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات ورسائل بھی منتظمان "اولڈبوائے" ہر وقت مشورہ ورفع شکایات کے لیے تیار ہیں اور شکرگذاری کے ساتھ اُنپر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر ومنیجر

"ہم"

(۲)

عجب اتفاق ہی کہ اس مرتبہ جو مضامین شائع کیے جاتے ہیں اُن میں بجز ایک دو کے سب کے سب ہماری شکایتوں سے پُر ہیں؛ جس سے پایا جائیگا کہ "ہم" دُنیا کے بدترین اخلاق کا اچھا خاصہ نمونہ ہیں بعض لوگوں کا خیال ہی کہ ان باتوں کو یوں ہی دبا رہنے دیا جائے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسی تحریروں سے رسالہ کے "ٹون" میں فرق آتا ہی مگر "ہم" کہتے ہیں کہ اگر یہی لیل و نہار ہیں اور یہی خیالات ترقی کرتے رہے تو خدانخواستہ ہمارا اور ہمارے ساتھ اسلام کا بہت جلد اس ملک سے خاتمہ ہونیوالا ہی۔

ہمارے رسالہ کا جہاں یہ مقصد ہی کہ ایام گذشتہ کی یاد تازہ کیجائے وہیں ایک بہترین مقصد یہی ہی کہ "ہم" اپنے بھائیوں کو آنیوالے خطرات سے آگاہ کرتے رہیں۔ "ہم" نہیں خیال کر سکتے کہ ہمارے لیے اس سے بڑا کوئی خطرہ ہو کہ ہماری ذات سے باوجود اس ترقی تعلیم اور روشن خیالی کے

ملک میں اور خاص کر اسلامی دنیا میں ہمیں ملامت اور نفرین کے ساتھ یاد کیا جائے۔

سرسید اور اُنکے جانشینوں کو ہمیشہ یہی رونا رہا کہ قوم تعلیم بغیر کچھ نہیں کرسکتی، اور اب قوم میں تعلیم کا چرچا ہوا تو ہمارے تعلیم یافتہ نہیں بعض تعلیم کو بدنام کرنے والے ملک و قوم کے سامنے ایسے خراب نمونے پیش کرتے ہیں کہ ہمیں قومی ترقی کے آثار کچھ اچھے نظر نہیں آتے۔

"کالا آدمی" باعتبار اپنی دلفریبی کے تو اچھا ہے لیکن اس میں جو منظر پیش کیا گیا ہے وہ اُس سے کہیں کم ہے جو ایک تعلیم یافتہ کے کیرکٹر کا اظہار اسٹیشن پر کر رہا ہوگا "سیر کلج" میں جن شکایتوں کا ذکر ہے اُنکو معلوم کرکے ہمیں افسوس ہوتا ہے "ظالم انسان" ہمارے خیالات کا انتہائی نمونہ ہے اور اس میں ہمارے بھائی مسٹر "آزاد" نے اپنی آزادخیالی کی خوب داد دی ہے "چار آنہ فنڈ" میں جو تحریک پیش کی گئی ہے اُس کی جانب ہمارے بھائیوں کو جلد متوجہ ہونا چاہیے۔ "یاد عزیز" اور "شکوہ" میں بہت سی کام کی باتیں ہیں اور ہمکو اُنسے سبق لینا چاہیے۔

ہماری کیفیت یہ ہے کہ ان حالات کو سُن سُن کر گویا ؎

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں
کچھ مزا ہے تو یہی خون جگر پینے میں

کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں
کسقدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

"ہم" اسوقت تک ترقی نہیں کرسکتے جبتک مسلمان ہو کر ترقی نہ کریں اور قوم کے لیے ہمارا وجود اسوقت تک کچھ بھی مفید نہیں جب تک کہ "ہم" خود مسلمان نہ بن لیں۔ ہمارے بھائی ہم سے زیادہ روشن خیال اور اپنی ضرورتوں سے واقف ہیں مگر "ہم" اپنا فرض خیال کرتے ہیں کہ اُنہیں آنیوالے خطرات سے آگاہ کردیں۔ ہمارے بھائی "ہم" سے خفا ہو جائینگے مگر ہمیں پرواہ نہیں۔ ہمیں جو کہنا ہے آزادی کے ساتھ کہینگے۔

اڈیٹر

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں
فکرِ فردا نہ کروں محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں
جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھکو
شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھکو

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم
قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
سازِ خاموش ہیں فریاد سے معمور ہیں ہم
نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم
اے خدا شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے
خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم
پھول تھا زیبِ چمن پر نہ پریشاں تھی شمیم
شرط انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عمیم
بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم
ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ امت ترے محبوب کی دیوانی تھی

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر کہیں معبود شجر
خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر
مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا
قوتِ بازوئے احمد نے کیا کام ترا

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی
اہلِ چیں چین میں، ایران میں ساسانی بھی

اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی ؛ اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی
پر ترے نام پہ تلوار اُٹھائی کِس نے؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے؟

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
کبھی خشکی میں لڑے اور کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے تو ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے
سربکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے
قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی
بُت فروشی کی عوض بُت شکنی کیوں کرتی

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے ؛
تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے ؛
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے ؛

تو ہی کہدے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے؟
شہر قیصر کا جو تھا اسکو کیا سر کس نے؟
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟
کاٹ کے رکھدئیے کفار کے لشکر کس نے؟
کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدۂ ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی؟
اور تیرے لیے زحمت کشِ پیکار ہوئی؟
کس کی شمشیر جہاں گیر، جہاں دار ہوئی؟
کس کی تکبیر سے دُنیا تری بیدار ہوئی؟

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے؟
مُنہ کے بل گر کے ہو اللہ احد کہتے تھے

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز — قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے — مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں دشت میں لیکر ترا پیغام پھرے — اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے
دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہمنے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے — نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہمنے
تیرے کعبہ کو جبینوں سے بسایا ہم نے — تیرے قرآن کو سینے سے لگایا ہمنے
پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں تو بھی تو دلدار نہیں

اُمتیں اور بھی ہیں اُن میں گنہگار بھی ہیں — عجز والے بھی ہیں مستِ مئے پندار بھی ہیں
اُن میں کاہل بھی ہیں غافل بھی ہیں ہشیار بھی ہیں — سیکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں
رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بت صنمخانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے — ہے خوشی اُن کو کہ کعبہ کے نگہبان گئے
منزلِ دہر سے کعبہ کے حدی خوان گئے — اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے
خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں

اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں؟

یہ شکایت نہیں ہیں انکے خزانے معمور — نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور — اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور

اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

کیوں مسلمانوں میں ہے دولتِ دنیا نایاب — تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب
تو جو چاہے تو اُٹھے سینۂ صحرا سے حباب — رہروِ دشت ہو سیلی زدۂ موجِ سراب

طعنِ اغیار ہے رسوائی و ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا — رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا
ہم تو رخصت ہوے اوروں نے سنبھالی دنیا — پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے — شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلا لے بھی گئے — آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

دردِ لیلی بھی وہی قیس کا پہلو بھی وہی — نجد کے دشت و جبل میں رمِ آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی — امتِ احمدِ مرسل بھی وہی تو بھی وہی

پھر یہ آزردگیِ غیر سبب کیا معنی؟
اپنے شیداؤں پہ یہ چشمِ غضب کیا معنی؟

تجھکو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟ بُت گری پیشہ کیا بُت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟ رسمِ سلمان و اُویسِ قرنی کو چھوڑا؟
آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثلِ بلالِ حبشی رکھتے ہیں

عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی جادہ پیمائے تسلیم و رضا بھی نہ سہی
مضطرب دل صفتِ قبلہ نما بھی نہ سہی اور پابندیِ آئین وفا بھی نہ سہی
کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

سرِ فاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے اک اشارے میں ہزاروں کے لیے دل تو نے
آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے پھونک دی گرمیِ رخسار سے محفل تو نے
آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں؟
ہم وہی سوختہ ساماں ہیں تجھے یاد نہیں

وادیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا گھر یہ اُجڑا ہے کہ تو رونقِ محفل نہ رہا
اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی
بے حجابانہ سوے محفلِ ما باز آئی

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لبِ جو بیٹھے سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کوکو بیٹھے
دور ہنگامۂ گلزار سے یکسو بیٹھے تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ ہو بیٹھے
پھر پتنگوں کو مذاقِ تپش اندوزی دے
برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قومِ آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز لے اُڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز

مضطرب باغ کے ہر غنچہ میں ہے بوئے نیاز
تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز
نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلئے
طور مضطر ہے اسی آگ سے جلنے کے لیے

مشکلیں امتِ مرحوم کی آساں کر دے
مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کر دے
جنسِ نایابِ محبت کو پھر ارزاں کر دے
یعنی ہم دیر نشینوں کو مسلماں کر دے
جوئے خوں می چکد از حسرتِ دیرینۂ ما
می طپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما

بوئے گل لے گئی بیرونِ چمن رازِ چمن
کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غمازِ چمن
عہدِ گل ختم ہوا ٹوٹ گیا سازِ چمن
اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پردازِ چمن
ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنم اب تک
اسکے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

قمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں
پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں
ڈالیاں پیرہنِ برگ سے عریاں بھی ہوئیں
قیدِ موسم سے طبیعت رہی آزاد اسکی
کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اسکی

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں
کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں
کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں
کسقدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں
اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

چاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دل ہوں
جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں
پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں

عجمی خُم ہے تو کیا، مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا، لَے تو حجازی ہے مری

شیخ محمد اقبال

اولڈ بوائز

ہماری برادری میں یہ خبر نہایت مسرت سے سنی گئی ہے کہ اخی مسٹر سید راس مسعود صاحب ولایت سے بیرسٹر ایٹ لا ہو کر وطن واپس آ گئے۔ جیسا کہ معلوم ہوا ہے ہمارے بھائی نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے اعلےٰ اعزاز کے ساتھ بی اے کی ڈگری حاصل کی اور کامیابی کے ساتھ بیرسٹری کی سند لی۔ ابھی یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ کہاں وکالت کرینگے، بہرکیف ہماری دعا ہے کہ وہ جہاں رہیں خوش رہیں۔ ہم اپنے درمیان اپنے بھائی کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اُنکے مع الخیر واپس آنے پر اُن کی والدہ ماجدہ محمود بیگم صاحبہ کی خدمت میں مبارکباد عرض کرتے ہیں۔

ہمارے ایک دوسرے بھائی مسٹر عبدالرشید خاں صاحب خلف جناب کرنل عبدالمجید خاں صاحب بہادر (پٹیالہ) بھی وطن واپس آئے اور ہمیں اُنکے واپس آنے سے بھی کچھ کم مسرت نہیں ہوئی۔ ہمارے بھائی مسٹر مسعود کے ساتھ ولایت گئے وہاں برابر کامیابیاں حاصل کیں اور ساتھ ہی واپس آئے۔ ہم اپنے بھائی کا خیر مقدم کرتے ہیں اور انکے نامور والد ماجد کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

سیرِ کالج

۱۸۸۲ء سے جب سے مینے مادرِ کالج کو چھوڑا ہے مجھے علیگڈہ جانے کا موقع نہیں ملا۔ اتفاقاً ۵ فروری سنہ حال کو، ایک مدت کے بعد میرا وہاں جانا ہوا اور ایک روز مقیم رہ کر دوسرے دن چار بجے عصر کی نماز پڑہ کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔ مسجد کالج اور بورڈنگ کی عمارتیں دیکھکر طبیعت بیحد مسرور ہوئی۔ نواب صاحب قبلہ مدظلہ، کی زیارت اور دوسرے صاحبونکی ملاقات سے یہ خوشی اور بہی دوبالا ہوگئی۔ قبلہ وکعبہ نواب صاحب کا خلق اور قومی جانشاری تو اظہر من الشمس ہے۔ موصوف جسطرح مجھہ ناچیز کے ساتھہ پیش آئے اُسکا اعادہ اور اظہار قریب قریب ناممکن کے ہے، ادنی نمونہ یہ ہے کہ نواب صاحب مدظلہ، مجھہ بادیہ گرد کو اپنے دولتکدہ سے میرے قیام گاہ تک اپنی سواری میں خود پہنچا گئے۔ مگر یہ مسرت خاک میں مل گئی ہے جب یہ معلوم ہوا کہ قبلہ وکعبہ بظاہر تین ماہ کی رخصت لیکر وطن تشریف لیے جارہے ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ نواب صاحب قبلہ کی عمر اور تندرستی ضرور اس قابل ہے کہ وہ کچہہ دنوں آرام فرمائیں یہ اُنہیں کی ہمت تہی کہ اس پیرانہ سالی اور تندرستی ٹہیک نہونے کی حالت میں جو کام کیے اور اسقدر بار صرف قوم کی ترقی کی خاطر اٹہایا کہ دوسرے صحیح وسالم آدمی کو اٹہانا دشوار کیا بلکہ قریب قریب ناممکن کے تہا اور کیا عجب ہے کہ اسی بار نے قبلہ وکعبہ کو علٰحدگی پر مجبور کیا ہے۔

دوسری پریشان کرنے والی بات طالب علموں اور پروفیسروں کی نماز سے بے پرواہی تہی۔ مینے کالج کی مسجد میں ۶۔ فروری کو ظہر، عصر، مغرب اور عشا، کی نماز پڑہی اور ۷ تاریخ کو صبح اور ظہرین کی نماز میں شریک رہا۔ ظہرین اور مغرب کی نمازمیں تو کچہہ کم طالب علم نظر آئے مگر صبح اور عشاء کی نماز میں چند گنتی کے لوگ دکہائی دیے۔ صبح

کی نمازمیں آٹھ دس سے زیادہ نہ تھے تحقیق کرنے پرمعلوم ہواکہ اور روز صبح کو تو اتنے بھی نہیں ہوتے گویا بجزامام اور ایک دو مقتدی کے اور کوئی نہیں ہوتا کسی وقت کی نماز میں مینے کسی پروفیسر صاحب کو (جو کالج میں مقیم ہیں) نہیں دیکھا۔ افسوس کہ مسلمانوں کا کالج اور عام شہرت یہ ہو کہ نماز کالج کی طرف سے بھی لازمی ٹہرائی گئی ہے۔ اس پر یہ کیفیت! ۔

بعد نماز عصر کے میں ایک دوست سے ملنے کلب گیا۔ وہاں میرے دوست چند پروفیسروں کے ہمراہ بلیارڈ کھیل رہے تھے۔ یہ سب صاحبان یوروپین روش میں تھے؛ جس سے معلوم ہوا کہ سب کے سب صاحب لوگ ہیں تام سننے پر مسلمان ہونے کا یقین ہوا۔ انکو اس لباس میں دیکھنا خالی از حیرت نہ تھا کیونکہ یہ کالج ہمارا کالج مسلمانوں کا ہے جہاں کے پروفیسروں کی یہ حالت ہے۔ آگے چلکر حیرت اور بڑھی۔ منٹو سرکل کی جانب چلا۔ راستہ میں چند پروفیسر صاحبان سے ملاقات ہوئی؛ جو باستثنائے چند بجز ترکی ٹوپی کے انگریزی پوشاک میں تھے منٹو سرکل پر راستہ میں چند پروفیسر صاحبان سے اور ملاقات ہوئی۔ بات چیت ہورہی تھی کہ مغرب کی اذان ہوئی۔ پروفیسر صاحبان سے کہا کہ مسجد چلیے نماز پڑھیے۔ اگر آپ لوگوں کی ایسی ہی عدم توجہی ہے تو کیا خاک ترقی ہوگی۔ مگر کون سنتا ہے کیسی نماز! سڑک کا راستہ لیا۔ دونوں دن اکثر پروفیسروں اور طالبعلموں کو بغور دیکھا، تو چند طلباء کے چہرہ پر نشان اسلام (داڑھی) کا پتہ پایا۔ غالباً یہ نواب صاحب قبلہ کا فیض قدم ہے۔ غرض یہ سب باتیں روح کو صدمہ پہنچانیوالی تھیں۔ سرسید کے زمانہ میں جب میں پڑھتا تھا تو کسی کی مجال نہ تھی کہ مسجد سے غیر حاضر ہو مگر اب یہ حالت! اس حالت کا ہونا تعجب انگیز نہیں۔ جب نمازہ مانیٹر ہی مسجد سے غیر حاضر رہیں تو طلباء کو غیر حاضری کی کیوں جرأت نہو۔ ہاں ایک بڑی ضروری بات بھول گیا۔ مینے دونوں دن ہر وقت جماعت سے نماز پڑھی مگر کسیوقت مولوی سلیمان اشرف صاحب کو جو کالج میں واعظ ہیں نماز میں نہیں دیکھا۔ یہ تو مجھہ میں جرأت نہیں کہ میں یہ کہوں کہ مولانا تارک الصلوۃ

ہیں مگر اُنہیں تارک الجماعت ضرور کہونگا۔ یہ مانا کہ وہ اپنے کمرہ میں نماز نہ پڑہ لیتے ہوں مگر ایسی جگہ جہاں پروفیسروں اور طالب علموں کی یہ حالت ہو تو کیا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مولانا ہی اسی رنگت میں ہیں۔ مولانا کا قیام مسجد کے قریب ہے۔ اگر کچھ دور بھی ہوتا تو بہ حیثیت عالم ہونے کے مولانا کا ضرور یہ فرض تھا کہ پنج وقتہ نماز جماعت سے پڑہتے گو مولانا کو حد درجہ کی تکلیف ہی ہوتی؛ تاکہ دوسروں کو بھی جماعت کی عادت ہو۔ اگر یہی روا رکہا جاوے اور بالخصوص علماء روا رکہیں کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ علٰحدہ علٰحدہ نماز پڑہ لیا کرے تو مسجد بیکار ہوئی جاتی ہے اور مسجد میں جماعت کا جو ثواب رکہا گیا ہے وہ بیکار ہوا جاتا ہے ؎

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

جب مولنا احکام شرعیہ میں رخنہ ڈالیں اور اتباع سنت نبوی نہ کریں تو پروفیسروں اور لڑکوں کی نسبت کہنا فضول ہے۔ علاوہ اسکے جو پروفیسر صاحب مولانا کے کمرے کے نیچے قیام پذیر ہیں اور مولانا کے ہمسایہ ہیں وہ بھی اس اثر سے خالی نہیں۔

(باقی آیندہ)

سید محمد مہدی (علیگ)

از بریلی

ہمیں یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ ہمارے بہائی مسٹر بنیاد حسین صاحب صوبہ پنجاب کے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے ہیں اُنہوں نے مادر کالج میں تعلیم پاکر بی اے کی ڈگری حاصل کی اور ایک عرصہ تک ہمارے مدرسہ کی خدمت کرتے رہے۔ ہم اپنے بہائی کو مبارکباد دیتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور قومی ضروریات کو فراموش نہ کرینگے۔

چار آنہ فنڈ

"اولڈ بوائے" کے ذریعے سے ہماری آواز وقت واحد میں تمام بھائیوں کے کانوں تک پہونچ جاتی ہے، جن بھائی کا جیسا مذاق ہوا انہوں نے بلا تکلف مضمون لکھکر روانہ کردیا اور اپنا ارمان نکال لیا۔ خدا اسکے بانیوں اور مددگاروں کی مدد کرے جنہوں نے اسے جاری کرکے ہم لوگوں کو طبع آزمائی کا موقع دیا اب ہمیں یہ چاہیئے کہ اس میں مفید مضامین کثرت کے ساتھ شائع کریں اور علیگڈھ کے کھلنڈروں کی طرح ہمارے مضامین آپ ہی اپنی نظیر ہوں۔

میں نے جس مضمون پر قلم اٹھایا ہے وہ عنوان پر درج ہے، مگر اسکے اظہار کے لیے تھوڑی تمہید کی ضرورت ہے۔ فی زمانہ دنیا کی ترقیوں پر نظر کرتے ہوئے ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ شاہراہ ترقی پر ہمکو بہت سرعت کے ساتھ اپنا قدم رکھنا چاہیے ورنہ ڈر ہے کہ علیگیرین (جو دوڑ میں سب سے اول آتے ہیں) خدانخواستہ سب سے پیچھے رہ کر ندامت سے سر جھکائے نظر آئیں۔

اولڈ بوائز اسٹور کے متعلق آپ بہت دنوں سے مضامین دیکھ رہے ہیں اور میں بھی آپ کو توجہ دلا چکا ہوں۔ دیکھیے اس خامہ فرسائی اور قرطاس پیمائی کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ہماری تجاویز سے فائدہ اٹھا کر دوسرے عملدرآمد شروع کردیں اور ہم منہ دیکھتے کے دیکھتے رہجاویں۔ اب دوسرا ایک اور اہم مسائلہ آپ سب بھائیوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جہانتک دیکھا جاتا ہے ہم لوگ "اپ ٹو ڈیٹ فیشن" میں اسقدر غرق ہو رہے ہیں کہ اپنے اعزہ واقارب کی خبرگیری کرنا تو درکنار مشکل سے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی بھی کچھ خبر رکھ سکتے ہیں۔ اس بے خبری کے نتائج جسقدر مہلک اثر

پیدا کر رہے ہیں اُنکی جانب خیال کرتے ہوئے دل لرز جایا کرتا ہے۔

اگرچہ ہماری برادری کے پچھلے جلسہ کے موقع پر اس قسم کی تجویز پیش ہوئی تھی کہ ممبر اولڈ بوائے اپنے ایک فیصدی کے علاوہ چار آنہ ماہوار اضافہ کرے تاکہ اس فنڈ سے اولڈ بوائز کے یتیم اور نادار طلبہ کی تعلیم میں مدد کیجائے۔ گو یہ تجویز نہایت مفید ہے لیکن میں اس میں کچھ اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس سے پہلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس تجویز کو غالباً ایک حصہ نے اس وجہ سے ناپسند کیا ہوگا کہ انکی جمع کردہ رقم کو دوسروں کے بچوں پر صرف کیا جائے یا یہ کہ سالانہ جلسوں کے موقعوں پر مولوی ماسٹروں کے تقررات یا اضافوں سے اس بے مقدار فنڈ کو اور کمزور کر دیا جائے۔ نہ اس فنڈ میں اسقدر گنجایش ہے کہ وہ ہمارے جملہ نادار اور یتیم بچوں کی تعلیم میں مدد پہونچا سکے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ خصوصیت کی جائیگی، جسکا نتیجہ آیندہ چلکر دقت سے خالی نہوگا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ جو مسلمان مرتے ہیں بجز قرض کے گھر میں کچھ پس انداز نہیں چھوڑتے۔ اسکے علاوہ ہر شخص اپنے عزیز یا دوست کے بچوں کے لیے زور دیگا اور ظاہر ہے صاحب اثر لوگوں کو کامیابی ہوگی۔ اس سے ایک اور مناقشہ کا اندیشہ ہے۔

مثال کے طور پر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایک اولڈ بوائے "زید" کی آمدنی بیس روپیہ ماہوار کی ہے اور وہ پانچ آنہ ماہانہ دیتا ہے۔ اب جدید قواعد کی رو سے چار آنہ ماہوار اور ادا کرنے پڑے۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اس قلیل تنخواہ میں آنا ادا کرنا اسکے لیے بار ہے اور اسپر یہ اور اضافہ ہے کہ تنگدستی کے عالم میں وہ خود اپنی اولاد کی تعلیم کے بار کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اب بتلایے کہ ایسوسی ایشن اسکے بچوں کے لیے کیا انتظام کریگی۔ غالباً اسکا جواب یہی ہوگا کہ فنڈ میں اسقدر گنجایش نہیں کہ چار آنہ زائد دیے جانے پر اس کی اولاد کی تعلیم لازمی طور پر ایسوسی ایشن کی طرف سے ہو۔ ایسی صورت میں چار آنہ ماہوار زائد لینے سے حاصل ؟ ۔

ان تمام امور کو مدنظر رکھکر میں یہ مناسب خیال کرتا ہوں کہ جسطرح ہو سکے جلد سے جلد

ایک رزولیوشن اس امر کے متعلق ہونا چاہئے کہ ہمارے تمام فنڈوں کی رقوم ہمارے ہی

کام میں خصوصیت کیساتھ صرف کی جایا کریں۔ دوسرا ایک رزولیوشن اس باب میں ہو کہ

جملہ اولڈ بوائز خواہ انکی آمدنی ہزار روپیہ ماہوار کی ہو یا پچیس روپیہ ماہوار کی وہ اپنی اولاد

کی تعلیم کی عوض سے ماہانہ یا سہ ماہی ایک مناسب رقم فنڈ میں داخل کرتے رہیں یا کہ یہ رقم

خود انکی اولاد میں صرف کیجائے۔ اسکے متعلق یہ طریقہ بھی مناسب ہو سکتا ہے کہ یا تو کچھ

رقم کا تعین کیا جائے یا آمدنی پر فیصدی بڑھا دیا جائے۔ ایسی صورت میں فنڈ کو جو رقم پہونچیگی

فنڈ کی مالی حالت اچھی ہوتی جائیگی۔ اسکے علاوہ ہم لوگوں کی فضول خرچیوں کا سدباب

ہوکر ہماری آمدنی نیک کام میں صرف ہوگی۔ یہ رقم ایک فیصدی کے علاوہ ہوگی

اور شاخ تعلیمات سے منسوب کیجائیگی۔ ہم کو اپنی عقل سلیم سے کام لیکر ایسے پُر آشوب

اور کشمکش کے زمانہ میں کوئی گھڑی اور کوئی پل بیکار نہ کھونا چاہیئے۔ اگر آج ہم نے

اپنی زندگی کے قیمتی اوقات کو رائیگاں کرکے اور اپنے بزرگوں کے سرمایوں یا اپنی

کمائیوں کو ناجائز طریق پر خرچ کرکے اپنی اولاد کو اپنے بعد بھیک کے طور پر تعلیم پانے کا

موقع دیا تو تف ہی ہماری زندگی پر اور لعنت ہی ہمارے عیش وعشرت کی زندگانی پر

میں اسکے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی کھلے طور پر کہونگا کہ اگر ہمارے لیڈروں نے ہم

لوگوں کے حالات، اخراجات اور ضروریات کے جانب توجہ نہ کی اور ہم لوگ اسی طرح پر

لہو ولعب میں پڑکر اپنی اولاد کو بھیک کی تعلیم پر چھوڑ گئے تو قیامت کے دن خدائے

پاک کے روبرو ہمارے بچے اپنی تکالیف ومصائب، نیز حق تلفیوں کی پُر درد داستانیں

بیان کرکے ہمارے لیڈروں کے دامنوں کو پکڑکر فریاد کرینگے پھر اُسنے اپنی بے توجہیوں

کے متعلق کوئی جواب نہ بن پڑیگا۔

یہ خیال خون جگر سے لکھکر سب بھائیوں کے روبرو پیش کرتا ہوں اگر اسکا یہ جواب ملا

کہ بچوں کی تعلیم کے لیے پس انداز کر کے ڈاکخانہ یا بنک میں جمع کر سکتے ہو تو کرنیوالے خود ہوشیاری سے کرینگے لیکن پہر اسکے سوا اور کیا کہا جائیگا کہ دنیا میں پیدا ہونا بڑے ہوکر علیگڈہ میں تعلیم پانا تعلیم پاکر ملازمت کرنا اور نئی برادری میں مثل شیر و شکر کے رہنا ایک ؎

خواب تہا جو کچہ کہ دیکہا جو سُنا افسانہ تہا

جب آنکہ کُہلی تو دیکہیں علیگڈہ تہا، نہ بہائی برادری، نہ کوئی ہمارا ہمدرد نہ کوئی رہنما ؎

وائے ناکامی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تہا جو کچہ کہ دیکہا جو سنا افسانہ تہا

جگر فگار سید لائق حسین

پچہلے دنوں ہمارے بہائی مسٹر سید ظہور حسین صاحب؛ جن کا ذکر ان صفحات میں کئی مرتبہ آچکا ہے اور جسکے متعلق اخی مسٹر شوکت علی صاحب نے اپنے کہلنڈروں میں تذکرہ کیا ہے۔ الہ آباد میں سخت علیل ہو گئے تہے ہمیں اپنے ایک عزیز کے ذریعے سے اسوقت خبر ہوئی جبکہ وہ اچہے ہو گئے۔ ابہی تہوڑی نقاہت باقی ہے جو انشاء اللہ جلد جاتی رہیگی۔

اس سال کے منعقدہ اجلاس اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے لیے ملک زمان مہدی خاں صاحب، مسٹر صفدر علی صاحب، مسٹر سعید محمد خاں صاحب، مسٹر ظہور احمد صاحب، مسٹر شوکت علی صاحب، خان بہادر حاجی عبد الرشید خاں صاحب، مسٹر محمد امین صاحب، مسٹر سجاد حیدر صاحب، مسٹر عبد الغفار خاں صاحب، اور مسٹر ظفر علی خاں صاحب تجویز ہوئے ہیں۔

کالا آدمی

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

بدتمیز، بیہودہ، نالائق، کالا آدمی! کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں یہ موجود نہ ہو! گھر کے اندر، بازار کی سڑک پر، سوسائٹی کے حلقہ میں، ملک کے ہر ہر گوشہ میں: وہی بیوقوف، آوارہ، بدتہذیب، کالا آدمی!!

اس کی بدتمیزی نے صاحب لوگوں کا ناک میں دم کر دیا ہے، زندگی تلخ کر دی ہے، ستا مارا ہے! صاحب لوگ عام آبادی کو چھوڑ کر بنگلہ میں رہتا ہے، سرائے کے عوض ہوٹل میں ٹھہرتا ہے، تھرڈ کلاس کی بجائے سکینڈ کلاس میں سفر کرتا ہے، غرض ہر طرح اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے: مگر پھر بھی جہاں دیکھو وہی حیوانِ ناطق، مادۂ انسانی کی غیر ترقی یافتہ شکل، صنّاعِ حقیقی کی مشقِ اولین، جاہل، نیٹو، کالا آدمی!!

بریلی کے اسٹیشن پر صاحب لوگ ویٹنگ روم میں آرام کرسیوں پر پڑے ہوئے ہیں مگر سامنے والی بنچ پر کئی ایک نیٹو بھی موجود ہیں، پلیٹ فارم پر صاحب لوگ چیسٹر فیلڈ پہنے ہوئے سگار کی چنگاریاں اُڑاتے اِدھر سے اُدھر کھٹ پٹ کرتے پھرتے ہیں لیکن لوہے کے ستونوں کے پاس کالے آدمی بھی اپنے اسباب کے گٹھر کی نگرانی کر رہے ہیں! صاحب لوگ ہر دس پانچ منٹ کے بعد ویسٹ اینڈ واچ کمپنی کی جیبی گھڑی پاکٹ سے نکال کر وقت دیکھ لیتے ہیں، مگر کالا آدمی پلیٹ فارم کے کنارے پر پہنچکر جسطرف سے گاڑی آنے والی ہو اُدھر جھک کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھور لیتا ہے!

ٹکٹ کلکٹر ہے تو کالا آدمی، بکنگ کلرک ہی تو کالا آدمی، تار گھر میں جائیے تو کالا آدمی، پوسٹ آفس میں جھانکیے تو کالا آدمی؛ غرض اسٹیشن ماسٹر کو چھوڑ کر جہاں نظر جاتی ہے، وہی نیٹو، بدتہذیب، گنوار، کالا آدمی !!

رات کے ۱۲ - ابھی ابھی بجے ہیں، دسمبر ۱۹۱۱ء کی شروع تاریخیں ہیں: سردی کسی رقیب کے جسگر خراش طعن کی طرح بدن تو ایک طرف دل وجگر میں بیٹھی جاتی ہے، ہوا کے جھونکے سردی محسوس کرنیوالوں کا بدن بے قابو کیے دیتے ہیں! کارونیشن دربار کے نظارہ کے شوق، اور حضور جارج پنجم کی زیارت کے اشتیاق نے، دہلی جانے والی ٹرین کے لیے بیحد مسافر اکٹھے کر دیے ہیں؛ اور جاڑے کے موسم اور کئی روز ٹھہرنے کے ارادہ نے اسباب کا طومار باندھ دیا ہے !

ٹن، ٹن: ٹن، ٹن:- وہی کالا آدمی نہایت زور کے ساتھ گھنٹی بجاتا پھرتا ہے اور صاحب لوگوں کی نازک قوتِ سامعہ کی کچھ پرواہ نہیں کرتا! کسقدر وحشی ہے؟ کسقدر جانور ہے؟

ایک غیر معمولی گھر گھراہٹ، ایک پلیٹ فارم کو ہلا دینے والا لرزہ، اور منتظر دوں کی معشوقہ شرربار۔ لکھنؤ سے دہلی جانیوالی ٹرین زلفِ یار کی طرح بل کھاتی، پھنکارتی، چنگاریاں اُڑاتی، بریلی کے اسٹیشن پر آٹھری! تھرڈ کلاس کے مسافروں کا۔ بدتہذیب جانوروں کا پنجرہ کھلا اور طوفان بے تمیزی چیختا، پکارتا پلیٹ فارم پر دوڑ پڑا! پوری، کچوری، گرما گرم! پان، بیڑی، سگرٹ! مسّی منجن، بریلی کا عمدہ سرمہ! آن واحد میں سارا اسٹیشن گراموفون کا ریکارڈ بنگیا! چیخ پکار، بھاگ دوڑ، کالے آدمیوں کی بھیڑ نے حشرات الارض کے سیلاب نے۔ صاحب لوگوں کا گاڑی تک پہنچنا بھی دشوار کر دیا!!

اسی ہل چل میں دو صاحب لوگ۔ وہ دونوں جو ہمارے پیش نظر ہیں۔ خدا خدا

کر کے نہیں، ڈیم فول کرتے ہوئے سکنڈ کلاس تک پہونچے! قلیوں نے صاحب کا ٹرنک،
ٹفن باسکٹ، ہولڈال، ہیٹ کیس، غرض ہر ایک چیز گاڑی کے اندر رکھنی شروع کی
اور صاحب لوگ اپنا اپنا سگار جلاکر، گاڑی کے دروازہ کے سامنے کھڑے ہوئے، باتوں کا
سلسلہ چھیڑ دیا!

یہ دونوں حضرات سر کی ہیٹ سے لیکر پاؤں کی بوٹ تک صاحب لوگ تھے!
چسٹر فیلڈ دونوں کے زیب تن تھا! لوٹی ہوئی چھوٹی موری کی پتلون دونوں صاحب پہنے
ہوئے تھے، کپڑوں کا کٹ اور فال جو جنٹلمین کی تعریف کا جزو لاینفک ہے نہایت اچھا تھا،
اور استری کی شکن قائم رہنے سے یہ بھی ظاہر تھا کہ آپ کپڑے پہنتے ہی نہیں بلکہ ان کو
رکھنا بھی جانتے ہیں! بوٹ دونوں کے تازہ پولش کیے ہوئے براؤن تھے جن کی ٹو نہ
پتلی تھی نہ چپٹی، بلکہ عجیب طرح سے ایک طرف کو کسیقدر مڑی ہوئی ٹیڑھی سی تھی: اور
سچ پوچھو تو موجودہ فیشن کے لحاظ سے نہایت "اپ ٹو ڈیٹ" تھی! کپڑوں کے لحاظ
سے دونوں میں فرق تھا تو صرف اسقدر کہ ایک صاحب اعلیٰ درجہ کا مفلر باندھے
ہوئے تھا تو دوسرا ایک اونچا سفید ڈبل کالر لگائے ہوئے اور چھوٹی سی بو باندھے ہوئے!!

حلیہ شریف۔ نہیں نہیں۔ حلیۂ انگریز، کچھ نہ پوچھیے کیسا تھا؟ ایک صاحب
کا چہرہ پتلا دبلا، ہڈیاں نکلی ہوئی، چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ غرض دیکھنے میں کسیقدر ناگوار
تھا؛ دوسرے صاحب کا نقشہ ابھرا ہوا، اونچی پیشانی، ناک آگے کی طرف خفیف سی
جھکی ہوئی، آنکھیں گول مگر بڑی، دہانہ کشادہ مگر ہونٹوں کو سکیڑے رکھنے کی عادت؛
کھال کسیقدر موٹی مگر خدا بھلا کرے دنولیا سوپ کا چکنی اور چمکتی ہوئی، مختصر یہ کہ نقشہ
بحیثیت مجموعی برا نہ تھا! داڑھی کی نسبت کچھ کہنا سننا تو ایک فضول سی بات ہے کیونکہ
وہ تو بالکل دیکھتے ہی دیکھتے ایسی غائب ہوئی جیسے ہندوستان سے تقسیم بنگالہ یا
موجودہ ڈپلومیسی سے ایمانداری! رہیں مونچھیں، انکی مختصر سی سوانح عمری چنداں بیجا نہوگی

وہ زمانہ تو لد ہی گیا جبکہ لبیں تراشی جاتی تہیں ؛ البتہ ایک عرصہ سے کاسمیٹک لگا کر انکی خدمت کرنا فرض عین تہا، مگر اب موجودہ رنگ کے لحاظ سے وہ پانی بہی ملتان بہ گیا! کروُپ ریزر کی باقاعدہ روزانہ جاروب کشی، رخساروں سے بڑہتے بڑہتے ہونٹوں تک پہنچ گئی! اول الذکر صاحب بہادر تو موچہوں کے بارے بالکل ہی سبکدوش تہے، البتہ آخر الذکر کی مونچہیں تہیں ضرور۔ اگرچہ تہیں وہ بہی نہ ہونے کے برابر۔ کیونکہ چشم بددور پرکار سے بنی ہوئی دونوں طرف آدہی آدہی تہیں!! افسوس کہ رنگ نے دونوں صاحبوں پر پورا ظلم کیا تہا، کیونکہ نٹیو آب وہوا کی وجہ سے یا نیٹو آفتاب کی تمازت کی وجہ سے رنگ گورا تو الگ رہا گندمی بہی نہ تہا! تاہم صاحب لوگوں پر پیدایشی کالا ہونیکا گمان تو بہ توبہ کون کرسکتا ہی؟ اور اگر کوئی کرے تو نہایت بیوقوف، نہایت احمق، نہایت نیٹو، کالا آدمی!!

سیٹی کی آواز آئی، اور آگ کہانے اور انگارے اُگلنے والا عفریت آہنی، پہنکارتا غل مچاتا گذرے جانیوالے وقت کی طرح چل پڑا! صاحب لوگوں نے قلیوں کو کچہ دیا، زیادہ مانگنے پر دہتکارا، اور گاڑی کے اندر پہونچ گئے!! اوپر کے دو گدّوں پر دو صاحب بالکل بے خبر سو رہے تھے، اور نیچے کے ایک گدّے پر جو کہڑکیوں کے برابر تہا ایک کالا آدمی رضائی اوڑہے پڑا جاگ رہا تہا! اب صرف نیچے کے دو گدے بچے۔ ایک دوسری طرف کی کہڑکیوں کے برابر، اور دوسرا ان دونوں کے بیچ میں۔ اور یہ بہی دونوں خالی تھے! ہمارے اول الذکر صاحب بہادر جو مونچہ اور ڈاڑہی دونوں کی طرف سے فارغ البال تھے، سیٹی بجاتے ہوے اندر آئے اور کہڑکیوں کے برابر والے گدّے پر دراز ہو گئے۔! دوسرے صاحب بہادر یعنی بڑا صاحب۔ بہی کہڑکیوں کے پاس والے گدّے پر ہی لیٹنا چاہتا تہا! اس کی وجہ کہ کیوں اُسی گدّے پر لیٹنا چاہتا تہا؟ ۔ نہ پوچہنے کی ضرورت نہ جواب دینے کی حاجت!

صرف اسیقدر کہدینا کافی سے بہی زیادہ ہوگا کہ - صاحب لوگ کا مرضی ، صاحب لوگ کا کُشی! اور بس !!"

مگر اب مشکل یہ تہی کہ صرف بیچ والا گدّا خالی تہا: لہذا سب سے زیادہ آسان ترکیب یہ تہی کہ کالے آدمی کو بیچ والے گدّے پر ہٹا دیا جاے! یہ کچہ مشکل کام ہی نہ تہا، کیونکہ ہندوستانی آدمی جاگ رہا تہا، صاحب کی طرف گہور رہا تہا، اور سب سے زیادہ یہ کہ کرتہ پائجامہ پہنے ہوئے اور رضائی اوڑہے ہوئے تہا۔ یعنی دیہی گنوار، جاہل، کالا آدمی

بڑا صاحب نہایت بے پرواہی کے ساتہ کالے آدمی سے بولا" تم اِس گدّے پر آجاؤ" مگر آپ کو سنکر تعجب ہوگا کہ ہندوستانی آدمی برابر صاحب کو گہورے گیا، اُسکے چہرے پر خفیف سی مُسکراہٹ ظاہر ہوئی اور اُسنے کچہ جواب نہیں دیا!! اس دیدہ دلیری پر صاحب کو جسقدر غصہ آیا قانون اتیکیٹ کی روسے قطعی جائز تہا! اس مرتبہ صاحب بہادر نے کسیقدر اونچی آواز اور تحکمانہ لہجے کے ساتہ کہا" میں کہتا ہوں تم اِس گدّے پر آجاؤ"

"صاحب بہادر! مجہے تو اسی گدّے پر رہنے دیجیے!" نہایت منت و سماجت کے لہجہ میں کالے آدمی نے کہا!

بڑا صاحب (اور زیادہ زور دیکر) "نہیں، نہیں! تم اودہر کے گدّے پر آجاؤ"

"حضور میں بہت غریب ہوں: مجہے تو پڑا رہنے دیجیے!"

بڑا صاحب "تمکو اودہر آنا ہوگا" اب صاحب کو متواتر گستاخی پر زیادہ غصہ آچلا تہا!

"حضور! صاحب! آپ سرکار ہیں! مجہے نہ ہٹائیے، رہنے دیجیے" کالے آدمی کے لب و لہجہ سے تمسخر ظاہر ہوتا تہا!

بڑا صاحب " وَل! تم کو اودہر آنا ہوگا"۔ غصہ کیساتہ کالے آدمی کی رضائی

کھینچتے ہوئے " فوراً او ہراؤ مَین!"

" بس! خبردار!" کالے آدمی نے دست درازی دیکھکر نہایت غصہ کیساتھ کہا!
وہ اب اُٹھ بیٹھا تھا، اُسکی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، اور اُسکا بدن۔ پتلا دُبلا بدن۔ کانپ رہا تھا! اُسکے ہونٹوں پر ایک غیر معمولی حرکت نظر آرہی تھی، اور اُس کی ڈاڑھی چہرے کے کانپنے کے ساتھ لرز رہی تھی! اُسی حیرت انگیز انقلاب اور صاحب بہادر کو مبہوت بنا دینے والے جذبہ میں کالے آدمی نے نہایت برانگیختہ ہوکر کہا " یہ تو آپ کے چہرے سے ہی ظاہر ہے کہ آپ مسلمان ماں باپ کے معزز فرزند ہیں! مگر میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپنے کہانتک تعلیم پائی ہے اور کہاں پائی ہے؟"

بڑا صاحب (کسیقدر فخر کے ساتھ) " میں ...... کالج کا گریجویٹ ہوں!"

" .... کالج کا گریجویٹ اور یہ اخلاق!" اب کالے آدمی کے غصہ کی انتہا نہ تھی۔ اُس کی نظریں حقارت میں ڈوبے ہوئے تیر بنگئی تھیں، اُس کی آواز جگر خراش اور جوش دلانیوالی ہوگئی تھی، اور اُس کی تیز زبان شرم دلانیوالے الفاظ بلا تکان ظاہر کر رہی تھی " شرم! شرم!! شرم!!! تمکو اسوقت اپنے کالج کا نام ظاہر کرتے ہوئے شرم بھی نہ آئی!"

صاحب بہادر کی حالت بالکل ناقابل اظہار تھی! کچھ ندامت، کچھ شرم۔ مگر ساتھ ہی کچھ غصہ کچھ چڑچڑاپن! آنکھیں جھکی ہوئی تھیں، پیشانی پر پسینہ تو نہیں کچھ یوں ہی سی نمی تھی تیوری کے بل ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے، اور وہ اُس غضب ناک ہندوستانی کو اب اور نظروں سے دیکھ رہا تھا! مگر سچ پوچھو تو اب بھی وہ کالے آدمی کو پوری طرح سمجھا نہ تھا: اُسنے بات ٹالنے کے طور پر کہا " کیا آپنے علیگڈھ کالج کبھی دیکھا ہے"؟

" کبھی دیکھا ہے" عجیب استعجاب کے ساتھ کالے آدمی نے دُہرایا! اس کی آنکھوں سے اور زیادہ شعلے نکلنے لگے، اُسکے ہونٹوں کو زیادہ حرکت ہونے لگی اور اُسکی ڈاڑھی

اور زیادہ لرزنے لگی "تم کو اس سے کیا غرض کہ مینے کالج کبھی دیکھا ہی یا نہیں؟ تم ایسے کمینہ اخلاق کے اظہار کے بعد بھی اسقدر جرأت رکھتے ہو کہ مجھ سے ہمکلام ہو! تمھیں ڈوب مرنا چاہیئے! کیا میرا مسلمان ہونا اسلیے کافی نہ تہا کہ تم مجھ سے شریفانہ برتاؤ کرتے؟ کیا ایسی ناچیانہ حرکت کے بعد بہی تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ مینے کالج کبھی دیکھا ہی! پوچھتے ہو تو سنو! مینے کالج دیکھا ہی۔ تم سے زیادہ دیکھا ہی۔ اُس مرحوم کی آنکھیں دیکھی ہیں جو اس سردار کی آواز سنی ہی جس کی تعلیم کو تم جیسے رسوا کرتے پہرتے ہیں! میں ایک دو سال نہیں پورے ۱۲ سال کالج میں رہا ہوں! مینے بچپن سے ہوش وہیں سنبہالا ہی، میں مسٹر بیک کی مہربانیوں کا پالا ہوا ہوں! میرا نام . . . . . . ہے اور میں ضلع بدایون کی تحصیل . . . . . . میں تحصیلدار ہوں! میں اُسی کالج کا انڈر گریجویٹ ہوں جس کو تم بدنام کرتے پہرتے ہو! میرا عرف . . . . . . ہی جو غالباً تم نے اولڈ بوائے میں دیکھا ہوگا! اب تو تمہیں معلوم ہوا کہ مینے کالج کبھی دیکھا ہی . . . ."

بڑا صاحب (شرمندگی کے ساتھ بات کاٹ کر) میں آپ سے ادب کے ساتھ معافی"

"نہیں نہیں" خشمناک کالے اولڈ بوائے نے فقرہ بہی پورا نہ کرنے دیا "آپ کیوں معافی مانگتے ہیں! آپ تعلیم یافتہ ہیں، آپ صاحب ہیں، میں تو ایک کالا آدمی ہوں جسکو آپ ٹھوکر مار کر گدے سے ہٹا دینگے! حضور سرکار، بڑے آدمی ہیں، میں تو گنوار رعیت ہوں! صاحب بہادر آپ میری رضائی باہر پہینکدیں، مجھے ڈیم بگر کہیں، میرے دو تین ٹھوکریں رسید کریں! افسوس! افسوس!! کیا یہی ہی وہ اخلاق جس کی تم کو تعلیم دیجاتی ہی؟ کیا اسی کے لیے سید مرحوم نے قوم کے آگے گداگری کی تہی؟ کیا کالج کی تعلیم سے تم جیسے نونہال پیدا کرنا سید کا مقصود تہا؟ شرم! شرم!! اگر اسوقت میرے بجائے تم کسی اور شریف مسلمان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے۔ اور غالباً اُسے دہکا کر دوسرے گدے پر ہٹا دیتے، تو وہ اپنے دل میں کالج کو کیا سمجھتا؟ اُس کی تعلیم کی نسبت

کیا رلے لگاتا، اور سید مرحوم کو کن الفاظ سے یاد کرتا؟ ہائے! ہائے!! بدنام کنندۂ نکو نامے چند! ...."

دو تین زور کے ہچکولے، لائن پلٹنے کی آواز، غیر معمولی روشنی، اسٹیشن کا پلیٹ فارم! ایک جھٹکا اور گاڑی ٹھہر گئی! رام پور پر اترنے والے تو نظر نہ آئے البتہ دہلی دربار کے لیے یہاں بھی ایک اژدہام ٹرین کا انتظار کر رہا تھا۔ جو گاڑی رکتے ہی بلائے آسمانی کی طرح ٹوٹ پڑا !!

اس سے تو بحث نہیں کہ کالے آدمی نے جس وقت کالے کی طرح کینچلی اتار ڈالی، اور لعن طعن کی بوچھار شروع کر دی تو وہ کس قدر عرصے تک جاری رہی، اور آخر میں پھر کیونکر وہی بھائی اور میاں کے الفاظ جو کالے آدمی کا تکیہ کلام تھے گفتگو میں آنے لگے! البتہ یہ ہم ضرور کہیں گے کہ یہاں دیکھو صاحب لوگوں کا وبال جان، موت کا فرشتہ، اگر ہے تو وہی گنوار، جاہل، کندہ ناتراشیدہ، نیٹو کالا آدمی !!

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی !!!
کیں رہ کہ تو میروی بہ انگلستانست !!

سلطان حیدر جوش (علیگ)

ہمارے بہت سے بھائی ہم سے دریافت کرتے ہیں کہ اولڈ بوائے کا دفتر بنارس سے کہاں جائیگا؟ اسکے متعلق ہم ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے مگر گمان ہے کہ مادرِ کالج سے قریب تر ہو جائے گا۔ ابھی چند باتیں مشورہ طلب باقی ہیں، انکے طے ہونے کے بعد انشاء اللہ! ہم اپنے بھائیوں کو مطلع کرینگے۔

مولوی غلام محمد صاحب اڈیٹر وکیل کا سوگ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ ہمیں اپنے عزیز بھائی مولوی محمد عزیز مرزا صاحب کے انتقال کی یکایک خبر معلوم ہوئی۔ ہم اب مرحوم کے لیے جتنا افسوس کریں بجا ہے۔ اُنہوں نے ہمارے کالج سے بی اے پاس کیا وہاں کے ٹرسٹی رہے اور آخر وقت تک ملک و قوم کی خدمت تندہی سے بجا لاتے رہے۔

مولوی صاحب کی ولادت اُنکے وطن بہاسو ضلع بلند شہر میں سنہ ۱۲۸۲ ہجری میں ہوئی اُنہوں نے ابتدا سے بی اے تک مادر کالج میں تعلیم پائی اور سنہ ۱۳۰۴ ہجری میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ زمانہ تعلیم میں وہ اپنی ذہانت اور حسن تقریر کے سبب تمام طلبار کالج میں ممتاز خیال کیے جاتے تھے۔ انگریزی زباں دانی اور علم تاریخ میں اُنہوں نے انعامات حاصل کیے

سر آسمان جاہ بہادر کے عہد وزارت میں وہ حیدر آباد بلائے گئے اور نواب وقار الملک بہادر نے اُنہیں سرکار عالی کی ملازمت میں داخل کرایا۔ سنہ ۱۳۰۸ ہجری میں وہ ہوم سکرٹری کے مددگار مقرر ہوے اور سنہ ۱۳۱۰ ہجری میں مجلس واضع آئین و قوانین کے سکرٹری مقرر ہوے۔ سنہ ۱۳۱۲ ہجری میں جوڈیشل سکرٹری کے اول مددگار کر دیے گئے اور سنہ ۱۳۱۴ھ میں کورٹ آف وارڈس کے سکرٹری ہوئے اس موقع پر قابل تعریف امر یہ تھا کہ اُنہوں نے یتیموں کے مال سے حق الخدمت لینا پسند نہ کیا۔ سنہ ۱۳۱۵ ہجری میں وہ منصرم معتمد کوتوالی و امور عامہ کی خدمت پر مامور ہوئے اور پانچ سال بعد سنہ ۱۳۱۹ھ میں وہ چند روز کے لیے تعلقداری پر روانہ کیے گئے لیکن اس سے چار سال بعد سنہ ۱۳۲۳ھ میں وہ پھر حیدر آباد بلائے گئے اور عدالت عالیہ (ہائیکورٹ) کے رکن مقرر ہوئے۔ آخر زمانۂ ملازمت میں وہ ہوم سکرٹری کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ مگر ایک غلط سازش کی وجہ سے جس میں اُنکے نام سے غلط تحریر بنائی گئی

تھی انہیں پنشن عطا کی گئی۔

زمانہ ملازمت میں حیدرآباد کے بڑے بڑے عہدہ داروں نے اُنکی لیاقت اور قابلیت کو تسلیم کیا ہے اور اُنہوں نے متعدد خدمات کو نہایت عمدگی اور خوبی سے انجام دیا حیدرآباد میں ایسی کوئی سرکاری کمیٹی نہ تھی جسکے وہ ممبر نہ رہے ہوں۔ آخر زمانہ ملازمت میں اُنہوں نے ایک تجویز پیش کی تھی کہ حیدرآباد میں علوم مشرقیہ کی ایک یونیورسٹی قائم کیجائے۔ یہ مفید تجویز اگرچہ سرکار عالی نے منظور فرمائی تھی لیکن مرحوم کے چلے آنے کے باعث التوا میں آگئی۔

حیدرآباد میں مرحوم کی سب سے نمایاں خصلت یہ تھی کہ وہ لوگوں کی نفع رسانی میں دل سے کوشش کرتے تھے اور دوست تو دوست کوئی دشمن بھی اس بات کا شاکی نہ تھا کہ اُن کی ذات سے کسیکو نقصان پہنچا ہے۔

حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد ۱۹۱۰ء میں وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سکرٹری بنائے گئے۔ اُنہوں نے اس کام میں نہایت جانفشانی ظاہر کی اور کئی صوبوں کے دورے لیگ کی شاخیں قایم کرنے کے لیے کیے تعلیمی معاملات سے اُنہیں خاص دلچسپی تھی، ہمارے کالج کے ٹرسٹی اور یونیورسٹی کانسٹی ٹیوشن کمیٹی اور سنڈیکیٹ کمیٹی کالج کے ممبر تھے۔ ندوہ کے کاموں میں بھی وہ اکثر دلچسپی لیا کرتے تھے۔ مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا انہیں خاص شوق تھا اور اُنہوں نے اپنی مادری زبان اُردو میں کئی کتابیں تصنیف فرمائی تھیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی لندن نے اُنکے پاکیزہ مذاق انشاپردازی کو دیکھکر اُنہیں اپنا رکن بنایا تھا۔ سال گزشتہ میں وہ انجمن ترقی اردو کے سکرٹری قرار پائے تھے مگر افسوس کہ انہیں اس خدمت کے بجالانے کا موقع نہ ملا۔

مولوی عزیز مرزا صاحب باوجود اعلیٰ انگریزی داں ہونے کے صوم وصلوٰۃ کے بڑے پابند تھے اور اسلام کی محبت اُنکا خاص شعار تھا۔

مرحوم نے چھ صاحبزادے چھوڑے ہیں؛ جن میں ہمارے بھائی مسٹر احمد مرزا حال ہی میں انجنیری کی تعلیم پاکر ہندوستان واپس آئے ہیں، ہمارے بھائی ابو سعید مرزا ولایت میں بیرسٹری کی تعلیم پا رہے ہیں اور باقی چار بھائی ہندوستان ہی میں ہیں۔

ہم اپنے بھائیوں اور مرحوم کے پس ماندوں کے اس غم میں شریک ہیں اور خداوند کریم سے مرحوم کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

ہمارے بھائی مسٹر سید محمود حسین صاحب رئیس ترکی پرہ باس ضلع بلند شہر مع برادر عزیز مسٹر مسعود حسین صاحب کے زیارت کربلائے معلےٰ کے لیے حال ہی میں روانہ ہوئے ہیں۔

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

خدا کرے ہمارے بھائی مع الخیر وطن واپس آئیں۔

سکرٹری شپ کے لیے مسٹر محمد سرفراز خاں صاحب اور مسٹر خواجہ عبد المجید صاحب امیدوار ہیں۔ مسٹر عامر مصطفے خاں صاحب نے امیدواری سے اپنا نام واپس لے لیا اور مسٹر شوکت علی صاحب اس خدمت کے امیدوار ہوئے ہیں۔

ہمیں اپنے مضمون نگار بھائیوں سے یہ شکایت ہے کہ اُنھوں نے رسالہ کے متعلق ہمیں بالکل فراموش فرما دیا ہے، اسیطرح ہمیں یہ شکایت بھی ہے کہ ہمارے بھائی وقتاً فوقتاً اپنے حالات و خیالات سے اطلاع نہیں دیتے کیا ہم اپنے بھائیوں سے اُمید رکھ سکتے ہیں کہ وہ ہماری اس التماس کو سنیں گے۔

ظالم انسان

قبل ازیں کہ ہم اپنے بھائی مسٹر ایم اے کے آزاد کا مضمون درج کریں یہ مناسب خیال کرتے ہیں کہ اُنکے اُس خط کا خلاصہ بھی درج کردیں جو اُنہوں نے اپنے مضمون کے ساتھ ہمیں حال ہی میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"انگلستان سے واپس آنے کے بعد میں پہلے کی نسبت زیادہ مصروف کار ہوں، بلکہ انگلستان میں کچھ ایسی کم فرصتی رہی کہ بدالتفاقی سے علیگڈہ کے کسی طالب علم سے بھی ملاقات ہونے نہ پائی۔ ہاں! صرف ایک جناب عبدالرحمن صاحب بجنوری سے ایک آدہ گھنٹہ کے لیے ایک سرسری ملاقات ضرور رہی تھی۔"

"مینے جس مضمون کے متعلق جناب مسٹر شوکت علی صاحب سے ذکر کیا تھا اُسکی سرخی "نادان فیلسوف" ہے اور جو مادر کالج کی خیالی زندگی کا ابتدائی خیال ہے۔ اس کا ایک ناتمام خاکہ مینے انگلستان سے بمبئی واپس آنے ہوئے اثنائے سفر میں لکھ رکھا تھا جو ابتک میری کم فرصتی کے باعث اسی طرح بیرنگ پڑا ہوا ہے۔ میں کسی فرصت کے وقت اس خاکہ کو مکمل کر کے بہت جلد بھیجدونگا۔"

"میرے سفر کے حالات کے متعلق جو آپ دریافت کرتے ہیں تو یہ کام ایک بہت بڑے دیدہ ور سیاح اور نکتہ فہم مورخ کا ہے مجھ سے ایک خیالی دنیا کے رہنے والے شخص کو ان باتوں سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔ چونکہ بار ہا کے مغربی سفر کے اتفاق پڑنے سے طبیعت کو ان باتوں کی عادت ہوگئی ہے اور میرے نزدیک یہ بات بھی ایک معمولی سی بات ہوگئی ہے، میں نہیں سمجھ سکتا

کہ ان حالات کو میں کیا لکھ سکوں گا اور جسے میری طبیعت ایک معمولی بات
سمجھے ہوئے ہے اُسے میں دوسروں کی نظر میں کیونکر مفید بنا سکوں گا۔"

"اپنے لکھے ہوئے پرچوں میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے اتفاق سے یہ مضمون
نکل آیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کسقدر اور کس حد تک موزوں اور مناسب
ہے اسے بھیجے دیتا ہوں"

مضمون یہ ہے :-

شہر میرٹھ سے کچھ دور اُس سڑک پر جو اسٹیشن کی طرف جاتی ہے دو نوعمر شخص جن کی وضع
قطع سے نئی روشنی کی جھلک دکھائی دیتی تھی آپس میں اسطرح باتیں کر رہے تھے۔

ایک شخص۔ بھائی اختر! تم مجھے یہاں کیوں لے آئے ہو آخر کوئی وجہ بھی بتاؤ گے؟۔
میری طبیعت کہیں نہیں لگنے کی۔ مجھے وہیں جانے دو۔

اختر۔ اشفاق! تم میری بات بھی مانو گے یا نہیں۔ آؤ۔ چلو اس سطح پتھر پر بیٹھ رہیں۔
تمہارے غم کا بوجھ اس قدرتی منظر کے دیکھنے سے ہلکا ہو جائیگا اور میں بھی
کوشش کرونگا کہ تمہاری طبیعت بہل جائے۔

اشفاق۔ خاک پڑے اس تمہارے قطع زمین پر جو دل بہلانے کا سامان ہو سکتا ہو۔
میری آنکھوں میں دنیا اندھیری ہے۔ میرے ڈر نے میری دلچسپی کی طاقت کو سلب
کر دیا، میرے قلب نے میرے دماغ کی قوت ممیزہ کو معطل کر دیا۔ کہو اسپر بھی
تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو۔

اختر۔ مینے مانا کہ تمہارا صدمہ ایک حد تک ناقابل برداشت ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ تمہیں
اپنی بیوی سے الفت تھی مگر میرے کہنے کو التجا سمجھو، اپنی حالت اور میری
ہمدردی پر رحم کرو اور چند لمحوں کے لیے اس پتھر پر بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرو۔

اشفاق۔ بجز اسکے کہ میں وہاں بیٹھ کر اور پریشان ہونگا کچھ نہیں ہوگا۔ میری اس ضد کو

دوا سمجھو، میری غربت اور اپنی محبت پر رحم کرو اور مجھے وہیں جا کر اپنا سر پھوڑنے دو

اختر تمہیں پورا حق حاصل ہے کہ اپنے ارادوں کی تکمیل زیبا یا نازیبا طور پر کر لو، میں ہرگز تمہارا سد راہ نہیں ہو سکتا مگر بحیثیت دوست یہ ضرور کہونگا کہ اتنی بات مان لو پھر جو

اشفاق تم ٹھیک کہتے ہو اور مجھے بھی اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے ابتک کوئی کام تمہارے خلاف مرضی نہیں کیا اور نہ کرونگا۔ مگر اب یہ تو دیکھو کہ ہم اس جگہ سے جہاں تم کو پہنچنا چاہئے تھے کسقدر دور نکل آئے ہیں۔ اب وہاں تک جانا ایک اور مصیبت ہے۔ اور نہ جانے اس جگہ میں رکھا کیا ہے۔

اختر اچھا تو یہ لو یہ ایک اور بہت بڑا پتھر پڑا ہوا ہے جسپر ہم دونوں بخوبی بیٹھ سکتے ہیں۔ اب اس میں بھی کوئی عذر ہے؟۔

اشفاق خیر! تمہارے اصرار سے میں مجبور ہوں مگر ایک شرط پر ٹھیرونگا کہ جب اور جہاں میرا جی چاہے اُٹھکر چلدوں۔

اختر مجھے منظور ہے اور میں یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ اپنی ذات پر تمہیں پورا حق حاصل ہے لیکن خدانخواستہ تم کہیں چلے گئے تو تمہارے والد کو میں کیا جواب دونگا۔

اشفاق یہ نہ کہو کسی کا کوئی جواب وار نہیں ہوتا۔ انسان اپنے جذبات کا پتلا ہے، اسکے وعدوں اور ارادوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک کا اظہار قبل ازارتکاب ہوتا ہے اور دوسرے کا نہیں۔

یہ دونوں چند لمحوں تک اس پتھر پر چپ چاپ بیٹھے رہے پھر اشفاق نے ایک آہ سرد کھینچکر سلسلہ کلام یوں شروع کیا۔

اشفاق اختر! تم میری وحشت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ مجھے خوف ہے کہ میں پاگل ہو جاؤنگا۔

عرض کیجیے جوہر اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

اختر: پھر تم نے اس قسم کی باتیں کرنا شروع کیں ۔ مجھے سخت تعجب ہے کہ تعلیم یافتہ اور روشن خیال شخص ایسے الفاظ اپنی زبان سے نکال سکتا ہے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ محض ایک خیال ہے جو تمہیں ستا رہا ہے ورنہ اصل حقیقت کچھہ نہیں۔ میرے کہنے کا برا نہ ماننا، کیونکہ اس دنیا کا یہی دستور ہے کہ آج پیدا ہوئے کل ہمیں دفن کرینگے اور کل ہمیں دفن کرنے والے ساغرِ اجل سے مخمور ہونگے۔

اشفاق: تم تو ایسی بگڑی بگڑی باتیں کر رہے ہو جیسے کوئی قدرت کا سفیر اپنے ہموطنوں کی چارہ جوئی کرتا ہو۔ تمہارے خیالات بے حد محدود معلوم ہوتی ہیں؛ اس سے پایا جاتا ہے کہ تم نے ابتک وسیع مقتل کو اس نظر سے نہیں دیکھا جیسے کوئی انصاف پسند انسان دیکھتا ہو۔ تم اس حقیقت سے کماحقہ واقف نہیں۔ تمہارے نزدیک اسکے کل حرکات و سکنات جائز اور درست ہیں۔ تم اس کے عیب میں بھی خوبی نکالتے ہو، اس کی پستی میں بھی علویت پاتے ہو، یہاں کی ظلمت نے اپنے بدنما داغوں کو تمہاری کمزور نگاہوں سے چھپا لیا، مختصر یہ کہ تم اسکے فریفتہ ہو، گرویدہ ہو، مداح ہو اور نکتہ چین کے سوا سب کچھہ ہو۔

کسی پر جبر کرتا ہے کسی پر ظلم کرتا ہے — زمانہ ہے کہ ظلم ناروا سے کب مکرتا ہے
زمیں پر کانٹے بوتا ہے زمیں پر گل کترتا ہے — جہاں کے دو لوخ وہ اپنی خونریزی سے بھرتا ہے

عدم تک رنگ چھایا ہے اسی کے جورِ پنہاں کا
کہ ہے ہر قبر خاکہ اک نئے گورِ غریباں کا

اختر: پیارے اشفاق! تمہارے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ میں ایک سیدھا سادہ آدمی ہوں میں نے اس دنیا میں امن و امان پھیلانے کا ٹھیکہ لیا ہے نہ اپنے کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ اوروں کو راہ راست پر لے آؤں۔ میری ناقص عقل جہانتک کام

کرتی ہے مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے خیالات بہت ہی مفید و کارآمد ہیں۔ میں اپنے خاندان میں رہکر اُس کی مٹی خراب نہیں کرسکتا۔ میرا فرض ہے کہ میں زمانہ کا ساتھ دوں۔ ساری دنیا مجھ سے یہ امید رکھتی ہے کہ میں یہاں کے خلاف قواعد کوئی کام نہ کروں۔ مجھے ضرور ہے کہ میں ایک حد تک اپنے اسلاف کی تقلید کروں۔ بیشک میں بھلے اور بُرے میں ایک حد امتیاز رکھتا ہوں۔ مجھے یہاں کی ہر ادا انہیں بھاتی مگر اس سے میں کسی طرح گریز نہیں کرسکتا کہ اوروں کی نظروں میں کھٹکوں۔ مجھے اسکے منتمکنوں سے واسطہ رکھنا ہے، یہاں جب تک رہونگا تنازع البقاء اور انتخاب فطری کے عالمگیر اصول کا پابند رہونگا اور جب نہونگا تب اُنسے بری ہونگا۔

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسد
سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

اشفاق مجھے اس سے رنج ہوتا ہے کہ تمہاری دلیلیں تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہوتیں۔ جیسے میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ تم نے اب تک فقط اسکا روشن حصہ دیکھا ہے تاریک پہلو کو جانچا تک نہیں۔ تمہارے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ تم ان تمام قوانین کی پابندی محض اسلیے کرتے ہو کہ تم ہر شخص کو اسکا مطیع دیکھتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اپنا قیمتی وقت اسکی اصلیت دریافت کرنے میں صرف نہیں کیا کہ انکا موجد کون تھا۔ ان میں کئی ایسے ہیں جو پایہ ترجیح سے گرے ہوے ہیں اور کئی ایسے ہیں جو انسان کی شان کے خلاف ہیں۔

اختر سوا اسکے میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی کہ تم یہاں کے مسلم آئین سے سرتابی کرنا چاہتے ہو مگر تم یہ جانتے ہو کہ صرف دلائل سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ یہاں کے آئین میں زبردست عیوب موجود ہیں۔

تمہیں چاہیے کہ تم اُن واقعات کو پیش کرو جو تمہاری نظروں میں انسان کے ظلم وستم کے محرک ہیں۔

اشفاق کیا تم نہیں جانتے کہ آج ہی میرے دل پر ایک تازہ زخم پڑا ہے۔ خیر! اگر یہیں تک ہوتا تو میں برداشت بھی کر لیتا مگر تم تنگ دل انسانوں نے اپنے چند افعال سے اس پر نمک چھڑکا اور ایک دبی ہوئی آگ کو مشتعل کر دیا۔

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینہ کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی اپنے چراغ سے

اختر میں تمہارے آج کے صدمہ پر جس قدر ہمدردی ظاہر کروں کم ہے۔ مگر اسکے معنی نہیں کہ تمہیں بعید از عقل باتیں کرتے ہوئے سنوں اور اُنکی نسبت اپنی سچی رائے نہ دوں،

اشفاق تم نے کیا اچھا کیا جو عقل کو مد نظر رکھا۔ لو اب میں تمہیں اُسی دیوی کی سوگند اور تمہارے اعتراض سے تمہاری تردید کرتا ہوں تم جانتے ہو کہ میری شادی ہوئے یہ چوتھا مہینہ ہے!۔

اختر ہاں!

اشفاق تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ شادی سے پہلے مجھے کتنی تکلیفیں اٹھانا پڑیں؟

اختر مجھے سب یاد ہے۔

اشفاق تم نے میری بیوی کو بھی دیکھا تھا؟

اختر تمہاری عنایت ہے۔

اشفاق یہ نہ کہو، بلکہ تم دونوں کی خواہش کے مطابق۔ خیر یہ میرا جملہ معترضہ تھا مگر تم اُس کی لیاقت اور قابلیت کی داد دیا کرتے تھے۔

اختر۔ خدا مرحومہ کو غریق رحمت کرے۔

اشفاق میں اُس سے کسقدر محبت کرتا تھا۔
اختر تمہاری محبت پرستش کی حد تک پہونچگئی تھی۔
اشفاق اب تم اسپر بھی مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ جو مظالم اس پر ٹوٹے ہیں اُنکی شکایت نہ کروں۔
اختر مثلاً
اشفاق جسوقت میری پیاری رضیہ (یہ نام لیتے ہوئے میرا کلیجہ منہہ کو آتا ہی) بستر مرگ پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی اور اپنا رخصتی سلام ہرایک کو کر رہی تھی اسکے منہہ میں جبراً شہد ڈالا گیا اور یہ خبر اڑا دی گئی کہ وہ دنیا سے چل بسی حالانکہ اُسوقت تک سانس برابر جاری تھی، اور فوراً آدمی بھیجا گیا کہ بازار سے کچھ سودا خرید کر لے آئے اور درزی کو بھی بلا لے تاکہ جسے تم تجہیز تکفین کہتے ہو اس کی تیاریاں ہوں جب اُس کی نگاہ واپسیں مجھ پر پڑی میں بے اختیار ہو کر چاہتا تھا کہ ایک آخری بوسہ لیلوں مگر اس سے روکدیا گیا۔ جب طائر روح پرواز کر گیا گویا سارا جوہر اس سے جاتا رہا۔ باہر آکر دیکھتا ہوں کہ وہیں پانچ آدمی صحن میں بیٹھے ہوئے ہیں اور بہت سے اور آرہے ہیں؛ جن میں ایک تم بھی تھے۔ تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ ایک شخص کسقدر عجلت اور پھرتی کے ساتھ کپڑا پھاڑ کر (کفن) سی رہا تھا مجھے حیرت تھی کہ اتنی عجلت کس بات کی ہی۔ مگر پھر معلوم ہوا کہ حسب دستور ان چیزوں کو بہت جلد تیار کرنا چاہئے۔

جس نازنین کے دوش پہ بھاری ردائے گل
زیب کنار اُس کے کفن وا مصیبتا

اتنی دیر میں بہت سے لوگ اکٹھا ہو گئے اور مولوی عبدالغفور صاحب نے جلد قبرستان چلنے کا تقاضا کیا۔ فوراً ایک چھوٹا لڑکا اندر بھیجا گیا۔ اُس کے واپس

آنے سے پہلے میں اندر گیا تو دیکھتا ہوں کہ مستورات اب تک وہاں سے ہٹیں نہیں تھیں اسلیے میں وہیں رو کا گیا کیونکہ وہ سب پردہ نشین خواتین تھیں اور میں اُنکے نزدیک ایک غیر مرد تھا حتیٰ کہ یہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ میرا محرم راز ان کا راز دار بنگیا۔ آگے بتلاتے ہوئے بیراوم گشتا ہے۔ جب مرد اندر گئے تو دفعتاً میری خوشدامن چیخ چیخ کر رونے لگیں اور یہ الفاظ اُنکے منہ سے جاری تھے "نہ لے جاؤ میری پیاری رضیہ کو نہ لے جاؤ" اُسنے تمہارا کچھہ نہیں بگاڑا اور اب بھی تمہیں نہیں ستائیگی اسکا ذمہ میں لیتی ہوں میری اس سعادت مند بیٹی نے کبھی قصور نہیں کیا تھا، پھر اسپر یہ ظلم کیوں کیا جاتا ہے۔ مجھے بھی اسکے ساتھہ جلنے دو" اختر! تم خیال کر سکتے ہو کہ ان جملوں میں کسقدر درد اور رقت ہے، گویا ہر لفظ سے لہو ٹپکتا ہے۔ پھر بھی بیچاری ہمارے یہاں کی عورتیں مردوں کے کچھہ حساب میں نہیں۔ بھیڑ اور بکری کی طرح زندگی بسر کروانا مرد اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں، عقل کو بدنام کرکے طاقت سے کام لیتے ہیں انسان بن کے وحشیوں کا شیوہ اختیار کر لیتے ہیں، پرندو درند اور باقی تمام کائنات جن تحائف و برکات سے اپنی نصف آبادی کو محروم نہیں رکھتے وہ انسان ایسے وتیرے اختیار کرتا ہے خیرا یہ امر میرے نفس کلام سے کسیقدر خارج ہے، میں اسکے متعلق آیندہ کسی گفتگو میں اپنا خیال ظاہر کرونگا۔ اب سنو جب یہ سب مرد اندر پہونچے تو اس خاموش اور بے زبان پیکر کو ہاتھوں ہاتھہ اُٹھالیا اور جنازے میں رکھا۔ وہاں سے چلے تو وہ چال بھی ستم سے خالی نہ تھی؛ رفتار اسقدر تیز کہ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اُسے تنگ آکر جوں توں قبرستان پہونچانا چاہتے تھے۔ بصد دقت وہاں پہونچے، جہاں اُس بیچاری پر ایک اور عذاب کا پہاڑ ٹوٹا گیا؛ یعنی اُسے اُتار کر ایک گڑھے میں لٹا یا۔ سب ظالموں نے ملکر اُسپر مٹی ڈالنا شروع کی اور

مجھ سے بھی باوا جان نے کہا، مگر میں نے اُنکے حکم کی تعمیل نہ کی۔ مجھے اس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ بہت خفا ہوئے جسکا مجھے افسوس ہی۔ غرض آناً فاناً وہ گڑھا مٹی سے بھر دیا گیا اور وہ نازنین جو کبھی اپنا سر ریشم کے تکیوں پر رکھتی تھی زمین کا نوالہ ہو گئی۔

ہے مجھکو یہ تعجب سوئیں گے پاؤں پھیلا
یہ رنگ گورے گورے کیونکر کفن کے اندر

اختر! اب بتاؤ تم نے یہ کل کیفیات بچشم خود دیکھیں یا نہیں اور میں اپنے دعوے میں سچا ہوں یا جھوٹا۔ یاد رکھو تم نے عقل کا واسطہ دیا ہی۔

اختر (جو اُن دردانگیز جملوں سے متاثر ہو چکا تھا اور آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں) تمہارا کہنا بہت درست ہی، تمہارے بیان میں مطلق مبالغہ نہیں، تمہاری دلیلیں معقول ہیں مگر یہ تو بتاؤ کہ ایک خوبصورت پھول مرجھا جاتا ہی تو وہ کس کام آتا ہے؟

اشفاق اسے بے وفا پھینک دیتے ہیں۔

اختر جب یہ حالت دنیا میں ہر شے کی ہی تو ہم اس سے کیونکر بری ہو سکتے ہیں؟

اشفاق پھر میرا رونا کس بات کا ہی!

اختر اس کا علاج یہی ہی کہ انسان خود اپنا معالج بنے۔

اشفاق مجھے تعجب ہی کہ تم ایک ذی روح کو غیر ذی روح سے تشبیہہ دیتے ہو۔

اختر ایک روح کے نہونے سے دونوں کی حالت یکساں ہی۔

اشفاق اختر! اختر!! یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اُسی کو خاک میں ملانے کو کہتے ہو جس (مظلوم بیکس) پر دو گھڑی پہلے ایک عزیز تر چیز کے ہونے سے دنیا کے ظاہر پرست اپنی جانیں نثار کرتے تھے۔ اب اُسی کے نہونے سے اسپر سب ظلم و ستم روا رکھیں۔ اگر اس ظلمت کدہ کا یہی حال ہی تو لو پھر ہمارا بھی اسے سلام ہی۔

اختر تمہیں اختیار کامل ہے، تم جو چاہو کر سکتے ہو مگر ایک آخری تردید یہ ہے کہ تمہارے رسوم و قیود تمہیں کیا سکھاتے ہیں۔

اشفاق رسوم و قیود جیسی اور چیزیں انسان کی بنائی ہوئی ہیں ویسی ایک یہ بھی ہے۔ کیا اچھا ہوتا جو تم وعدے پر قائم رہتے۔ تم نے مجھے عقل کا واسطہ دیا تھا نہ نقل کا۔ بس یہ سب ÷۔

خموشی نے اپنا تسلط جمایا۔ بیچارہ اختر ان رسم سوز اور قیود شکن الفاظ پر خاموش رہا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔ اور اب یہ دونوں شہر کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیے۔

از "آزاد"
بمبئی

ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی ہے کہ ہمارے اخی محترم مولوی محمد حسن خانصاحب پوسٹ ماسٹر بنارس جو کچھ عرصہ سے چھاونی کے صدر ڈاکخانہ میں اس خدمت کو منصرمانہ انجام دے رہے تھے اب اسی ڈاکخانہ میں مستقل ہو گئے ہیں۔ ہمارے بھائی نہایت محنتی اور حاکم و محکوم دونوں کے خیر طلب ہیں اور ہم نے اپنی آنکھوں سے انکا کام دیکھا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ سرکار انکے ان خدمات کا کافی صلہ دیگی۔ مسٹر محمد حسن خاں صاحب مادر کالج کے اولین طالب علموں میں سے ہیں۔ ہم اپنے بھائی کو مبارکباد دیتے ہیں۔

بعیۃ اودلڈ بوائز

یہ خبر ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے لیے نہایت رنج دہ ہی کہ ہمارے دفتر کامریڈ (کلکتہ) سے مبلغ چھ سو ستر روپیہ نقد اور مختلف رقموں کے چھ چک چوری گئے۔ اسوقت تک چوروں کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ ہمیں اپنے بھائی مسٹر محمد علی سے اس نقصان میں ہمدردی ہی اور خداوند کریم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس رقم کی تلافی فرماوے۔

کرشن کنور اسرار رنگون ایشیائی شاعری حیات انیس در شاہوار

عہ/ عہ/ ۶/ عہ/ ۱۲/

رنج و راحت ہادی اسلام سیاحت امیر چاہات آبپاشی الشافی

عہ/ ۱۲/ ۱۲/ عہ/ عہ/ ۸/

یہ کتابیں منیجر اودلڈبوائے بنارس چھاونی سے ملسکتی ہیں۔

قدردانانِ اودھ پنچ

نمبر	نام	مقام
۳۴۶	مسٹر ابوالحسن صاحب انسپکٹر آبکاری چندوسی ضلع	مرادآباد
۳۴۷	" سراج الدین صاحب - کنٹرولر آفس - دلکشا	لکھنؤ
۳۴۸	" آنریبل راجہ رامپال سنگھ صاحب رئیس کری سدولی ضلع	رائے بریلی
۳۴۹	" قاضی نذیرالدین صاحب رئیس کوٹھی وکٹوریہ گنج	لکھنؤ
۳۵۰	" مظفر محمد خاں صاحب - تحصیلدار	گونڈہ
۳۵۱	" سید محمد صادق صاحب - سب انسپکٹر پولیس گلاوٹی "	بلندشہر
۳۵۲	" غلام اکبر صاحب - سب انسپکٹر - دفتر سپرنٹنڈنٹ صاحب	بارہ بنکی
۳۵۳	" سید باقر حسین صاحب رپن اسٹریٹ	کلکتہ
۳۵۴	" سید نصیرالدین حیدر صاحب ڈپٹی کلکٹر	بارہ بنکی
۳۵۵	" سید فدا حسین صاحب - انسپکٹر خفیہ پولیس	لکھنؤ
۳۵۶	" ایل ڈی میر صاحب	لکھنؤ
۳۵۷	" دولے خاں صاحب - سب انسپکٹر کندھراپور	اعظم گڈھ
۳۵۸	" عزیزالحسن صاحب غوری - ڈپٹی کلکٹر	فتحپور
۳۵۹	" سید رضا حیدر صاحب رئیس شاہگنج	آگرہ
۳۶۰	" شیخ محمد وجیہہ صاحب - ڈپٹی کلکٹر	مظفرنگر
۳۶۱	" شیخ نواب علی صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل	بارہ بنکی
۳۶۲	" اشفاق علی صاحب ضلعدار نہر	جھانسی
۳۶۳	" محمد علیخاں صاحب وکیل	بجنور
۳۶۴	" سید زین العابدین صاحب منصرم حجی	فتحگڈھ

۳۶۵	مسٹر شریف احمد صاحب وکیل کیرانہ	مظفرنگر
۳۶۶	" احمد حسین صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول	رامپور
۳۶۷	" وہاج الدین صاحب بیرسٹر ایٹ لا	لکھنؤ
۳۶۸	" سید احمد رضا صاحب اسلامیہ ہائی اسکول	اٹاوہ
۳۶۹	" آغا محمد صفدر خاں صاحب قزلباش۔ بی اے ایل ایل بی شہباز منزل	سیالکوٹ
۳۷۰	" آرا سکندر صاحب عرف سردار مرزا صاحب بیگم برج	میرٹھ
۳۷۱	" سید حسن عسکری صاحب معرفت سید فدا حسین صاحب وکیل	رائے بریلی
۳۷۲	" خلیفہ سید محمد سالم صاحب رئیس	پٹیالہ
۳۷۳	" حاجی عیسیٰ خاں صاحب رئیس وتاولی	علی گڈھ
۳۷۴	" محمد حامد خاں صاحب۔ انسپکٹر نمک	سانبھر
۳۷۵	" سید جلال الدین صاحب ایم اے۔ چیفس کالج	لاہور
۳۷۶	" سید مظفر امام صاحب منصف بانسی	بستی
۳۷۷	" سید نظام الدین حسن صاحب۔ ایم اے بی ایل	لکھنؤ
۳۷۸	شمس العلما مولوی سید امجد علی صاحب	الہ آباد
۳۷۹	خان بہادر مولوی اسرار الحسن خاں صاحب نصیر المہام	بھوپال
۳۸۰	مولوی حشمت اللہ صاحب۔ جنٹ مجسٹریٹ	فرخ آباد
۳۸۱	مسٹر زوار حسین صاحب انسپکٹر نمک	بنارس
۳۸۲	" سید محمد اکبر علیخاں صاحب رئیس پنڈراول	بلندشہر
۳۸۳	" قاضی برکت علی صاحب دفتر بندوبست ڈاکخانہ بارپور ضلع	ڈھاکہ
۳۸۴	" عبدالحکیم صاحب مہتمم تعزیرات	بھوپال

رجسٹرڈ نمبر ا ے (۵)

اولڈبوائے

جلد ۲ (بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۲ء) نمبر ۸

اڈیٹر

ابو حامد عترت حسین بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا

حسب ایمای مسٹر سید منظر علی دفتر اولڈبوائے واقع جعفر منزل علیگڑھ سے شائع ہوا۔

اولڈ بوائے

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

(۱) جملہ سابق طلباء مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈھ کے دلوں میں انکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُسکے حالات سے انکو باخبر کرنا اور اس کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا

(۲) اولڈ بوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا، اور اس کو ترقی دینا اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

(۳) "اولڈ بوائز ایسوسی ایشن" اور "کالج" کی مالی مدد کے لیے سابق طلباء کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمتگزاروں میں خود اُسکے فرزندوں کی خدمات کافی اور تسلی بخش ہوں۔

(۴) جملہ اولڈ بوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا، تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کر سکیں جو قوم نے اُن پر ہمارے کالج کے قائم کرنے سے کیا

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

(۱) جملہ خط و کتابت دربارۂ ترسیل زر و تبدیل پتہ منیجر اولڈ بائے علیگڈھ سے ہونی چاہیئے۔

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ اڈیٹر اولڈ بائے علیگڈھ ناچاہیئے اسیطرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلے کے لیے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان اولڈ بوائے، ہر وقت مفید مشورہ و رفع شکایات کے لیے تیار ہیں، اور شکر گذاری کے ساتھ آپنر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر

۷۸۶

ماہ فروری کے اولڈ بوائے میں جو مضمون "علیگڈھی حاجی" کے نام سے شائع ہوا ہی اس میں حطیمہ کی نسبت درج ہی " یہ حصہ بزمانہ سابق یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ سے قبل عمارت خانہ کعبہ میں داخل تھا لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو باہر چھوڑ کر خانہ کعبہ کی دیوار کو سیدھا کر دیا" (صفحہ ۱۶ سطر ۱۱، ۱۲، ۱۳)۔ یہ بیان تاریخ کے بالکل خلاف ہی۔ واقعہ یہ ہی کہ حطیمہ کا حصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنا کردہ خانہ کعبہ کے اندر تھا، جب قریش نے قبل اسلام خانہ کعبہ کی مرمت کی تو بوجہ اپنی عسرت اور ناداری کے کل کام نہ بنا سکے اور ایک حصہ کم کر کے اتنے حصہ کو علٰحدہ کر دیا جو حطیمہ کہلاتا ہی۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور طواف کعبہ فرمایا تو اُم المومنین حضرت عائشہ سے فرمایا کہ اگر تمہاری قوم جدید الاسلام نہوتی تو میں بیت اللہ کو مطابق بناء ابراہیمی بنا دیتا یعنی حطیمہ داخل بیت اللہ ہو جاتا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں

خانہ کعبہ کو حسب منشار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وسیع کر کے حطیمہ کو داخل خانہ کعبہ کر دیا خلیفہ عبدالملک کے عہد میں حجاج نے پھر ترمیم کر کے حطیمہ کو خانہ کعبہ سے خارج کر دیا۔ ہارون رشید نے اپنے زمانہ خلافت میں قصد کیا کہ پھر ترمیم کر کے بیت اللہ کو مطابق بنا ابراہیمی کر دیں مگر حضرت امام مالک نے انکو روکا اور فرمایا کہ خانہ کعبہ کو سلاطین کا کھلونہ مت بناؤ۔ ہارون رشید نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور اسوقت سے آج تک حد کعبہ بدستور راز حطیمہ خارج از کعبہ ہی بیضاوی دیوار سنگ مرمر حد ابراہیمی کے ظاہر کرنے کے واسطے قائم ہے اس بیان سے معلوم ہوگا کہ حطیمہ خانہ کعبہ سے قبل رسالت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خارج ہو چکی تھی اور آپنے اسکو خارج نہیں فرمایا، بلکہ آپ کا منشار تھا کہ حطیمہ داخل کعبہ ہو کر حد ابراہیمی قائم ہو جاوے۔

نیاز مند حبیب الرحمن (خان)
از حبیب گنج

ہمارے بھائی مسٹر خواجہ غلام الثقلین صاحب نے جس ترتیب سے بلاد اسلامیہ کا سفر کیا وہ حسب ذیل ہے:-

ہندوستان سے بصرہ، بغداد، کاظمین، سامرہ، پھر کاظمین، کربلائے معلّٰی، نجف اشرف پھر کاظمین، خانقین، کرمان شاہ، شاہ آباد، طہران، رشت، انزلی، باکو، اڈلیسہ، قسطنطنیہ، بیروت، بیت المقدس۔ پھر بیروت، یافہ، پھر بیت المقدس، دمشق، مدینہ، فورہ، پھر یافہ، پھر بیروت، اسکندریہ، قاہرہ، پورٹ سعید اور وہاں سے واپس ہندوستان، اس تمام سفر کے حالات ہمارے بھائی ایک مفصل سیاحت نامہ میں قلمبند فرما رہے ہیں؛ جس سے ممالک اسلامیہ کے متعلق ایک بہترین کتاب ہمارے ہاتھ آجائیگی۔

نیم برشت کھچڑی

نمبر (۱)

یہ پکوان کچھ ایسا پکوان نہیں ہے، نمک پانی درست ہو، نصف ابال تک آئی کہ اس خلط ملط ملغوبہ لذت کو جگر سوز آنچ پر سے اُتار لیجیے، کھا لیجیے تو دل ٹھنڈا ہو جائے۔ اور طرح طرح کی جذبات اور لذات کا مزہ آ لے۔ شاہنشاہ عالمگیر برہانی کھچڑی کے دلدادہ تھے۔ آج صاحب بہادر نیم برشت انڈے کی عزت افزائی کرتا ہے، اور ہم آپ تو ہر وقت گھر بیٹھے کھچڑی پکایا کرتے ہیں۔ اور اولڈ بوائے کی یہ کیفیت ہے کہ نیم برشت یا غیر برشت مسلم یا غیر مسلم مضامین کی صاف صاف دانے جو الفاظ کی صورت میں صفحۂ قرطاس پر بکھرے رہتے ہیں ہڑپ کر جاتا ہے۔ نلو معدہ سے ابخرات بہت اُٹھتے ہیں اور بیچارے مضمون نگار کے ٹکڑے ٹکڑے الفاظ جل کر ہضم ہو جاتے ہیں۔ ذرا بھی پیٹ پھولے۔ دم چڑھے کیا مجال۔ کیوں اسلیے کہ بچپن ہی میں بڑھاپے کا اضافہ ہو گیا۔ ایک طرف کا الڑھپن۔ دوسری طرف کا نسیان طبعی۔ ان دو کے باعث ہاضمہ بہت زیادہ قوی ہو گیا یہ تو حالت تھی ہمارے زمانہ قدیم کی جبکہ ہم کالج میں بوائے تھے اور یہی حالت ہے ہمارے زمانہ حال کی جبکہ ہم الڑکے جلتے ہیں اور جب دونوں کو ملا دیجیے تو کھچڑی کا مزہ آجاتا ہے اور نیم برشت یا کل برشت مضمون نگار کا دل اُسوقت ہو جاتا ہے جبکہ اکثر نقال کاپی نویس عبارت کی دھجیاں اڑا دیتا ہے۔ اولڈ بوائے خوش ہے کہ وہ مادر کالج کی طرف عود کر جائے۔ میں بھی خوش ہوں مگر ڈر ہے کہ مبادا یہ رجعت قہقری کہیں لفظ اولڈ کو حرف غلط کی طرح نکال نہ دے اور صرف بوائے ہی بوائے رہ جائے تو پھر کاشی کا گلگشت بھی گیا۔ اپنا وقار بھی اپنے ہی ہاتھوں گیا کہ بڈھے سے لڑکے ہو گئے۔ مگر یہ سفر مبارک ہو اسلیے کہ کل شیء یرجع الی اصلہ قبل اس کہ تمام ہو جوات

سمٹ کر تمام و کمال مبدا فیض کی طرف رجوع کریں اور انا للہ وانا الیہ راجعون کے پورے پورے مصداق نہیں - بیچارے مسلمانان عالم نشانہ تیر و تفنگ بن رہے ہیں اللھم ارحمنا

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

اگر اسلام پرست مسلمان علوم کے پکوان کے لیے دماغ تراش کرکے مسلم یونیورسٹی کے لیے گھوستے ہیں - بیچارتے ہیں - دربدر کاسہ گدائی لیکر پہرتے ہیں جان و مال کی صرف شرعی زکات مانگتے ہیں جس سے کل ہو کی قوم سیراب ہو جاے اور وعدہ کرتے ہیں کہ صرف ایک ہانڈی مسلم یونیورسٹی میں رنگ برنگ کی بریانی اُتار لینگے جسکے ہر ایک دانہ سے ہر ایک خوشہ چین ہندوستان - کردستان - کافرستان ترکستان وغیرہ سیراب ہو جائیگا اور اسطرح ہر قوم کی قوم کا مرض حقیقی یعنی املاس دور ہو جائیگا پھر تندرستی کا اشنان ہوگا - خوشی کے شادیانے بجینگے مگر واہ رے حاتم کی قبر پر لات مار کر اُسکو یا اُسکے نام کو زندہ کرنیوالی کہ گھر میں جدار و سقف تک مالا مال ہیں - مگر نہ خود خورد نہ بکس دہد گندہ کند لبسگ دہد - آج کل کے وعدو نپر اتنا ٹالا کہ سات سمندر پار کرکے بادشاہ سلامت تشریف لائے اور سارے ہندوستان نے اب سنئے سرے سے پھر جنم لیا مگر ہم اس قابل بہی نہوے کہ بادشاہ سلامت کے سامنے زبان کہولتے اپنی مدتوں کی آرزو گوشہ دل میں لیکر منہ تکتے ہی تکتے رہ گئے اور پھر خواب تہا جو کچھہ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تہا - آپکے وعدوں کو کن اسماے گرامی سے یاد کروں - یاد کراؤں - خود قادر مطلق بہی تو ہمکو یوں اسے سمجھکر خوب بہلا رہا ہے ؎

قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور
اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدہ حور

عزت گئی آبرو گئی۔ وقت گیا۔ اب ایمان بھی چاروں طرف سے مانگا جارہا ہی کچھ کہیں تو کہہ نہیں سکتے۔ سوچیں تو سوچ نہیں سکتے تڑپنا چاہیں تو تڑپ نہیں سکتے نہ قومیت ہم میں نہ وجاہت ہم میں نہ دولت ہم میں۔ نہ ثروت ہم میں۔ نفاق ہم میں۔ غرور ہم میں فیشن ہم میں۔ اسراف ہم میں۔ غرضکہ دنیا بھر کا لغو و لاطائل ہم میں بھرا ہے ہم آسودگی سے گھر بیٹھکر ترقی کر سکتے ہیں یا ترقی کے ہوتے قوموں کے ساتھ طرح طرح کی کھچڑی پکا سکتے ہیں ہرگز نہیں یہ سب تو تباہی کہ موت کا بازار گرم ہو گیا۔ اُس نے اپنا پیٹ موحدین سے بھرنا شروع کر دیا۔ جسکو قوم نے تاکا اُسکو موت نے تاکا۔ ہائے آج ہم میں وہ ہمارا عزیز بھائی نہیں، جسکے ہاتھوں میں سیاست کی باگ تھی جس سے تمام آرزوئیں وابستہ تھیں۔ اب تمام بنی نوع انسان ہم پر خندہ زنی کرتے ہیں اور بقول اقبال کہتے ہیں ؎

بت صنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے ہے خوشی اُنکو کہ کعبہ کے نگہبان گئے
منزلِ دہر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے

خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہی کہ نہیں
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

اب بتائے مسلمان بیچارے بریانی کھچڑی کس برتے پر پکائیں، اخوت کے دلدادہ تمام مسلمانوں میں کچھ ایسے اینٹھ گئے ہیں کہ زمانہ کے سخت سے سخت اُبال پر بھی نرم نہیں ہوتے۔ نفاق کی آگ ضرورت سے زیادہ آنچ کھا کر بھڑک اُٹھی ہی۔ کوئی اولڈبوائے ہی کیوں نہو نفاق اُسکی گھٹیوں میں ہی اسلامی اخوت اور قومی درد نام کو نہیں۔ ایک اولڈبوائے نہیں جانتا کہ اُس کا دوسرا بھائی کس زبونی میں مبتلا ہی اور وہ کس آرام کی نیند سوتا ہی۔ اپنی ہی بد بختی پر افسوس کرتا ہی۔ کسی دوسرے بھائی کی

شکستہ حالی کی خبرگیری ہتک عزت سمجھتا ہے - ایک تراشیدہ لباس اولڈ بواسے بریانی، کپھڑی کھاتا ہے، اور لوہے کے کانٹوں کو ذریعہ نفاست بتاتا ہے اور آسودہ حالی ہی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے- دوسری ایک شکستہ حال اولڈ بوائے زبان حال سے یوں باآواز پست کہتا ہے- ؎

آسودہ دلا حالِ دلِ زار چہ دانی | خونخوار سے عشاق جگرخوار چہ دانی
ہرگز نخلیدہ بکفِ پائے تو خارے | آزردگیِ سینۂ افگار چہ دانی
شب تا بسحر خفتہ بخلوت گہ نازے | بیتابیِ ایں دیدۂ بیدار چہ دانی
اے فاختہ پرواز کناں بر سر سروے | دردِ دلِ مرغانِ گرفتار چہ دانی

سید احمد

ہمارے بھائی مسٹر شمس الحسن صاحب تحصیلدار داتاگنج ضلع بدایون کے مساعی جمیلہ کے باعث اُنکے حلقہ کے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے ایک اسلامی مدرسہ قائم ہوا ہے اور کمشنر صاحب قسمت روہیلکنڈ نے اُسکا سنگ بنیاد رکھا-

---

ہمارے بھائی مسٹر سید مصطفےٰ حسین صاحب کا تبادلہ پرتاب گڈھ سے مرادآباد کو ہوا اور ہمارے ایک دوسرے بھائی مسٹر مخدوم حسین صاحب مرادآباد سے پرتاب گڈھ تشریف لائے - اخی مسٹر شیخ محمد وجیہہ صاحب مظفرنگر سے سہارنپور تبدیل کیے گئے-

---

کلامِ اشہر

خالق کے لیے پاک محبت اچھی مخلوق کی خاطر ہے مروت اچھی
اچھا ہی وہی جہاں میں اے اشہر! مل جائے اگر کسی کو صحبت اچھی

ہر زخم کی خالق نے دوا کی پیدا ہر درد سے مخلوق نے پائی ہی شفا
تلوار کے زخم کی دوا حق نے ہی دی یہ زخمِ زباں ہی جو نہوئے اچھا

ہر مجمع میں بُرد بار رہنا اچھا غمخوار سے دردِ دل ہی کہنا اچھا
صبر اچھا ہی وقتِ امتحاں اے اشہر! مخلوقِ خدا کا غم ہے سہنا اچھا

تم میں ہے ترقی کا اگر دل گُردہ کس واسطے پھر ہو اس قدر افسردہ
حاصل کرو علم تم کہ حیدر کا ہی قول عالم زندہ ہیں اور جاہل مُردہ

فرصت اِک دم غمِ پدر سے نہ ملی راحت اِک آن اہلِ شر سے نہ ملی
عید آئی گزر گیا محرم، لیکن تسکین دلِ زار سال بھر سے نہ ملی

یہ صبح کا وقت اور یہ پھولوں کی مہک دیکھیں تو کہیں صلِ علیٰ آکے ملک
اس منظرِ خوش کے دیکھنے کو اشہر! سر ننگے ابھی نکلا ہے سیاحِ فلک

قوموں کو ملک بنانے والے ہم ہیں پستی کو فلک پہ لانے والے ہم ہیں

اسلام کو طاقت ہی ہمیں سے اشہرا   وحدت کی جھلک دکھانیوالے ہم ہیں

ہم ہیں رہِ حق میں کام کرنیوالے   اور راہِ خدا پہ ہیں گزرنے والے
دُنیا میں ہمارے نام کا ڈنکا ہے   ہم ہی تو ہیں اسلام پہ مرنے والے

مادرکالج نے منظور فرمالیا ہی کہ ابھی ہمارے بھائی ڈاکٹر ولی محمد صاحب کچھ دنوں اور جرمنی میں رہ کر مزید تعلیمی تحقیقات میں مصروف رہیں۔

ہمارے بھائی سید محمود (قوم) نے جس کامیابی کے ساتھ ڈاکٹر آف فلاسفی کا امتحان پاس کیا ہی اُس کی تفصیل قبلہ وکعبہ مولوی محمد عمر صاحب وکیل کو ہمارے مشہور اور ہر دل عزیز مولوی آرنلڈ صاحب نے لکھی ہی۔ اور ہم یہ معلوم کرکے مسرور رہیں کہ ہمارے بھائی نے نہایت کامیابی کے ساتھ امتحان پاس کیا ہے۔

ہمارے ایک لائق بھائی مسٹر محمد زماں خانصاحب (جالندھری) کا تقرر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے عہدہ پر ہوا ہی۔ مسٹر زماں ہماری کرکٹ الیون کے ممتاز ممبروں میں تھے اور پچھلے دنوں ایل ایل بی کی خواندگی جاری تھی باقاعدہ تعیناتی سے قبل جون آیندہ سے وہ کچھ عرصہ تک ٹریننگ کے لیے پھلور کے پولیس کالج میں رہیں گے۔ ہم اپنے بھائی کو مبارکباد دیتے ہیں اور ان کی کامیابیوں کے دل سے متمنی ہیں۔

سرسیّد کی تعلیم اور ایڈیٹر صاحب اولڈ بائے کی تلقین

مکرمی ایڈیٹر صاحب۔ آپ کے چند مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علی گڑھ کالج اور دیوبند کے مدرسے میں تمیز نہیں کر سکتے اور اپنے ہر ایڈیٹوریل میں کچھ اس قسم کی تلقین فرماتے ہیں جس سے اور جو کچھ نتیجہ نکلے سو نکلے لیکن یہ تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اصول یہ ہے کہ جدھر زیادہ لوگوں کا رُخ دیکھا اُدھر ہی کے سُر گانے لگے۔ چونکہ دنیا میں پُرانے خیال والوں کی ہمیشہ زیادتی ہوتی ہے اور عوام کا رُخ نیٹوویت کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ کالج اولڈ بائز بھی آپ کے ساتھ جوئیت امام کی سو ہماری اللہ اکبر کہکر اپنے قدیم اور پیارے اصولوں اور پکّے اور مستقل ارادوں کو جس کی تعلیم سید احمد خاں جیسے زبردست شخص نے کی تھی چھوڑ کر جُبّا و عمامہ یا چوڑی دار یا جامہ اور میلی سڑی ہوئی قمیص پردہ دار اچکن پہنکر جس کے کالر پر چار چار اُنگل میل چڑھا ہوا ہو جو اُن لمبے لمبے بالوں سے تیل کے ٹپکنے کا نتیجہ ہو جن میں افغانوں کے کپڑوں سے زیادہ جوئیں ہوں اور جن کو بنارس کالج کے لالہ بھگوانداس کے فرق مبارک پر دیکھکر آپ اس قدر لٹّو ہو گئے وہ اچکن پہن کر جس قعر مذلت سے ہم نکلے تھے پھر اُسی میں جا دھنسیں

میرے برادر مکرم! علی گڈھ کے اصلی بچے جنھوں نے سرسید کی گود میں پرورش پائی ہے اور جو نیچری کے خطاب سے شرماتے نہیں تو آپ سے یہی کہیں گے کہ اُن کے خیال کے موافق

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی　　کیں رہ کہ تو میروی بترکستان ہست

میں کبھی یقین نہیں کرونگا کہ کالج کے اصلی اولڈ بائے آپ کی اس پولیسی کو اولڈ بائے کی پولیسی ہونے کی اجازت دینگے کہ ہم کو سرسید کے اُصولوں کو مٹی میں ملا دینا چاہیے۔

اور چونکہ لمبے عبا و قبا پہننے اور ظاہرا دینداری اور مذہبیت دکھانے سے عوام خوش ہو جاتے ہیں یا کالج کو ٹکے مل جاتے ہیں تو ہم کو بھی مہذب دنیا کا شعار چھوڑ کر بھیڑ دُنب میں بھیڑ ہو جانا چاہیے۔

میری اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ ہم کو مسلمان نہ رہنا چاہیے کرسٹان ہو جانا چاہیے۔ نہ یہ ہے کہ انگریزی لباس کی اندھی تقلید میں اپنا قومی شعار چھوڑ دینا چاہیے یا اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلا کر قرض کی بلا میں گرفتار ہو جانا چاہیے۔ افراط ہر چیز کی بُری ہے خیر الامور اوسطہا پر کاربند رہنے میں نہ انگریزیت خراب ہے نہ صاحبیت میں کوئی نقص ہے اور اس سے قومیت جاتی ہے نہ مذہب میں فرق آتا ہے ایک زمانے میں آپ نے صاحبیت پر غصہ اُتارا تھا اور معاف کیجیے گا اگر میں آپ کے مونھ پر ایک سچ بات کہدوں کہ اُس مضمون میں کوئی بات نئی نہیں کہی تھی۔ بُرے کو بُرا کہدینا کوئی ذہانت یا جدت نہیں ہے۔

جس طرح دنیا جانتی ہے کہ جھوٹ بولنا قتل کرنا بُرا ہے اس طرح اولڈ بائے کے ناظرین کو بھی معلوم ہے کہ یورپین لوگوں کی خوبیوں کو چھوڑ کر اُن کی بُرائیوں کو لے لینا بہت بُرا ہے شراب پینا منع ہے۔ فضول خرچی کے نتیجے بُرے ہیں۔ ان باتوں کی اولڈ بائے میں دُہرانے کی کیا ضرورت تھی

اس سے آپ صرف یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ اولڈ بائز میں یا کالج کے موجودہ طلبا میں یہ عیوب کثرت سے ہیں۔ اس لیے اُن کی بیخ کنی کی طرف توجہ منعطف کرنا بحیثیت ایڈیٹر آپ کا فرض تھا۔ معاف کیجیے اگر میں یہ عرض کرنے کی جرأت کروں کہ آپ کا اگر یہ خیال تھا تو بالکل غلط اور محض بے بنیاد تھا۔

بُرے کہاں نہیں ہوتے۔ پسر نوح تک بُرائی سے نہ بچ سکے لیکن یہ میں ہرگز یقین نہ کرونگا کہ علیگڈھ والوں میں یہ بُرائیاں اسقدر آگئی ہیں کہ آپ کو صور پھونکنے کی

ضرورت ہوئی - یہ ایسی ہی بات ہی کہ جیسے انگریزی تعلیم سے بے بہرہ اور اس کے مخالف لوگ دنیا بھر کے سب عیوب انگریزی خوانوں کے سر تھوپ دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ بے انگریزی خواں کیا کیا گل کھلا رہے ہیں - اسی طرح جن عیوب کو آپ نے علی گڈھ والوں کے ذمہ لگایا ہی اگر اعداد جمع کیے جائیں تو غیر اولڈ بائے اس میں بہت بڑھے ہوئے ہونگے -

منجملہ اور نصیحتوں کے آپ نے ایک یہ نصیحت بھی کی تھی کہ مسٹر رفیق کو بجاے بھائی رفیق کے معزز و محترم حضور پرنور سرکار دولتمدار جناب آنریبل مسٹر محمد رفیق دام اقبالہ سے کم القاب کے ساتھ مخاطب ہی نہ کیا جائے اور اسی طرح دوسرے سربرآوردہ اولڈ بائز کو -

بھائی رفیق میرے بزرگ ہیں، میرے بڑے بھائی کے دوست ہیں مگر جس طرح میں اپنے بڑے بھائی کو مخاطب کرتا ہوں اسی طرح اُن کو مخاطب کرنے میں عین اُن کی عزت سمجھتا ہوں - اور اگر میں اُن کی جگہ ہوں اور مجکو اس لمبے چوڑے خطاب سے میرا کوئی ہم کالج مخاطب کرے تو میں اسکو توہین سمجھتا ہوں - یعنی اسکے یہ معنی ہیں کہ اس خطاب سے یاد کرنے سے خطاب والا مخاطب کو غیر سمجھتا ہی -

حالانکہ جس طرح اسلام میں برابری ہی کالج میں بھی ایک قسم کی جمہوریت کی مساوات ہی اور ہر طالب علم ہر دوسرے طالب علم کو بھائی سمجھتا ہی - پرانے طالب علم بڑے بھائی سہی - کیا آپ یا کوئی شخص اپنے بڑے بھائی کو معزز و محترم آنریبل سر بڑے بھائی کہکر پکارتا ہی - خط کے القاب کا میں ذکر نہیں کرتا - اب آپ غور فرمائیں کہ آپ کی تعلیم کسقدر کالج کے مقدس اور پیارے اُصولوں سے ناظرین کو گمراہ کرتی ہی -

ایک مضمون آپ نے قومیت پر لکھا تھا - اُس میں بھی کسی قابل تسلیم یا نئے خیال پر روشنی نہ ڈالی - آپ اکثر لباس کو بہت زیر بحث لاتے رہتے ہیں اور اولڈ بائے

میں بھی دیکھتا ہوں جتنے مضامین اس لغو مسئلے پر شائع ہوتے رہتے ہیں اتنے کسی کام کی
بات پر نہیں نکلتے۔ آپ یا آپ کے ہمخیال معلوم ہوتا ہی کہ یہ سمجھتے ہیں کہ قوم کی بہبودی
یا زوال کا دار و مدار لباس پر ہی۔ اسلیے پہلے اسکا فیصلہ ہو جانا چاہیے۔

ایک۔ لباس قدیم وضع کا ہو تب ہی ترقی ممکن ہی۔
دو۔ جسقدر میلا لباس ہوگا جسقدر ہم زیادہ اس معاملہ میں لاپروا اور کاہل ہونگے
اُتنی ہی جلدی ہم ترقی کے زینے طے کر لیں گے۔

مجھے حیرت ہی کہ آپ لباس کو ترقی سے کیوں وابستہ کرتے ہیں۔ ترقی پر لباس کا
دار و مدار ضرور ہی مگر لباس پر ترقی کا نہیں۔ دنیا میں جن قوموں نے ترقی کی ہی اُن کی
تاریخ میں ہم نے ہر کشمکش کا حال پڑھا مختلف قسم کی جد و جہد کو دیکھا لیکن لباس پر کہیں
نہ کوئی جہاد ہوا نہ کوئی مباحثہ ہوا۔ البتہ روس کی تاریخ میں پیٹر اعظم کے زمانے میں بادشاہ
وقت کی توجہ لباس کی طرف ہوئی تھی سو وہ بھی اس طرح نہیں جس طرح آپ صاحبوں
کی ہو رہی ہی۔ بلکہ اس طرح کہ لمبے لمبے چوغے اور ڈھیلے ڈھالے کپڑے چونکہ ترقی کی
راہ میں حائل ہیں اسلیے بادشاہ نے جبراً اپنی رعایا کو چھوٹے کوٹ پہنائے۔ اور
ان کی لمبی لمبی ڈاڑھیوں پر ٹکس لگا کر کلاسوف تقلمون کا اُن کو سبق پڑھایا۔ اور یہ مانی ہوئی
بات ہی کہ روس کی ترقی پیٹر اعظم کے وقت سے شروع ہوئی۔ اور ممالک میں بادشاہوں
نے زیب و زینت و عیاشی کی افراط کو روکنے کے اہتمام ضرور کیے۔ اور
Sumptuary laws پاس کیے۔ لیکن لباس ایک ایسی چیز ہی جو دنیا کے ساتھ
خود بخود ادلتا بدلتا رہتا ہی۔ جس طرح مکانوں کی ساخت طرز رہائش، کھانا پینا سواری
وغیرہ وغیرہ اور چیزوں میں زمانے کی ترقی کے ساتھ تغیر ہوتا ہی۔ اسی طرح لباس میں
بھی ہوتا جاتا ہے۔

لباس کی تاریخ دیکھیے۔ جس لباس کو آپ قومی لباس تصور کر کے اُس پر مرے جاتے

ہیں بعینہٖ یہی لباس بہت سی غیر مسلم قوموں کا صدیاں ہوئیں کہ رہ چکا ہے۔ تو کیا وہ اُن نئے
یں آپ کی قومیت میں آ گئے تھے۔ یا چونکہ اُنھوں نے وہ لباس چھوڑ دیا اس لیے
اُن میں زوال آ گیا۔ تاریخ تو اُلٹا یہ بتاتی ہے کہ جس زمانے میں اُن کا وہ لباس جسکو ہم اب
ستر کی سمجھتے ہیں چھوٹ رہا تھا وہ ترقی کے زینے پر چڑھ رہے تھے۔ آپ کو بابو
بھگوانداس صاحب کی نیم برہنہ دھوتی والے لباس پر رشک آیا اور آپ سمجھتے ہیں
کہ مسلمان اگر ترقی کر سکتے ہیں تو نیم برہنہ قوم کی تقلید کر کے ہی کر سکتے ہیں لیکن کیا
آپ کو اچھا لباس پہننے والی قومیں تنزل کرتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ اگر لباس
ان کی ترقی میں حائل نہوا تو ہم کو

کوئی عریانی سے بہتر نہیں دُنیا میں لباس

کی مالا جپنے کی کیا ضرورت ہے۔

سر سید احمدؒ نے یورپ کو ہمارے لیے آڈیل رکھا تھا کم سے کم اولڈ بائز کو تو یہ
آئیڈیل چھوڑنا نہ چاہیے اور جسکا جی چاہے وہ ہندؤں کو اپنا آئیڈیل مقرر کرے۔ اس سے
یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ ہندؤں سے دشمنی رکھنی چاہیے یا اُن سے نفرت کرنی چاہیے
بلکہ محض یہ کہ ہم کو ایک ترقی کرتی ہوئی قوم کی پیروی کرنی چاہیے۔ ہاں ہندؤں میں
جو خوبی کی باتیں ہیں مثلاً کفایت شعاری، ایثار نفسی، قومی ہمدردی۔ یک جہتی،
علم دوستی، ان سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

بھائی اڈیٹر اگر ہم تمہارے کہنے پر چلنے لگے تو یہ دیکھوگے کہ ہندوؤں کی خوبیوں کے
تو پاس بھی نہ جائیں گے اور ننگے لنگوٹی بندھی رہ جائیں گے۔ فضول خرچی کے لیے
کوئی انگریزی لباس ہی کا راستہ تو نہیں ہے جو لوگ انگریزی لباس نہیں استعمال کرتے
کیا وہ فضول خرچ نہیں ہوتے کیا وہ مقروض نہیں ہوتے، کیا وہ مغرور نہیں ہوتے
کیا وہ شراب نہیں پیتے۔

اصل بات یہ ہے کہ لباس وغیرہ میں کچھ نہیں ہم کو وہ چیز اپنے میں پیدا کرنی چاہیے
جسکو انگریزی میں لفظ کریکٹر سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم کو ہوا کا رُخ بتانے والا مور نہ ہونا
چاہیے جو اونچی عمارتوں کی چوٹی پر ناچتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ہم بھی کوئی چیز ہیں۔ اور
یہ رفعت ہم کو اسی ہوا کے رخ کے ساتھ اپنا رخ بدلا لینے کی خوبی کی وجہ نصیب
ہوئی ہے۔

ہم کو اُس نیشنل پولیسی کی پیروی کرنی چاہیے جو سر سید نے ہمارے لیے ڈال دی ہے۔
ہم کو سر سید کی زندگی کے حالات پڑھکر اُن کے مضامین کا مطالعہ کرکے اُن جیسا کیریکٹر
اپنے میں پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کیا سر سید کالج قائم کرنے کے لیے
پبلک کی ہاں میں ہاں ملا کر اُن کو اپنا گرویدہ کرکے اپنا کام چلانا نہ جانتا تھا؟ نہیں مگر
سر سید نے جس بات کو قوم کے لیے بہتر سمجھا اُس کے کہنے میں یا اُس پر عمل کرنے
میں اس بات کی کبھی پرواہ نہ کی کہ پبلک مجھ سے روٹھ جائیگی۔ مجھ پر ہنسے گی میری عزت
نہ کریگی مجھ سے ملنا جلنا چھوڑ دیگی۔

وہ نیچری کہلایا۔ وہ گورنمنٹ کا مخبر سمجھا گیا۔ اُسکو اپنا وطن ترک کرنا پڑا۔ اُسکو بعض
خبث باطن یورپینوں سے لڑنا پڑا۔ لیکن جس طریقے کو جس رویے کو جس طرز معاشرت
کو اُس نے اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے اچھا سمجھا اُس پر خود بھی عمل کرتا رہا اور قوم
کو اُس پر عمل کرنے کے لیے نہ صرف زبانی کہتا رہا بلکہ اسی غرض کے لیے مدرسۃ العلوم
علیگڈھ کی بنیاد ڈالی جہاں

مسیحی پوششیں دیکھیں مسلمانوں کے بچوں کی
مسیحوں کو مسلمانی قبا زیب بدن دیکھی

کا سین رات دن کھچا رہتا تھا۔ اور اب بھی ہے۔ کالج کے طالب علموں کو رات دن
یہی تنبیہ تھی کہ ہندوستانی زنانیت اور مغلی پن، کاہلی اور نحوست کو خیرباد کہو اور

اور انگریزی چستی و چالاکی بہادری و جوانمردی کو سیکھو اور ایسے مرد میدان بنو کہ جان دیدو مگر راستبازی اور دیانت داری کو ہاتھ سے نہ دو۔

تو کیا اولڈ بائے کی پولیسی یہ ہے کہ ہم سرسید کی اس تعلیم کو فراموش کر دیں۔ اور دیوبند کے ملّا ٹے بن جائیں۔ علی گڈھ کے عمر بھر کے اصولوں کی تضحیک کریں۔ اور ہم نئی روشنی کی خوبیوں کو برائیاں سمجھیں۔ اور جہاں سے چلے تھے پھر وہیں آجائیں۔

آپ کا خیال ہی صحیح ہے دنیا گول ہے۔

مگر اولڈ بائے اگر آپ کے خیال پر چلتا رہا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اصلی اولڈ بائز اس میں میرے ہمکلام ہونگے کہ اولڈ بائے ہمارا نائب سالہ نہیں رہے گا۔

آپ کے ذاتی خیال کچھ ہی ہوں لیکن اگر آپ اولڈ بائے کو علی گڈھ کی قدیم اور مشہور پالیسی پر نہ چلائیں گے تو اولڈ بائز اس بات کے لیے مجبور ہونگے کہ صاف طور پر اس امر کا اعلان کر دیں کہ یہ اولڈ بائے اُن کی رائے کا مرقع نہیں ہے۔

امید ہے کہ اگر کوئی گستاخی ہوگئی ہو تو اسکو معاف فرمائیں گے اور اس میرے عریضہ کو جو پبلک کی غرض سے لکھا گیا ہے اولڈ بائے میں طبع فرما کر مرہون منت فرمائیں گے۔

آپ کا خادم
مشتاق احمد زاہدی
پروفیسر بہاولپور کالج

اولڈ بوائز اسٹور

ایک سال سے زیادہ ہوا کہ ماہ فروری ۱۹۳۱ء کے "اولڈ بائے" میں عنوان بالا سے ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کی تائید میں منجملہ دوسرے بھائیوں کے مضامین کے میرا مضمون بھی شائع کیا گیا تھا۔ اسوقت خیال تھا کہ شاید اس اہم ترین کام میں جان پڑ جائے اور کچھ کام چل نکلے۔ بھائی شاہی عمارت والا کا فرض تھا کہ اپنی تحریک میں سرگرمی اور تن دہی سے کام لیکر اسے کامیاب بناتے۔ برعکس اسکے اُنھوں نے بالکل سکوت اختیار کرلیا ہے۔

بھائی نظیر حسین صاحب فاروقی نے نہایت مفید مشورہ دیکر اور رقمی اندازہ کا اظہار فرما کر نہایت مناسبت کے ساتھ تقسیم فرمائی تھی۔ اُسی وقت ممکن تھا کہ کچھ اختلاف کے ساتھ ساتھ اولڈ بوائز ایسے ضروری فرض کو عمدگی سے انجام دیتے مگر آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضروری تجویز بھی ایک تاریک غار میں پڑ جائے گی۔ اولڈ بوائے کے جاری ہونے سے اب تک کئی مفید تجویزیں پیش ہو چکی ہیں مگر افسوس ہے کہ ہماری برادری نے کسی ایک کو بھی سرسبز نہیں کیا۔ اسٹور کے علاوہ "الناس باللباس" پر قلمیں توڑ دی گئیں۔ امتیازی نشان پر خامہ فرسائیاں ہوئیں اور خدا معلوم ابھی کیا کیا تحریکات باقی ہیں جن کے نتائج بظاہر وہی دکھائی دیتے ہیں جو اور تحریکوں کے ہو چکے ہیں۔ چاہیے تو یہ کہ ایک مسئلہ کے متعلق پوری پوری کوشش کر کے قطعی تصفیہ کر دیا جائے اور پھر دوسرا مسئلہ چھیڑ دیا جائے ورنہ قصور معاف بجز عالم خیال کی سیر کے اور کچھ حاصل نہیں۔

ہم لوگ دوسروں کے مقابلہ میں اپنی پستی قبول کر چکے ہیں اور اپنی اور اپنی آنے والی نسلوں کے لیے خوفناک مستقبل کا ہمیں اندیشہ ہے تو اس کے معقول علاج

کی فکر و تدبیر کے لیے ہم کو اپنا بیش قیمت وقت بالکل ضائع نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اپنے تمام ذاتی عیش و آرام اور غیر معمولی اخراجات کو کم کرکے اپنی آیندہ ہستی کی فکر کرنی چاہیے۔ بانی کالج مرحوم کا یہی مدعا تھا۔ نہ یہ کہ بعد تعلیم ملازمت کرکے عیش و عشرت میں پڑ جائیں اور اپنے غریب بھائیوں کی جانب سے بالکل آنکھیں بند کرلیں۔ اگر ایسا ہی تو ہمارا پیدا ہونا فضول، تعلیم و تربیت بیکار، ملازمت بے فائدہ اور یقین ماننے کہ زندگی عبث۔

ہم میں اگرچہ مختلف طبائع کے لوگ ہیں اور اپنے اپنے مذاق کے موافق اولڈ بوائے کے لیے مضامین روانہ کرتے ہیں۔ لیکن ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے لحاظ سے کونسے مضامین نتیجہ خیز اور فائدہ بخش ہیں۔ یا یہ کہ کن مضامین کی ہم کو ضرورت شدید ہے۔ میری راے میں کم از کم دو مضامین تو ایسے ہونا چاہیے جو ہمارے گروہ کو عمدہ سے عمدہ راستہ بتا کر اُس پر چلنے اور عمل کرنے کی ہدایت کریں۔ نیز یہ بھی ضرور ہے کہ بہترین مشوروں سے ہماری تنگ خیالی کو دور کریں۔ جسوقت کوئی عمدہ تحریک سرد پڑتی نظر آئے تو اڈیٹران رسالہ خاص طور پر توجہ فرما کر یاد دہانی کرتے رہیں۔ یہی ایک تدبیر ایسی ہی جس کے باعث ہمارا پرچہ اسلامی ہند میں خصوصیت کے ساتھ وقعت اور عزت حاصل کریگا۔ ممکن ہی کہ ایسے مضامین کے مسلسل نظر سے گزرنے پر کم از کم ۵۰ فیصدی بھائی اپنی خود پسندی کے طریقوں کو بدل کر قومی ہمدردی کی جانب مائل ہو جائیں گے۔ جبکہ بزرگان قوم اپنی ہستیوں کو مٹا کر قوم کے بنانے کی فکر میں ہیں تو کیا ہمارا یہ فرض نہیں کہ ہم بھی اپنی کوشش ان بزرگوں کی نام آوری کے لیے کریں۔

بحالت موجودہ میں "اولڈ بوائز اسٹور" سے بڑھکر کسی دوسری تجویز کو نہیں خیال کرتا۔ اسی لیے اپنی برادری کو نہایت ادب کے ساتھ اس جانب متوجہ کرتا ہوں،

بعض بھائی کہتے ہیں کہ اس تجویز کے متعلق کام کرنے والے کہاں سے دستیاب ہونگے بعض کا منشا ہی کہ یورپ سے تعلیم دلائی جائے اس کے جواب میں جملہ بھائیوں سے بادب گزارش ہی کہ ہمارے ملک میں تمام تجارت پیشہ یورپ سے نہیں آئے ہیں اور ہماری طرح وہ بھی اسی سرزمین سے پیدا ہیں - دوسری قومیں اگرچہ اپنے بچوں کو ابتدا ہی سے اس کام میں مشاق بناتی ہیں کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم بڈھے کوشش کرکے ان کے بچوں کی برابر ہوسکیں - آخر اُن کے کارخانے کیونکر چل رہے ہیں؟ میں تو دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ آجکل مثل زمانہ سابق کے قحط الرجال نہیں ہی بلکہ بفضلہ ہر فن کے لوگ تلاش کرنے سے مل جاتے ہیں - پس کیا یہ ممکن نہیں ہی کہ ہمارے اسٹور کے لیے معمولی حساب داں نہ ملیں - صوبہ متحدہ میں ہمارا ایک بڑا گروہ بیکار نظر آئے گا اگر اسی کے ارکان کو متوجہ کیا جائے تو اس کشتی کو نہایت آسانی کے ساتھ پار لگایا جاسکتا ہی - ہمارے اسٹور کا مرکز علیگڈھ ہو - حصوں کی رقم باقساط آسانی کے ساتھ وصول کی جائے اور ہمارا سرمایہ مثل کالج کے سرمایہ کے بینک میں جمع ہو - نیز دو تین آنریری اشخاص اس کی نگرانی کرتے رہیں -

ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد اگر خارے بود گلدستہ گردد

میں اپنے بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ خدارا اس تحریک کو پار لگایئے اور اپنی جماعت کا نام بدنام نہ کیجیے -

خاکسار سید لائق حسین از ورنگل

ہمارے بھائی آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب ہر سال اپنے محترم والد نواب غلام احمد خانصاحب بہادر کا عرس کرتے رہتے ہیں - اس سال بھی ۲۷ - مارچ کو عرس کیا گیا - نوابصاحب ایک زبردست شاعر تھے ،

امتیازی نشان

فروری کے نمبر میں "امتیازی نشان" کی سرخی سے مسٹر طفیل احمد صاحب نے منگلور سے اپنی رائے نسبت انگشتری کے ظاہر کی ہے۔ اس امر سے مجھے ضرور اتفاق ہے کہ کوئی نشان امتیازی ہونا چاہیے جیسا کہ میں نے پورے ایک سال قبل نمبر مارچ سنہ۱۱ء میں بصفحہ ۱۹ اپنی رائے پیش کر کے اتفاق رائے چاہا تھا۔ اور نہ صرف نشان امتیازی کے لیے تحریک پیش کی تھی بلکہ Visiting Cards کے لیے بھی رائے تھی کہ مانوگرام اُن پر کالج کا ہو اور یہ بھی میری رائے ہے کہ جیسے Xmas میں Xmas کارڈ یورپین ایک دوسرے بھیجتے ہیں اسی طرح ہم لوگ Id Cards عید کارڈ جن پر کالج کا مونوگرام ہو ایک دوسرے کو بھیجیں۔

مگر اسقدر عرض کرنا ضروری ہے کہ انگشتری کی جگہ کوئی Medal تجویز کیا جائے جو ہر موقع پر مکان سے باہر جانے کے وقت استعمال کیا جائے۔ میڈل تو دو چار دس پانچ بھی منگائے جا سکتے ہیں مگر انگشتریاں متعدد استعمال نہیں ہو سکتیں۔ فرض کیجیے کہ ایک شخص فریمیشن ہے اُس کے پاس ضرور ایک انگشتری ہوگی۔ وہ ہی شخص لاہور کے آل انڈیا کیمیکل سوسائٹی کا ممبر بھی ہے۔ دوسری انگشتری اس سوسائٹی کی بھی اُس کے ہاتھ میں ہوگی۔ اب وہ اولڈ بوائے بھی ہے تو تیسری انگشتری یہ ہوئی۔ ایک انگشتری اُس کے پاس اپنے نام کی مانوگرام کی ہے جو اُسے ہر وقت دفتر کے کاغذات پر اور مُہر وغیرہ کے کام میں استعمال کرنا پڑتی ہے۔ وعلی ہذا۔ تو ایسی صورت میں ایک ہی شخص کے انگشتریاں بن سکتا ہے۔

برخلاف اسکے اگر تمغے متعدد ہونگے تو خوشنما معلوم ہونے کے علاوہ دور سے دیکھنے پر علیگڈھ ہی Medals کی کھجور تعارف کرانے کے لیے مقناطیسی قوت کے ساتھ

اپنی جانب کھینچتی معلوم ہوگی۔ اور متقی پرہیز گار اشخاص انگشتری کے استعمال سے اجتناب ہی کرینگے کیونکہ یا تو وہ چاندی کی ہوگی یا سونے کی۔ اور اکثر صاحب عادتاً ہی استعمال کرتے ہیں ضروری نہیں ہے کہ اسپر غور کرکے جانچا جاے کہ یہ انگشتری شوقیہ پہنی گئی ہے یا کالج کے نشان تمیزی کی ہے۔ جاڑوں میں دستانوں کے اندر ہوگی۔ ان سب امور پر غور کرکے رائے زنی فرمائیے۔ جو امر طے پائیگا اُس سے مجھے اتفاق ہوگا۔

احقر العباد
ایس۔ ایم۔ عبداللہ رحمانی

✣

آغا محمد اکرم خاں صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بلاسپور (صوبہ متوسط) کو اب چار سو کے گریڈ میں ترقی دی گئی ہے۔ اس ترقی سے ہم خوش اور ہمارا خدا خوش یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہمارے تین بھائی اکرام کے نام سے موسوم ہیں اور تینوں پولیس کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ کالج میں بھی تینوں مختلف کھیلوں کے کپتان رہ چکے ہیں۔ اس ترقی کا ذکر سنکر ہمارے ایک بھائی نے کیا خوب لطیفہ کہا کہ جن لوگوں کو اپنی اولاد کا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بنانا منظور ہو تو وہ اپنے بچوں کا نام اکرام رکھیں۔ خدا اس نام میں ایسی ہی برکت دے۔

✣

مسٹر اکرم برادر مسٹر سرفراز خاں صاحب کے صاحبزادہ پیدا ہوا ہے۔ خدا مبارک کرے۔

✣

مسٹر ولایت علی مبوق پر ایک سرسری نظر

جناب اڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم کیا ہی خوشگوار وقت تھا کہ حسن اتفاق سے پرچہ اولڈ بوائے ماہ ستمبر ۱۹۱۱ء میری نظر سے بمقام آگرہ گذرا۔ ایک مضمون بعنوان ببوق کلب جو مسٹر ولایت علی صاحب ببوق کے خانۂ خیال خام کی روش ناہموار کا مرقع ہی خالی از دلچسپی نہیں۔ مضمون من گھڑت اپنی طرز تحریر میں آپ اپنی نظیر نوایجاد قابل داد ہی لیکن اسکے ساتھ ہی یہ نہایت حق تلفی ہوگی کہ اولین و سابقین و ماضئین بابیق کا ذکر تو علی الاعلان ہو اور ذی شعور ببوق مسٹر ولایت کا ذکر خواب عنقا سے معبر ہو لہذا بندہ بغرض تلافی مافات ناظرین اولڈ بوائے کو اپنے لائق و فائق دوست کے افسانہ سے محروم رکھ کر اپنے کو اخلاقی مجرم ٹھہرانا نہیں چاہتا۔ اگرچہ امتداد زمانہ باعث فراموشی قصہ ببوق تھا اور بندہ "مشتے کہ بعد از جنگ برآید بر کلہ خود باید زد" کا مصداق بنتا ہی مگر ایسے قصص کی یاددہانی باعث تفریح طبع آزادگان و دلسوزان کالج ہیں۔ اسلیے امید ہی کہ جناب والا بلا توقف پرچہ اولڈ بوائے ماہ اپریل ۱۹۱۲ء کے کسی کالم میں اس فسانہ ماضیہ کو جگہ دینگے۔

ولایت علی صاحب خطۂ اودہ کی خاک سے ہیں آپ کا نشو و نما اُسی پاک سرزمین کی آب و ہوا میں ہوا ہی۔ تمام اثرات مقامی آپ کے خمیر میں محیط تھے۔ ایک یا دو دفعہ قبل مجھ سے کالج میں تشریف لائے تھے۔ آپ خاص وضع و تراش کے آدمی تھے۔ چکن کی اچکن جس کی چولی لانبی اکثر زیب تن رہتی تھی۔ جس کی آستینیں مخروطی کلائی پر آکر نہایت چُست ہوجاتی تھیں انداز لکھنؤ کا پتہ دیتی تھیں۔ یہ آرایش و زیبایش بالخصوص اُسوقت ہوتی تھی جبکہ ہمارے لائق دوست تنہا یا کسی غیر کی معیت میں جانب قلعہ تشریف فرما ہوتے تھے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے آپ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ و متین بننے کی

کوشش کرتے تھے مگر عادت جبلّی قدرۃً طبیعت ثانیہ ہوکر اس عارضی متانت پر غالب ہوجایا کرتی تھی۔ آپ میں سیمابی کیفیت، شوخ چشمی اپنے ہمعصروں سے کہیں زیادہ تھی بندہ عذر خواہی کرتا ہوا اپنے لائق دوست کو مختلف عنوان میں ناظرین اولڈ بوائے سے انٹرڈیوس (متعارف) کرتا ہے۔ جناب کا سر مبارک مدوّر برج حمل تھا آنکھیں بجائے چشم غزالاں چشم فیلاں تھیں جو کسی پیمانہ سے انگریزی یا ہندوستانی ۱½ چاول سے زیادہ فراخ نہ تھیں۔ مگر آپ ذہین وذکی بلا کے تھے مزاجی کیفیت میں خلط سودا غالب تھا جو طبعاً ذہین ہونے کا لازمی نتیجہ ہے۔ آپ کو مطالعہ کتب بینی سے زیادہ شوق تو نہ تھا مگر "کارلائل وامرسن" جیسے لائق زباں دانوں کا ذکر زبان پر جاری رہا کرتا تھا اب ہی یہ بات کہ سمجھتے ہی تھے یا یہ کہ ایسے زباں دانوں کے بلا سمجھے ہوئے مطالع سے کیا وسعت علم میں ترقی کی، صرف ایک قصہ ہدیہ ناظرین ہے جو مابین آنجناب و اس ناچیز کے کالج لائف میں واقعہ ہوا ہے۔

ایک دن میرے لائق دوست غلام حسین پنجابی جو اب بی اے ہوگئے ہیں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ جناب بھی وارد ہوگئے گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔ سر سید علیہ الرحمۃ کی لائف پر بحث تھی۔ اتفاقاً اثناء تقریر میں اس کمبخت کی زبان سے لفظ ( ) نکل گیا۔ بس نکلنا تھا کہ قیامت تھی بولے یہ لفظ غلط ہے کسی نے نہیں لکھا اور عجلت میں دس بیس مصنفین کے نام بھی لے گئے ہم لوگ سخت حیران تھے کہ زبان مخلوق ہے یا کوئی وضعی سنگر جیسی مشین ہے کہ اس روانی تلفظ میں رکاوٹ نہیں ہوتی اور سب سے زیادہ تو یوں استعجاب تھا کہ نام بھی ایسے مصنفین کے لیے گئے کہ کان تک آشنا نہ تھے اور نہ آجتک (ان سائیکلوپیڈیا) یا کہیں اور پتہ چلا ہو غرض کہ معاملہ ایک لائق یورپین پروفیسر سے جس پر کالج کو ناز ہو سکتا ہے رجوع کیا گیا غریب نے ہم ہی لوگوں کا پارٹ لیا اور کہا کہ اسکا استعمال بہت عام ہے

اتنا کہنا تھا کہ ہمارے دوست آپے سے باہر گریبان چاک دامن جہالت سے اُلجھ کر اپنے
کمرہ نمبر ۲۷ میں جا پہونچے۔ ادہر کتاب اُلٹ اُدہر کتاب پھینک! کتابیں بھی کوئی
رینالڈس کے ناول اور بھی دو چار کتابوں کے نسخے تھے جن کی قدر و قیمت نشتر
و شہید وفا جیسے ناولوں سے زیادہ نہ تھی نہ امرسن نہ کارلائل کا کوئی نسخہ تھا مگر اپنی
غلطی کا اعتراف نہ کرنا تھا نہ کیا یا یہ ضد و ہٹ مقتضاء سن تھا۔

جستجوئے بسیار کے بعد معلوم ہوا کہ ہمارے لائق دوست نے بڑے بڑے
جلیل القدر منتخب شدہ مصنفین کی ایک فہرست تیار کی تھی جنکے محض نام بغرض اجتہاد
و ادائی زبان دانی رٹ لیے گئے تھے مضمون سمجھنے سے ہمیشہ آپ کو ضد رہی
جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک امرلی موقع پر ایک یورپین پروفیسر سے مشورہ لیا گیا۔ غالباً میرے
مخلص و لائق دوست اس افشاء راز کو قدیمہ یاد رفتگاں کے سوا کسی اور نگاہ سے
نہ دیکھیں گے۔ اور ہاں آپ کو انگریزی میں تقریر کرنے کا بھی از حد شوق تھا۔ شوق
کی یہ حالت تھی کہ صرف و نحو کی قواعد کی سنگین پیچیدگیوں سے لاپرواہ ہو جاتے
اور مغز مضمون کا ستیاناس کر دیتے۔ کبھی یونین کلب جا نکلتے اور تقریر کرنے کا
موقع ہاتھ آتا تو بڑے شد و مد سے لفظ چیرمین ادا ہوتا کبھی الفاظ لیڈیز اینڈ جنٹلمین
کی تکرار ہوتی رہتی۔ جب رکاوٹ حد سے بڑھتی تو گیلیریز سے چیرز کی صدائیں بلند
ہوتیں کلب گونج اُٹھتا اور قہقہہ کی آواز بازگشت چارسو سنائی دیتی تب تو ہمارے
دوست کا مفہوم ذہنی گرما کر جبین عرق آلودہ برمانند قطرات شبنم بصورت غم نمایاں ہو جاتے
یہی ایک بات امتیازی آپ میں موجود تھی جو دیگر ہمابیق میں نہ تھی اور نہ ہونے کی
ضرورت تھی ورنہ ایسے تو آپ ایک نہایت قابل عضو ہمابیق میں سے تھے۔

آپ میں خوش طبعی خانہ پیمانہ سے زائد تھی یہانتک کہ محض تفریح کی غرض سے آپ
قصہ بھی تراش لیا کرتے تھے جسکا استعمال جائز ناجائز مواقع پر بلا دریغ کیا کرتے تھے

سُنا جاتا ہے کہ اپنے پیشہ میں بھی یکتائے زمانہ ہیں آپ بارہ بنکی میں پیشۂ وکالت کرتے ہیں۔ نظائر کہنہ جو ضعیف الاثر طے پا چکے ہیں اپنی استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ عدالت آپ کی لاعلمی یا بیشی علم کو بی اے کی ڈگری میں مدغم کر دیتی ہے اور ہمدردانہ نظر رکھتی ہوئی آپ کا لحاظ رکھتی ہے۔ یہ ذات والاصفات کی عین خوش قسمتی ہے کہ آپ کی تیزی طبیعت نے یہاں تک آپ کو موقع دیا کہ اس ناچیز کے حق میں بھی چند طبع زاد فقرے چست کر دیئے۔ آپ لکھتے لکھتے تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے دوست نے ایک پروفیسر سے یہ فقرہ کہا:- "I have not come here to be blown by a drill master"

حالانکہ فقرہ کچھ اور تھا۔ اور غالباً وہ یہ ہے۔ "We the College boys have not come here to be treated like that by a drill master"

لفظ "ڈرل بلون" یہ آپ کے ذہن رسا کا ماخذ و نتیجہ ہے اور بھی چند ایسے فقرات تحریر کر دیئے ہیں جو اُن کی پوزیشن پر تعلیمی روشنی ڈالنے سے قاصر ہیں۔

ایک قصہ ہیٹ ٹرک کا بھی موجود ہے اُس پر آپ نے ایک نئی گھڑت کی ہے اصل یہ ہے کہ اُس زمانہ میں انگلینڈ سے کرکٹ ٹیم آئی تھی۔ یہ لفظ اُسی موقع پر سُنا گیا تھا چونکہ بدقسمتی سے یہ خاکسار مذاق پسند طبیعت واقع ہوا ہے اسلیے یہ فقرہ ایک ریاضی کے پروفیسر پر چست کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم چند ذات شریف بمابیق کچھ نہ کچھ پروفیسر صاحب کو علمی مذاق کے فقرات کے استعمال سے چھیڑا کرتے تھے چنانچہ اس فقرہ کے کہتے ہی سارا کلاس ہنس پڑا اور وہ دن نہایت لطف سے کٹا چونکہ پروفیسر صاحب نہایت نیک سیرت اور سادہ مزاج آدمی تھے سوائے Zero کے اور کچھ نہ کہا۔

ہاں لیجیے آپ کو اردو دانی کا بھی دعویٰ غریب ہے ملاحظہ ہو فقرہ "ڈیمبشڑ سے لیکر علاج الغربا تک" فرمائیے کہ ڈیمبشڑ سے علاج الغربا کو کیا نسبت۔ یہ دوسرے فن کی کتاب وہ اور مذاق کا نسخہ اگر یہی لکھنا تھا تو یوں لکھتے "ڈیمبشڑ سے لیکر کریم اللغات تک"۔ جو ایک ہی مضمون اور فن کی کتابیں ہیں مناسبت کلی ہوتی اور فقرہ بامعنی ہو جاتا۔ بخدا اس کی غرض نکتہ چینی نہیں ہے بلکہ یار سے ایک چھیڑ ہے تاکہ اسی سلسلہ سے ایک دوسرے کی یاد دہانی ہوتی رہے۔ بس۔

ہاں فی الحقیقت مسٹر عبدالحلیم ایک سیر دلدادہ امیدوار مبوق کلب ہیں اب تک جو ناکامیابی رہی وہ محض اسوجہ سے تھی کہ زمانہ پیدائش مبوق کلب ستارۂ مبوقیت ان کی پیشانی پر تاباں نہ تھا۔ مبوق کلب کی امیدواری کوئی معمولی بات نہ سمجھی جاتی تھی۔ خاص اشخاص منتخب کیے جاتے تھے جو اس کلب کے لیے ہر نوع سے موزوں سمجھے جاتے تھے۔

میرے نزدیک اس مسئلہ پر کافی بحث ہونا چاہیے۔ میں اپنے لائق دوست مسٹر ولایت علی صاحب کی رائے کی تائید کرتا ہوا اس مسئلہ دیرینہ کی تحریک کا ممنون ہوں۔

سید روح الامین مبوق فتحپوری

+

ہمارے بھائی مسٹر عبدالرب صاحب تحصیلدار بلند شہر کو اُن کی حسن خدمات کے سلسلہ میں سرکار کی جانب سے ایک بیش قیمت تلوار اور ایک دوشالہ عطا ہوا ہے ہم اپنے بھائی کو مبارکباد دیتے ہیں اور مسٹر قاری سرفراز حسین صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ آپنے اس واقعہ کی رُوایت کے ساتھ اپنے دلچسپ اشعار سے رسالہ کے اوراق کو زینت دینے سے کیوں محروم رکھا۔

ہم اور ہماری فروگذاشتیں

اس سال بہت سے اولڈ بوائز نے جن کی محبت اور سچی ہمدردی کا کسی کو ذرہ بھر بھی شبہ نہیں ہو سکتا ہی ہم سے متواتر سوالات کیے، بہتوں نے خطوط لکھے اور اس کے حسن و قبح پر نہایت آزادی سے بحث کی، بہتوں نے اس کی ترقی کے لیے ذرائع بتائے، بہت حال کے نمبروں سے اسقدر خفا ہوئے کہ ہم سے گفتگو کرنا بھی ترک کر دی، غرض کہ جو کچھ ہم نے اس کی ۲۰ مہینے کی صحت اور بیماری کی زندگی میں دیکھا اور سنا اُس سے یہ تو کامل یقین ہو گیا کہ اُس سے محبت کرنے والونکی تعداد بہت بڑی ہی۔ اور اولڈ بوائز میں تو ایسا کوئی نہوگا جسے اُس سے عشق نہو۔

ہر طرف کہ نظر می کنم دل اُفتادہ است

سچ تو یہ ہی کہ خفگی اور شکایت کا معاملہ بھی اُنہیں کے درمیان ہوتا ہی جنکے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت کی چنگاری روشن ہوتی ہی۔

اُنہیں گو رنجش بیجا ہی لیکن ہی تو ہم سے ہی
محبت گر نہو باہم شکایت درمیاں کیوں ہو

ہمارے عزیز دوست اور بھائی ہم کو معاف فرمائیں گے اگر ہم اُن سے صاف صاف یہ کہدیں کہ ان سب محبت کرنے والوں میں ہم کو جن سے خاص محبت ہی وہ وہی ہیں جو اولڈ بو اسے سے تھوڑے عرصہ سے اس قدر خفا ہو گئے ہیں کہ اس کی اور ہماری صورت دیکھنا نہیں چاہتے۔ اور ہر مہینہ بذریعہ خطوط یا زبانی کچھ نہ کچھ شکایت کر دیا کرتے ہیں۔ ہماری دلی خواہش ہی کہ اُن کو کسی نہ کسی طرح ضرور رضامند کریں۔

کیا کیجے ہمیں ناز اُٹھانا نہیں آتا
روٹھے کو مناتے پہ منانا نہیں آتا

اُن کا رضامند کرنا بظاہر مشکل نظر آتا ہے مگر ہم کو اُن کی ترکیب معلوم ہے۔ امر واقعی یہ ہے کہ وہ قطعی ہمارے اسیر محبت ہیں۔ ان کی زیادہ خفگی اُن کی زیادتی محبت کا بین ثبوت ہے۔ وہ اس وجہ سے خفا تھے کہ کچھ عرصہ سے اولڈ بوائے پھیکا ہو گیا تھا اور اُس میں ایسے مضامین نہیں نکلتے تھے جنھیں اُن کی آنکھیں اور دل ڈھونڈھتا تھا بعض اصحاب کو رسالہ کے دیر میں شائع ہونے کی جائز شکایت تھی۔ بعض کاتب کی غلطیوں سے نالاں تھے۔ بعض کو اولڈ بوائز کی کافی خبریں نہیں ملتی تھیں۔ بعض کالج کے پُرانے گیتوں اور خوش بیانیوں کے لیے ترس رہے تھے۔ غرض ہر ایک اپنی شکایت اور خفگی سے دل کی محبت کا اظہار کرتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ "اولڈ بوائے" ایسا نکلے کہ اس میں شروع سے آخر تک کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہو کہ اُس کو دل مشتاق میں جگہ نہ دیں۔ اُن کی یہ خواہش بالکل جائز تھی کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ قومی اخباروں میں اولڈ بوائز کے لیے "اولڈ بوائے" کی طرح کوئی اور اخبار یا رسالہ اسقدر دلچسپی کا موجب نہیں ہو سکتا۔

بزم عشاق میں کیا جانے کدھر دیکھیں گے
دل تو دیتا ہے گواہی کہ ادھر دیکھیں گے

ایک دوست پاس بیٹھے ہیں اُنھوں نے ہمارے کان میں چپکے اور آہستہ سے ہماری لن ترانیاں سُنکر "کامرید" کا نام لے دیا۔ مگر ہم ذرہ بھی شرمندہ نہوئے۔

چشم من بسیار ایں خواب پریشاں دیدہ است

عمر کے لحاظ سے "اولڈ بوائے" کو "کامرید" کے بڑے بھائی ہونے کی عزت حاصل ہے۔

ممکن ہے بعض حضرات شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا گستاخی کا سبق دینے والا فقرہ پڑھ دیں:- "بزرگی بعقل ست نہ بسال" مگر ہم تو اُس سے زیادہ پرانی مثل کے ماننے والے ہیں" سگ باش برادر خورد مباش" ہم کو کیا ہماری قوم کو عزیز "کامریڈ" پر جائز فخر ہے۔ مگر ہم یہ ضرور عرض کرینگے کہ کامریڈ بھی" اولڈ بوائے" کی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتا۔ اور پھر" اولد بوائے" تو خاص ہمارا ہے۔
ہاں! کامریڈ کی دلچسپی اور خوبی بیان دیکھ کر ہم سب کی نگاہوں میں اولڈ بوائے واقعی ذرا پھیکا پڑ گیا تھا اور پھیکا معلوم ہونے لگا تھا۔

اس گستاخ بیسویں صدی میں بڑے بھائیوں کی چھوٹے بھائیوں کے ہاتھوں سے بری حالت ہے اور غالباً چھوٹے بھائی کچھ بڑوں سے زیادہ قابل ہیں۔ مگر جہانتک ہماری ذات کا تعلق ہے ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ اولڈ بوائے کو ڈسپلن کا بہت بڑا خیال ہے اور ہرگز اپنے چھوٹے بھائی" کامریڈ" کا دماغ خراب نہیں ہونے دیگا وہ اولڈ بوائز کے دلوں میں اپنی عزت اور محبت ایسی قائم کریگا کہ قابل جلنے والے اگر رشک کرینگے تو خوب جلیں گے۔ کامریڈ تو ساری قوم کا پرچہ ہے۔ ساری قوم کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے، ساری قوم کے درست کرنے کا حامی ہے، ہمارا اسکا کیا مقابلہ، "اولڈ بوائے" غریب قوم کو درست کرنے کا دعوے دار نہیں، ساری قوم کے حقوق کی حفاظت نہ کرتا تھا، اور نہ کرنا چاہتا ہے اور نہ کریگا اور نہ ساری قوم کا پرچہ ہے وہ تو علیگڈھ اور اُس کے نئے اور پرانے عاشقوں کے حقوق کا حامی ہے، فقط انکے درست کرنے کا خواہاں ہے، اُن میں علیگڈھ کی محبت پیدا کرنے کا دعوے دار ہے اور انشاء اللہ! ان خدمات کے پورا کرنے میں کامیاب ہوگا۔

ہم اپنی گزشتہ فروگذاشتوں کو قبول کرتے ہیں۔ ہم نے بنارس میں نیا پریس قائم کردیا مگر اس میں اسقدر دشواریاں اُٹھانی پڑیں کہ مجبوراً اسکو چھوڑ کر علیگڈھ سے

چھپوانا شروع کیا، وہاں کی تکالیف بھی قابل بیان نہیں۔ تین ماہ کی اور دقت ہے جولائی سے دہلی میں اپنا کام مرٹیڈ پریس آجائے گا۔ ہم نے پرانی تصویریں، گروپ اور عمارتوں کے نقشے جمع کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ انشاء اللہ اسوقت سے باتصویر نکلے گا۔

باوجود ان بہت سی مشکلات کے جو اولڈ بوائے کو ابتدا میں اٹھانا پڑیں ہم کو خوشی ہے کہ ہماری جماعت کی محبت اور مدد کی وجہ سے وہ اُن سے سلامت نکل گیا اور روز بروز اس کی حالت مستحکم ہوتی جائے گی۔ ہم خود اور ہمارے اسسٹنٹ مسٹر سید منظر علی صاحب اپنے گناہوں کو قبول کرتے ہیں مگر مجرموں کو اپنی بریت میں بھی کچھ کہنا ہے۔

یہ سب پر ظاہر ہے کہ اولڈ بوائے کے بانیوں اور اُس کے خدمت کرنے والوں میں مسٹر شوکت علی صاحب کا درجہ اعلیٰ تھا۔ اُنکے بنارس سے یونیورسٹی کے کام کے لیے رخصت پر جانے کی وجہ سے جو ہمارا اور اولڈ بوائے کا نقصان ہوا وہ ناقابل برداشت تھا۔ اُن کی جس قدر اولڈ بوائز سے ملاقات اور خط وکتابت تھی وہ ہم کو نصیب نہ تھی۔ ہم دور اُفتادہ بھائیوں کے خطوط کا دلچسپ اقتباس مجبوراً زیادہ نہ دے سکے۔ وہ ہندوستان کے دورہ میں اسقدر محو ہوئے کہ اولڈ بوائے کو بالکل دل سے بھلا دیا۔ اور باوجود متواتر تاکیدوں کے علیگڈھ کے کھلنڈروں کے سلسلہ کو بھی قائم نہ رکھا۔ ہم سے زیادہ گنہگار وہ تھے اور اُن سے کہیں بڑھ چڑھ کر گناہگار تھے۔ مسٹر سجاد حیدر، مسٹر عنایت اللہ، مسٹر ولایت علی، مسٹر محفوظ علی، قاری سرفراز حسین، مسٹر مشتاق احمد زاہدی، مسٹر محمد امین، مسٹر معظم علی (آکسن)، مسٹر عبدالحق اور دیگر اولڈ بوائز جنھوں نے ہماری خبر تک نہیں لی کہ مرتے ہیں یا جیتے ہیں۔ خدا بھلا کرے ہمارے بھائی مسٹر

سلطان حیدر جوش، مسٹر ولایت اللہ، مسٹر سید محمد ہاشم، مسٹر سید لائق حسین، اور مسٹر اظہر علی آزاد کا جنھوں نے اولڈ بوائے کی دشواریوں کا اندازہ کر کے اس کی مدد میں دریغ نہیں کیا "اولڈ بوائے" پھیکا نہوتا تو کیا ہوتا ہمارے قابل لکھنے والے تو آرام میں پڑے تھے۔ ہم سے جیسا روکھا پھیکا کھانا تیار ہو سکا اپنے ناظرین کے سامنے رکھدیا۔

قطرۂ خونِ جگر سے کی تواضع عشق کی
سامنے مہمان کے جو تھا میسر رکھدیا

اگر ہم سے شکایت ہی تو ہم سے زیادہ شکایت اِن حضرات سے ہونی چاہیے جنھوں نے "اولڈ بوائے" کے درجہ کو جان بوجھ کر محض بے توجہی سے کم کر دیا یہاں تک کہ خود بھی شاکی ہو گئے۔ اس لیے ہم سے زیادہ سزا کے مستوجب یہ حضرات ہیں، ورنہ ہم تو حاضر ہیں اور ہر حالت میں گنہگار ہیں۔ جو سزا آپ تجویز کیجیے قبول ہی مگر ہم یہ ضرور کہیں گے۔

بجرم غیر مرا می کشند غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

رسالہ کا دفتر علیگڈھ آگیا ہی، مسٹر شوکت علی صاحب نے بھی علیگڈھ میں رہنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہی، پریس بھی اپنا آتا ہی، قلمی معاونین نے بھی وعدہ فرمالیا ہی۔ ایسی صورت میں ہمیں خدا سے امید ہی کہ رسالہ کی حالت بہتر سے بہتر بنا سکیں گے۔

✣

ہمارے بھائی مسٹر مرزا اسلم بیگ صاحب پورٹ بلیر کے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر کیے گئے ہیں اور یہ تقرر ہم سب کے لیے باعث مسرت ہی۔ اس طرح گویا کالے پانی میں بھی ہمارا قبضہ ہو گیا۔

اولڈ بوائز

ہمارے بھائی مسٹر ممتاز حسین صاحب نے ندوۃ العلما کے اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے نہایت سرگرمی ظاہر فرمائی ہے۔ اور ہم نے سُنا ہے کہ ہمارے بھائی مسٹر سید حیدر مہدی صاحب اور مسٹر سید وقار حسین صاحب شیعہ کانفرنس کو ایک باقاعدہ انجمن بنانے کی کوشش میں ہیں۔

پچھلے دنوں ہم نے اپنے بھائی مسٹر اسمعیل احمد خانصاحب تحصیلدار ضلع مین پوری کے نام رسالہ وی پی کیا تھا جو ڈاکخانہ کے اس ریمارک کے ساتھ واپس آیا کہ ہمارے بھائی نے انتقال کیا۔ ہم مرحوم کے پس ماندوں کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور مرحوم کے لیے خداوند کریم سے مغفرت کے طالب ہیں۔

ہمارے لیے یہ خبر بھی کچھ کم رنج دہ نہیں ہے کہ ہمارے بھائی مسٹر بشیر مرزا صاحب کے والد ماجد نے چند روز علیل رہ کر اپنے وطن دہلی میں وفات پائی۔ خدا ہمارے بزرگ کو بہشت عطا فرمائے اور ہمارے بھائی کو صبر دے۔ ہم اپنے بھائی کے شریک غم ہیں۔

ہمارے بھائی مسٹر ظفر علی خانصاحب سے جن کی قابلیت کا سکہ ہمارے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور نے روزانہ و ہفتہ وار زمیندار کے متعلق ضمانت

طلب کی ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ضمانت خلاف ضابطہ ہے۔ اور ضمانت طلب کرنے کا حق صرف لوکل گورنمنٹ کو ہے۔ ہر صورت میں ہم اپنے بھائی سے ہمدردی ظاہر کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ پنجاب گورنمنٹ اس معاملہ کو طے کر دے گی۔ ہمارے بھائی نے دونوں ضمانتیں داخل کر دیں۔

ہم اپنے بھائیوں کی تفنن طبع کے لیے قبلہ وکعبہ حضرت اکبر کے کلام تازہ کو اپنے اسی عنوان میں جگہ دیتے ہیں۔

تھی مرے پیش نظر وہ مس تہذیب پسند ۔۔۔ کبھی وسکی مجھے دیتی تھی کبھی شربت قند

ملک الموت نے ناگاہ بھری اپنی زغند ۔۔۔ پارک کو چھوڑ کے ہونا ہی پڑا قبر میں بند

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ہمارے بھائی مسٹر سید حامد علی صاحب چکروتہ ضلع ڈیرہ دون کے مستقل تحصیلدار مقرر ہوئے ہیں۔ اپنے بھائی کے اس تقرر سے ہم خوش اور ہمارا خدا خوش یونیورسٹی فنڈ کے لیے ہم اپنے بھائی سے مٹھائی کا تقاضا کرتے ہیں۔ ہمارے بھائی مسٹر حامد علی صاحب صدیقی کی تقرر کی خبر غلط ہے۔

ہمارے مقامی بھائی مسٹر سید تصدق حسین صاحب ملازم سب ججی کی کاردانی و کارپردازی سے خوش ہو کر صاحب جج بنارس نے اُن کی ترقی فرمائی ہے۔ ہم اپنے بھائی کو مبارک باد دیتے ہیں۔

ہمارے بھائی مسٹر سید محمد حسین صاحب رضوی المتخلص بہ رسا کی چند قابل داد رباعیاں ہمارے فروری نمبر میں شائع ہوئی تھیں۔ کاتب صاحب نے ہمارے بھائی کو "آغا" جی بنا دیا ہے۔ واہ! آخری رباعی کے دوسرے مصرع کو اس طرح پڑھنا چاہیے۔

ایمان کی دولت دے ہمیں یا زر دے

ہمیں اپنے بھائی سے شرمندگی ہے۔

ہمیں یہ معلوم کرکے بے حد مسرت ہوئی کہ ہمارے بھائی مولوی سید محمد ہاشم صاحب اب پانچسو کے گریڈ میں ڈپٹی کلکٹر ہوئے ہیں۔ خدا انہیں مبارک کرے ہم اپنے بھائی سے مٹھائی کے عوض رسالہ کے لیے مضامین مانگتے ہیں۔

ہمارے بھائیوں میں سے مسٹر مظفر عمر صاحب بدایوں سے ہردوئی آئے جنکی جگہ ہمارے دوسرے بھائی مسٹر محمد ہاشم صاحب بدایوں بھیجے گئے۔ اخی مولوی شمس الحسن صاحب منصف مین پوری سے دیوریا تبدیل ہوئے ہیں اور سنا جاتا ہے کہ اخی مسٹر بدر الحسن صاحب تحصیلدار تحصیل ضلع گورکھپور میں تعینات ہوئے ہیں۔ ہمارے بھائی مسٹر منیر عالم صاحب منصفی للت پور سے سبکدوش ہوئے

ہمارے بھائی مسٹر خواجہ لطیف احمد صاحب جنھوں نے مسلمانان برار کی تعلیمی خدمت کرکے ہم سب کو ممنون کیا ہے۔ اب برار محمڈن ہائی اسکول امراؤتی کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے ہیں۔ خدا کرے اُن کا تقرر مدرسہ اور قوم کے لیے باعث برکت ثابت ہو ہم اپنے بھائی کو مبارکباد دیتے ہیں۔

ہمیں یہ خبر معلوم کرکے نہایت افسوس ہوا کہ ہمارے بھائی مسٹر اختر زماں بہادر آف باندہ نے اندور میں وفات پائی۔ مرحوم نے دس سال تک اپنے برادر مکرم نواب الزماں بہادر کے ہمراہ مادر کالج میں تعلیم پائی تھی۔ مرنے پر اُنھوں نے چار بچے چھوڑے ہیں۔ خدا مرحوم کو جنت نصیب کرے اور پس ماندوں کو عموماً اور نواب نواب الزماں بہادر کو خصوصاً صبر عطا فرمائے۔

کچھ عرصہ سے ہمارے ناظرین پر اس بات کا اظہار ہو گیا تھا کہ اُن کا اولڈ بوائے تھوڑے دنوں اور کاشی باش رہے گا اور اس کے بعد یہی جگہ پہنچ جائیگا جسکو سب جانتے ہیں اور پیار کرتے ہیں۔ آخر ایسا ہی ہوا اور اولڈ بوائے سید محمود مرحوم کے "قلعہ مرتضوی" یعنی علیگڈھ میں پہنچ گیا۔ فی الحال اسی پریس میں چھپے گا جس میں ابتک چھپ رہا ہے۔ مگر انشاءاللہ جولائی اگست تک خود اپنے پریس دہلی میں چھپ کر علیگڈھ سے شائع ہوگا۔ جملہ خط و کتابت بنام اڈیٹر یا منیجر اولڈ بوائے علیگڈھ ہونا چاہیے معاصرین سے التماس ہے کہ اپنے اخبارات و رسائل بھی ہمارے پاس علیگڈھ کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

ہم کو معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ مسٹر محمد علی نے جن کاموں کا ارادہ کیا ہے وہ بفضلہ تکملہ کے قریب پہونچنے والے ہیں۔ دہلی میں کامریڈ پریس کے لیے جو ڈ منیجر اجرا کیے جانے والے ہیں اسکے واسطے کافی درخواستیں آگئی ہیں۔ وسط اپریل میں مسٹر محمد علی خود دہلی گئے تھے۔ اور یکم مئی سے اُنھوں نے ایک وسیع اور ضرورت کے لائق مکان طے کر لیا ہے۔ یہ مکان ہمارے عزیز بھائی مسٹر عنایت اللہ کے مکان سے قریب ہے اور سب سے زیادہ خوشی کی یہ بات ہے کہ سر سید کا مکان بھی وہاں سے

زیادہ دور نہیں. جسوقت نئے دارالسلطنت کی تعمیر کے متعلق سے طے ہو جائیگا. اسوقت انشاءاللہ! زمین لیکر خود اپنی کوٹھی اور دفتر بنالیں گے. ہم کو معلوم ہی کہ اس کام میں ہمارے تمام بھائی لگے ساعی ہیں. اور اُن کی ہی مدد کا نتیجہ ہی کہ کامریڈ ایک سال کے اندر ایسا کامیاب ہوگیا ہی. ہماری دعا ہی کہ کامریڈ اور کامریڈ سے زیادہ اُردو کا روزانہ کارآمد ثابت ہو.

ہم نہایت خوشی سے اطلاع دیتے ہیں کہ ۱۰ ماہ حال کو ہمارے عزیز بھائی اور دوست کپتان صاحبزادہ سجاد علی خاں بہادر (خاندان رامپور) کی شادی ہز ہائنس نواب صاحب رامپور کی منجھلی صاحبزادی سے ہوئی. ہمارے بھائی سجاد علیخاں آٹھ برس تک انگلش ہاؤس میں تعلیم پاتے رہے ہیں اور انٹرنس پاس کرنے کے بعد اُن کو حضور پُرنور نے خود بُلا لیا اور امپریل سروس کیوری کا کپتان اور اپنا اے ڈی سی مقرر فرمایا. گزشتہ تاجپوشی کے وقت وہ انگلستان مدعو کیے گئے تھے. یہ بات نہایت مسرت سے سُنی جائیگی کہ جس قدر افسر وہاں جمع تھے ہمارے بھائی اُن سب سے زیادہ قدآور تھے. ماشاءاللہ! چھ فٹ تین انچ کا قد ہی اس لحاظ سے رامپور کے اولڈ بوائز کی طرف سے جنکا وہاں اچھا مجمع ہے صاحبزادہ مصطفیٰ علیخاں بہادر سوم سکرٹری نے (جو خود بھی اولڈ بوائے ہیں) ایک پُر لطف سہرا پیش کیا اور مسٹر شوکت علی نے پڑھ کر سُنایا. سہرا یہ ہی.

بنایا ناپ کر دو بانس سے بھی کچھ بڑا سہرا
مگر سجاد قدآور پہ کچھ اوچھا پڑا سہرا

چلا جب جھوم کر دولھا کا ہاتھی دیکھنا غصہ
کبھی کچھ سونڈ سے اُلجھا کبھی اوچھا پڑا سہرا

سر نوشاہ پر رکتا نہیں کیا بوجھ کے مارے
بُلا کر مستری کو چند کلیوں سے جڑا سہرا

پہنچ سکتا نہیں دولھا کے دامن تک کسی ڈھب سے
کشیدہ قامتی پر ہنس رہا ہی چپ کھڑا سہرا

نئی ہی شان جس سے تُل رہی ہے عقل دولھا کی
قدِ موزوں ترازو باٹ چیتا ہے دھرا سہرا

خوشی سے اتنا پھولا سونڈ ہاتھی کی بنا گویا
جب اپنی شان پر ڈالی نظر خود ہنس پڑا سہرا

جو لڑیوں کی لٹک دیکھی قبا کی ہنس پڑیں کلیاں
بس اتنی بات پر دامن سے بھڑ کر لٹک اٹھا سہرا

بہت سے زورمارے شاعروں کی طبع موزوں نے
مگر کس سے کہا ایسا نیا ایسا کڑا سہرا

نہ بھولے جشن میں بھی مادر کالج تجھے دولھا
یہی خواہش ہے لڑیوں کی اسی پر ہے اڑا سہرا

جو کی یاروں سے تم نے آنا کانی تو سمجھ رکھو
کہ فوراً اور لکھ ڈالیں گے اس سے بھی کڑا سہرا

دعا ہے صدق دل سے بھائی دولھا علیگوں کی
مبارک ہو تجھے شادی مبارک ہو بڑا سہرا

بچپن میں ایک ہٹے کٹے فقیر کو دیکھا کرتے تھے کہ وہ آسمان کی طرف دیکھتا ہوا یہ نعرہ لگایا کرتا تھا کہ "ایک پیسہ لونگا اور ایک گالی دونگا" اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس نئی دنیا میں بھی ایسے سخی داتا موجود ہیں کہ جو گالیاں کھا کر پیسہ دیتے ہیں صاحبزادہ سجاد علی خاں نے بھی اس سہرے کو سُن کر ارادہ کر لیا ہے کہ ایک معقول رقم اپنے کالج کو دیں جس کی تعداد انشاء اللہ ہم اگلے پرچہ میں شائع کرینگے۔

سالانہ جلسہ کے حالات جو ہم نے کسی دوسری جگہ شائع کیے ہیں اُن میں ایک بات خاص خوشی سے دیکھی جائے گی کہ اولڈ بوائز لاج کا سنگ بنیاد عرصہ کے انتظار کے بعد قبلہ و کعبہ نواب وقار الملک بہادر کے دست مبارک سے رکھ دیا گیا ہے۔ اس خبر کو سُنکر اولڈ بوائز اور زیادہ مسرور ہونگے کہ خان بہادر سید جعفر حسین صاحب نقشوں کی درستگی میں مصروف ہیں۔ انشاء اللہ! بہت خوبصورت عمارت ہماری ایسوسی ایشن کی شان شایاں ہوگی۔ امید ہے کہ آخر ماہ مئی سے کام شروع ہو جائیگا امسال اُس پر صرف چھ ہزار روپیہ منظور شدہ صرف کیا جائیگا اور دفتر و معمولی ضروریات کے لائق جگہ

نکل آئے گی۔

مسٹر شوکت علی علیگدہ آگئے ہیں اور ایسوسی ایشن کے دفتر کی درستگی ہیں مصروف ہیں۔ اس امداد کا خیال کرکے جو اُن کو پرانے مقامی ممبروں سے مل رہی ہے امید ہوتی ہے کہ ایک دو ہفتہ میں دفتر کا کام بالکل باقاعدہ اور درست ہو جائے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ جس محبت اور جوش سے اولڈ بوائز اور ہمارے چھوٹے بھائی اُن کی دو وقتہ دعوتیں کر رہے ہیں اسکا کہیں یہ نتیجہ نہو کہ اُن کے نئے بنائے ہوئے کپڑے پھر تنگ نہو جائیں اور مفت کے کھانے کھا کر اس سال بھی بیمار نہ پڑ جائیں۔

مسٹر سجاد حیدر، مسٹر ولایت علی (بمبوق) مسٹر محفوظ علی، مسٹر عنایت اللہ اور مسٹر محمد امین سے خاصکر درخواست ہے کہ سلسلہ وار مضامین جلد بھیجیں۔ آیندہ پرچوں میں اگر انکے مضامین نہ ہوئے تو پڑھنے والوں کی خفگی اُن کے سر رہے گی ہم نے مسٹر شوکت علی سے وعدہ لے لیا ہے اور اپنے ناظرین کو ہم یقین دلاتے ہیں کہ آیندہ پرچہ سے کھلنڈروں کا سلسلہ پھر جاری کر سکیں گے۔

ڈاکٹر سید علی بلگرامی مرحوم کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مسٹر سید مسلم جو اودہ روہیلکھنڈ ریلوے میں اسسٹنٹ ٹریفک سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوے تھے۔ اب فیض آباد سے تبدیل ہوکر مراد آباد آئے ہیں۔ ہم کو نہایت خوشی ہے کہ اس محکمہ کی طرف بھی ہمارے کالج کے اولڈ بوائز متوجہ ہوئے ہیں۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے بھائی نواب الزماں بہادر آف باندہ ریاست بھوپال کے اسسٹنٹ ایڈیم ایجنٹ مقرر ہوئے ہیں۔ اور ہمارے بھائی مسٹر محمد علی ضلعدار انہار کو امرتسر میں کار خاص پر مقرر کیا گیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ہمارے بھائی اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں۔

ہمارے ناظرین کو یہ سُنکر مسرت ہوگی کہ ہمارے بھائی مسٹر صفدر علی اسسٹنٹ انجنیر سے اب ایکزیکٹو انجنیر مقرر ہو کر اوری آ گئے ہیں۔ ہم اپنے بھائی کو مبارکباد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ اپنے موجودہ فرائض میں کامیاب ثابت ہونگے۔

ہمارے برادر عزیز مسٹر عباس خاں صاحب شروانی تحصیلدار سکندرہ راؤ ضلع علیگڈھ اور مسٹر محفوظ علیخاں صاحب انسپکٹر اجینرہ ضلع آگرہ مقرر ہوئے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے بھائی ہماری مبارکباد کے جواب میں ہمیں یونیورسٹی فنڈ کے لیے کوئی تحفہ عنایت فرمائیں گے۔

ہمارے بھائی یہ سُنکر مسرور ہونگے کہ ہمارے بھائی مسٹر معظم علی بی اے (آکسن) حال ہی میں ڈھاکہ لا کالج کے پرنسپل مقرر کیے گئے ہیں۔ فی الحال ہمارے معظم بھائی کو تنخواہ ساڑھے سات سو روپیہ ماہوار ملیگی اور آیندہ ترقی کی امید ہے انشاء اللہ ہم آیندہ سے اُنکے بقیہ سلسلہ "سیر انگلستان" کا ایک حصہ اپنے رسالہ میں دینا شروع کرینگے۔ ہمارے بھائی کو یہ تقرر مبارک ہو۔

کالج کی خبریں

ہماری ہاکی ٹیم آجکل آغاخان ہاکی ٹورنمنٹ میں شریک ہونے کی غرض سے بمبئی میں مقیم ہی۔ دو میچیں اب تک کھیلی گئی ہیں اور اب تک بفضلہ فتح اپنی طرف رہی ہی راہ میں آگرہ میں بھی کھیل ہوا اور میچ خوب کامیاب رہی۔ خدا کرے ہمارے عزیز بھائی آغاخان کپ لیکر علیگڈھ واپس آئیں۔ بمبئی میں ہمارے کالج کے ٹرسٹی اور رشید آنریبل مسٹر فاضل بھائی کریم بھائی ابراہیم نے اُن کے قیام کا انتظام فرمایا ہی اور ہمارے عزیز مسٹر آزاد ایک عمدہ مکان میں مقیم ہیں۔

ہمارے ناظرین یہ سُنکر از حد خوش ہونگے کہ بفضلہ تعالیٰ اسوقت علیگڈھ میں ایک بڑی جماعت نوعمر اور ہونہار کرکٹ کھیلنے والوں کی موجود ہی جو انشاءاللہ تھوڑے تجربہ کے بعد کالج کی ناموری کا باعث ہونگے۔ ان میں سے زیادہ اسکول میں ہیں اور اسکول الیون حال میں ہی دہلی سے خوبصورت میگنس کپ جیت کر آئی ہی۔ ان میں اقبال شاہ، محمود، شریف، اشفاق، مصلح الدین، پرنس حمیداللہ ممتاز، احمد، مسعود ابن جلال خاص قابل ذکر ہیں۔ گزشتہ سال کے کھیلنے والو میں سے سرفراز، سعید عالم، محبوب عالم نے نمایاں ترقی کی ہی۔ مسٹر عبدالوحید کپتان خود بھی اب بہت اچھا کھیلتے ہیں۔ مسٹر سلام الدین سے جو لا کلاس میں پڑھتے ہیں بڑی تقویت ہی۔ ۱۱۔ مئی تک ٹیم نینی تال جائے گی۔ گزشتہ دو سال سے ہیوٹ شیلڈ ہمارے پاس رہی ہی اور انشاءاللہ! امسال وہ جیت کر ہمیشہ کے لیے فتح کی یہ نشانی کالج میں رہے گی۔ مسٹر شوکت علی وسط اگست تک پُرانے اور نئے

طلبا کی ایک زبردست ٹیم ممالک متوسط اور بمبئی کے دورہ کے لیے لیجائیں گے جسکے ہمراہ مسٹر علی حسن اور مسٹر احسان الحق نے بھی جانے کا وعدہ کیا ہے۔ مسٹر رزاق اور مسٹر شوکت علی کے علیگڈھ آجانے کی وجہ سے کرکیٹ میں از سر نو جان پڑگئی ہی اور مسٹر گولڈی پریزیڈنٹ اس کی ترقی کی فکر میں ہیں۔ امید کی جاتی ہی کہ عنقریب مثل زمانہ ماسبق کے کرکیٹ اور ہر ایک کھیل کی علٰحدہ علٰحدہ کمیٹیاں قائم ہوجائیں گی اور کرکیٹ کا کپتان صرف ایک سال کے لیے مقرر نہو گا بلکہ تا قیام کالج ہوگا۔ تاکہ اُسکے تجربہ سے کلب کو فائدہ پہونچے۔

کالج کے رائڈنگ اسکول میں اب دس گھوڑے اور ایک ٹٹو ہی۔ سواری سیکھنے والوں کی تعداد زیادہ ہی اسلیے گھوڑوں کی اور ضرورت ہوگی۔

آجکل لان ٹنیس کا بڑا چرچا ہی مگر چونکہ کلب باقاعدہ نہیں ہیں اور نہ کورٹ عمدہ ہیں اس لیے کھیل میں ترقی نہیں ہوتی۔ ہم کو امید ہی کہ کالج اپنے سالانہ بجٹ سے ایک معقول رقم اس غرض سے رکھے گا کہ اُس سے تمام کھیلوں کے لیے عمدہ لان تیار ہوں۔ ان سے کھیلوں ہی کی ترقی نہیں ہوگی بلکہ خود کالج کی خوبصورتی کا باعث ہونگے۔ آجکل کے گنجے لان دیکھ کر تو ہم کو شرم آتی ہی۔ کالج تعلیم جسمانی پر بہت کم خرچ کرتا ہی۔ اس کے متعلق ہم آئندہ مفصل حالات لکھیں گے۔

کالج میں " سوئمنگ باتھ " کی بہت ضرورت ہی۔ اول تو تیراکی خود ایک مفید اور کارآمد فن ہی۔ دوسرے اس سے صفائی جسمانی، طبیعت کو فرحت اور تازگی ہوتی ہی۔ اس میں سب سے زیادہ خوبی یہ ہی کہ بھاری جسم کو سبک کرنے میں

اس سے زیادہ مفید ورزش کوئی نہیں ہے۔ سُنا ہے کہ مسٹر محمد علی آکسن، مسٹر سرفراز خاں، مسٹر عامر مصطفےٰ خاں، مسٹر آغا صفدر خاں اور دیگر وزنی اور بھاری بھرکم ممبران کالج عنقریب اس ضرورت کی طرف افسران کالج کو متوجہ کرینگے

آجکل کالج میں کبڈی بڑے زور شور سے کھیلی جاتی ہے۔ زور میں شاید کمی ہو مگر شور کی کوئی شکایت نہیں کرسکتا۔ ڈاکٹری اُصول سے خوب غل شور کرنا نوجوانوں کے پھیپڑوں کے لیے بہت مفید بتایا جاتا ہے۔ کالج کی دیواریں اور ہمارے کان چاندنی راتوں میں ایسے شیریں شور کو سُنکر بہت محظوظ ہوتے ہیں۔

کبڈی ٹورنمنٹ کی آخری میچ کرکیٹ لان پر ۲ مئی یعنی چودھویں شب کو ہوئی سید محمود کورٹ سے مسٹر ڈنی کلف کی ٹیم سرسید کورٹ کی مسٹر گولڈی کی ٹیم سے مقابل تھی۔ چند ٹرسٹیاں اور مسٹر ٹول مع اپنے اسٹاف اور طلبا کے غول کے آخر تک دلچسپی سے کھیل دیکھتے رہے۔ جیتنے والوں میں مسٹر جیلانی، مسٹر الیاس (جمپنگ فراگ)، مسٹر یوسف، مسٹر ابراہیم، مسٹر شاہ عالم خاں نہایت عمدگی سے کھیلے تھے۔ اور ہارنے والوں میں مسٹر ایوب، مسٹر مہدی، مسٹر ارشاد رامپوری تھے۔ ہم کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ کبڈی بھی علیگڈھ کے رنگ میں رنگ دی گئی ہے۔ ہر طرف بارہ بارہ کھیلنے والے تھے اور وہ سفید بنیان اور مختلف رنگ کی نکرس پہنے تھے۔ ہار جیت کے نمبر دیئے جاتے تھے اور جن کے گھنٹہ بھر کے کھیل میں زیادہ نمبر ہوتے وہی جیتتا۔ گرمیوں میں دن کے پڑھنے اور گرمی کی شدت کے بعد رات کو گھنٹہ آدھ گھنٹہ کی تفریح مفید ہوگی۔ ہم مسٹر احمد حسین سکرٹری کو مبارکباد دیتے ہیں۔

ہماری ڈاک

ہمارے برادر عزیز مسٹر سید علی حسن صاحب برادر خورد مسٹر سید علی رضا صاحب بلگرامی نے حال ہی میں جو خط سکرٹری صاحب اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کو لکھا ہے اُسکا اقتباس ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"مزاج گرامی" غالباً اس احقر کو آپ بالکل بھول ہی گئے ہونگے۔ ایک زمانہ گذر گیا جب سے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کچھ ایسے اتفاقات پڑے کہ علیگڈھ بھی آنا نہو سکا۔ خیر اگر زندگی باقی ہے تو انشاء اللہ مناسب موقع پر علیگڈھ آکر نیاز حاصل کرونگا۔ آج ایک وی۔ پی گذشتہ بقایا کے بارے میں وصول ہوئی جسکو لیکر فوراً روپیہ خطوط رساں کو دیدیئے اگر اتفاق سے حساب میں غلطی ہو جائے اور کچھ رقم مجھسے زائد لی جائے تو مجھے اس کا خیال تک نہوگا اور نہ ہونا چاہیے۔ میری جان و مال سب کالج پر سے قربان ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے کس عمر سے اس کالج میں تعلیم پائی ہے۔ یہ کالج وہ ہے کہ جس نے مجھے نو سال کی عمر سے بیس سال کی عمر تک پرورش کیا ہے اور اسی کالج کی بدولت مجھے عمدہ تربیت ملی ہے۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اس کالج کو اپنا ماں باپ دیکھا۔ بخدا میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ جسوقت مجھے اپنی کالج لائف کا خیال آجاتا ہے بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں اور یہی جی چاہتا ہے کہ ہمیشہ کالج ہی میں رہوں۔ میں خدا کے فضل و کرم سے نیز کالج کی بدولت ملک سرکار نظام میں ملازم ہو گیا ہوں۔ میرے ذمہ پچھلا بقایا غالباً کچھ نہوگا جو کچھ تھا آج ادا کر دیا۔"

ایسے خطوط سے ہمارے دل پر بہت اثر ہوتا ہے اور کام کرنے کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔

ایک دوسرا خط جو مندرجہ بالا مطالب کو لیے ہوئے ہے ہمارے ناظرین کی دلچسپی میں اضافہ کریگا۔ یہ خط ہمارے بھائی مسٹر امجد حسین صاحب نے کلکتہ سے لکھا ہے۔

بھئی معاف کرنا میں اب تک تم کو سکرٹری اولڈ بوائز ایسوسی ایشن ہونے پر مبارکباد

نہ دے سکا۔ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے شاید بھلے دن آئے ہیں کہ تمہارا انتخاب اُس کے سکریٹری ہونے کے واسطے ہوا۔ مجھے یقین کامل ہے کہ تم منتشر اجزا کو اپنی حیرت انگیز اور نہایت دلکش ہردلعزیزی کی وجہ سے مجتمع کر لوگے۔ میں کسی کی شکایت نہیں کرتا مگر بدنظمی اور بے پروائی کا اندازہ خود مجھے ہو چکا ہے۔ سنہ ۱۹۰۳ع میں بجائے بہادر علی مرحوم نے علیگڈھ میں مجھے ممبر کیا تھا۔ اُسوقت کی اگر کوئی یادداشت دفتر میں باقی ہو تو میرا نام بھی کسی کونے کترے میں ملے مگر وہ دن اور آج کی گھڑی ہے کہ صدائے برنخاست کسی نے یہ بھی تو نہ پوچھا کہ امجد حسین بھی کوئی بھکوا ہے۔ اب میرا نام تم درج کر لو جو چندہ ہوگا دونگا۔

ہمارے بھائی اطمینان رکھیں کہ اب اُنکا نام فہرست ممبران ایسوسی ایشن میں درج ہو گیا ہے۔

ہم اپنے بھائی مسٹر سید روح الامین صاحب (مبوق) کے خط کا اقتباس شکریہ کے ساتھ یہاں درج کرتے ہیں اور اُنہیں یقین دلاتے ہیں کہ مبوق کلب کے بہت سے ممبروں کو اب بھی ہمارے بھائی کی یاد ہے۔ مضمون اسی نمبر میں کسی دوسری جگہ درج ہے۔ انصاف شرط ہے کہ ہمارے بھائی نے کہانتک کلب کی عزت قائم رکھی ہے۔

غالباً آپ کاتب تحریر سے واقف نہونگے اسلیے عرض ہے کہ بندہ آپکے کالج کا پُرانا طالب علم ہے۔ پرنسپل صاحب مجھ سے بخوبی واقف ہیں۔ غرض تحریر یہ ہے کہ خاکسار مبوق کلب کا ایک ناچیز ممبر ہے۔ حال میں پرچہ اولڈ بوائے دیکھا اس میں مبوق کلب کے عنوان سے ایک مضمون درج تھا۔ اسکے مطالعہ سے زمانہ ماضیہ کالج میں صرف ہوا تھا اپنی ایک بیتابانہ یاد دے گیا۔ خاکسار نے کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔ امید ہے کہ آپ قریب کے کسی پرچہ میں جگہ دیدینگے۔

آپ کا نام مبوق کلب کی ممبری میں تو تھا ہی اس خط کے وصول ہوتے ہی ایسوسی ایشن کے بھی ممبر کرا لیے گئے۔ اسکے شکریہ کے مستحق مسٹر ولایت علی صاحب ہیں جن کی بدولت ایک گم شدہ بھائی کا پتہ لگا۔

سالانہ ڈنر و جلسہ

امسال سالانہ ڈنر جلسہ ۶ و ۷ اپریل کو قرار پایا تھا۔ پانچویں سے ممبر آنا شروع ہو گئے
تھے۔ ۶ و ۷ کو صبح و شام جلسے ہوئے جن میں خاص تعداد ہوتی تھی اور سب لوگ
پوری دلچسپی سے حصہ لیتے تھے۔ دور سے آنے والوں میں خاص قابل ذکر مسٹر
محی الدین خاں آزاد (بمبئی) مسٹر محمد علی آکسن (کلکتہ) مسٹر ظہور علی و مسٹر مشتاق احمد
(پشاور) سردار اشرف خاں بہادر (گجرات پنجاب) مسٹر مصلح العثمان (ہوشنگ آباد)
اور مسٹر ابن احمد (الہ آباد) تھے۔ بدایوں، مراد آباد اور میرٹھ کی زندہ دل کیپ جس نے
قسم کھائی تھی کہ کوئی ڈنر خالی نہ جائے موجود تھی، مسٹر ظفر عمر، مسٹر محمد یعقوب، مسٹر
رضا علی، مسٹر عبدالوہاب زبیری، مسٹر حامد حسین (کیٹ) مسٹر مسعود (ٹامی) قاری
سرفراز حسین، مسٹر عظیم داد خاں کا ہر جلسہ کے لیے آنا مسلم ہو گیا ہے۔ اسی طرح مسٹر سجاد حیدر
مسٹر احسان الحق، مسٹر عبدالمجید خاں (جالندھر) مسٹر ولایت علی مبوق (بارہ بنکی) مسٹر
اظہر علی آزاد، مسٹر سید حامد حسین، مسٹر سعید محمد خاں حسب معمول موجود تھے۔ اور انکے
بغیر "محفل ویران" ہوتی۔ نئے آنے والوں میں مسٹر عبدالحمید خاں بہادر (ٹرکی)
مسٹر مظفر محمد خاں (مجا) مسٹر قاضی عزیز الدین بلگرامی، اور مسٹر نصیر الدین حیدر کو دیکھ کر
سب خوش ہوئے، مسٹر محمد اسمعیل خاں بیرسٹر، مسٹر اسلام احمد خاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ
پولیس اور مسٹر عبدالرب بلند شہر سے بڑے ٹھاٹ کے ساتھ موٹر میں تشریف لائے
تھے۔ مسٹر شوکت علی پہلی کو حیدر آباد تھے، دوسری کو بمبئی، تیسری کو جونا گڈھ اور
چھٹی کو مع مسٹر ایم کے آزاد کے علیگڈھ، سید محمد علی سی ایس باندہ سے تشریف
لائے تھے اور صدر جلسہ تھے۔

سب لوگ مسٹر سید راس مسعود سے ملنے کے مشتاق تھے اور یہ دیکھنے کے کہ

وہ انگلستان سے کیسے ہو کر واپس آئے ہیں. ہر شخص اُنسے ملکر از حد خوش ہوا اور ہر ایک کو اطمینان ہوا کہ وہ انشاء اللہ اپنے خاندان اور کالج کی عزت کو قائم رکھیں گے۔ علیگڈھ کے سب ممبر موجود تھے۔ اور مسٹر سرفراز خاں قائم مقام سکرٹری نے مسٹر سعادت علیخاں اور مسٹر مصطفیٰ احمد کی مدد سے نہایت خوبی کے ساتھ سب کے آرام کا انتظام کیا تھا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین کی مہماں نوازی کا دربار حسب معمول جاری تھا اور جس کسی ننگے بھوکے کو کہیں جگہ نہ ملتی ہو اسکے لیے اُن کا بنگلہ موجود تھا۔ جو لوگ ایک دن قبل پانچ اپریل کو آگئے تھے اُنکے لیے مسٹر عبد المجید خواجہ نے ٹینس اور چاء کا انتظام کیا تھا اور وہ شام نہایت لطف سے گذری۔

۶۔ اپریل کو ۸ بجے صبح سے لیکر ½ ۱۱ بجے تک جلاس رہا۔ مسٹر سید محمد علی صاحب سی ایس بالاتفاق پریزیڈنٹ مقرر ہوئے۔ پہلی تحریک مسٹر عبد السلام مرحوم سکرٹری اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی اچانک اور بیوقت موت پر اظہار تاسف کے متعلق تھی جو بالاتفاق پاس ہوئی۔ اسے مسٹر شوکت علی نے پیش کیا اور مسٹر محمد یعقوب نے تائید کی۔ اسکے پاس ہوتے وقت سب لوگ کھڑے تھے۔ ہر شخص کو مرحوم سے دلی محبت تھی اور سب کو سچا افسوس تھا کہ ہم میں سے ایک کام کرنے والا اُٹھ گیا۔

دوسری تحریک خود پریذیڈنٹ صاحب نے پیش کی کہ مسٹر قسیم بیگ صاحب اور مسٹر ولایت حسین کو عطائے خطابات پر مبارکباد دینی چاہیے، جو پاس ہوئی۔

امپلائے منٹ ڈائرکٹری اور امتیازی نشان کی نسبت تحریکیں واپس لی گئیں اسی طرح مسٹر یعقوب کی یہ تحریک بھی کہ ایم اے اور لا کلاس کے طلباء کو شریک جلسہ ہونے کی اجازت دیجائے قانون کے خلاف ہونے کے باعث خارج کردیگئی. مگر تمام اولڈ بوائز نے مسٹر یعقوب کی ایک دوسری تحریک پر نہایت خلوص کے ساتھ قبلہ و کعبہ نواب وقار الملک بہادر سے درخواست کی کہ وہ تاقیام یونیورسٹی عہدۂ

سکرٹری کالج سے مستعفی نہوں ۔ مسٹر محمد یعقوب نے اپنی تحریک نمبر ۲ کہ جو رزولیوشن ایک
مرتبہ نامنظور ہو گیا ہو تین سال تک پیش نہ کیا جائے جلسہ کی خواہش پر واپس لی ۔
تحریک نمبر ۹ مبہم ہونے کے باعث اور اسوجہ سے کہ محرک موجود نہ تھے خارج
کی گئی ۔

آنریبل مسٹر محمد رفیق کو اُن کے تقرر عہدۂ جوڈیشنل کمشنری پر جوش سے مبارکباد
دی گئی ۔ واقعی وہ ہم سب کے فخر ہیں ۔

مسٹر راس مسعود کے انگلستان سے کامیاب واپس آنے پر سب ممبروں نے اپنی
دلی محبت کا اظہار کیا ۔ جو تقریریں کی گئیں (خاصکر مسٹر محمد علی آکسن کی تقریر) اُن سے
صاف ٹپکتا تھا کہ اولڈ بوائز کو اپنے کالج کے بانی سے کسقدر محبت تھی ۔ سب کی آنکھوں
کے سامنے وہ خوبصورت تصویر پھر گئی جسے وہ اپنے زمانہ طالب علمی میں روزمرہ
دیکھا کرتے تھے ، یعنی ایک سفید گھوڑوں کی گاڑی اور اوس میں ایک پُرانے مسن بزرگ کا
پیارا اور نورانی چہرہ اور اُس کے ساتھ ہی ایک بچہ کا بھولا بھولا چہرہ جس میں بڑی بڑی
آنکھیں چاروں طرف گھوم گھوم کر ہر چیز کو غور سے دیکھتی تھیں ۔ جب تک زندگی رہی
دادا اور پوتا ایک دم کو علٰحدہ نہیں ہوئے ۔ جلسہ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے ۔ جو
سید راس مسعود کی پیدایش کے وقت علیگڈھ میں تھے اور عقیقہ میں شریک ہوئے تھے
اُن کی بسم اللہ کی مٹھائی تو بہتوں نے کھائی تھی ۔ مسٹر راس مسعود نے سب کا شکریہ ادا کیا ۔

مسٹر عزیز مرزا مرحوم کی بیوقت وفات سے جو نقصان عظیم اولڈ بوائز ایسوسی ایشن
اور تمام قوم کا ہوا اُس پر اظہار افسوس کیا گیا ۔ عزیز مرزا کی موت کوئی معمولی موت نہ تھی
ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ کسطرح اچھے ہو جانیکی فکر میں تھے کہ کلکتہ کی مسلم لیگ میں شریک ہو سکیں ۔
ہماری جماعت کے فخر کا باعث ہے کہ جو شخص ایک مدت تک حیدرآباد میں ریاست کی
اعلیٰ خدمت پر رہا ہو مرتے وقت اس کے پاس ماہانہ پنشن کے سوا مشکل سے

تین چار ہزار کا اثاثہ نکلے کہ بڑے لڑکے کی پرورش ہوسکے۔

پریسیڈنٹ صاحب نے ہز ہائنس نظام، ہز ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال۔ ہز ہائنس نواب صاحب رامپور اور ہز ہائنس آغا خان کو خطاب ملنے پر مبارکباد بھیجنے کا رزولیوشن پیش کیا اور بالاتفاق پاس ہوا۔

رزولیوشن نمبر ۲۰، ۲۱ اور ۲۲ واپس لیے گئے۔ کامریڈ اور زمیندار اخبارات کے قومی خدمات کے اعتراف کی تحریکیں خود مسٹر محمد علی (آکسن) اڈیٹر کامریڈ کے اعتراض کے بعد کہ ایسوسی ایشن کو قانون کی رو سے مجاز نہ تھا کہ وہ اپنے مقاصد سے باہر جاکر تحریکیں پاس کرے، واپس لی گئیں۔ تمام اولڈ بوائز کو اپنے دونوں قابل بھائیوں مسٹر محمد علی (کامریڈ) اور مسٹر ظفر علی خاں (زمیندار) سے پوری ہمدردی تھی۔

شمس العلما مولانا حالی مدظلہ کی قومی خدمات کا شکریہ ادا کیا گیا۔

مسٹر سجاد حیدر کا رزولیوشن نمبر ۱۲ کہ ایسوسی ایشن لائبریری قائم کرے اور کتابوں کی تقسیم کا ذمہ لے ناکام رہا۔

سرسید مرحوم کی برسی کا سالانہ ڈنر کے موقع پر ہونا قرار پایا اور اس درخواست کو ٹرسٹیان کالج نے قبول فرمالیا۔

مسٹر شوکت علی کے قانون کی دفعہ ۱۳۔ اور دفعہ ۱۴ (الف) کی ترمیم پر بہت دلچسپ مباحثہ ہوا۔ اور حاضرین اُن سے متفق تھے کہ قانون کو ترمیم ہونا چاہیے تاکہ انتخاب کا دائرہ وسیع ہوجائے اور ایک افسر علیگڈہ سے باہر قیام کا بھی مجاز ہوجائے۔ موجودہ ممبران سے موافق ۵۴ اور مخالف ۲۱۔ رائیں تھیں اور تحریری رایوں میں ۱۴۹ موافق اور ۱۱۰ مخالف کا شمار تھا۔ اس طرح گویا ۲۰۳ موافق اور ۱۳۱ مخالف رائیں تھیں، جسکے حساب سے ۷۲، کی مجارٹی رہی۔ اگر ۱۶۔ رائیں ۱۰ اور

آجاتیں تو یہ تحریک پاس ہوجاتی کیونکہ ترمیم قانون کے لیے ⅔ مجارٹی کی ضرورت ہے۔ انشاءاللہ! یہ مفید اور ضروری ترمیم آیندہ سال ضرور پاس ہوجائے گی۔

مسٹر زماں مہدی خاں کا انتخاب بحیثیت ٹرسٹی دوبارہ ہوا۔ یقین کامل ہے کہ آیندہ سال بالاتفاق مسٹر سجاد حیدر جیسے قابل ممبر کو منتخب ہونے کا موقع دیا جائیگا

مسٹر شوکت علی نے پہلے ہی روز جلسہ کے سامنے پیش کیا تھا کہ قائم مقام سکرٹری کا وہ نوٹ جو اُن کے بارہ میں ضمیمۂ اجنڈا میں درج تھا غلط فہمی کا باعث ہوا اور اس کی وجہ سے انکے احباب کو شبہ رہا کہ آیا واقعی وہ امیدوار سکرٹری شپ تھے یا نہیں۔ اس وجہ سے بہت سے لوگ ووٹ نہ دیسکے۔ پریذیڈنٹ صاحب نے بعد مجارٹی حاضرین اس اعتراض کو جائز قرار دیا اور آیندہ سال کے لیے انتخاب ملتوی کردیا۔ اور اس سال کے لیے مسٹر سرفراز خاں قائم مقام آنریری سکرٹری قرار دیئے گئے۔ مگر اُنھوں نے ایثار نفس سے کام لیکر اس خیال سے کہ غالباً مسٹر شوکت علی ایسوسی ایشن کی زیادہ خدمت کرسکیں گے اپنا نام واپس لے لیا اور ایسا ہی مسٹر عبدالمجید خواجہ (بی اے کینٹب) نے کیا۔ اس پر مسٹر شوکت علی نے مسٹر سرفراز خاں کا شکریہ ادا کیا اور تمام حاضرین نے انکے لیے چیرز دی۔

دونوں دن کی کارروائی مسٹر سید محمد علی صاحب سی ایس کی صدر نشینی میں نہایت خوش اسلوبی سے ہوئی۔ ۲ ر کی شام کو کالج اور اسکول اسٹاف کی طرف سے ایک پُرلطف پارٹی ہوئی۔ موجودہ طلبا کے لیے میزوں کا علیحدہ رکھا جانا سال گذشتہ کی طرح اس مرتبہ بھی بہت لوگوں کو پسند نہیں آیا۔ اسٹریچی ہال کے سامنے گروپ لیا گیا۔

شب کو ڈنر میں کم و بیش چھ سو مہمان شریک تھے اور اسٹریچی ہال کچھا کچھ بھرا ہوا تھا۔ مسٹر عبداللہ جان، ڈاکٹر ہارورڈ، نواب وقار الملک بہادر، مسٹر ٹول نے

نہایت دلچسپ تقریر کی۔ مسٹر مصباح العثمان کی تقریر نہایت پُر مذاق رہی۔ مسٹر سید رضا علی رضوی کی تقریر ضرور بامزہ تھی مگر اُن کا مذاق اس قدر دقیق اور اتنا بلند تھا کہ حاضرین اُسکے سمجھنے سے قاصر رہے۔

جس تقریر کا سب کو انتظار تھا وہ مسٹر سید راس مسعود کی تقریر تھی جب وہ شکریہ ادا کرنے کھڑے ہوئے تو سب کے چہروں سے خوشی کے آثار نظر آتے تھے۔ مسٹر مسعود کی تقریر مختصر مگر معنی خیز تھی اور اس میں کالج کے نہایت ضروری انتظامی امور کی جانب ادب مگر جوش کے ساتھ توجہ دلائی گئی تھی۔ شروع سے آخر تک باوجود خلوص اور جوش کے وہ اپنی تقریر پر قادر رہے۔ اور حاضرین کو یقین ہو گیا کہ انشاء اللہ! ایک دن وہ قوم کی بڑی خدمت کرینگے۔

دوسرے روز دوپہر کے وقت یونین کلب میں جلسہ تعارف ہوا، جہاں مسٹر مسعود (ٹامی) قاری سرفراز حسین (طبیب النسواں) مسٹر احسان الحق، اور مسٹر محمد علی موجود ہوں وہاں ہنسی خوشی کی کیا کمی مگر امسال بازی مسٹر آفتاب عمر کے ہاتھ رہی۔ سب لوگوں کی اُن سے درخواست ہے کہ وہ "داداجان کے باغ" کے اُس درخت کے جسکا اُنھوں نے ذکر کیا تھا چند آم کالج میں ضرور بھیجدیں گے۔

شام کو مسٹر احسان الحق اور مسٹر محمد علی کی انتھک کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُنھوں نے دو گھنٹہ کی محنت میں سب مرحلے طے کر دیئے اور اولڈ بوائز لاج کا سنگ بنیاد ہمارے قبلہ و کعبہ نواب وقار الملک بہادر کے ہاتھ سے اُسوقت رکھوا دیا جبکہ کالج کلب میں گارڈن پارٹی ہو رہی تھی۔ اس تاریخی موقع پر تصویر لی گئی۔ لاج کے لیے کریکٹ گراونڈ اور گیسٹ ہاؤس کے درمیان کنوئیں کے

قریب جو قطعہ زمین ہے وہ پسند کیا گیا تھا۔ انشاءاللہ! خوبصورت اور دومنزلہ عمارت جلد تیار ہو جائے گی اور کچھ دنوں کے بعد ہم کرکٹ میچیں اپنے ہی گھر سے بیٹھے بیٹھے دیکھا کرینگے۔

رخصت ہونے سے قبل تمام اولڈ بوائز کا علیحدہ گروپ لیا گیا اور وہ بہت اچھا آیا۔ گروپ ہر ایک اولڈ بوائے کے پاس جو اُسوقت موجود تھا بھیجا جائیگا۔ باہر کے آئے ہوئے سب لوگ رخصت ہو گئے اور اُنکے ساتھ وہ چہل پہل بھی۔ جانے والے اور رہنے والے دونوں کو قلق تھا۔

اغماز چلتے وقت مروّت سے دور تھا
رو رو کے ہم کو اور رولانا ضرور تھا

ہمارے بھائیوں کو یہ معلوم کر کے مسرت ہوگی کہ اخی مسٹر شوکت علی صاحب کے فرزند نرینہ تولد ہوا ہے اور بفضلہ زچہ و بچہ دونوں تندرست ہیں۔ ہم اپنے بھائی کو مبارکباد دیتے ہیں۔

ہمارے بھائی ڈاکٹر ولی محمد صاحب ولایت سے واپس آ گئے ہیں اور اُنھوں نے مادر کالج میں اپنی خدمات کا جائزہ بھی لے لیا ہے ہم اپنے بھائی کا خیر مقدم کرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اُنکے خدمات ہمارے لیے باعث برکت ہوں

ہماری تحریکوں سے دلچسپی رکھنے والے اور ہمارے معین اخی مسٹر سید نجم الدین حیدر صاحب جعفری تحصیلدار جلال آباد سے اب صدر تحصیل شاہجہاں پور کے تحصیلدار بنائے گئے ہیں جلال آباد کے لوگوں کو مسٹر جعفری کے تبادلہ کا افسوس ہے۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے اہم فرائض میں کامیاب ہوں۔

رجسٹرڈ نمبر اے (۵۲۴)

اولڈ بوائے

جلد ۲ بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۲ء نمبر ۹

(اڈیٹر)

ابو حامد عزت حسین بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام مولوی رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڈھ میں طبع ہوا ۱۹۱۲ء

حسب ایماء مولوی سید منظر علی دفتر اولڈ بوائے واقع جعفر منزل علی گڈھ سے شائع ہوا

اولڈبوای

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

۱ جملہ سابق طلباء مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علی گڈھ کے دلوں میں انکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُسکے حالات سے انکو باخبر کرنا اور اُس کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا

۲ اولڈبوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا، اور انکو ترقی دینا اور انکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

۳ اولڈبوائز ایسوسی ایشن" اور کالج" کی مالی مدد کے لیے سابق طلباء کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمتگذاروں میں خود اُسکے فرزندوں کی خدمات کافی و تسلی بخش ہوں۔

۴ جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُنپر ہمارے کالج کے قائم کرنیسے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

(۱) جملہ خط و کتابت دربارہ ترسیل زر و تبدیل پتہ مینیجر اولڈبائے" علیگڈھ سے ہونی چاہئے۔

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ" اڈیٹر اولڈبائے" علیگڈھ آنا چاہئے۔

اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان اولڈبوائے" ہر وقت مشورہ و رفع شکایات کے لیے تیار ہیں اور شکرگذاری کے ساتھ اُنپر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و مینیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اولڈ بوائے

سرسید کی قبر پر فاتحہ

مجھے اعتراف کرنا ہی : حرص جاہ و مال و ہوس نفس سے مغلوب ہو کر وہ شعلہ جو مجھ میں کبھی۔ اور یہ زندگی کے علوی سلگے ہوتے ہیں۔ تیزی سے بھڑکتا ہی افسوس کہ اکثر۔ اور جس زمین سے ہم مربوط ہیں اس میں زندگی بھی بیشتر سفلی ہی ہی۔ بہت دھیما رہتا ہی، گو شکر ہے کہ بجھتا نہیں۔ اور خدا کرے کہ جس دن یہ شعلۂ قلب، میری بے حمیتی سے مجھے اس دن بلکہ اسی لحظہ یہ شمع حیات بھی گل ہو جاے۔

حرص جاہ و مال و ہوس نفس! بس حرص و ہوس۔ نہ یہ نصیب، نہ اُسکے پورا کرنیکا اقتدار۔

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد

یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہی

یہ شعلہ۔ یہ لاہوتی لو زبہ مجھے چھوڑے جا رہا ہے۔ مجھے خود اسکا احساس ہو رہا ہے۔ یہ ملوث محیط جس میں میں پیر رہا ہوں، زیادہ کثیف، زیادہ غلیظ ہوتا جا رہا ہے واعظ کا وعظ، نقیب کی ہیجان انگیز صدا، میرے پاس سے اثر ڈالے بغیر گذر جاتے ہیں۔ واعظ کے کپڑوں کو دیکھتا ہوں اور سنتا ہوں، نقیب کی ہیجان انگیز صدا کو بناوٹی سمجھتا ہوں اسی زمانہ میں بہت سی چیزیں قلب ملت کو متہیج کرتی ہیں۔ میں یہ تو نہ کہونگا کہ اُنسے متاثر نہیں ہوا۔ مگر ہاں اتنا متاثر نہیں ہوا، جتنا میں دیکھتا تھا کہ بعض اور لوگ ہوتے تھے۔

اپریل کی پانچویں تھی، میں شب کو اسی ہوائے کثیف انانیت کو پھیپڑے میں کھینچتا ہوا ریل میں سوار ہوا۔ اور صبح کو علیگڈہ پہنچا۔ اچھی جگہ تھی۔ مجمع احباب تھا۔ پرانی صورتیں نظر آئیں؛ سب چہرے ڈاڑھیاں لگائے ہوئے تھے۔ بشاش، فرخناک؛ خود کامگار۔ انکا طالع انکا یار۔ زندگی سے متلذذ۔ یہ وہ لوگ تھے کہ اپنے اور سب کی توقع سے کہیں زیادہ زندگی میں کامیاب ہوئے۔ علیگڈہ انکے لیے کشادہ آغوش رہتا ہے مگر وہ دوسرے ہے جنہیں دنیا نے اپنا چہرہ تبسم نہیں دکھایا، بلکہ جنہیں لطمہ حیات متواتر دنیا کی خشین ہی کی زیارت کراتا ہے۔ وہ کہاں ہیں؟ ہائے وہ علیگڈہ نہیں آتے۔ وہ ہم ظاہر پرست یاران قدیم میں کوئی کشش نہیں پاتے۔

کس گرمجوشی سے ہم ملے۔ چہرے بدلے ہوئے تھے۔ بعضوں کے چہروں پر ڈاڑھیاں نہیں، مونچھیں سب کی آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ معانقہ ہوا، اور اُسنے بتایا کہ چہرے بدلے ہوئے تو تھے ہی، ہائے ستم! قلب بھی بدل گئے تھے۔ معانقہ پر دل کی تڑپ ویسی بتیابانہ نہ تھی، اگرچہ معانقہ میں ایک دوسرے کو بھینچنے کی ادا، ضرورت سے زیادہ جوش بھری تھی، دل کی دھڑکن اپنی معمولی رفتار میں تھی۔ ہائے صداقت تو کہاں ہے؟

مقابل میں میرا دل تھا، کیا میں ایمانداری سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے دل کی پرش میں کچھ فرق آیا تھا؟ بہت کم۔ اس طرح یہ دن گذرا، اور جس محیط سے میں نکلکر آیا تھا اور اس میں بھی مجھے بہت کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا تھا۔

دوسرے دن صبح کو اسٹریچی ہال میں سرسید کی برسی کا جلسہ تھا۔ میں پہنچا تو جلسہ شروع ہو چکا تھا۔ اسپیچوں کی گرم بازاری تھی۔ ایک صاحب اُٹھتے تھے، اسٹیج پر آکر ہاتھ ہلاتے تھے، (میں بہت دور تھا) پاؤں کو بھی کبھی کبھی جنبش دیتے تھے بیٹھ جاتے تھے، دوسرے صاحب اُٹھتے تھے۔ مجھے یہ کٹھ پتلیوں کا تماشہ معلوم ہوتا تھا، جلسہ نہایت خنکی اور برودت سے ختم ہوا، اور معانقوں اور قہقہوں اور فقروں کی گرم بازاری پھر شروع ہوئی، مگر ہم سب اب مسجد کی طرف جا رہے تھے۔

اُسکی قبر کے گرد سب جمع ہوئے۔ میں پہلی صف میں نہ تھا؛ دور تھا۔ فاتحہ کے لیے سب نے ہاتھ اٹھائے؛ اور اُس کے بعد اس حریم صداقت؛ اس مدفن بے ریائی و حق گوئی سے ایک آواز آنی شروع ہوئی۔ کیسی آواز؟ یہ اُس کی تو نہ تھی جو بے ریا خدمت خلق، نڈر سچائی کو اپنے ساتھ دفن کیے ہوئے ہے۔ وہ آواز میری سُنی ہوئی تھی۔ وہ اٹلاق کوہ سے نکلنے والی، ابر تیرہ سے کڑکنے والی رعد سے مشابہ ہوا کرتی تھی۔ ہم اکثر اسکے سامنے کانپے ہیں۔

یہ آواز آتی تو اسی کی خوابگاہ سے تھی، مگر یہ اُس کی آواز نہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اک فرشتہ آسمان سے اُترکر، اُس کھُلی چھت سے جو شاید اسی لیے کھُلی رکھی گئی ہے داخل ہوکر اسکے بالین سے، منادی غیب کی طرح حقائق آسمانی، اپنی شیریں اور باریک آواز سے بیان کر رہا ہے؛[1] ایک عجیب اہتزاز سے اس منادی کی آواز مجھ تک پہنچی؛

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

---

[1] قرآن پاک کا اک رکوع کسی خوش الحان لڑکے نے پڑھا تھا۔

اور یہاں، اس حرمِ محترم کے سامنے، اس لمحے میں، میرے قلب کا شعلۂ علویت جو دبا پڑا تھا، نہایت تیزی سے بھڑک اٹھا، میری آنکھیں پُرنم تھیں، اور قلب پر رقت! الحمد للہ الحمد للہ میری معنویات تپائی جا رہی تھیں، اور کھوٹ ان میں سے نکالا جا رہا تھا۔

اور اسوقت مجھے اک دوسرے منادی کا قول یاد آیا:-

عزیزو حق کی رحمت ہی یہ پیر ناتواں ہم میں ⁂ پھر ایسا پیر ہی ہم میں نہ کوئی نوجواں ہم میں
ہزاروں ہونگے ہم میں بیچلر اور ماسٹر پیدا ⁂ مگر اے قوم ایسی صورتیں پیدا کہاں ہم میں

بعد فاتحہ، یہ مجمع منتشر ہو گیا اور ہم سب واپس چلے آئے۔

مگر مجھے اک اور اعتراف کرنا ہی:-

میں بُت پرست ہوں رکھدی کہیں جبیں میں نے

(سجاد حیدر)

کلامِ اکبر

"ہم" کو سنبھالتی ہی ملت جو لا بنائے ⁂ "میں" کو بناتی ہی غیرت جو ولمیں آئے
کیا حالِ قوم مجھسے تو پوچھتا ہے ہمدم! ⁂ "ہم" کا پتہ نہیں ہی "میں" ہیں مگر بہت کم
کفر اسکو ہی قناعت، محنت کی راہ بھولی ⁂ تقریر میں فضولی، محنت میں بے اصولی
جب پیشرو نے اپنا کعبہ جدا بنایا ⁂ اپنے مزے کو سب نے اپنا خدا بنایا
اپنی ہی یہ خطا ہی "ہم" نے تو خوب جانچا ⁂ لڑکے ڈھلے ہیں ویسے جیسا بنا تھا سانچا
شر جس سے پھیلتا ہی یادش بخیر بھی ہے ⁂ اپنا ہی کیا کہ ہنستا اب "ہم" پہ غیر بھی ہے

بھاگا وٹوں سے ہرگز نہیں ہے سیری ۔۔۔ حرص و طمع نے کھوئی اس قوم سے دلیری
آثار کہہ رہے ہیں گوشۂ دلِ حزیں میں ۔۔۔ جیتا رہا تو تو بھی ملجائے گا انہیں میں
بچنا اگر ہے تجھکو اس دور سے تو سو رہ ۔۔۔ بے رونقی پہ کر صبر، اللہ ہی کا ہو رہ

جسے کہتے ہیں دیوانِ جنابِ حیدرِ صفدر ۔۔۔ وہ اک مجموعۂ بے مثل وعظِ عقل و حکمت ہے
کیا ہے ترجمہ منتظر نے اسکا خوب اردو میں ۔۔۔ نشاں ہے یہ سعادت کا یہ تاثیرِ سیادت ہے
دُرِ شہوار نام اس ترجمہ کا ہے بہت موزوں ۔۔۔ حقیقت میں دُرِ شہوار دریائے حقیقت ہے

نہ تھی اس کی ضرورت کچھ کہ آپسمیں ہی ہو جاتے ۔۔۔ سلام و رحمۃ اللہ کی جگہ گڈ نائٹ اور گڈ ڈے
طریقِ مذہبی سے بھاگنا ہے کھیل گڑیوں کا ۔۔۔ نہیں کچھ قوم سے مطلب بنے ہیں نازنیں گڈے

قبلہ و کعبہ حضرت اکبر کا کلام ہم شکریے کے ساتھ اوپر درج کرتے ہیں اور اپنے ناظرین کو اطلاع دیتے ہیں کہ ہم نے حال ہی میں اپنے بھائی مسٹر ظہور الحسن صاحب سب انسپکٹر الہ آباد کو لکھا ہے کہ ہماری جانب سے قبلہ و کعبہ کی خدمت میں حاضر ہو کر موصوف کی بیاض سے اپنی ڈیوٹی کے خلاف ہمارے لیے کچھ چرا لایا کریں ہمیں یقین ہے کہ ہمارے محترم بزرگ اپنے اس چور کو اتنا موقع دینگے کہ ہماری آرزو پوری کرینگے۔

(اولڈ بوائے)

مدرسۃ النسوان علی گڈھ

یہ دستورِ زباں بندی ہی کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہو زباں میری

یہ شعر ہمارے بھائی مسٹر سعید محمد خاں نے اڈیٹر صاحب انسٹیٹیوٹ گزٹ کو ایک موقع پر لکھا تھا جسے ہم اپنا عنوان بناتے ہیں۔ ہمارے یہاں کسی کی زباں بندی نہیں اور جو مراسلت کسی وجہ سے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں شائع نہیں ہوئی ہم "اولڈ بوائے" میں شائع کرتے ہیں جو شکایتیں اس میں کی گئی ہیں کوئی کلام نہیں کہ بعض میں ہم بھی اپنے بھائی مسٹر سعید کے ہم خیال ہیں لیکن جبکہ یہ طے ہو گیا ہی کہ مدرسہ علیگڈہ میں قائم ہو ہمیں چاہیئے کہ ہم اُسکے خدمت گزار ونکی ہر طرح مدد کریں اور مشکلات میں انکا ہاتھ بٹائیں۔ ہم اپنے دوسرے بھائی مسٹر شیخ عبداللہ صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ٹھنڈے دل سے اُنکی شکایات کو سُنیں اور ہمکو اور اُنکو بتائیں کہ کام میں مشکلات کیا کیا ہیں جن میں ہمیں مدد کی ضرورت ہی۔ ہمیں یقین ہی کہ ہمارے بھائی اُنہیں نہایت خوشی کے ساتھ مدد دینے کے لیے تیار ہونگے۔ اولڈ بوائے

۷۔ فروری کی انسٹیٹیوٹ گزٹ میں شیخ عبداللہ صاحب کا وہ مضمون جو اُنہوں نے مندرجہ بالا عنوان سے مولوی ممتاز علیصاحب کے اعتراضات کے جواب میں شائع کیا ہی دیکھا۔ اس میں شک نہیں کہ شیخ عبداللہ صاحب صیغہ تعلیم النسوان میں جسکے وہ سکرٹری ہیں نہایت کوشاں ہیں اور اُنکی کوششوں کا اُسقدر ہمدردی کے ساتھ استقبال نہیں ہوا جسکے در اصل وہ مستحق تھے۔ لیکن اُسی کے ساتھ

اس بات کو نظر انداز کرنا ظلم ہوگا کہ مولوی ممتاز علی صاحب کو بھی تعلیم نسواں سے دلی ہمدردی ہے اور اُنکے اعتراضات بھی اُس سے بدرجہا زیادہ وقعت کے قابل ہیں جتنی شیخ عبد اللہ صاحب نے ظاہر کی۔

صداقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہونا چاہیئے کہ نکتہ چینی یا اعتراضات کی دلی قعت کی جاے اور اگر اعتراضات بیکار ہوں تو اُنکو نظر انداز کر دیا جاے۔ مولوی ممتاز علی صاحب کے اعتراضات میری نظر سے گذرے لیکن شیخ صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب ممدوح کو علیگڈہ میں مدرسۂ نسواں قایم ہونے پر اعتراض ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ بجاے اسکے چھوٹے چھوٹے مدرسے ہر شہر میں قائم ہوں یہ اعتراض تو ہرگز اِلبیانہ تھا جسپر شیخ عبد اللہ صاحب متوجہ ہوتے۔ جسقدر درشتی کے ساتھ اُنہوں نے اسکا جواب شائع کیا ہے۔ اس سے فی الحقیقت یہ گمان ہوتا ہے کہ شیخ صاحب کو تعلیم نسواں کے اہم مسئلہ سے سچی ہمدردی نہیں۔

علیگڈہ یا کسی دوسرے شہر کو تعلیم نسواں کا مرکز بنانا اُسوقت مفید ہوگا کہ وہاں صرف اُستانیاں تعلیم پائیں۔ صرف لڑکیوں کی تعلیم کے لیے علیگڈہ میں کثیر روپیہ صرف کرکے مدرسہ بنانا یا بورڈنگ ہاؤس قائم کرنا مقامی حیثیت سے مفید ہو ورنہ دوسرے شہروں یا غیر مقامی افراد قوم کو اُس سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں۔

مسلمانوں کی طرز معاشرت اور مذہبی ضروریات اس بات کی کبھی اجازت نہ دیگی کہ بچیوں کو دوسرے شہر میں بھیجکر اور علٰحدہ رکھکر تعلیم دلائیں اور اگر وہ کسیوقت میں اس بات کے لیے آمادہ بھی ہو جائیں تو وہ اسقدر دور ہے کہ بحالت موجودہ اسکو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ حالت موجودہ میں جس تعلیم کے لیے مسلمان تیار ہیں وہ یہ ہے کہ اُستانیاں رکھکر خاندان کی بچیوں کو ایک جگہ بطور چھوٹے سے مکتب کے جمع کرکے تعلیم دلائیں تاکہ اُستانی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ماں کی تربیت بھی شامل رہے۔ اس خاص حالت

کو پیش نظر رکھکر کام کرنا مسلمانوں کے لیے مفید اور انکی مشکوری کا باعث ہوگا۔ ورنہ اگر قوم سے شیخ صاحب کو کافی مدد نہ ملے تو تعجب نہیں اور نہ انکو اسکا شاکی ہونا چاہیئے استانیوں کی تعلیم سے قبل لڑکیوں کی تعلیم کی فکر کرنا گاڑی کو گھوڑے کے آگے لگا دینے کی مثال ہوگی اور مولوی ممتاز علیصاحب کا اسپر معترض ہونا بالکل بجا ہی اگر علیگڈھ کا زنانہ اسکول اس اہم ضرورت کو پورا نہیں کرتا کہ وہاں استانیوں کو تعلیم دے کر تیار کیا جاے تاکہ تعلیم سے فارغ ہوکر وہ دوسرے ملکوں اور شہروں میں جائیں اور وہاں ہماری بچیوں کو انکے گھروں پر تعلیم دیں تو اس سے بدرجہا بہتر ہوگا کہ وہ اسکول بند کردیا جاے اور اس کی جگہ جیسی کہ مولوی ممتاز علی صاحب کی خواہش ہی چھوٹے چھوٹے مدرسے ہر شہر میں قائم کیے جائیں تاکہ وہاں کی مقامی لڑکیوں کو جنکے والدین انکو علیگڈھ بھیجنے کی کبھی جرأت نہیں کرسکتے تعلیم میسر آسکے۔

جہانتک مجھے علم ہی اسوقت تک جو لڑکیاں زنانہ اسکول میں داخل ہوئی ہیں وہ صرف علیگڈھ ہی کی رہنے والی ہیں جن کی ابتدائی اور انتہائی تعلیم محدود کردی گئی ہی اور ایک لڑکی بھی اس ارادہ یا اس وعدہ پر داخل مدرسہ نہیں ہوئی کہ بعد انفراغ تعلیم وہ بطور استانی کے اپنی عمر کو وقف کریگی۔ نیز جو حدود عمر کے مقرر ہیں اُن سے یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ علیگڈھ کا زنانہ اسکول استانیوں کی تعلیم کے لیے قائم ہی۔ پھر مولوی ممتاز علیصاحب کے اس سوال پر کہ علیگڈھ والے بتائیں کہ ابتک کتنی استانیاں تیار کیں مولوی ممتاز علیصاحب کی ذاتیات پر حملہ کرنا اور اپنی بریت میں باغبان اور باغ کی مثال پیش کرنا نہایت نازیبا اور قابل افسوس ہی۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں :۔ کیا کوئی انصاف پسند آدمی اُس شخص کا اعتراض تسلیم کرنے کو تیار ہوگا جو ایک باغبان سے یہ کہے کہ اس باغ پر ہمارا دس ہزار روپیہ صرف ہوگیا تم یہ بتاؤ کہ پانچ سال کے عرصے میں تم نے کسقدر پھلدار درخت پیدا کیے ؟ اگر اسوقت تک

ایک ہی پھل نہیں لایا تو تمہیں سب پودوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکدینا چاہیئے ہمیں اس باغ کی بالکل ضرورت نہیں۔ ایسے اعتراض کے متعلق جو کچھ فیصلہ ایک جج کا ہوگا وہی فیصلہ ناظرین کا مولوی ممتاز علیصاحب کے اعتراض کے متعلق ہونا چاہیئے" یہ مثال تو اسوقت صحیح معلوم ہوتی کہ چند لڑکیاں استانی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسکول میں موجود ہوتیں اور یہ امید ہوتی کہ آیندہ کچھ عرصے کے بعد اس قابل ہو جائینگی کہ تعلیم سے فارغ ہو کر استانیاں بنجائیں۔ لیکن پانچ سال کے طویل عرصہ میں نہ کوئی تخم لگایا گیا نہ قلم! پھر پھلدار درخت یا پھل کی آیندہ کیا امید ہوسکتی ہے اور اعتراض کرنیوالا شخص جسکا دس ہزار روپیہ صرف کیا بلکہ ضائع ہوچکا بالکل راہ انصاف پر ہوگا۔ شیخ عبداللہ صاحب مجھے معاف فرمائینگے اگر میں مولوی ممتاز علیصاحب کا ہمزبان ہو کر کسیقدر زور سے کہوں کہ اگر علی گڈھ کے زنانہ اسکول میں استانیاں تیار کرنیکا ارادہ نہیں تو اسکو فوراً بند کر کے چھوٹے چھوٹے مدرسے ہر شہر میں قائم کیے جائیں ورنہ جلد سے جلد استانیاں بغرض تعلیم مدرسہ میں داخل کیجائیں اور ضرورت ہو تو وظائف بھی دیئے جائیں۔ نیز ایک سہ ماہی رپورٹ شائع کی جائے کہ کسقدر استانیاں تعلیم پانے کی غرض سے گذشتہ سہ ماہی میں اسکول میں داخل ہوئیں اور انکی گذشتہ تعلیم وغیرہ کا لحاظ رکھکر کسقدر عرصہ کے بعد وہ اس قابل ہوجائینگی کہ مسلمان بچیوں کو ضروری تعلیم دے سکیں۔

سعید محمد خاں۔ از ایٹہ

ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے علم دوست ناظرین کتاب "البیت والاسلام" مصنفہ علامہ شہرستانی ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب کے مترجم مولوی سید محمد ہارون صاحب ہیں، جن کی کتاب آئینہ عرب اور دوسری کتب کو ملک نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ یہ کتاب ۱۲؍ میں منیجر صاحب "البرہان" لاہور سے ملیگی۔

ممالک اسلامیہ کی سیر

ہمارے بھائی مسٹر خواجہ غلام الثقلین صاحب نے ایک مدت کی خاموشی کے بعد ہمیں جو خط لکھا ہی اور اُسکے ساتھ اپنے سفرنامہ کا جو دیباچہ روانہ فرمایا ہی اُسے ہم یہاں درج کرتے ہیں ہمیں یقین ہی کہ یہ سطور دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائینگی اور لوگوں کے دلوں میں اس بات کا شوق پیدا ہوگا کہ خواجہ صاحب کا اصل سفرنامہ بھی ملاحظہ فرمائیں جو صاحب اس کتاب کے شائق ہوں وہ منیجر اولڈ بوائے کو تحریر فرمائیں تاکہ عند الاشاعت کتاب اُنکے نام روانہ کی جائے - خط یہ ہی :-

" سلام علیکم - آپ کی طرف سے مدت سے مضمون نگاری کا تقاضا ہی اور میری طرف سے سہل انگاری - اب کہ میں طویل سفر سے واپس آیا ہوں آپکے دفتر سے مکرر فرمائشات پہونچیں کہ سفرنامہ کا کچھہ حصہ آپکے رسالہ کو دوں مگر بات یہ ہی کہ سفرنامہ اتنا بڑا ہی اور جو خیالات جگہہ جگہہ ظاہر کیے گئے ہیں، اس سے وہ اور بھی بڑھ گیا ہی کہ " اولڈ بوائے " کے سالم بارہ نمبروں میں وہ ختم ہو تو ہو - باوجود اسکے " اولڈ بوائے " نے اپنی معکوس فیاضی سے چھاپ دیا کہ فلاں شخص کا سفرنامہ اس رسالہ میں شائع ہوگا - رسالہ کی دل شکنی مجھے منظور نہیں اور یہ بھی خیال ہی کہ رسالہ میں میرا روزنامہ سیاحت بھلا کہاں کھپ سکتا ہی ؎

غم عالم فراوانست و من یک غنچہ دل دارم
چساں در شیشۂ ساعت کنم خاک بیاباں را

مینے اپنے تجربات اور خیالات کا شیشۂ ساعت پچیس تیس جزو کے سفرنامہ کو بنایا ہی مگر اُسکے شائع ہوتے ہوتے اولڈ بوائے کے تین نمبر مکمل آئینگے اسواسطے

اگر آپ منظور کریں تو میں تین چھوٹے حصے دے سکتا ہوں۔ سب سے اول دیباچہ ہوگا۔ اسکے بعد طہران کے قومی شاعر اور محب وطن نوجوان عارف قزوینی کا قومی کلام ہوگا اور تیسرے میں مسجد نبوی کے حالات کی بابت کسی دن کی ڈائری بھیجونگا۔

اولڈ بوائز میں اگر یہ صفت ہو کہ آزادانہ متنوع خیالات کی (باوجود اختلاف) قدر کر سکیں تو بہتر تھا کہ پرانی روشنی کے اولڈ میں ہوتے۔ مگر میرے پاس وجوہ نہیں ہیں کہ یہ بدظنی اُن سے کر سکوں، خصوصاً آپ سے نہایت حسن ظن رکھتا ہوں۔

یہ سفرنامہ جسکو راقم کا روزنامچہ سیاحت کہنا بہتر ہے معمولی سفرناموں سے کسی قدر مختلف ہے اس میں مختصر طور پر عمارات شہروں اور مناظر کے حالات بھی درج ہیں جو راقم نے خود دیکھے ہیں۔ دوسروں کے سفرناموں سے حالات نقل نہیں کیے گئے لیکن زیادہ تر لوگوں کی تمدنی اور اخلاقی حالت کو دکھایا ہے اور روزانہ جو خیالات و کیفیات راقم پر گذریں اُنکو بے کم و کاست درج کر دیا ہے۔ بعض اصحاب جو سیاست پالٹکس یا دین میں شہرۂ کامل رکھتے ہیں اُن سے جو کچھ گفتگو ہوئی اُسکو کسیقدر مفصل درج کیا ہے۔ مثلاً آیت اللہ خراسانی یعنی حضرت اخوند ملا محمد کاظم مقیم نجف اشرف (جو اب واصل بحق ہو گئے) آقا سید محمد فرزند جناب سید کاظم طباطبائی۔ حجۃ الاسلام۔ اکثر شیعیان عراق۔ عرب و ہندوستان جن کے مقلد و معتقد ہیں۔ جناب آیت اللہ مازندرانی یعنی شیخ عبداللہ مازندرانی و حجۃ الاسلام سید اسمٰعیل اصفہانی آقائے صدر نیز عتبات عالیات کے اکثر مشہور علماء کے حالات درج ہیں۔ اسی طرح طہران میں "والاحضرت واقدس" ناصر الملک نائب السلطنت و جناب اجل واشرف موتمن الملک پریسیڈنٹ پارلیمنٹ

ایران جناب حاجی آغا ممبر پارلیمنٹ وکیل شیراز و جناب سالار ملی ستار خان (جنکا نام جنگ تبریز کی وجہ سے دنیا میں مشہور ہی) قسطنطنیہ اور ٹرکی میں جناب تقی زادہ بانی فرقہ دماکراتت ایران۔ کاظمین میں جناب ابراہیم ناجی آفندی حاکم کاظمین بیگلر باشی مفید بے متعلق بہ سٹاف جنگی بمن وغیرہ حضرات سے جو باتیں ہوئیں اُنکو لازمی اختصار کیساتھ مگر تقریباً انہیں کے الفاظ میں دُہرایا گیا ہی۔ جو کچھ پالٹیکل تغیر و تبدل۔ افواہیں و خبریں اُس زمانہ میں تہیں اُنکو بہی روزانہ لکھا ہی۔ بعض حالات اُن کیفیات کے ہیں جو سفر میں مجھپر گذری ہیں اور بعض تاریخی مسائل کا حل بہی ہی اسیلیے مورخ کے لیے بہی یہ روزنامچہ فائدہ سے خالی نہو گا کیونکہ مجکو ایسے زمانے میں سفر کا اتفاق ہوا جبکہ ایران میں بہت کچھہ اور دولت عثمانیہ میں بہی کسیقدر تلاطم اور بے چینی تہی۔

اس روزنامچہ میں تین چہارم حصہ محض واقعات سے پُر ہی اور ایک چہارم بلکہ کم راقم کی رایوں سے۔ واقعات دو قسم کے ہیں ایک وہ جو میری آنکھوں نے دیکھے یا کانوں نے سنے۔ اُنکے بیان کرنے میں صحت کا ذمہ لے سکتا ہوں۔ دوسرے واقعات وہ ہیں جو بعض آدمیوں یا حالات کے متعلق دوسرے آدمیوں سے معلوم ہوئے اُنکی سچائی کا میں ذمہ وار نہیں ہوں۔ مگر اسقدر کہہ سکتا ہوں کہ لکھتے وقت میں اُن واقعات کو سچ سمجھتا تہا۔ اگرچہ یہ ظاہر ہی کہ لوگ قدرتی طور پر مخالفوں کے عیوب بیان کرنے میں مبالغہ کو کام میں لانا ہنر سمجھتے ہیں اسیطرح ایران و ترکی اخباروں کی حالت ہی کہ ہر اخبار اپنے موافق امور کو بہت وثوق و طمطراق سے شائع کرتا ہی اور مخالف واقعات کو پی جاتا ہی۔ لیکن یہ عیب ہندوستان بلکہ انگلستان کے اخبارات میں بہی اکثر دیکھا جاتا ہی اور جب جتھے بندی ہوتی ہی تو اس طرفداری پر کوئی شرمندہ بہی نہیں ہوتا۔

ناظرین کو یاد رکہنا چاہیے کہ سوائے چند مفصل خاتموں کے جن میں اسلامی سیاسیات وغیرہ سے ایک دو جگہ جامع بحث کی ہی۔ اس سفرنامے میں روزمرہ کی کیفیات درج ہیں

اس میں کوئی علمی یا منطقی ترتیب نہیں مثلاً ایک واقعہ کا ایک حصہ ایک جگہ درج ہی اور دو وحصے چار دن اور پندرہ دن کے فاصلے سے۔ اس لیے صحیح رائے قائم کرنے کے لیے آخر کتاب تک مطالعہ لازم ہی۔

اس بات کے کہنے کی شاید ضرورت نہیں کہ جہانتک ممکن تھا مینے کمال بے طرفداری و بے تعصبی سے سفرنامہ لکھا ہی اور جس جس میں جو عیب پائے اُنکے اظہار میں باک نہیں کیا۔ نہ کسی قوم کی خوبیاں چھپانے کی کبھی خواہش کی۔ ایران سے متعلق جو کام یا خدمات مینے کیں یا کرنی چاہیں اُنکے حال میرے سفرنامے اور نیز ضمیموں یعنی رسائل و تقریر فارسی کے پڑھنے سے معلوم ہوگا۔ یہاں صرف اسقدر کہنا کافی ہی کہ جو فرض ہم سب کا تھا اُس کا بوجھ اُتارنے کی مینے کوشش کی ہی۔ مگر اس طوفان خیز موسم اور تاریکی میں کچھ پتا نہیں ملسکتا کہ میں کہاں جا رہا تھا اور مشیت ایزدی کہاں لیجا رہی تھی تاہم ایک ناچیز شخص کی کوشش سے مجکو یقین ہی کہ عراق و عرب و طہران کے متعدد اشخاص اہل ہند کی دینی۔ اخلاقی اور علمی کمال کی نسبت جو ادنے خیالات رکھتے تھے اب اُن خیالات میں بہت کچھ تبدیلی واقع ہو گئی ہی اور سوءظن قدرے مبدل بحسن ظن ہوگیا ہی۔

اگر اس سفرنامہ کو پڑھکر مسلمانان ہند (سُنی و شیعہ) عبرت حاصل کریں اور اپنی اخلاقی اور مالی اور دینی حالت کو درست کرنے اور حبل اللہ کو مضبوط پکڑنے میں مصروف ہوجائیں اور یہ بھروسہ چھوڑدیں کہ اسلام کی تقویت یا تائید بغیر مسلمانان ہند کی اندرونی اصلاح و ترقی کی بیرونی امداد سے ہوسکتی ہی تو میری محنت بیکار نہ جائیگی۔ کیونکہ پالٹیکل اقتدار ہرجگہ چراغ سحری ہی اور ہم کو اخلاقی اور دینی ترقی اور اتحاد کے لیے سب فضولیات کو چھوڑکر میدانِ ترقی میں قدم بڑہانا چاہیے۔ اور اس کمزوری کے زمانے میں حواریین سیدنا مسیحؑ سے سبق حاصل کرنا لازم ہی۔

یہ تحفہ پیش کر کے میں اپنا یقین و اعتماد ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اسوقت اسلام کی خدمت ہندوستان و ممالک قریبہ میں (تحت سایۂ دولت برطانیہ) جسقدر سہل ہی ایسی کسی دوسرے ملک میں ممکن نہیں۔ یہ سلطنت کسی مذہب کی اشاعت میں مزاحمت پسند نہیں کر سکتی اور جو اخلاقی و تمدنی اور دینی ترقی ہم کرنا چاہیں اُس میں مخل ہونیکا کوئی خوف نہیں کیونکہ اپنے جائز شاہی حقوق کے تحفظ کے ساتھ تاج انگلستان کا وعدہ ہی کہ وہ باشندگان سلطنت کو ایک نگاہ سے دیکھے گا۔

بالآخر مجکو امید ہی کہ مسلمانان ہند خود باہمی اتفاق سے رہیں گے اور دیگر اہالیان ملک کے ساتھ بھی اپنی طرف سے کوئی مناسب موقع دوستی اور اتفاق کے برتاؤ کا ہاتھ سے نہ جانے دینگے کیونکہ مہربانی اور سلوک کا نتیجہ دیر یا سویر بہتر ہی نکلتا ہی۔ اور حسن خلق عین مذہب اسلام کی تعلیم ہی۔

اس زمانہ میں عصبیت اور مسابقت جتھا بندی اور رشک مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں بھی کثرت سے ترقی کرتا جاتا ہی عصبیت اور مسابقت بہت اچھی چیزیں ہیں لیکن جب اُنکی بنیاد صرف دنیاوی اور ظاہری اور ناپائدار فوائد کا حصول ہے تو اس ترقی کی دوڑ سے بہت جلد خطرناک نقصان حاصل ہونے لگتے ہیں۔ انسان کو انسان بنانے اور مسلمانونکو اسلام صحیح پر قائم کرنے کے لیے جب تک دل سے کوشش نہ کی جاے خوف ہی کہ نتایج بد سے بدتر ہوتے جائینگے۔ فقط

غلام الثقلین

جو حضرات کتاب دُرِ شاہوار کے شائق ہیں اُنہیں اب دوسری اشاعت کا انتظار فرمانا چاہئے۔ ہمارے پاس اس کتاب کی کوئی زائد جلد باقی نہیں ہی۔ انشاءاللہ! عندالاشاعت فرمائش کرنیوالوں کی تعمیل کی جائیگی۔

علیگڈہ کے کھلنڈرے

نمبر (۴)

(٭)

ہوئیں مدتیں کہ نہیں خبر وہ کدہر ہیں اور ہیں ہم کدہر
نہ ہی نامہ بر نہ پیام بر، نہ پیام ہی نہ سلام ہی

پیارے کھلنڈرو! میں کن الفاظ میں تم سے معافی مانگوں۔ دوستوں کے خطوط آئے، جناب اڈیٹر صاحب نے تقاضہ پر تقاضے کیے، خود میرے دل نے ہزار بار کہا کہ کھلنڈرو کی کچھہ داستان اور لکھوں مگر ایک دن بھی اطمینان کا نہیں ملا کہ سب کام چھوڑ کر اس قصہ کو چھیڑتا۔ "ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہی"۔ ہم سب آجکل مسلم یونیورسٹی کے اندھے ہیں، سوا مسلم یونیورسٹی کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ جب مجھے ایک سال کی رخصت ملنے کی ازحد خوشی تھی اور اسے۔ اور وہ بھی اسیلیے کہ اس بڑے قومی کام میں کچھہ حصہ لے سکنے کا موقع ملے گا مگر بار بار اپنے "اولڈبوائے" سے ایک سال کے لیے علحدہ ہونیکا صدمہ ہوتا تھا؛ خاصکر اس وجہ سے کہ ہمارے اس نئے مہمان کو اپنی عمر کے اول سال میں طرح طرح کی مشکلیں پیش آنیوالی تہیں مشکلیں پیش بھی آئیں اور وہ ادہ مرا بھی ہوگیا۔ چند عزیزوں نے اس کی تیمارداری میں دل وجان سے کوشش بھی کی، بعض نے ہمدردی تو کی مگر دوا طلب کرنے پر خاموشی سے کام لیا۔ اور غریب معالج کی کم اثر دواؤں پر ناجائز اعتراض کیے۔ غرض کہ جس مصیبت کا اندیشہ تہا وہ آہی گئی۔ مگر خدا کا شکر ہی کہ یہ چھوٹا بچہ ابتدائی امراض کی تکالیف سے بفضلہ جانبر ہوگیا اور اب دن دونی رات چوگنی ترقی کریگا، اور انشاءاللہ

ایک دو ماہ میں ایسا ہٹا کٹا، چیختا چلاتا، ہنستا ہنساتا، کھیلتا کودتا بچہ ہو جائیگا کہ اپنے تو کیا غیر بھی اسے اپنی گود میں بٹھائیں اور پیار کریں۔ اس عرصہ میں بہت سے دوستوں نے شکایت کی اور یاد دلایا کہ یا تو یہ زور شور کے وعدے وعید تھے کہ "اولڈ بوائے" کو ایسا بنائیں گے ویسا بنائیں گے یا یہ بے توجہی کہ سال بھر سے زائد ہو گیا اور علیگڈھ کے کھلنڈروں کی داستان کا ایک نمبر بھی نہیں بھیجا۔ مینے بہت کوشش سے اپنے دل کی محبت کا ثبوت دینا چاہا مگر اُن حضرات پر ذرا اثر نہوا اور آخر تک مجھ پر ہی الزام لگاتے رہے۔ ؎

مرا ذکر اُن سے جو آ گیا کہ یہاں ہیں ایک ہی باوفا
تو کہا کہ میں نہیں جانتا مرا دور ہی سے سلام ہے

کھلنڈرو! میرا تمہارا اسپرٹ واسطہ ہی، تم سے کچھ پردہ نہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ ان اٹھارہ مہینوں میں دن رات کام کرتا رہا تھا تو قطعی غلط۔ سیکڑوں گھنٹے مینے بیکار پلنگ پر پڑے رہنے یا خوش گپیوں میں ضائع کیے ہیں بیسیوں گھنٹے دن رات میں جائز و ناجائز سپاٹوں کی نذر کر دیے ہیں! یہ سب سچ ہی مگر ان سب وقتوں میں دھن وہی تھی۔ یونیورسٹی کا بھوت ہر وقت سر پر سوار تھا۔ ایک مضمون نہیں پچاس مضمون لکھہ سکتا تھا، وقت اور سامان کافی تھا مگر کسی دوسرے کام پر دل نہیں لگتا تھا "اولڈ بوائے" کی اشد ضرورت کو جانتا تھا اور اس کی بیکسی پر رحم آتا تھا، لکھنے کا مصمم ارادہ کر کے بیٹھتا، خیالات اور مسالے کی کمی نہ تھی؛ جیسا پہلے ذکر کر چکا ہوں گاڑیوں موجود تھا مگر قلم کاغذ لیکر بیٹھا اور دل اُکتایا۔ الفاظ اور مضامین غائب۔ ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت اودھر نہیں آتی

اب ذرا اطمینان سے بیٹھا ہوں اور وہ بھی خاص "اندر کی سبھا" علیگڈھ میں دیوزادوں کا میرے گرد ہجوم ہے، ہر شخص طاقت کے ساتھ سبھا کی ترقی میں کوشاں ہے۔ اب مضامین کی کیا کمی؟ اور ہر پرانے مسالے خرچ ہوگئے اور ہر ڈھنگ جمع ہوگئے۔ انشاءاللہ ہر پرچہ میں کھلنڈروں کی داستان ہوگی جسوقت پرانے کھلنڈروں کا قصہ ختم ہوا کہ نئے کھلنڈروں کا شروع ہو جائیگا کوئی گھبرائے نہیں۔

مارچ سنہ ۱۹۱۱ء میں آخری نمبر(۳) ریاست پالن پور (گجرات) سے بھیجا تھا۔ اسوقت اس خیال میں مست تھا کہ سارے ہندوستان میں گھوم کر اپنے کھلنڈروں سے اُنکے گھروں پر ملونگا۔ اے کھلنڈرو! بمبئی گیا، مدراس گیا، دونوں بنگالوں کو چھان مارا، بہار کی سیر کی، کاٹھیاوار میں گھوما، میسور دیکھا، ساحل ملابار پر افسوس! صرف تین دن رہا، بہت سی ریاستوں کو دیکھ ڈالا، اور بجز برہما اور سندھ کے تمام ہندوستان میں پھرا۔ اس دورہ میں سیکڑوں "اولڈ بوائز" سے ملا۔ لوگ کہتے ہیں کہ جو لطف انتظار میں آتا ہے وہ ملاقات میں نہیں آتا، مگر میرا تجربہ اسکے خلاف ہے۔ مجھکو وہم وگمان بھی نہ تھا کہ ایسی محبت اور خاطر سے ہمارے کھلنڈرے اور پڑھے لکھے اپنے قصہ گو کا خیر مقدم کرینگے۔ اگر میں اس سفر کے حالات اور "اولڈ بوائز" کی ملاقات کا حال اس مضمون میں لکھوں تو اصل واقعات کے لکھنے کی گنجائش بھی نہیں رہیگی۔ ایسی ایسی پُرلطف باتیں اور واقعات ہیں کہ اُنکو مسلم یونیورسٹی کی تاریخ کی صورت میں انشاءاللہ! کبھی لکھونگا اسوقت صرف دو چھوٹے واقعات کا ذکر کرتا ہوں

آخر اپریل اور گرمی کا زمانہ ہے، میں اور میرے دوست فخر اولڈ بوائز مسٹر یعقوب حسین سیٹھ مدراس سے شام کو ساحل ملابار کی طرف روانہ ہوئے۔ یعقوب حسن بھی عجیب وغریب چیز ہیں آپنے صرف ہمارے اسکول میں تعلیم پائی تھی، انٹرنس پاس کرنے پائے تھے کہ خاندانی مصیبتوں میں گرفتار ہو جانے کے باعث روزگار

کی جانب متوجہ ہوئے۔ بہت سے کارخانوں میں کام کیا اور آخر کار خود اپنا کارخانہ قائم کرلیا جس کو وہ نہایت خوبی سے چلا رہے ہیں۔ اگر قومی کام نکرتے اور علیگڈھ کی محبت کا خبط نہوتا تو اب تک کبھی کے لکھہ پتی ہوگئے ہوتے مگر انکا زیادہ وقت صوبہ مدراس میں قومی تعلیم پھیلانے میں صرف ہوتا ہی اور باوجود سخت دشواریوں کے وہ اپنی ہمت اور بے غرضانہ کوششوں کی وجہ سے اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں کامیاب نہوے پر خود تو سرشار رہتے ہی، مدراس میں ایک گروہ دیوانوں کا اور تیار کرلیا۔ انکے دوستونکا گروہ مثل ہمارے جبل مرکب مسٹر بشیرالدین اوڈیٹر البشیر کے دوستوں کے گروہ کے ہے۔ راستہ میں انکے ایک دوست اور مل گئے ارناکلم جو ریاست کوچین کا دارالحکومت ہی وہاں مسٹر کے ایم اسلم سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانجات موجود تھے۔ ہم سب انکے مہمان ہوئے اور ڈاک بنگلہ میں ٹھیرے۔ اسیوقت چارمیل سمندر طے کرکے کوچین خاص پہونچے۔ جہاں مسلمان تاجروں کی ایک خاص اور متمول جماعت ہی، اکثر میمن تھے۔ بہت ہی خوبصورت ملک ہی اور اس قابل ہی کہ انسان وہیں رہی۔ میں جب ساحل ملابار کا خیال کرتا ہوں تو مجھکو پنجابی کی وہ نقل یاد آجاتی ہی جو مسٹر احسان الحق کالج میں سنایا کرتے تھے " وسے تو وسنا راولپنڈی وادسنا" یعنی بسے تو بسے راولپنڈی میں بسے سچ تو یہ ہی کہ راولپنڈی میں تو کیا دسے " وسے تو وسنا ساحل ملابار وادسنا" اول دن ہم بہت خوش تھے، کیونکہ اسلم نے امید دلائی کہ اگر ہم نے معقول طریقے سے کارروائی کی توانشاءاللہ! ۲۵ ہزار یونیورسٹی کو ملیگا خیر! جو جو زحمتیں وہاں اٹھائیں انکے تذکرہ کا یہاں موقع نہیں اتنا کافی ہی کہ اول دن کے بعد ہمارا تخمینہ پندرہ ہزار ہوا۔ اور دوسرے دن کی کوشش کے بعد دس ہزار کا تخمینہ ہوا۔ آخر سات ہزار رہے۔ ہمارے خاص دوست نے جن کی وجہ سے بہت سی تکلیفیں پہونچیں ساڑھے سات سو

کا وعدہ کیا اور وہ بھی نہیں دیے۔ اے کھلنڈرو! دنیا اور کالج میں ہم نے دل بہلانے کے جس قدر طریقے سیکھے تھے سب کو کام میں لائے، زبردست تقریریں کیں، قصے سنائے، اشعار پڑھے مذہب پر وعظ کہا اور اپنے خاص دوست کو ننانوے فیصدی راضی بھی کرلیا۔ ہم اس سے خوش تھے مگر دوسرے دن پہنچے تو وہ ننانوے فیصدی کامیابی غائب۔ پھر از سرِ نو عمارت تیار کرنی پڑی، آج مسٹر یعقوب حسن نے چرب زبانی دکھائی اب ہمارے دوست کے تمام شکوک رفع ہو گئے۔ مسٹر یعقوب نے علیگڈھ کی خوبیاں بیان کیں اور اُن سے بھی تعریف کرالی۔ یقین تھا کہ اس چتوڑ کے قلعہ کو فتح کرلیا مگر دوسرے روز پہونچنے پر فتح کا کہیں نشان بھی نہ ملا۔ آخر دن ہم تنگ اور فقیروں کے گالیوں اور کوسنوں پر اتر آئے اور خوب دل کھول کر صاف صاف سنائیں بظاہر فتح اُنہیں کی رہی اور اُنھوں نے ساڑھے سات سو ہمیں نہ دیے مگر ہم نے بھی ارادہ کرلیا ہے کہ انکو آرام اور چین سے نہ چھوڑینگے کبھی کبھی اُنکے پاس پہونچیں گے اور اپنے بچپن کے دوست میاں ٹیسو کے ہمخیال ہو کر "ٹیسو اکر کرے ٹیسو مگر کرے، ٹیسو لے ہی کے ٹلے" ہم بھی بشرط زندگی لے ہی کے ٹلیں گے۔

شام کو جب دن بھر کی کوفت، خستگی اور نااُمیدیوں کے بعد ہم قریب ۹ بجے شب کے اپنے فقیرانہ چکر سے مکان کو واپس آتے تھے تو واقعی ہاتھ پاؤں میں جان نہیں ہوتی تھی مگر ہم تین کھلنڈروں نے ارادہ کرلیا تھا کہ برسوں کے بعد جو صحبت اور ملاقات نصیب ہوئی ہے اُسکا پورا لطف اُٹھائینگے۔ اسلیے جسوقت اسٹیمر کے خاص کمرہ میں واپسی کے وقت پہونچتے اسوقت تمام دشواریوں اور تکالیف کے خیالات کو دور کردیا جاتا اور ہم سب بے پرواہ کھلنڈرے بنجاتے اور پرانے قصوں اور کالج کی گپوں میں ایسے محو ہوتے کہ دن بھر کی کوفت دور ہوجاتی اور

ہم دوسرے دن کے کام کے لیے تازہ دم ہوجاتے۔ اسلم تو کالج میں بھی خوش آواز تھا اب کچھ علمیت کا اور اضافہ ہوگیا ہی اسیلئے زیادہ بار اسپر پڑتا تھا۔ مجھے ہمیشہ ذیل کے مشہور اشعار میں لطف آتا تھا اور اب تو انہیں کبھی نہ بھولونگا۔ شب کے دس بجے کا وقت، چاندنی رات، سمندر میں جہاز پر سوار، ساتھ کئی سچے دوست۔ غرض عجب سماں تھا، اور اسپر کے ایم اسلم کی آواز جو علیگڈھ کو ساحل ملابار سے ملا رہی تھی کیسے کوئی بھول سکتا ہی۔

ہم نے در پردہ تجھے ماہ جبیں دیکھ لیا ؛ اب نہ کر پردہ کہ او پردہ نشیں دیکھ لیا
ہم نظر بازوں سے تو چھپ نہ سکا جان جہاں ؛ تو جہاں جاکے چھپا ہم نے وہیں دیکھ لیا
تیرے دیدار کی تھی مجھکو تمنا سو تجھے ؛ لوگ دیکھیں گے وہاں ہم نے یہیں دیکھ لیا

دوسرا واقعہ ساحل ملابار سے تین ہزار میل سے زیادہ فاصلہ کا تھا۔ شروع جولائی سنہ ۱۹۱۱ء میں جب میں مشرقی بنگال میں دورہ کے لیے گیا تو ڈھاکہ سے رخصت ہوکر اسٹیمر اور ریل میں سفر کرکے نواکھالی پہونچا۔ اس ملک کا قدرتی حسن بھی ساحل ملابار کی طرح تھا؛ یعنی وہی ناریل کے درخت اور اُن سے زیادہ خوبصورت چھالیہ کا نازک اور دراز قامت پودہ۔ یہاں اپنے کالج کے دوست مسٹر الطاف علی چودہری کے پاس مقیم ہوا۔ مگر آمد و روانگی کی تاریخ سے مادر کالج کے ایک اور فرزند مسٹر فضل کریم کو اطلاع دی تھی۔ آمد کے وقت تو وہ مل نہ سکے مگر واپسی کے وقت خط پاتے ہی صرف آدہ گھنٹہ کے لیے، ۲۰ میل رات بھر چھوٹی سی کشتی میں سفر کرکے ملنے آئے تھے پہلے کی ایسی بہت ملاقات بھی نہ تھی مگر محبت کے ثبوت کے بعد بھائی چارہ کا مضبوط ہونا تعجب تھا۔ اے کھلنڈرو! ایسے واقعات کے بعد میرا اگر یہ دعویٰ ہی کہ بھلا ہو یا بُرا، بدمعاش ہو یا نیک مزاج، لائق ہو یا نالائق، امیر ہو یا غریب، غرض اولڈ بوائے کیسا ہی کیوں نہو کہیں نہ کہیں ظاہر یا پوشیدہ اُس میں علی گڈھ کی محبت کی چنگاری بھی ضرور ہوگی۔

یہ تو حال کا ذکر تھا۔ اب میری داستان سنو جس سال میں کالج آیا، یہ وہ سال
تھا کہ سرسید نے بعد غور و فکر اور کچھ مخالفت کے یہ فیصلہ کیا تھا کہ علیگڈھ کو صرف امیروں
کا کالج بنانا کچھ زیادہ مفید نہوگا۔ اسلئے عام اشتہار تھا کہ جو مسلمان اول درجہ
میں انٹرنس پاس کریگا اُسکو عہ کا، جو دوسرے میں پاس کریگا اُس کو
(ہے) کا اور تین کے بعد ہر ایک کو (ے) کا وظیفہ ملیگا۔ اسکے علاوہ فیس وغیرہ
میں بھی رعایتیں تھیں اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ علیگڈھ پر یورش شروع ہوگئی اور سارا
پنجاب اور ممالک متحدہ ٹوٹ پڑا۔ طرح طرح کی صورتیں نظر آتی تھیں۔ کالج اور
اسکول میں رئیسوں کے لڑکے جو عجب آن بان سے رہتے تھے اُن کو اس
"راج گھاٹ" کا ٹوٹ پڑنا شاق تھا۔ وہ چلاتے تھے کہ کالج کو یہ گنوار بدنام کرینگے
اور واقعی امر بھی یہی تھا کہ ہم میں سے بعضے شروع شروع میں عجب حیوان تھے
مجکو خوب یاد ہی کہ ہم سب نئے اور پرانے طلبا، پرنسپل صاحب کے بڑے
کمرے میں جمع ہوئے تھے جس میں اب کیمسٹری اور فزکس کا سامان اور خوشبو
اور بدبو وار ادویہ کا مجموعہ ہی۔ ایک طرف تو ہمارے اسکول سے پاس کرکے
آئے ہوئے بانکے ترچھے طالب علم تھے جو ہر ایک سے خوب واقف تھے اور جنپر
مسٹر بیک مرحوم کا ذرا بھی رعب نہ تھا۔ ہاں محبت تھی۔ مہینوں وہ اور یہ ساتھ
کالج کی خاطر کبڈی کھیلتے تھے۔ دوسری طرف عجب "جوجو کا مربع" تھا۔ دیکھنا یہ دراز
قامت قوی ہیکل، بڑا سا پٹکہ باندھے گلے کھلا کوٹ پہنے کون صاحب ہیں؟
صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ جوہر نایاب سرزمین پنجاب (بالضم) سے تشریف لائے
ہیں۔ جہاں کے پانچ دریا اور لاکھوں ڈ...... تمام عالم میں مشہور ہیں۔ اُنکے
پاس ہی ایک نازک اندام، ذہین صورت چکن کی اچکن، آڑا پاجامہ ڈھیلا کلیوں دار
پائجامہ پہنے سفید دو کلیہ ٹوپی اوڑھے ایک اور صاحب تھے؛ جنکے ہونٹھوں پر

علاوہ پان کی سرخی کے مسّی کا بھی گمان ہوتا تھا۔ یہ ضرور حضرات لکھنؤ یا اودھ میں سے تھے۔ غالباً انہیں کی تصویر مسٹر سجاد حیدر نے اپنی پرانی "مرزا پھویا" والی نظم میں کھینچی ہے:۔

ایک صاحب اودھ میں رہتے تھے ❊ مرزا پھویا سب انکو کہتے تھے
گھر سے نکلے نہ تھے تمامی عمر ❊ ساری بھوزے ہی میں گذاری عمر
اپنے ماں باپ کے دُلارے تھے ❊ اور عزیزوں کے بھی پیارے تھے
باتیں کرنے میں بھی لجاتے تھے ❊ غیر شخصوں سے سہمے جاتے تھے

اُنکے قریب ہی ایک اور شوقین مزاج تھے؛ جنہوں سے اس خیال سے کہ علی گڈھ میں ترکی ٹوپی اور مغربی لباس رائج ہے اپنی پرانی وضع میں کتر بیونت کرکے اپنی دھج کو عجب کھٹ مٹھا آم بنا لیا تھا۔ کامدار گوٹے کی ٹوپی اور ترکی ٹوپی دونوں کو قائم رکھا تھا؛ یعنی ترکی ٹوپی پر سلمہ ستارہ کا کام کرا لیا تھا۔ غرض عجب مجمع تھا۔ نرالی تراش خراش نظر آتی تھی۔ اے کھلنڈرو! ان سب میں تمہارا قصہ گو بھی ایک طرف سہما ہوا بیٹھا تھا۔ اس کی وضع بھی نئے ڈھنگ کی تھی: ململ کا نیچی چولی کا انگرکھا اور مخمل کی لیس دار ٹوپی (اللہ سلامت رکھے! الف بے) مگر چونکہ قد لانبا اور جسم کرتی تھا۔ علاوہ ازیں اسکے چہرہ پر دہشت اسوجہ سے کم برستی تھی کہ اسکے بڑے بھائی مسٹر ذوالفقار علی اس سے ایک سال پہلے سے کالج میں تھے اور کرکٹ و فٹ بال کی فرسٹ الیون میں کھیلتے تھے۔ بڑے بھائی نے اسے بھی درست کر لیا تھا۔ بعض یہ بھی کہتے تھے (جس میں میں شامل نہیں ہوں) کہ۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
میتافت ستارۂ بلندی

خیر! جو کچھ ہو تمہارا داستان گو بھی اس زمرہ میں شامل تھا۔ میرا خیال تو یہی کہ ایسا نہیں

وجوہ سے فرسٹ ایر کلاس کالج بھر میں ہمیشہ سب سے زیادہ دلچسپ ہوتا ہی جب تمام
کالج جمع ہوگیا جسمیں مشکل سے ۱۵۰ طلبا ہونگے تو مسٹر بیک ہال میں تشریف لائے سب
کھڑے ہوگئے۔ تھوڑی دیر میں ہمارے بیٹھ جانے کے بعد اُنہوں نے حسب معمول
اپنا لکچر شروع کیا۔ میں اسوقت بیک مرحوم کا حال کچھ نہیں لکھتا۔ اے کھلنڈرو! وہ
خود کھلنڈروں کا کھلنڈرہ تھا اور ان کا قدر دان۔ اسکے لیے کسی دن پورا مضمون
لکھونگا۔ غرض اسکے سارے لکچر کا یہ مطلب تھا کہ جو نئے طلبا علی گڈھ آکر کالج میں داخل
ہوگئے ہیں وہ آج سے آگاہ ہوجائیں کہ وہ معمولی آدمی نہیں ہیں۔ وہ علی گڈھ کے
طالب علم ہیں۔ اُنہیں اپنے افعال، اپنے اقوال اور اپنی آیندہ زندگی سے
ثابت کرنا ہوگا کہ وہ ایک دن مسلمانوں کی قوم کو زندہ کرینگے اور اپنے کالج اور
قوم کی ناموری کا باعث ہونگے۔ اُنکو علم کی طرف توجہ کرنا چاہیئے اُنکو جسمانی
ورزشوں میں حصہ لینا چاہیئے تاکہ اُنکی صحت درست رہی اور وقت ضرورت
اپنی قوم اپنے ملک اور اپنے بادشاہ کے کام آسکیں۔ یہ لکچر شروع تو اس زور
شور سے ہوتا تھا مگر ختم ہوتا تھا دوسری شان سے۔ میری تم سے یہ درخواست
ہی کہ روزمرہ غسل کرو اور صابون استعمال کرو۔ تم جسقدر صابون اور پانی استعمال
کروگے میں خوش ہونگا اور تمہارا ممنون ہونگا۔ کالج کے پرانے طالب علم تو
اس صابون اور پانی والے اصول شائستگی سے آشنا تھے اسیلیے مُسکرادیتے
تھے مگر ہم نئے لوگ اسپر کچھ دنوں بڑے جوش سے عمل کرتے تھے۔ اے
کھلنڈرو! ابتدا میں تو یہ "ست بجا" ہوتا تھا مگر چھہ ماہ کے بعد نہ کوئی پنجابی تھا
نہ لکھنوی، نہ رامپوری تھا نہ دہلوی، سب کے سب صاف اور چمکدار آٹے کی
طرح علی گڈھ کے کھلنڈرے اور پرینڈرے ہوجاتے تھے، سب کی وضع ایک
تھی، قطع ایک تھی، کھانا ایک تھا پینا ایک تھا، یہانتک کہ زبان ایک تھی خیالات

ایک تھے ۔ یا خدا علی گڈھ کی چکی کو سلامت رکھ ۔ قبلہ و کعبہ مولانا حالی نے سچ فرمایا ہے

محبت دیکھو آپس کی تو جیسے بھائی ماں جائے
وطن پوچھو تو ہندو سندھ ، پنجاب و دکن دیکھیں

آپس کی محبت اور یگانگت پیدا کرنے میں کالج کے جلسے بڑی مدد دیتے تھے اور ان سب میں اعلیٰ درجہ رکھنے والا محفل میلاد ہوتا تھا جسکا حال میں آیندہ لکھونگا میری تمہید اسقدر لانبی ہو گئی کہ خدا کی پناہ ۔ مگر میں جانتا ہوں کہ میری داستان سے نہ تو کھلنڈرے گھبرائینگے اور نہ اُنکی "داستان" کے بیان سے میرا جی اُکتائیگا انشاء اللہ پر جلد ملاقات ہوگی ؎

سُنکر مرا فسانہ اُنہیں لطف آگیا
سنتا ہوں اب کہ روز طلب قصہ خواں کی ہے

شوکت علی ۔ از علیگڈھ

اُولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی ڈاک کی تھیلی

ہمارے بھائی مسٹر عبد السلام مراد آباد سے آزیری سکرٹری صاحب اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کو تحریر فرماتے ہیں :-

"میں ایسوسی ایشن کا ممبر ہونے کے لیے بالکل تیار ہوں بلکہ میرا خود قصد تھا کہ آپ کو اسکے بارے میں لکھوں اسی عرصہ میں آپ کا خط ملا لیکن مجھے اتنا عرض کرنا ہی کہ فی الحال ۱۲/ ماہوار ادا کر سکونگا ۔ کل آپ کا وی پی بھی ملا مگر آیندہ سے ایک روپیہ ماہوار کے حساب سے ہر سہ ماہی پر وی پی بھیجکر چندہ منگا لیا کیجیگا ۔ میں انشاء اللہ عنقریب چندہ کی تعداد

بڑھا دونگا کیونکہ میں اسکا خواہشمند ہوں کہ ہماری ایسوسی ایشن کی مالی حالت درست ہو جائے"

سکرٹری صاحب کو انکی آمدنی کا حال خوب معلوم ہی لہذا اُنھوں نے جواباً انہیں دھمکی دی ہو کہ وہ جلد اور اضافہ کرینگے۔

اخی مسٹر سید مرتضیٰ علی صاحب نے دیوان گنج ضلع میمن سنگہ کو ایسوسی ایشن کو جو خط لکھا ہی اُسکا اقتباس ہمارے ناظرین کیلئے دلچسپی سے خالی نہوگا:-

پیارے بھائی! گذشتی چٹھی جس میں دو کلمے آپکے ہاتھ کے بھی لکھے ہوئے ہیں ملی کیا کہوں کہ کیسی خوشی ہوئی۔ حقیقت یہ ہی کہ اخوت اسلامی عموماً اور کالج کا تعلق خصوصاً ایسی چیز نہیں کہ ہم لوگونکو بیگانہ رہنے دیں گو آپ سے اور مجھ سے ملاقات نہ تھی لیکن آپ کی جان نثاری، علوہمتی اور پیارے کالج کے ایک ممبر ہونے کے باعث مجھے آپ سی محبت ہی۔ میں ایسوسی ایشن کا ممبر اسوجہ سے نہ تھا کہ نہ تو کسی نے مجھہ سے ممبر ہونے کو کہا اور نہ (جہاں تک مجھے علم ہی) اس کی حالت ایسی عمدہ تھی کہ میں خود شریک ہوتا۔ خیر! گذشتہ را صلوۃ!! اب بجان اور دل حاضر ہوں۔ وی پی جلد روانہ فرمایئے۔

ہمارے بھائی مسٹر سید فرید الحسن صاحب علیگ جو خود ہی ہماری ایسوسی ایشن کے ممبر نہیں ہوئے ہیں بلکہ اور لوگوں کو بھی ممبر بنایا ہی جندوسی سے تحریر فرماتے ہیں۔

"رامپور جاتے ہوئے آپ نے جس وی پی کا ذکر کیا تھا مجھے اُسکا انتظار ہی میں نے اپنے چچا سید نذیر حسین صاحب تحصیلدار بلاری ضلع مراد آباد کو وی پی

لینے کے لیے مجبور کیا ہی اور اُنہوں نے لی بھی ہی۔ مہربانی کر کے ایک روپیہ کی وی پی میرے والد ماجد مسٹر سید محمد یحییٰ علی صاحب رخصتی تحصیلدار و رئیس منڈاور ضلع بجنور کے نام روانہ فرمائیے نیز ایک روپیہ کی وی پی میرے چچا مولوی سید حسین صاحب رئیس منڈاور کے نام۔ اور ایک وی پی میرے نام ہندوسی کے پتہ پر۔

جزاک اللہ "ہمکو" اولڈ بوائے" ابن" اولڈ بوائے" سے ایسی ہی امید تھی"

مسٹر سید آل نبی نقوی نے اپنے ایسوسی ایشن کے ممبر ہونے کے وقت آنریری سکرٹری صاحب کو جو خط لکھا تھا اُسکا دلچسپ خلاصہ درج ذیل ہی۔

"یکم اپریل ۱۹۰۸ء سے اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کا ممبر ہونے کے بعد میںنے آپ کی وی پی وصول کر لی۔ میںنے مسٹر رفیع القدر سے کہا تھا کہ میں اپنے تقرر کی تاریخ سے ایسوسی ایشن کو ایک فیصدی کو ادا کرونگا مگر فی الحال ایسا نہیں کر سکتا۔ میں یہ رقم آیندہ کسی موقع پر ادا کرونگا فی الحال میں دو روپیہ ماہوار ادا کرونگا۔ نیز میں ایسوسی ایشن کے کام میں ترقی دینے کی بھی کوشش کرتا رہونگا"

ہمارے بھائی مسٹر شیخ افضال احمد صاحب رئیس کڑا جنکے نام سے ہمارے ناظرین ناواقف نہیں ہیں تحریر کرتے ہیں۔

"شیخ ضیاء الدین احمد صاحب وکیل بارہ بنکی سے ایسوسی ایشن کا چندہ وصول کیجئے۔ میرے بڑے بھائی شیخ جمال احمد صاحب کالج کے اولڈ بوائے ہیں مگر ایسوسی ایشن کے ممبر نہیں آپ میرے حوالہ سے اُنہیں ایک خط

کیجئے اور ساتھ ہی ایک روپیہ کا وی پی بھی روانہ کردیجئے"

ہمارے بھائی مسٹر الطاف حسین صاحب کو خاموشی کے ساتھ عملی کام کرنا خوب
آتا ہے اپنی سخاوت کا اظہار یوں فرماتے ہیں:-
"میری تنخواہ میں دس روپیہ ماہواری کا اضافہ ہوگیا ہے یعنی بجائے ۵۰
ماہوار کے اب ۶۰ روپیہ ماہوار ملتے ہیں۔ عنایت فرما کر آئندہ وی پی
ایک روپیہ ماہوار کی شرح سے بھیجا کیجئے"

عزیزی مسٹر بشیر مرزا صاحب نے ایک لطیف شکایت کی ہے جسے ہم بیان درج
کرتے ہوئے اُنسے کہنا چاہتے ہیں کہ وہ اطمینان رکھیں اُنکے پاس تین روپیہ ماہوار
کا وی پی ہی آئیگا:-
"میری تنخواہ صرف ۷۵ ماہوار حالی ہے اور چندہ تین روپیہ کلدار ہوتے ہیں۔
(مع چندہ آنوں کے) خیر یہ تو کوئی بات نہیں لیکن اب تک ڈنر کا دعوتی
کارڈ ہی نہیں آیا"
اپنے بھائی کی آخری شکایت کے متعلق عرض ہے کہ ڈنر پر ہم خود ہی مہمان ہوتے
ہیں اور خود ہی میزبان مگر آئندہ سال ضرور وہ بلائے جائینگے۔

ہمارے بھائی مسٹر عبد القادر خاں (پاکٹ گریجوئیٹ) بنگال سکرٹریٹ سے اب
بہار میں ڈپٹی مجسٹریٹ و ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوکر آ گئے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں:-
"چونکہ میرا تبادلہ ضلع پلامئو ہوگیا ہے اسلئے ملتمس ہوں کہ آئندہ میرا وی پی
پلامئو ڈاکخانہ ڈالٹن گنج کے پتہ پر بھیجا کریں۔"

ہمارے عزیز بھائی مسٹر فدا ئی حسین جنہوں نے مسلم یونیورسٹی کے متعلق تھمنڈ ضلع ورنگل علاقہ سرکار نظام میں خاصی کوشش کی ہے اور جن کی تحویل میں نو ہزار آٹھ سو انتالیس روپیہ کلدار ادا کرنے کے بعد اب صرف ایک روپیہ سات آنے آٹھ پائی رہ گئے ہیں لکھتے ہیں :-

تھمنڈ (ورنگل) میں ہمیں جیسی کچھ کامیابی ہوئی وہ اُمید سے کہیں زیادہ ہے گو مجھے اطمینان سے سرکاری ذمہ داریوں کے باعث زیادہ وقت نہیں ملا مگر پھر بھی جو کچھ ہوا وہ غنیمت ہے۔ کامریڈ، اور اولڈ بائے کی خریداری کے لیے لوگوں کو تیار کر رہا ہوں "

مسٹر امجد حسین صاحب کی والدہ صاحبہ نے حال ہی میں انتقال فرمایا ہے خدا مرحومہ کو جنت نصیب کرے۔ اس سانحہ کے متعلق لکھتے ہوئے ہمارے بھائی تحریر فرماتے ہیں :-

" میں بہت خوشی کے ساتھ عہ ماہوار چندہ دونگا۔ مہربانی کر کے اکتوبر سے دی پی بھیجنے کا سلسلہ شروع کر دیجیے "

ہمارے محترم صاحبزادہ مصطفیٰ علیخان بہادر ہوم سکرٹری ریاست رامپور جو اولڈ بوائے پر ہمیشہ نظر کرم فرماتے رہے ہیں ایسوسی ایشن کے متعلق ایک تحریر میں سکرٹری صاحب کو ارقام فرماتے ہیں :-

اُمید ہے کہ آپ کے سپرد ہونے سے کام ترقی کریگا اور صورت حال ضرور بدل جائیگی ۔ اس میں شک نہیں کہ جب تک سب اولڈ بوائے دلچسپی نہ لیں آپ تنہا کیا کر سکتے ہیں۔ میں ہر طرح آپ کی مدد کو تیار ہوں

وی پی وصول ہو گیا عہ فی الحال ڈاکخانہ میں داخل کر دیے لیکن میرا قصد ہی کہ ایکسو روپیہ سالانہ بہ پیشگی نذر کیا کروں۔ اس حساب سے نوتیے روپیہ میرے پاس علحدہ رکھے ہوئے ہیں۔ جب اور جہاں فرمائیے جمع کر دیے جائیں۔

لف ۹۰) دفتر میں وصول ہو گئے مگر مسٹر شوکت علی نے دس روپیہ ماہوار کے حساب سے عہ کا تقاضا اور کیا ہی جسکا جواب صاحبزادہ صاحب بہادر کے محبت والے دل سے "بسر مجھے قبول ہی" کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہی۔

اولڈ بوائز

ہمارے ناظرین یہ معلوم کر کے مسرور ہونگے کہ مسٹر سید علی حسن (مشہور کرکیٹر) آگرہ کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر ہو گئے ہیں خدا مبارک کرے۔

ہم خوش ہیں کہ مسٹر مظفر محمد خاں تحصیلدار گونڈہ اب فیض آباد کے ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے ہیں۔۔ مبارک ہو۔

یہ بات ہم سب کے لیے مسرت انگیز ہی کہ ہمارے بھائی مسٹر وہاج الدین بیرسٹر ایٹ لا لکشو ریاست بھوپال کے اسسٹنٹ منسٹر مقرر ہوئے ہیں۔ مبارک۔

ہمارے بھائی چودہری محب اللہ صاحب صوبہ متحدہ کے ڈپٹی کلکٹر منتخب ہوئے ہیں۔ ہمیں امید ہی کہ وہ اپنے خدمات کی انجام دہی میں کالج کی شہرت کو

قائم رکھیں گے۔

ہمارے بہائی مسٹر حافظ ولایت اللہ صاحب کا تبادلہ ناگپور سے امراوتی (برار) کو ہوا ہی، جہاں وہ مسٹر اکرام اور دوسرے بہائیوں سے قریب تر ہوگئے ہیں۔

مسٹر مقتدیٰ خاں اڈیٹر علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے خاموش خدمات کا اثر اُنکے افسروں پر پڑے بغیر نہ رہا اور ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی ہی کہ اُنکے مساعی کا نہ صرف اعتراف کیا گیا ہی بلکہ اُنکی تنخواہ میں بہی اضافہ ہوا ہی۔

مسٹر امیر حسین وکیل فتحپور (ہسوا) بڑے جد و جہد کے بعد میونسپل کمشنر مقرر ہوئے ہیں

مسٹر آفتاب عمر جنکے کام کا تعارف "رنج و راحت نے" اسے بہت پہلے ناظرین او لڈ بوائے سے کرا دیا ہی اب دفتر کامرِیڈ کے مینجر مقرر ہو کر کلکتہ پہونچ گئے ہیں۔

ہمارے بہائی مسٹر صفدر علی اسسٹنٹ انجنیر رائٹہ ضلع ہمیرپور ضلع اورئی کے ایگزکٹو انجنیر مقرر ہوئے ہیں۔

ہادی اسلام بچوں کی معلومات کے لیے مولانا شہری صاحب مرحوم نے تالیف فرمائی ہی۔ قیمت ۴ر - مینجر اولڈ بوائے علیگڈھ

اولڈبوائز ایسوسی ایشن

ہماری درخواست پر مسٹر شوکت و مسٹر سرفراز خاں سکرٹریان ایسوسی ایشن نے نہایت محبت سے توجہ فرماکر وعدہ کیا ہی کہ وہ ماہ بماہ ایسوسی ایشن کے متعلق دلچسپ خبریں اولڈبوائز کی اطلاع کے لیے بھیجا کرینگے۔ ہم چند خبروں کو نہایت خوشی کے ساتھ یہاں درج کرتے ہیں:۔

(۱) گذشتہ سال یعنی ۱۹۱۱ء میں ممبران ایسوسی ایشن کی تعداد [illegible] اور کل آمدنی [illegible] تھی جسکے حساب سے اوسط ماہوار آمدنی ۲۶؍ ½ ہوئی۔

(۲) ماہ اپریل سنہ رواں میں آمدنی میں اضافہ ہوا ہی اور اس مہینہ میں گیارہ سو ستاسی روپیہ وصول ہوا جس میں سے کچھ رقم بقایا کی بہی تہی۔

(۳) ہم کو نہایت خوشی ہی کہ آخر مئی تک صاحبان ذیل ایسوسی ایشن کے نئے ممبر ہوئے ہیں:۔

نمبر	نام و پتہ	چندہ
۱-	مسٹر سمیع الدین حیدر- پرتاب گڈھ	۴؍ ماہوار
۲-	مسٹر سید غلام علی- محلہ میاں خیل ریاست رام پور	۴؍ ״
۳-	مسٹر قاضی عبداللطیف- دفتر حبل المتین کلکتہ	۴؍ ״
۴-	مسٹر غلام نبی سکرٹری ولیعہد بہادر خیرپور	۸؍ ״
۵-	مسٹر فضل کریم- سب رجسٹرار- لکی پور ضلع میمن سنگھ	۱۲؍ ״
۶-	مسٹر مرتضی علی خاں- سب رجسٹرار دیوان گنج ضلع میمن سنگھ	۱۲؍ ״
۷-	مسٹر عبدالحمید- حمید کالج- بجہرام گیٹ- ڈہاکہ	۸؍ ״
۸-	مسٹر فقر محمد- معرفت شیخ ولی محمد صاحب- جنرل مرچنٹ- میمیو	ع؍ ״

۹-	مسٹر شیخ زین العابدین ۔ نائب تحصیلدار باسم ضلع اکولا	۸ر باہوا
۱۰-	مسٹر عبد الباقی ۔ معرفت برادرس ۔ امین آباد پارک ۔ لکھنؤ	۴ ״
۱۱-	مسٹر سید مسلم بلگرامی ۔ اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ ٹرافک سپرنٹنڈنٹ مراد آباد	عا ״
۱۲-	مسٹر شرافت اللہ ڈپٹی کلکٹر ۔ بدایون	عا ״
۱۳-	مسٹر سید آل نبی نقوی ۔ ڈپٹی کلکٹر ۔ کانپور	عا ״
۱۴-	مسٹر ممنون حسن خاں ۔ ڈپٹی کلکٹر بنارس	عا۸ر ״
۱۵-	مسٹر جمال احمد رئیس کڑا ۔ ضلع الہ آباد	عہ ر ״
۱۶-	مسٹر بے نظیر شاہ ۔ اسٹاف حضور نواب صاحب ۔ رام پور	عہ ر ״
۱۷-	مسٹر چودہری نادر خاں ۔ دفتر ڈویژنل جج صاحب ۔ دہلی	عہ ر ״
۱۸-	مسٹر سید نذیر حسین تحصیلدار بلاری ضلع مراد آباد	عا ״
۱۹-	مسٹر مسعود علی رجسٹرار ہائی کورٹ حیدر آباد دکن	ے ״
۲۰-	لفٹننٹ عظمت اللہ ۔ ایڈیکانگ مدار المہام بہادر ۔ حیدر آباد دکن	عا۸ر ״
۲۱-	مسٹر عبد الحق دفتر ہوم سکرٹری صاحب ۔ حیدر آباد دکن	عا ر ״
۲۲-	مسٹر نذیر حسین فاروقی دفتر ہوم سکرٹری صاحب ״	عہ۸ر ״
۲۳-	مسٹر مرزا بشیر بیگ ۔ اسٹاف اعلیحضرت نظام حیدر آباد دکن	سے ر ״
۲۴-	مسٹر علی الدین حسن ۔ صدر منصف ۔ حیدر آباد دکن	للعہ ر ״
۲۵-	مسٹر محسن بیگ ۔ ڈسٹرکٹ اسکول اورنگ آباد دکن	۴ر ״
۲۶-	مسٹر صمصام الدین ۔ معرفت جناب غیاث الدین صاحب ۔ اسٹاف اعلیحضرت ۔ نظام حیدر آباد دکن	۸ر ״
۲۷-	لفٹننٹ لطافت حسین ۔ آئی ۔ ایم ۔ ایس نمبر ۲-۳ گورکھاز لیسڈون	للعہ ۴ر ״
۲۸-	مسٹر اصغر حسین ۔ بیرسٹر ایٹ لا ۔ ایلچپور ضلع امراوتی	عہ ر ״

نمبر	نام و پتہ	رقم
۲۹-	مسٹر سید یحییٰ علی تحصیلدار منڈاور ضلع بجنور	عہ ماہوار
۳۰-	مسٹر سید فرید الحسن کوٹھی کرشن کمار - چندوسی ضلع مرادآباد	۴ر "
۳۱-	مسٹر شمشاد حسین انسپکٹر ڈاکخانجات شہر بریلی	۸ر "
۳۲-	مسٹر سید احمد - پرائم روز کالج - شملہ	۴ر "
۳۳-	میجر مہر شاہ خاں - اڈیکانگ نواب صاحب رامپور	ے "
۳۴-	مسٹر ظہیر الدین ہیڈ ماسٹر ہیویٹ اسکول مرادآباد	۱۲ر "
۳۵-	مسٹر عبدالسلام معرفت مسٹر قیام الدین بچھراؤں ضلع مرادآباد	عہ "
۳۶-	مسٹر سید حسن معرفت مسٹر محمد احسن ڈپٹی کلکٹر ہردوئی	۴ر "
۳۷-	مسٹر سید محمود الحسن معرفت " " "	۴ر "
۳۸-	مسٹر سید عزیز احمد - دیوبند ضلع سہارنپور	عہ "
۳۹-	مسٹر سید مظہر علی رئیس کیتھل ضلع کرنال	۴ "
۴۰-	مسٹر امیر حسن وکیل فتحپور	عہ "
۴۱-	مسٹر حسن الدین اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ریلوے میل سروس لکھنؤ	عہر "
۴۲-	صاحبزادہ مصطفیٰ علیخاں بہادر - ہوم سکرٹری ریاست رامپور	عسہ "
۴۳-	صاحبزادہ سجاد علیخاں بہادر - اڈیکانگ حضور نواب صاحب رامپور	عسہ "
۴۴-	مسٹر ابوالحسن خاں منصف گوڑگاؤں	ع "
۴۵-	کیپٹن محمد ابراہیم خاں - اڈیکانگ نواب صاحب رامپور	عہر "
۴۶-	مسٹر محمود احمد - تاجر چرم کانپور	۸ "
۴۷-	مسٹر محمد باقر معرفت مسٹر کفایت اللہ پرتاب گڈھ	سے
۴۸-	مسٹر محمد عبدالواجد فتح گنج غربی ضلع بریلی	۸ر "
۴۹-	مسٹر سراج الرحمن بیرسٹرایٹ لا - جج ریاست جاورہ	عہر

۵۰-	مسٹر سید حبیب اللہ- سی ایس جنٹ مجسٹریٹ کانپور	سے/ ماہوار ۱۳/
۵۱-	مسٹر شیخ عبدالغنی قریشی وکیل ضلع شاہ پور	عہ/ ”
۵۲-	مسٹر محمد قدیر محمد سعید- محدوت	عہ/ ”
۵۳-	مسٹر باقر حسین کرنال	۸/ ”
۵۴-	آنریبل مسٹر غلام محمد بُبرگری بیرسٹرایٹ لا- حیدر آباد دکن	عـہ ”
	میزان	مالیہ عہ ماہوار ۱۳/

اسکے علاوہ روز نئے نئے ممبروں کے پاس درخواستین بھیجی جاتی ہیں اور وہ لوگ خوشی سے ممبر ہوتے ہیں- انشاءاللہ! ایسوسی ایشن اوراولڈبوائز معتدبہ کام کرسکیں گے-

(۴) اصحاب ذیل نے اپنے ماہواری چندہ مین اضافہ فرمایا ہے:-

		چندہ	اضافہ
۱-	مسٹر عبدالمجید خاں- ریونیو سکرٹری نواب صاحب رام پور	عہ/	سے/
۲	مسٹر سید محمد ہاشم ڈپٹی کلکٹر- باندا	عہ/	عہ/
۳	مسٹر ابو عبداللہ محمد ذکاءاللہ ڈپٹی کلکٹر گورکھپور	للعہ/	عہ/
۴	مسٹر سید امیر حسن- ڈپٹی کلکٹر- بہرائچ	سے/	۸/
۵	مسٹر شیخ محمد مثنیٰ- ڈپٹی کلکٹر اورئی	سے/	۸/
۶	مسٹر صغیر حسین ڈپٹی کلکٹر- علیگڈھ	عہ/	۸/
۷	مسٹر مظہر الحق - ڈپٹی کلکٹر- بلند شہر	عہ/	عہ/
۸	مسٹر سید ابو محمد ڈپٹی کلکٹر اٹاوہ	عہ/	عہ/
۹	مسٹر عبدالکریم خاں - ڈپٹی کلکٹر اعظم گڈھ	عہ/	عہ/

۱۰	مسٹر قاضی عزیز الدین بلگرامی ڈپٹی کلکٹر اٹاوہ	عہ/	عمہ/
۱۱	مسٹر شمس الحسن تحصیلدار داتاگنج ضلع بدایون	عہ۸/	۸/
۱۲	مسٹر علی حسین خاں تحصیلدار۔ کل پہاڑ ضلع ہمیرپور	عہ۸/	۸/
۱۳	مسٹر محمد علی بلند اختر تحصیلدار۔ رڑکی ضلع سہارنپور	عہ/	۴/
۱۴	مسٹر عبد الرب تحصیلدار بلندشہر	عہ/	۴/
۱۵	مسٹر علی احمد تحصیلدار۔ کالپی ضلع جالون	عہ۱۲/	۴/
۱۶	مسٹر شیخ الطاف حسین تحصیلدار فتحپور	عہ۱۲/	۴/
۱۷	مسٹر بدر الحسن تحصیلدار۔ دیوریا۔ ضلع گورکھپور	عہ۸/	۴/
۱۸	مسٹر سید حامد علی تحصیلدار۔ چکراتہ ضلع ڈیرہ دون	عہ۸/	۱۲/
۱۹	مسٹر عادل خاں تحصیلدار۔ اکبرپور ضلع فیض آباد	عہ۹/	۱۱/
۲۰	مسٹر احمد حسین کلیم۔ تحصیلدار	عہ۸/	۴/
۲۱	مسٹر سید احسن شاہ تحصیلدار۔ بھوگنی پور ضلع کانپور	عہ۸/	۱۲/
۲۲	مسٹر منیر الدین احمد۔ تحصیلدار مئو ضلع باندہ	عہ۸/	۱۲/
۲۳	مسٹر عبد الواحد خاں	عہ۴/	۳/
۲۴	مسٹر شمس الدین تحصیلدار۔ ڈیرہ پور ضلع کانپور۔	عہ۴/	۱۲/

(۵) سکرٹری صاحب اولڈ بوائز ایسوسی ایشن درخواست فرماتے ہیں کہ براہ کرم ہر ممبر اپنے ضلع کے اولڈ بوائز کے نام مع پتہ اور ماہوار آمدنی کے صدر دفتر کو ارسال فرمائیں دیر نہ کریں۔

---

(۶) ہمکو یہ معلوم کر کے کسیقدر رنج ہوا کہ متوسط المال اور تھوڑی آمدنی والے

اولڈبوائز نہایت محبت اور جوش کے ساتھ اپنی آمدنی کا حصہ مادر کالج کو دیتے ہیں
اُن لوگوں میں جو متموّل ہیں بعض کسیقدر ہچکچاتے ہیں۔ اس کی غالباً یہ وجہ ہوگی
کہ اُن سے اب تک مانگ نہیں ہوتی اور اب رقم دیتے ہوئے اُنکو بُرا معلوم ہوتا ہے
ہم جانتے ہیں کہ اُنکے اخراجات اُنکے عہدہ کے مطابق ہوتے ہیں اور بعض اوقات
اُنکو بہت دشواریاں پیش آتی ہیں مگر اسکے ساتھ ہی اُنپر کالج کا زیادہ حق ہی اور
جہاں اُنکے اخراجات ہیں آٹھ دس روپیہ ماہوار ایسوسی ایشن کو دے کر اسکے
ممبر ہونے میں کیا مضائقہ ہی۔ اسطرح وہ گویا اپنے کالج کی مدد کرسکتے ہیں اور اپنی
جماعت کو ممتاز بنا سکتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اب وہ زمانہ قریب ہی کہ جو شخص
ایسوسی ایشن کا ممبر نہوگا۔ ہم سب کے سامنے شرمایا کریگا۔ اپنے تجربہ سے ہم یہ کہہ
سکتے ہیں کہ ممبری سے واقعی کسی کو انکار نہیں ہوتا صرف تھوڑا التاہل ہوتا ہی۔
وہ بھی عارضی ۔ اب وقت آگیا ہی کہ ہم کاہلی اور سستی کو دور کریں۔

کالج کی خبریں

ہمارے کالج کا ہر موسم لطف سے خالی نہیں ہوتا۔ ہر سال کی طرح اس مرتبہ بھی
خربوزوں کی بہار رہی بمشکل کوئی اتوار ایسا گذرتا ہوگا کہ یہاں کے اسٹاف،
اولڈبوائز اور پریزیڈنٹ بوائز کی پارٹیاں ہوکے بنگالیوں کی طرح خربوزے
کھانے قریب کے دیہات میں نہ جاتی ہوں۔ اب خدا کے فضل سے ہمیں لکھنؤ
جونپور اور آگرہ کا لطف علیگڈھ میں بیٹھے بیٹھے آنے لگا ہے۔

مسٹر عبدالرحمن السندہی الصورتی کے یہاں آجانے سے ہمارے درمیان

ایک زندہ دل بھائی کا اضافہ ہوگیا ہے۔ کانفرنس کو اُنکے خدمات سے جس فائدہ کی اُمید ہوسکتی ہے اُس کا ذکر تو آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب فرمائینگے مگر اولڈ بوائے کے لیے تو وہ اچھے معین ثابت ہوئے ہیں۔

ہمارے بھائی مسٹر خورشید احمد صاحب بی اے کا تقرر ہمارے کالجیٹ اسکول میں ہوا ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ وہ اپنے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے پورا فرمائینگے۔

مولوی سید سلیمان اشرف صاحب کی تنخواہ میں اضافہ کر کے پہلی صدی پوری کی گئی ہے اور تمام لوگ اُن سے خوش معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے مارچ نمبر میں "ہمارا کالج" کے عنوان سے ہمارے کالج میں مذہبی اثر کا ذکر آیا تھا اور اسی ضمن میں مولوی صاحب کا نام بھی آگیا تھا، جسکے متعلق ہمارے مخدوم جناب حاجی موسیٰ خاں صاحب نے جناب آنریری سکرٹری صاحب کو توجہ دلائی تھی۔ ہم بجد مسرور ہیں کہ سنڈیکیٹ نے مولوی صاحب کو تحقیقات کے بعد بری تسلیم کیا ہے۔

ہمارے ہردلعزیز پرنسپل مسٹر ٹول کی تحریک پر کرکیٹ لان کی درستی کے لیے پانسو روپیہ کالج فنڈ سے دیا جانا منظور ہوا۔ ہمارے خیال میں نہ صرف ہماری بڑی لان کے لیے بلکہ کالج کی ٹینس لانوں کے لیے بھی ایک مستقل رقم کی منظوری کی ضرورت ہے۔

قبلہ و کعبہ نواب وقار الملک بہادر کی درخواست پر جناب راجہ صاحب محمود آباد ۵ مئی کو علیگڈھ تشریف لائے اور اُس جلسہ میں شریک ہوئے جو یونیورسٹی کے متعلق بطور مشورہ کے یہاں دو روز تک منعقد ہوتا رہا تھا اسی جلسہ میں شریک ہونے کی

غرض سے مسٹر سید نبی اللہ، مسٹر سید وزیر حسن اور مسٹر سید ظہور احمد لکھنؤ اور نواب حاجی محمد اسحاق خاں بہادر و شیخ وحید الدین میرٹھ سے تشریف لائے تھے۔ معزز مہمانوں کا قیام نواب محمد مزمل اللہ خاں بہادر کی کوٹھی پر ہوا تھا اپنی مہمان نوازی کا ثبوت ہمارے برادران مکرم مسٹر صلح خاں، مسٹر خواجہ اور مسٹر قادری نے بھی دیا تھا۔

گمان غالب ہے کہ قوم کی عظیم الشان خدمت کے لیے ہمارے بزرگ نواب محمد اسحاق خاں بہادر تجویز کیے جائیں۔ آپ پر لوگوں کی نگاہیں پڑنے لگی ہیں۔ عجب اتفاق ہے کہ ہم نے انہیں دنوں حضرت غالب مرحوم کا ایک دلچسپ لطیفہ سُنا، جس کا تعلق حاجی صاحب کے والد ماجد نواب مصطفےٰ خاں صاحب شیفتہ سے ہے۔ حضرت شیفتہ سے اور غالب مرحوم سے بے تکلفانہ تعلقات تھے۔ ایک مرتبہ غالب ان سے رخصت ہو کر دہلی گئے اور ایک نئی جگہ مکان کرایہ پر لیا شیفتہ نے دریافت حال کے لیے خط لکھا اور پوچھا کہ اس مرتبہ مکان کہاں لیا ہے۔ کون کون لوگ پڑوسی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ غالب نے جواب میں جو شعر لکھا اُس سے اُنکی شوخی طبع کا اندازہ ہو جائیگا۔

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے ٭ یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

بالآخر قبلہ و کعبہ نواب وقار الملک بہادر مدظلہ نے اپنے آخری ایام کو آرام فرمانے اور عبادت میں گذرانیکا فیصلہ فرمالیا ہے اگرچہ ہماری تمنا یہی ہے کہ جناب موصوف ایک بڑے عرصہ تک ہماری کشتی کے ناخدا رہتے لیکن ہم اسے بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ موصوف کو اب آرام ملنا چاہیے۔ اسکے ساتھ ہی قبلہ و کعبہ سے ہماری درخواست ہے کہ اپنے بہترین مشوروں سے تمام اسلامی تحریکوں کو عموماً اور اپنے کالج کو خصوصاً استفادہ پہونچاتے رہینگے۔

علی گڑھ کالج ٹیم نینی تال میں

ہوٹ کرکٹ چیلنج شیلڈ کے مقابلہ میں دو سال کے فاتح اب کے ماہ مئی میں پھر اپنے پرانے میدان کی طرف کھیل کانٹے سے لیس ہو کر سدھارے۔ وحید صاحب کپتان اپنی فوج ظفر موج کو جمع کر کے ۱۱ مئی کو شام کی گاڑی سے علیگڈھ سے رخصت ہوئے لیکن وہ تنہا نہ تھے انکے ساتھ انکے احباب اور بہی خواہان کرکٹ کی دعاؤں اور آرزوؤں کے لشکر تھے۔ نینی تال پہنچکر دو میچ کھیلے اور اٹھارہ روز کے قیام کے بعد واپس آئے مجھے جو کچھ انکے خطوط سے اور ان سے زبانی معلوم ہوا۔ وہ میں اولڈ بوائے کے معزز ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے سپرد قلم کرتا ہوں۔

مجھے افسوس ہے۔ کہ میں وہ حالات ہدیہ برادران کالج کرتا ہوں۔ جو میں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میری دلی آرزو اور اصلی تمنا تو یہ تھی۔ کہ میں کرکٹ ٹیم کی فتح و نصرت کا مژدہ سناؤں۔ اور مظفر و منصور ٹیم کا انکی واپسی پر دھوم دھام سے استقبال کروں مگر بالکل خلاف توقع سیمی فائنل میں جا کر ہم لوگ میگنس کلب دہلی سے جس سے ہماری سکول ٹیم جیت چکی تھی۔ ہار گئے۔

پہلا میچ نینی تال جم خانہ کے برخلاف ۱۴ و ۱۵ ماہ مئی کو ہوا۔ اسمیں نینی تال جم خانہ کے ۱۰۱ رنز تھے۔ لیکن ہمارے شیروں نے دو سو سے زائد رنز بنائے۔ جس میں سے شفقت صاحب کے ۹۱ رنز تھے۔ اور انکا کھیل نہایت عمدہ تھا۔ شریف صاحب کا کھیل بھی قابل تعریف رہا آخر کار نینی تال جم خانہ کو ۹ وکٹ سے شکست ہوئی ہماری ٹیم میں سے صاحبزادہ صاحب بھوپال نے نہایت عمدہ فیلڈ کی اور سلپ پر تین چار تیز کیچ نہایت خوبی سے لیے۔ ہمارے وکٹ کیپر

ریاض صاحب کی تعریف میں کپتان صاحب رطب اللسان ہیں اور عام رائے ناظرین کی اور ٹیم کی یہ تھی کہ آل انڈیا کرکٹ ٹیم کی وکٹ کیپری کے لیے وہ ایک موزوں آدمی ہیں۔ درحقیقت ریاض صاحب نے اپنی تیزی اور عمدہ کھیل کا سکّہ بٹھا دیا ہے۔

دوسرا میچ ۲۴ و ۲۵ ماہ مئی کو ہوا۔ اس میں مخالف پارٹی مسگنس کلب کے پہلی اننگ میں ۱۷۷ رنز اور دوسری میں ۹۱ رنز تھے۔ ہماری ٹیم کے پہلی اننگ میں ۹۵ رنز اور دوسری اننگ میں ۱۳۲ رنز تھے۔

ہماری ٹیم میں سے وحید صاحب (کپتان) اور سلام صاحب اور سرفراز صاحب نے عمدہ بیٹنگ کی۔ اور سلام صاحب شفقت صاحب اور سید عابدی صاحب نے عمدہ گیند پھینکی۔ سلام صاحب دوسری اننگ میں ناٹ آؤٹ رہے۔ اور سرفراز صاحب نے ۲۸ رنز اسی حالت میں جب کہ ہمارے کھیل کو باد مخالف کا جھونکا تباہ کر رہا تھا۔ بنا کر اپنے کھیل کا ثبوت دیا۔

نتیجہ مخالف پارٹی کے موافق رہا۔ یہ شکست ہمارے توقعات کے خلاف تھی۔ کان اس خبر کے سننے کے لیے آمادہ نہیں تھے۔ میرے خیال میں ہمارے ہارنے کی وجہ یہ نہیں ہو سکتی کہ ہم کسی طرح مخالف پارٹی سے کمزور تھے۔ ضرور ہے کہ اس کی کچھ اور وجہ ہو۔ اور یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے۔ کہ ہماری ٹیم کے چند ممبر اور ناظرین میچ میں یہ عام گفتگو تھی کہ دہلی مسگنس کلب کے امپائر اپنے فرائض کے بجا لانے میں یہ بات بھول گئے تھے کہ اُن کا کام انصاف ہے اور اُن کو یکطرفہ ڈگری ہمارے برخلاف دینے سے احتراز کرنا چاہیے۔ بہرکیف ہمارا فرض اس موقع پر یہ ہے۔ کہ صبر کریں اور کوشش کریں۔ کہ آیندہ کے لیے ہماری کرکٹ ٹیم اسقدر زبردست ہو کہ ہزاروں یکطرفہ ڈگریوں اور غیر منصفانہ فیصلوں کے

باوجود ثابت کردے۔ کہ علیگڈھ ٹیم کو نیچا دکھانا کار دارد۔ لیکن اسکے لیے ضروری ہے کہ کالج اسٹاف کے ممبر اور اولڈ بائز ہمارا ہاتھ بٹائیں اور ہماری مدد کریں تاکہ علی گڈھ کی شہرت کا آلہ اور یہاں کی خاص روایات کا بہترین مرکز یعنی کرکٹ کا کھیل بیش از بیش ترقی کرے۔ فقط

(خاکسار) ولی محمد خاں

ہم مسٹر ولی محمد خاں کے ممنون ہیں اُنہوں نے کالج کرکٹ کے متعلق "اولڈ بوائے" کو معلومات بہم پہونچائی اس قسم کے مضامین اور خبروں کو ہمارے ناظرین دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ کرکٹ، فٹ بال، ہاکی، ٹینس رائڈنگ وغیرہ کے متعلق ہمارے چھوٹے عزیز اکثر ہمیں مطلع کیا کریں گے نیز علمی انجمنوں کے حالات بھی ہم شکریہ کے ساتھ درج رسالہ کرتے رہینگے۔

اڈیٹر "اولڈ بوائے"

ہمارے لیے یہ خبر قابل افسوس ہے کہ ہمارے بھائی مسٹر محمد رفیق کی بیگم صاحبہ نے وفات پائی۔ ہم اپنے بھائی سے صبر کی درخواست کرتے ہیں اور خداوند کریم سے دعا ہے کہ مرحومہ کو جنت عطا فرمائے۔

یہ مہینہ ہمارے لیے نہایت رنج وہ خبروں کا گذرا ہے۔ ہم نے اپنے بھائی مسٹر سید مظہر علی رئیس کیتھل ضلع انبالہ کے اکلوتے فرزند کے انتقال کی خبر سُنی تھی کہ اپنے دو بھائیوں کے پیارے بچوں کے انتقال کا حال معلوم ہوا۔ اب ہمارے بھائی مسٹر محمد امین ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بستی کے بچہ نے وہاں اور مسٹر سید صغیر علی ڈپٹی کلکٹر علیگڈھ کے بچہ نے یہاں قریب قریب ایک ہی ہفتہ میں وفات پائی خدا ہمارے تینوں بھائیوں کو

شاعرانہ خیالات :- اس نام کی کتاب کا ایک نسخہ جناب مولوی خواجہ غلام الثقلین صاحب نے ہمیں بھجوایا ہے۔ کتاب مشہور شعرائے انگلستان کے خیالات سے لبریز ہے اور ہم مسٹر محمد یحییٰ صاحب تنہائی لے کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے شعرائے انگلستان کے خیالات کو اپنی زبان اردو کا لباس پہنانے میں پوری کامیابی حاصل کی ہے۔ کتاب مصنف سے ایبٹ آباد میں میرٹھ کے پتہ پر مل سکے گی۔

خون ناحق :- مسٹر احسان الحق صاحب قادری نے اردو پر احسان کیا ہے کہ جنگ طرابلس کے واقعات کو کتابی صورت میں لا کر اسکا پہلا حصہ شائع کر دیا ہے۔ کتاب میں مسٹر ظفر علی، ڈاکٹر اقبال احمد، حضرت اکبر، جناب وجاہت جیسے مشاہیر کے نام نظر آتے ہیں اور اقبال کے شکوے، سوز و ساز اور سارا جہاں ہمارا نے کتاب کی دلچسپی میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔ شاعرانہ خیالات کی طرح اس کتاب کی لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے۔ مجلد کی قیمت عمہ اور بے جلد کی عہ ہے دفتر اولڈ بائے سے طلب کیجئے

اطلاع۔ جون جولائی کے پرچے عنقریب ایکساتھ شائع ہونگے ناظرین اطمینان رکھیں۔

رجسٹرڈ نمبر اے (۵۲۶)

اولڈ بوائے

جلد ۲ بابت ماہ جون و جولائی سنہ ۱۹۱۲ء نمبر ۱۰ و ۱۱

اڈیٹر

ابو حامد عترت حسین بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڈھ میں طبع ہوا

حسب ایما مولوی سید منظر علی دفتر اولڈ بوائے واقع جعفر منزل علیگڈھ سے شائع ہوا

اولڈ بوائ

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد ہیں

(۱) جملہ سابق طلباء مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علی گڈہ کے دلوں میں انکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُسکے حالات سے انکو باخبر کرنا اور اس کی ترقی کے لیے ہرطرح کوشاں رہنا

(۲) اولڈبوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا اور اُسکو ترقی دینا اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

(۳) اولڈبوائز ایسوسی ایشن" اور کالج" کی مالی مدد کے لیے سابق طلباء کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمتگذاروں میں خود اُسکے فرزندوں کی خدمات کافی اور تسلی بخش ہوں

(۴) جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانونکی ضروریات کی طرف توجہ دلانا۔ تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُنپر ہمارے کالج کے قائم کرنے سے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہی

(۱) جملہ خط وکتابت دربارہ ترسیل زر وتبدیل پتہ مینجر اولڈبائے علی گڈہ سے ہونی چاہیے

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ اڈیٹر اولڈبائے علی گڈہ آنا چاہیے اسیطرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات و رسائل بہی۔

منتظمان "اولڈبائے" ہر وقت مفید مشورہ ورفع شکایات کے لیے تیار ہیں اور شکر گذاری کیساتھہ اُنپر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر ومینجر

۷۸۶

اولڈ بوائے

ہمارے کالج میں آثار قدیمہ کے نشانات

قطع نظر اس خاص امتیازی وقعت کے جو علی گڈھ کو بوجہ یہاں کالج ہونے کے حاصل ہو وہ ایک نہایت قدیم اور بلحاظ تاریخی واقعات کے بہت زیادہ مشہور و دلچسپ مقام ہی چنانچہ اس امر کی شہادت میں ہم کتبہ مندرجہ ذیل ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

بنی ہذہ العمارۃ فی عہد مملکۃ السلطان الاعظم مالک رقاب الامم ناصر الدنیا والدین سلطان السلاطین۔

ذی الامان لاہل الایمان وارث ملک سلیمان صاحب الخاتم فی ملک العالم ابوالمظفر محمود بن السلطان خلد اللہ ملکہ وسلطانہ۔

الملک[1] العالم الکبیر اعظم قتلغخان بہاالحق والدین ملک ملوک الشرق واصین بلبن الشمسی فی ایام ایالۃ بامر منالۃ فی العاشر من رجب سنۃ اثنی خمسین وستمایۃ۔

ترجمہ

"اس عمارت کو ابوالمظفر محمود بن سلطان کے عہد سلطنت میں جو کہ بادشا

---

[1] یہ لفظ ٹوٹ گیا ہی اسیلیے مشکوک ہی۔

جلیل القدر خداوند رعیت دین و دنیا کا مددگار شاہوں کا شاہ صاحب ایمان لوگوں کا پناہ دینے والا سلطنت سلیمان کا وارث کل جہاں کا صاحب نگین (حاکم) ہے خدا اُسکے ملک و سلطنت کو ہمیشہ قائم رکھے ملک عالم کبیر اعظم قتلغخاں بہاالحق والدین شرق و چین کے بادشاہوں کے بادشاہ بلبن شمسی نے اپنے دوران حکومت میں بحکم شاہی ۱۰ رجب ۶۵۲ھ کو بنایا"

یہ کتبہ عربی زبان میں ایک تختہ سنگ مرمر پر کندہ ہے جو کہ نظام[۱] میوزیم کی جنوبی دیوار میں اندر کی جانب نصب ہے۔ طول و عرض اس پتھر کا ۲ فٹ ۱۰ ½ انچہ و ایک فٹ ۷ ½ انچہ ہے۔ جس خط میں کہ وہ تحریر ہے نہ ہم اُسکو کوفی کہ سکتے ہیں اور نہ نسخ بلکہ ان دونوں کے بین بین ایک روش ہے جو دیکھنے میں نہایت خوبصورت معلوم ہوتی ہے لکھنے والوں نے یہ کوشش کی ہے کہ ایک لفظ دوسرے سے جدا نہ معلوم ہو۔ چنانچہ اُسنے ہر لفظ کے آخری حرف کے آخری سرے کو دوسرے لفظ کے پہلے حرف کے شروع کے سرے سے ملا دیا ہے اور اس صورت میں الفاظ ملے ہوئے اور مسلسل چلے گئے ہیں جس سے پڑھنے میں نہایت دشواری و دقت ہوتی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ کتبہ مذکور کے پرچہ ہذا میں عکسی[۲] تصویر کا شائع ہونا ذرا دشوار ہے ورنہ اُسکا خط اور روش تحریر دیکھنے کے قابل ہے اور ناظرین کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہوتی یہ کتبہ تین سطروں میں لکھا ہوا ہے تیسری سطر کے شروع کے تین چار حرف نیچے سے کچھ ٹوٹ گئے جس سے پڑھنے میں اور نیز نقل بالا میں صحت قدرے

---

[۱] مدرسۃ العلوم علیگڈھ کے ایک کمرہ کا نام ہے جو کہ نظام حیدر آباد کے نام معنون کیا گیا ہے۔

[۲] مسٹر ایڈورڈ طامس نے اس کتبہ کی تصویر اپنی کتاب "دی کرانیکلس آف دی پٹھان کنگس آف دہلی"
The chronicles of the Pathan Kings of Delhi
میں صفحہ ۱۲۹ پر دی ہے مگر ذی علم مصنف نے اُسکے پڑھنے میں دو ایک جگہ غلطی کی ہے۔

مشکوک ہوگئی ہی اور مینے ناظرین کی آگاہی کے لیئے اُس مقام پر نشان بہی کردیا ہی۔
بعض محققین آثار قدیمہ کا یہ خیال ہی کہ یہ کتبہ خود سلطان نصیرالدین محمود کے قلم کا لکہا ہوا ہی[1]۔ نصیرالدین محمود خاندان غلامان کا آٹھواں بادشاہ تہا۔ زمانہ سلطنت اسکا ۶۴۴ھ سے لیکر ۶۶۴ھ تک قریب بیس سال کے ہوا ہی۔ یہ بادشاہ نہایت نیک نفس دیندار خداترس اور عابد وزاہد گذرا ہی۔ سلطنت کے روپیہ میں سے ایک حبہ اپنے ذاتی خرچ کے لیے نہ لیتا تہا بلکہ اپنے گذر اوقات قرآن شریف کی کتابت پر کرتا تہا۔ ایک سال میں دو جلدیں نقل کرلیتا اور جو کچہ اُسکے ہدیہ سے قیمت حاصل ہوتی اُسکو اپنے صرف میں لاتا ایک مرتبہ امرا میں سے کسی نے یہ معلوم کرکے کہ یہ قرآن شریف بادشاہ کے دست مبارک کا لکہا ہوا ہی معمول سے زیادہ قیمت دیدی اسپر اُسنے ناخوشی کا اظہار کیا اور یہ حکم فرمایا کہ اسکے بعد اُسکے لکہے ہوے کلام مجید کو خفیہ ہدیہ کیا کریں۔ یہ مشہور ہی کہ اُسکے گہر میں کہانا وغیرہ پکانے کے لیے کوئی ماما نہ تہی خود ملکہ کہانا تیار کرتی تہیں۔ ایک دفعہ ملکہ مذکور نے بادشاہ سے یہ کہا کہ مجہے کہانا پکانے میں بہت تکلیف ہوتی ہی مناسب ہو کہ ایک کنیز اس کام کے واسطے خرید دیجاے۔ بادشاہ نے اسکا یہ جواب دیا کہ بیت المال رعیت کا حق ہی میری ملکیت نہیں کہ اُس میں سے کچہ روپیہ لیکر ایک کنیز خرید دوں اور نصیحت کی صبر کرو تاکہ آخرت میں خدا تعالی تمکو جزاے خیر دے[2]۔

بادشاہ کو کتابت و تحریر سے دلچسپی ہونے کی وجہ سے یہ بعید نہیں معلوم ہوتا کہ اُسنے خود اسکو اپنے قلم سے تحریر کیا ہو۔ عبارت پر غور کرنے سے اس خیال کو پختگی ہوتی ہی اور یہ ظاہر ہوتا ہی کہ اگر اُسنے اسکو اپنے قلم سے لکہا نہیں تو کم سے

---

[1] دیکہو لزنکلس آف دی پٹہان کنگس آف دہلی صفحہ ۱۳۰
[2] دیکہو تاریخ فرشتہ مطبوعہ نولکشور پریس لکہنؤ جلد اول صفحہ ۷۰

مضمون و عبارت کو تو خود تصنیف کیا ہی - کیونکہ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہوسکتا تھا کہ سوائے
بادشاہ کے کوئی دوسرا شخص بادشاہی خطابات مثلاً "ملک العالم" "ملک ملوک الشرق"
جو صرف بادشاہوں کے ہی لیے مخصوص ہیں بلبن کے نام کے ساتھ جو کہ اُسوقت میں
صرف وزیر اور اُمرا میں سے تھا لگا دیے - خواہ یہ خیالات پایۂ صداقت کو پہنچیں
یا نہ پہونچیں یہ کتبہ کسیطرح دلچسپی سے خالی نہیں - اسکا شمار ہندوستان کے اسلامی
پُرانے کتبہ جات میں سے ہی - کچھہ تہوڑے سے ہی کتبہ سندہ دہلی و اجمیر میں اس
سے زیادہ پرانے ہونگے -

علاوہ بادشاہ کے دوسرا نام جو اس کتبہ میں مذکور ہے وہ بلبن کا ہی - جو کہ
شمس الدین التمش[1] کا اولاً غلام تھا اور بعدہ درجہ وزارت حاصل کیا اور سلطان التمش
نے اپنی لڑکی کی شادی اُسکے ساتھہ کردی - چونکہ وہ شمس الدین التمش کا غلام
تھا اسیلیے اُسی کے نام کے ہمراہ شمسی القاب لگا ہوا ہی - بلبن کے نام کے ہمراہ
شمسی القاب کا ہونا بھی اس امر کا یقین دلاتا ہی کہ یہ کتبہ خود بادشاہ کا لکھا ہوا یا تصنیف
کیا ہوا ہی - کیونکہ بلبن خود یا کوئی دوسرا شخص اُسکے غلام ہونے کی طرف اشارہ
نہ کرتا - بعد نصیر الدین محمود کے یہ ہی بلبن غیاث الدین بلبن کے نام سے تخت
سلطنت پر بھی بیٹھا اور غلامیہ خاندان میں نہایت مشہور بادشاہ ہوا ہی - زمانہ
سلطنت اسکا ۶۶۴ھ سے ۶۸۶ھ تک قریب قریب بائیس سال کے
رہا[2] -

یہ کتبہ ۶۵۲ھ کا لکھا ہوا ہی جبکہ غیاث الدین بلبن اس نواح کا حاکم مقرر کرکے

[1] تواریخ میں عام طور پر اس بادشاہ کا نام التمش دیا ہوا ہی مگر حقیقت میں یہ التتمش ہی جو کہ ترکی لفظ
ہی اور جسکے معنی "محافظ سلطنت" کے ہیں -

بہیجا گیا تہا تاکہ اُس شورش وبغاوت کو جو کہ یہاں کی ہندو رعایا و زمینداروں نے اسلام وسلطنت کے خلاف پہیلا رکہی فرو کرے۔ چنانچہ اس مہم کو اُس نے خوش اسلوبی سے پورا کیا اور اُس کی یادگار میں ہندو بدہ معابد گاہ و بتوں کے ملبے سے جنکو اُسنے دوران مہم میں شکست کیا تہا ایک ستون بنا کر یہ کتبہ اُسپر نصب کیا۔ اس برج یا ستون میں بہت سے بُت اور بُدہ وجینیا کی تصاویر سنگین جڑی ہوئی تہیں ۱۸۶۲ء میں بحکم سرکار انگریز یہ ستون منہدم کیا گیا[1] اور یہ کتبہ و بت وغیرہ کس مپرسی کی حالت میں ملبے میں ڈالدیے گئے۔ اُسوقت آثار قدیمہ کی محافظت کا کوئی بندوبست نہ تہا۔ سرسید کو جو کہ ہر قسم کے علم وہنر کے دلدادہ اور خاصکر آثار قدیمہ کے شیدا دوالا تہے یہ خیال ہوا کہ یہ یادگار قدیمہ کے انمول جواہر ضائع و برباد ہو جاینگے اور چنانچہ اُن سب کو خود اُٹہوا لائے۔

سنگین تصاویر سوسائٹی باغ میں ابتک موجود ہیں اور ان میں سے بعض بعض کی نسبت یہ خیال ہی کہ وہ قبل سنہ عیسوی کی ہیں۔ یہ کتبہ سرسید نے نظام میوزیم میں لگوادیا۔ اغلب یہ ہی کہ جسوقت سرسید نے یہ تصاویر وغیرہ اُٹہوائی ہیں اُسیوقت اُن کو میوزیم کا خیال پیدا ہوا ہوگا اور اُنہوں نے ارادہ کیا ہوگا کہ آثار قدیمہ کے عجائبات و نادرات کو اپنے کالج میں جمع کریں اور جیساکہ دوسری حیثیتوں سے یہ کالج بے بدل ہی اس لحاظ سے بہی اپنا جواب نہ رکہے۔ مگر اُس قادر مطلق کو جسکے قبضہ میں انسان کی سب کوششیں اور اُنکے نتائج ہیں یہ منظور نہ تہا اور چنانچہ میوزیم نے فی الحال صرف اس سنگین کتبہ پر اکتفا کیا ہی۔ ظفر حسن ارکیولاجیکل اسکالر

---

[1] دیکہو گزٹیر ڈسٹرکٹ میرٹہ مطبوعہ الہ آباد ۱۸۷۵ء جلد دویم صفحہ ۲۸۶ اس ستون کے انہدام پر ایڈورڈ طامس نے نہایت افسوس ظاہر کیا ہی دیکہو The chronicles of the Pathan Kings of Delhi صفحہ ۱۲۹ نوٹ

ترانہ کالج

اک زمیں کہتا ہوں میں اک آسماں کہتا ہوں میں — سب جہانوں سے جدا اپنا جہاں کہتا ہوں میں
علم وفن کا دیکھ لو اک بوستاں کہتا ہوں میں — اور اس میں پھر بہار بے خزاں کہتا ہوں میں
علم کے پھولوں سے مالامال ہیں یہ نونہال — بورڈنگ ہاؤس نہیں باغ جناں کہتا ہوں میں
جسکا جی چاہے یہاں پر آنکر سیراب ہو — چشمہ علم وہنر ہر سو رواں کہتا ہوں میں
میں ہوں وہ جسکو لگایا اک فدائے قوم نے — خاک میں اپنے جسے اب تک نہاں کہتا ہوں میں

ہاں مسلمانوں - ذرا ہمّت دکھاؤ چست ہو
وقت اب ایسا نہیں بیٹھے رہو اور سُست ہو

پھر مرا نخل تمنّا بار ور ہونے کو ہے — پھر مری تقدیر دیکھو راہ پر ہونیکو ہے
شام غم رخصت ہوئی اب نور کا تڑکا ہوا — اے مسلمانو! اُٹھو وقت سحر ہونیکو ہے
باغ سیّد نے لگایا تھا جو اے اسلامیو — اب خدا کے فضل سے وہ بارور ہونیکو ہے
جسقدر ہیں عالم ومفتی وصوفی دولی — سب کی اب ہم پر عنایت کی نظر ہونیکو ہے
حضرت آغا کہ نازاں جسپہ ملک ہند ہے — وہ ہمارے کارواں کا راہبر ہونیکو ہے
یہ مسلمانوں کی قسمت کا وہ گویا فیصلہ — جون میں ہمکو عطا جو چارٹر ہونیکو ہے
یہ علی گڈھ تھا جو ابتک ایک چشمہ علم کا — قوم کے احساں سے بحر پر گہر ہونیکو ہے

کہدو لوگوں سے مسلمانوں کی ہمت دیکھ لیں
ان بُرے وقتوں میں بھی اُنکی سخاوت دیکھ لیں

آپکو انکار ہو اس سے تو اچھا دیکھ لیں — رہبران قوم کی ہمت کا جلوہ دیکھ لیں
دست قدرت نے کیا ساماں مہیا قوم کا — ابر رحمت کا خدا کے اب برسنا دیکھ لیں

پردۂ قدرت سے اک پل میں ہوا اسب انتظام — یک بیک کیسا مرا جاگا نصیبا دیکھ لیں
اسطرح گر گر کے اٹھا ہی نہ اٹھیگا کوئی — مذہب اسلام کا گر گر ابھرنا دیکھ لیں
آپنے دیکھا نہ ہو تو میں گدا گر کو اگر — آئیں اور آکر یہاں تصویر آغا دیکھ لیں
کی ہی فیاضی سے عثمان علیخاں نے مدد — ہمت و جود و سخا کا شہ کے دریا دیکھ لیں
گلشن اسلام میں آئی بہار جاوداں — پھر ہوا ہم سب پہ فضل حق تعالی دیکھ لیں

اب خدا چاہی تو یونیورسٹی ملجائیگی
قوم کے پژمردہ دل کی پھر کلی کھل جائیگی

محمد اکرام الحق اختر
بی اے کلاس

اپنا قصور

اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ ہمارے کالج کی تعلیم و تربیت کا اندازہ ہمارے اخلاق و عادات اور ہمارے خیالات سے ہوتا ہی جوں جوں ہم میں خوبیاں پائی گئیں ہمارے پیارے کالج کی عظمت و شان کا سکہ لوگوں کے دل میں بیٹھتا گیا اور نہ محض ہندوستان میں بلکہ دیگر ممالک میں بھی اس کی شہرت کا ڈنکا بجکر رہا۔ والیان ملک تک کے دل میں اسکے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی اور انہوں نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اسکو عزت بخشی یہ کیا کسی جمع خرچ کی بدولت کسی قلم کے زور سے ہرگز نہیں بلکہ اسی بیش بہا جوہر کی بدولت جو ہم کو مادر کالج سے عطا ہوا یعنی اچھے اخلاق و عادات اور پاکیزہ خیالات۔ انہیں کی بدولت ہمارے اور ہمارے کالج کی ناموری تھی اور انہیں پر ہماری عزت و ترقی کا دارمدار ہی۔

ہماری چال ڈھال ہمارا انداز گفتگو خود بتا دیتا تھا کہ ہم علی گڈھ کالج کے سعادت مند سپوت ہیں نہ کسی کو پتا بتانے کی ضرورت تھی نہ نشان ہمارا نو کھا ڈھنگ ہمارا پیارا طرز عمل باعث رشک تھا جدہر نکل گئے نگاہیں اُٹھنے لگیں۔ ہائے کون تھا جسنے دیکھا اور فریفتہ ہوا ہر شخص کو رشک تھا کہ وہ اس کالج کا طالب علم کیوں ہوا اور اگر وہ نہیں ہے تو کم از کم اُس کی اولاد کو یہ فخر ضرور حاصل ہونا چاہیئے نہ بچہ کی عمر کا خیال نہ دور دراز سفر کا اسباب باندہا اور ننہے سے بچہ کو خوشی خوشی علیگڈہ روانہ کردیا۔ لیکن افسوس اپنی ہی غفلت سے اپنی خوبیاں برائیوں سے بدل چلیں اور نہ محض غیروں کی زبان بلکہ خود اپنی ہی زبان و قلم سے اپنی بُرائیوں کا اقرار ہونے لگا جیسا کہ اکثر مضامین اولڈ بوائز سے ظاہر ہے۔ ہمارے لباس پر اعتراض ہمارے اخلاق و عادات کی شکایت بلکہ بات بات کی شکایت۔ اسکا اندازہ نہیں ہوسکتا کہ کالج کے سچے ہمدرد اور سعادتمند پوت کا کیا حال ہوتا ہے جب کبھی بدنصیبی سے اسکو اس قسم کے اخلاق و عادات کے دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور ان اخلاق و عادات کے ساتھ کالج کے پوت ہونیکا فخر کیا جاتا ہے۔ آنکھوں میں خون بھر آتا ہے بدن میں آگ لگجاتی ہے جی چاہتا ہے کہ منہ نوچ لیا جائے آخر کار اس سچے ہمدرد سے ضبط نہیں ہوتا اور مجبوراً اپنے جذبات کا اظہار اپنے ہی قاصد اولڈ بوائے کے ذریعے سے کرتا ہے اور محض اس نیک نیتی سے کہ انکا کچھ اثر ہو اور آیندہ اس کو اسی قسم کی مصیبت سے نجات ملے لیکن مجکو افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ اسوقت تک اس خیال میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ممکن ہے کہ وقت کے وقت کچھ اثر پڑتا ہو مگر پھر کچھ نہیں خرابیاں روز بروز جڑ پکڑتی جاتی ہیں اور یہ محض ہماری بدولت۔ ہمکو معمولی ان پڑھ قوموں سے سبق سیکھنا چاہیے جن میں سوسائٹی ایک خاص اثر رکھتی ہے۔ ہر شخص اپنی سوسائٹی کے اخلاق و آداب کے خلاف چلنے کی

کی سزا پاتا ہی۔ برادری سے خارج کردیا جاتا ہی حقہ پانی بند ہوجاتا ہی نہ اسکے کوئی رنج
کا شریک نہ خوشی کا ساتھی گویا ہر طریقہ سے اُسکو ذلیل کیا جاتا ہی۔ آخرکار وہ اَن پڑھ
آدمی اپنے قواعد کی پابندی پر مجبور ہوتا ہی اور کبھی سوسائٹی کے خلاف کرنے کی
جرأت نہیں کرتا اور اگر کرتا ہی تو اُسکو کافی پاداش ملتی ہی۔ ایک ہم ہیں۔ کہنے کو تعلیم یافتہ
مہذب لیکن اطوار شرمناک اخلاق کا نام نہیں ادب کا پاس نہیں۔ آزادی کا خناس
دماغ میں سمایا ہوا صاحبیت کا جامہ زیب تن۔ نہ کسی سزا کا کھٹکا نہ مواخذہ کا ڈر
اگر ہماری سوسائٹی میں ایسی ان پڑھ جماعت کا جیسا ہی اثر ہوتا تو ہمکو یہ آزادی نہوتی
اور مجبوراً اپنی بُرائیوں کو خیرباد کہنا پڑتا اور اگر ایسا نہ کرتے تو ہمکو خود خیرباد کہا جاتا
اور اپنی برادری سے خارج کردیے جاتے جو ایک معمولی ذلت نہیں۔ لیکن ہم
میں کالے آدمی سے نفرت کرنیوالے صاحبیت کے شوقین بدوضعی پر فخر کرنیوالے
ہر جگہ پیش پیش ہر طرف انکی عزت ہر بات میں پوچھ پھر کون وجہ ہی کہ انکو اپنی برائیوں پر
ناز نہوا اپنے سچے ہمدردوں سے عاجزانہ التجا ہی کہ ہمکو اپنی سوسائٹی کو وہ صورت
دینا چاہیں اور اُس میں وہ اثر پیدا کرنا چاہیے کہ ہم میں سے کسی کو اپنی سوسائٹی
کے اخلاق اور آداب کے خلاف کرنے کی جرأت نہو کیونکہ ہماری اور ہمارے
کالج کی عزت اسی میں ہی اور اس عزت کا قائم رکھنا ہمارا معمولی فرض نہیں۔

عبدالحکیم۔ از علیگڈھ۔

مسٹر سید محمد مستحسن صاحب زیدی جو ہمارے کالج سے گریجویٹ
ہوکر ولایت گئے ہیں، اب کیمبرج یونیورسٹی سے بی اے کے
حصۂ اول میں کامیاب ہوگئے۔ خدا مبارک کرے۔

ایک خط

مجھے شرمندہ کرنے کو آپ کا پوسٹ کارڈ ضابطہ کی پابندی میں تقاضے کے لیے آپہنچتا ہی۔ اگر آپ کا یہی اصرار رہا تو مجھے خوف ہی کہ ایک روز مجھے مجبوراً بیچاری زبان اُردو کی ٹانگ توڑنا ہی پڑیگی، مگر نتیجہ میرے اور بیارے اولڈبوائے کے لیے اچھا نہوگا؛ کیونکہ مجھے ڈر ہی کہ قبلہ و کعبہ حضرت اکبر کوئی نہ کوئی فتوے میرے یا پرچہ کے خلاف ضرور لگا دینگے اور بالفرض اُنہوں نے یہ کہکر درگذر ہی کردیا کہ کھیلنے دو لونڈے ہیں، انکا زمانہ ہی، زبان سے ہی کھیلے تو چنداں مضائقہ نہیں، بڑے ہوکر سنبھل جائینگے" تو بھائی سجاد حیدر کوئی نہ کوئی فقرہ چھوڑے بغیر نہ رہیں گے۔ مینے کچھ لکھا بھی تو "پنجابی" یا بہاری اردو میں لکھونگا جسکو آپ ہی کے دوستوں سے کوئی "ڈھکی" یا "مرہٹی" اردو کہکر مجھے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دینگے اور اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بیچارے "اولڈ بوائے" کی مضمون نگاری کا میدان تنگ ہوجائیگا اور دوسرے لوگوں کی خامہ فرسائی کی اُمنگیں دل کی دل ہی میں رہ جائینگی۔ لیکن اگر آپکو اور آپکے خریداروں کو مستند "پنجابی" یا "مرہٹی" اردو دیکھنے اور سُننے کا اشتیاق ہی تو بھائی سرفراز خاں اور الطاف حسین صاحب ایلچپوری کی خوشامد کیجیے۔ دوسری مشکل یہ ہی کہ میں مسلمان ہوں، نو مسلم نہیں بلکہ پشتہا پشت سے مسلمان ہوں۔ قلم اُٹھانے کی لیاقت کہاں سے لاؤں۔ دل میں شوق اور آرزو موجود ہی کہ "اولڈ بوائے" کے میدان میں جہاں اور سب گھوڑے دوڑا رہے ہیں تم بھی اپنا ٹٹو ڈال دو۔ پسنڈی کوئی تو ہوگا تم ہی سہی۔ رخ رخ کرتے اور کچھ نہیں تو چکر تو پورا ہی کرلینگی

اتنا بہت ہے۔ مگر سواری سیکھی نہیں، اسلئے ٹٹو کیا گدھا بھی ہو تو اس کی پیٹھ پر بیٹھنے کی ہمت نہ پڑے۔ میری کم ہمتی اور کاہلی کے تازہ ترین شاہد بھائی ظفر عمر ہیں اُن سے پوچھیے کہ ایک نین روز کا کام آج شاید تین مہینے گذرنے پر بھی نہ ہو سکا اور اللہ ہی ہے جو کبھی پورا ہو سکے۔ میں آپ سے کیا کہوں کہ کس کس سے شرمندہ ہوں۔

"اولڈ بوائے" کی خدمت کا حق جو مجھ پر ہے اُس سے خوب واقف ہوں اور اُس حق میں بوجہ اُس خاص تعلق اور تعارف کے جو مجھے اور میرے خاندان کو بھائی شوکت سے ہے اور رہا ہے اور تخصیص ہو جاتی ہے۔ حتےٰ کہ اس پیارے پرچہ کو اگر میں اپنا کہوں تو غلط نہ ہوگا، اسلئے آپ میری اس خجالت اور شرمندگی کا جو اس کی خدمت سے قاصر رہنے سے مجھے ہونی چاہیئے اور ہوتی ہے بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ بہر حال آپ دوستوں کے فقروں سے محفوظ رکھنے کا وعدہ کریں تو (مضمون نگاری تو نہیں) نامہ نگاری کا وعدہ کرتا ہوں اور آپکے حسب خواہش کبھی اولڈ بوائز موجودۂ صوبہ متوسط و برار کے حالات سے جہانتک ہو سکے گا مطلع کرتا رہونگا۔ چنانچہ یہ سُن کر آپکو خوشی ہوگی کہ میرے ہمنام مرزا محمد اکرم صاحب یا آغا محمد اکرم صاحب جو اَب صرف محمد اکرم خاں رہ گئے ہیں ماہ حال میں اُنکی ترقی سکینڈ گریڈ میں ہو گئی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انکی خوبیوں کے صلہ میں ہم انہیں جلد سپرنٹنڈنٹ پولیس دیکھیں گے۔

برادرم الطاف حسین صاحب عرصہ کئی ماہ کا ہوا کہ ضلع ہذا سے حلقہ انسپکٹر مقرر ہوکر نرسنگھ پور تبدیل ہو گئے ہیں۔ یہ حضرت برار کے باشندے ہیں اور کالج میں شاید ۱۹۰۱ء میں تشریف لے گئے تھے اور کئی سال تک نئی بارک میں اپنے عزیزان اصغر حسین صاحب، لیاقت حسین صاحب اور سراج الدین صاحب کے ہمراہ مقیم رہے، ۱۹۰۶ء میں سب انسپکٹری کے امتحان میں کامیاب

ہو کر ضلع بالاگھاٹ میں تعینات رہے، اب ضلع ایوت محل سے ترقی پاکر نرسنگھ پور تشریف لے گئے ہیں۔ اُنکی ایمانداری اور سادگی کا اثر اُنکے افسروں پر اچھا پڑا ہے اور مجھے بیحد خوشی ہے کہ وہ کالج کی نیکنامی کا باعث ہیں۔ اُنکے دوست جنھوں نے اُنہیں کالج میں دیکھا ہے اب اُنہیں شاید بمشکل شناخت کر سکیں گے۔ برار میں گوشت کی گرانی کا شاید وہی باعث ہوئے ہیں اور سب لے بھاگے ہیں۔ باتوں میں حسب معمول سوتے جاگتے کا تماشہ کرتے ہیں گویا پاؤ بھر کا افیون کا گولہ کھاتے ہیں۔

بھائی حافظ ولایت اللہ صاحب ناگپور سے تبدیل ہو کر ہمارے پڑوس میں ضلع امراوتی و برار میں آ گئے ہیں۔ اس بات کی انہیں مبارکباد دیتا ہوں، کیونکہ جہانتک مجھے علم ہے بھائی مصباح العثمان نے ابھی تک کوئی ایورل بنک اُس ضلع میں قائم نہیں کیا۔ (باقی آیندہ)

محمد اکرم۔ از ایوتمحل (برار)

امتیازی نشان

مسٹر ایس ایم عبد اللہ رحمانی صاحب کا نوٹ اولڈ بوائے ماہ اپریل سنہ ۱۲ء میں پڑھا یہ مسئلہ چونکہ عرصے سے "اولڈ بوائے" میں زیر بحث ہے اسواسطے میں خیال کرتا تھا کہ ایک نہ ایک دن اسکا فیصلہ ہونا ہے۔ سال گذشتہ میں جو تجویز انگشتری کی قومی تحریک میں آئی تھی مجھے اُس سے اتفاق تھا اور اب بھی ہے آج مسٹر عبد اللہ صاحب کی تجویز "میڈل" معائنہ میں آئی۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے

کارڈ تھا نہایت ضروری جسکا انتظام علی گڈھ میں ہی ہو ہر ایک بھائی علی گڈھ سے حسب ضرورت منگوائے اور حسب ضرورت چھوڑ آئے اُنکے مانوگرام سب کے

ایک وضع کے ہونگے۔ مگر میرے خیال میں تو ہر ایک کارڈ کی طرز تحریر بھی ایک ہی وضع کی ہو شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک جہاں کہیں کوئی اولڈ بوائے ہو اُسکا وزٹنگ کارڈ ایک ہی وضع کا ہو صرف نام یا القاب کی تبدیلی اسمیں ہو۔ اسطرح ہر ایک بھائی ایک ہی نظر میں کارڈ دیکھکر علی گڈھ اور اُس کے طالب علم کی شناخت کر سکیگا۔

انگشتری کے متعلق جس طرح جاڑوں میں دستانے کے نیچے چھپنے کا اندیشہ ہے اُسی طرح گرمیوں کے زمانہ میں میڈل لگانے کے لیے ایک کوٹ ضرور لینا پڑیگا۔ علاوہ ازیں میڈل معلوم نہیں کہاں لگانا تجویز کیا گیا ہے۔ جاڑوں میں اوور کوٹ کی ضرورت ہر ایک کو ہوتی ہے۔ تو صبح کے وقت غالباً میڈل اوور کوٹ پر لگیگا وہ پھر چھوٹے کوٹ پر اور گرمی محسوس ہوئی تو ویسٹ کوٹ پر بعض صاحب ضرور انگشتری کے عادی نہیں ہیں مگر لوجہ ہوے اولڈ بوائے کے میرے خیال میں اُنکو پہنا چاہیے اور پہنا پڑیگی باقی رہا یہ امر کہ وہ دوسری مجالس کی انگشتریاں بھی ہیں۔ میرے خیال میں تو اولڈ بوائے انگشتری ہر ایک کے پاس لازمی ہو باقی انگشتریاں ان لاجون میں شامل ہونے کے وقت مستعمل ہو سکتی ہیں۔ بہرحال میرا یہ خیال ہے۔ آپ ان سب امور پر غور کر کے رائے زنی فرمائے جو امر اتفاق راے سے طے پائیگا اُس سے مجھے بھی اتفاق ہوگا

محمد علی از امرتسر

مسٹر مرزا نذیر بیگ صاحب دوم تعلقدار پربھنی (دکن) حضور نظام کے صرف خاص کے صدر محاسب مقرر ہوئے ہیں۔ اور اس عہدہ کا جائزہ لیکر اُنھوں نے اعلیحضرت کے حضور میں نذر بھی پیش کر دی ہے مبارک ہو

سیر کالج

(٭)

از بنارس نہ روم معبد عام است اینجا
ہر برہمن بچہ لچھمن و رام است اینجا

خدا معلوم مرحوم علی حزیں کس دُھن میں اس شعر کو کہہ گئے، ورنہ ہم سے پوچھا جائے تو ہم یہی کہیں گے کہ سنٹرل ہندو کالج، عالمگیر کی مسجد اور بدہوں کے چند آثار قدیمہ کے سوا وہاں کیا دھرا ہے۔ رہی گنگاجی کی سیر اور صبح بنارس کی کیفیت اُسے کچھ وہی لوگ خوب جان سکتے ہیں جنہوں نے اسکا لطف اُٹھایا ہے۔ ہم سے کوئی قسم لے کر پوچھے تو ہم اتنے کے گنہگار ضرور پائے جائینگے کہ ایک مرتبہ مرحوم مسٹر عزیز مرزا اور مسٹر محمد علی آکسن کے ساتھ اُدھر نکل گئے تھے یا ایک بار اور اپنے دیرینہ دوست مسٹر ناک راؤ وٹھل راؤ چدر آبادی کی تلاش میں ہمارا گذر گنگاجی پر ہو گیا تھا۔ ایسی حالت میں بنارس چھوڑنے کے لیے اور وہ بھی علیگڈہ کی خاطر ہمیں جسقدر افسوس ہوا ہوگا، ظاہر ہے۔ البتہ ہمیں اس بات کا ہمیشہ ملال رہیگا کہ جن اولڈ بوائز یا دوسرے ہندو مسلمان دوستوں سے میل ملاپ تھا۔ اُنکی صورتیں دیکھنے اور اُنکی باتیں سننے کے لیے ایک عرصہ تک ہمیں موقع کا انتظار کرنا پڑیگا۔ ہم اپنے بنارس کے بھائیوں اور دوستوں کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے دل میں اُن کی مہربانیوں کی ہمیشہ یاد رہیگی۔ خاصکر ہم اپنے اڈیٹر مسٹر عترت حسین کی مدد کے ممنون رہینگے

ہم نے سیر کالج" پر کچھ لکھنے کے لئے قلم اٹھایا تھا مگر احباب بنارس کی یاد نے بیساختہ ہمارے خیال کو اپنی جانب متوجہ کرلیا اور اب ہم اس کشاکش میں پڑے ہیں کہ کاشی جی کی یاد کریں یا اپنے ناظرین کو کالج کے پر لطف مناظر دکھائیں۔ مگو نہیں!

ہم احباب بنارس کی محبت کو اسوقت اپنے گوشۂ خاطر میں چھپا کر اپنے ساتھ اپنے ناظرین کے خیالات کو پریشان کرنا نہیں چاہتے اور اُنہیں عالم خیال میں مادر کالج کی سیر کرانا چاہتے ہیں۔ ۱۹۰۳ء اور اُس سے پہلے کے بہت کم لوگ ایسے ہونگے جنھوں نے کالج چھوڑ کر ادہر کا رُخ کیا ہو۔ یہ غالباً اس لیے نہو گا کہ انہیں مادر کالج سے محبت نہیں یا اپنے یگانۂ روزگار پیشرو (سرسید مرحوم) کے مزار پرُانوار پر فاتحہ پڑہنے کی اُنہیں تمنا نہیں بلکہ ہماری طرح بہت سے ایسے ہونگے جنہیں زمانہ کی کشاکش نے مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال میں پُہنچا دیا ہوگا یا اُنکی مقامی مصروفیتیں اُنہیں گہر سے نکلنے کی اجازت نہ دیتی ہونگی۔ بہت سے ایسے ہی ہیں جو سال میں چھہ چھہ چکر کرکے بہی سیر نہیں ہوتے اور یہی کہتے ہوئے یہاں سے رخصت ہوتے ہیں ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اکثر ایسے ہیں جو سالانہ ڈنر پر آنا اپنا فرض عین خیال کرتے ہیں اور کچھہ ایسے بہی ہیں جنھوں نے مادر کالج میں پرورش پانا، اس کی خدمت کرنا اور رہیں مرگ "حیات جاوید" حاصل کرنا اپنی زندگی کا مقصد قرار دے لیا ہے۔ سچ پوچھیے تو یہی لوگ قابل ستایش ہیں۔

۱۹۱۱ء کے ڈنر کے بعد خدا خدا کرکے اس سال کے ڈنر کا اعلان کیا گیا تہا اور ہماری آرزو تہی کہ ہم بہی اپنے بچھڑے ہوئے بہائیوں سے ملیں اپنی کہیں اُنکی سُنیں مگر ہم آتے تو کیا منہ لیکر آتے۔ کچھہ تو ہمارے فرائض نے ہمیں مجبور کر دیا اور کچھہ اس خیال سے نہ آئے کہ ہمارے بہائی اور "اولڈ بوائے" کے ناظرین ہم سے خفا ہیں۔ ہم اپنا مُنہ انہیں کیا دکہائیں۔ غرض اس مرتبہ ہم بہائی سرفراز خاں کی

"حلوہ خوری" سے محروم رہے۔ ہم ناظرین "اولڈ بوائے" سے اب بھی محجوب ہیں اور جبتک اس کی حالت اچھی نہ بنا لینگے شرمندہ رہیں گے۔

خیر! یہ تو رعب جمانے کے لہجہ میں ہمارا جزع و فزع تھا اب آئیے ہم آپ کو کالج کی سیر کرائیں۔ اسٹیشن سے کالج کی طرف آنے میں آپکو ہمارے بہت سے آثار نظر آتے ہونگے مگر احاطہ کے دہنے پھاٹک میں سب سے پہلے آپ کو جو چیز دکھائی دیتی ہے وہ ایک طرف تو چند عمارتیں، یا ورچیخانہ اور رسالدار منزل ہے اور دوسری جانب "کرزن ہاسپٹل"۔ ہمیں سوسائٹی میں مسٹر مفتدی خاں (پہاڑی مٹھو) کے ساتھ ہم آشیاں ہونے کے بعد اس مرتبہ سب سے پہلے جس چیز سے سابقہ پڑا وہ یہی "کرزن ہاسپٹل" تھا۔ ہماری صورت دیکھکر ڈاکٹر شفاعت اللہ صاحب (ناظرین کو ڈاکٹر صاحب کا پرانا نام ضرور یاد ہوگا) نے ہمارا خیر مقدم کیا اور نہایت مہربانی سے ہماری آنکھوں میں دوا ڈالی۔ مگر ایک دوسرے ڈاکٹر صاحب کا یہ فقرہ سن کر ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ ایک آنکھ اچھی ہی تم اس سے کام کرسکتے ہو۔ الحق! آنکھیں کہتی ہیں کہ اب کی مرتبہ اگر پھر آجائینگے اور ڈاکٹر صاحب کی ضد تھی کہ تم ہمیشہ کے لیے رخصت ہو۔ غرض حکیم الیاس خاں صاحب (طبیب کالج) کے علاج سے ہم جلد اچھے ہو گئے۔

ہمارا دفتر ابھی کسی جگہ مقرر نہوا تھا اسلیے ہم جہاں بیٹھ جاتے وہیں ہمارا دفتر ہوتا لیکن زیادہ وقت ایسوسی ایشن کے دفتر میں گذارتے۔ یہاں خوش گپیوں اور کام میں زیادہ سابقہ مسٹر شوکت علی آنریری سرفراز خاں سے رہتا جو ایسوسی ایشن کی خدمت نہایت جانفشانی سے کر رہے ہیں لیکن اکثر ایسا ہوتا کہ ایسوسی ایشن کے کاموں سے محبت رکھنے والے اپنے دفتر کے دیکھنے اور اپنے سکرٹریوں کی جانکاہیوں کی داد دینے کے لیے آنکلتے۔ اور ہم سے بھی انکی ملاقات ہو جاتی۔ آئیوالوں میں

مسٹر عامر مصطفیٰ خاں، مسٹر اکرم خاں، مسٹر عبدالرزاق، مسٹر عزیز اللہ، مسٹر عظیم داد خاں
مسٹر عبدالکریم، مسٹر روح الامین، مسٹر منظر علی، مسٹر محمد جنید، اور مسٹر سید صغیر علی
ہیں۔ مسٹر عبدالرزاق (مشہور کمر کٹر) نے ملازمت کی بندشوں کو پسند نہ کرکے یہاں
ایک جنرل اسٹور قائم کیا ہے اور اپنے کام میں مصروف ہیں۔ سنا ہے کہ اپنی دکان
سے گلگلوں کی دعوت کرنیوالے ہیں۔

ہمارے ناظرین کو خواہش ہو گی کہ آخر یہ دفتر ہے کہاں۔ آیئے ہم آپکو بتا دیں۔
آپکو یونین کا نام یاد ہوگا، نہیں نہیں آپ بارہا اس مختصر مگر پیاری عمارت میں آ لئے
ہونگے۔ آپنے سیکڑوں مقرروں کو یہاں تقاریر کرتے سنا ہوگا اور آپنے خود یہاں
بڑی بڑی تقریریں کی ہونگی۔ اسی میں فی الحال آپکی الیوسی ایشن کا دفتر ہے۔ زیادہ
تفصیل کی ضرورت ہو تو عالم خیال میں گرجولس ایج کھڑے ہوکر مشرقی گوشہ کی سمت
اپنے قدیم ڈرائنگ روم میں الیسوسی ایشن کا دفتر دیکھ لیجیے۔ اس کمرہ کو مسٹر شوکت علی
دُلہن بنانا چاہتے ہیں۔ آپکی "اولڈ یونین" کی عمارت میں یونیورسٹی کا دفتر ہے۔
جسکے سر دفتر مولوی ادریس احمد صاحب ہیں اور لائبریری کا کمرہ معہ ملحقہ کمرہ کے
آغا ابوالقاسم صاحب ایرانی کے رہنے کو دیا گیا ہے خبر ہے کہ یہ سب نکالے جائینگے
اور سکرٹری صاحب (کالج) کا دفتر آپ کی یونین میں آئیگا۔ خلاف موقع نہو تو
ہم یہاں یہ بھی کہدیں کہ ٹرسٹی صاحبان کے روپیہ سے ایک عالیشان "ٹرسٹیز لاج"
بنائی جائے اور وہاں سکرٹری صاحب کا دفتر ہو۔

یہاں آکر اپنے فرائض کے متعلق ہمیں سب سے پہلے "مجسٹریٹ صاحب ضلع" کی
اجازت کی ضرورت تھی۔ ہم اپنے عزیز بھائی مسٹر عبدالمجید خواجہ کے ممنون ہیں جنھوں
نے ہمیں قانونی مشورہ دیا۔ مسٹر عبدالحکیم اور مسٹر انوار الہدیٰ بھی ہمارے شکریہ کے
کچھ کم مستحق نہیں کہ کچہری میں یاجوج ماجوج کی طرح ہمارے ساتھ رہے۔ منظر

کچھ اپنی باتیں

بھائی کیا لکھوں آجکل ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہوں۔ قسمت کی گردش پاؤں میں اتر آئی ہے۔ بمبئی میں اپنا دانہ پانی کٹ گیا۔ اس موقع پر تو مرحوم محسن الملک کی یاد آرہی ہے۔ انکا گاڑی میں سوار ہو کر کہیں راستہ میں رک کر کسی راہ چلنے والے پروفیسر صاحب یا کسی طالب علم سے دو باتیں کر کے اپنے گاڑی بان سے نہایت متانت کیساتھ گویا کہ یہ اسی کا قصور تھا کہ اسنے گاڑی روکی یہ کہدینا "بڑھاؤ۔ صاحبزادہ صاحب کی کوٹھی پر چلینگے"۔ یہاں تو یہ رنج ہے کہ کسی صاحبزادہ صاحب کے ہاں جانیکا انتظام ہی نہیں۔ ریل میں ٹھیکر یہ کہنے کی مجال نہیں کہ "بڑھاؤ۔ بانکیپور چلینگے"۔ جب دام دیں ٹکٹ مول لیں۔ گاڑی کا انتظار کریں۔ خوب دریافت کرنے کے بعد اسی گاڑی پر چڑھیں جو بانکی پور جائیگی تو کہیں بانکیپور دیکھنا نصیب ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ فکر معاش بڑی بری چیز ہے۔ انسان اگر قاتل سے قاتل زہر بھی کھالے تو اس سے بچنے کی امید ہو سکتی ہے۔ مگر یہ کہیں پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اب میں بیچارہ یہاں بیٹھے ہوئے دال روٹی کھایا کرتا تھا بمبئی کے سیٹھوں کی خیر مناتا تھا۔ انکے پیروں کا احسان مانا کرتا تھا چپ چاپ اپنی جھونپڑی میں پڑے ہوئے اپنی کتابوں سے جی بہلا لیتا تھا۔ مگر اب یہ کہاں۔ کہاں بمبئی اور کہاں فدوی بس اب چند دنوں کے ٹھاٹھ ہیں کہاں آزاد اور کہاں چوپاٹی۔ وہ چوپاٹی جو بقول کالج کے چشم فردوس وکٹ ماشکن سیروں کے جولانگاہ شاہدان پارسی ہے اب تو پڑاؤ کہیں اور ہوگا۔ چٹ پٹ پیالنے پٹنہ کی راہ لینی ہوگی اور چوپاٹی کی سیر لپیٹ سب دھری رہ جائیگی۔ ہائے رے دنیا کا جنجال۔ بھائی کیا بتلاؤں۔ ایسے موقع پر کچھ اپنی پرانی کمزوری جدت پر آرہی ہے

شعرگوئی کا ایک زمانے میں خبط تہا وہ پہر مجہے خوف ہی کہ زندہ ہوا چاہتا ہی دلمیں آیا تہا کہ ایک قصیدہ لکہوں مگر بہتیرا سر مارا شعر تو کیا ایک مصرعہ بہی موزوں نہ کرسکا
کمبخت آزاد۔ یہ تجھے کیا ہوگیا ہی جو توان ذرا ذرا سی باتوں پر اپنی جان کہوئے بیٹہنے کو تیار ہی۔ آخر بمبئی نہ رہی اور اس کی چوپاٹی نہ رہی اور بانکیپور رہی بیڑا تو کیا رنج! تجھ جیسے کوچ پسند۔ کرسی نشین۔ گہر سے نہ چل دہوپ لگیگی" شخص کے لیے کیا بمبئی اور کیا بانکیپور۔ مگر اس پیروں کی سایہ والی بمبئی کو چہوڑ مارتے ہوئے۔ بہائی قدرتے رنج تو ضرور ہوگا۔ پہر اسکا بہی خیال کرنا پڑتا ہی کہ وکیل کہاں کے؟ جہاں موکل زیادہ ہوں۔ دوستوں میں صلاح مشورہ کے بعد یہی طے ہوا کہ بہاری آب و ہوا ان معاملات کے لیے خاص طور پر موزوں ہی۔ مجہے روٹی ٹکرے کی فکر پہلے ہی سے تہی۔ مگر یہی شہر کچھ میںنے خاص طور پر اپنے قیام کے لیے تجویز کیا ہی نہیں۔ صرف یہ تہا کہ تعلقات پرانے تہے اس شہر کو یہ اعزاز حاصل ہی (یہی یہ بات صرف میرے تمہارے کانوں کے لیے ہی) کہ یہ میرا پیدائشی وطن ہی اور کچھ ابتدائی دوست احباب بہی یہاں رہتے ہیں اور کچھ شروع شروع کی تعلیم (لفظ تعلیم شروع شروع کے لیے مناسب ہی۔ بعد میں تو انسان ترقی کرنے لگتا ہی) بہی یہیں ہوئی اسوجہ سے کچھ زیادہ اس شہر والوں سے انس ہی۔ اور والدین۔ انکی تو۔ لڑکا جہاں ہو دعا چاہیے ورنہ ایسے تو میرے بمبئی سے جو کچھ تعلقات ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ قلم کا بار برداشت کرسکیں گے تاہم اسے چہوڑتے ہوئے کچھ طبیعت میں غبار ضرور آجاتا ہی۔ خیر یہ شکر کی جا ہی کہ آخر الف نے جو ترقی پائی تو بے سے بے ثانی تک آزاد بمبئی اور بانکیپور۔

یہانتک تو میں کچھ اپنا ہی دکہڑا سناتا رہا۔ اب جی چاہتا ہی کہ ناظرین کی حالت پر رحم کروں اور چند مزیدار باتیں بہی سناؤں (اگر کسی وقت بہی میں اس قابل ہوسکتا ہوں

کہ مزیدار باتیں کروں) رات کے ساڑھے نو بجے کا وقت تہا۔ میں اپنے مکان کی گیالری میں کھڑا ہوا تہا۔ سامنے سمندر۔ اوپر کچھ حدتک آسمان۔ پہر چہت۔ نہایت مرغوب ٹھنڈی ہوا۔ چاروں طرف ایک سکوت کا عالم۔ میں بہولا سوا سمندر کی موجوں کے سب ایک غور و خوض کی حالت میں غرق معلوم ہوتے تھے۔ چونکہ غریب خانہ لب سمندر ہی ان تمام پرلطف نظاروں کے دیکھنے کا موقع ملتا ہی۔ یکایک بحت جو میری نظر دا ہنے طرف دوڑی تو کیا دیکھتا ہوں کہ چار نو عمر گبرو جوان اچکن ڈاٹے ہوئے وہی بڑے بڑے پائنچوں کے پجامے جو بمقابل چہوٹی چہوٹی پنڈلیوں ٹخنوں سے اوپر چڑہے ہوئے پجاموں کے علیگڈہ کی خاص نشانی ہی (خدا ان پنڈلیوں کو غرق کرے) وہی پہندنے دار ٹوپی اڑائے ہوئے۔ جہومتے جہامتے شانے لڑاتے مذاق مارتے (پہندنا بہی اسکے ساتہہ) بیفکری کے آسمان میں تہنگہ لگاتے سڑک پر آتے ہوئے نظر آئے۔ مینے کہا کہ ہو نہو یہ علیگڈہ کے لڑکے ہیں۔ جی نہ مانا۔ بیوی سے جاکر چند لمحوں کی غیر حاضری کی معذرت چاہی داخلی دروازہ کہولا۔ سیڑہی اتر سڑک پر پہنچکر ان چند گبرو جوانوں کے پاس پہنچا دیکھتے ہی ہمارے قومی قوال کو مینے پہچان لیا۔ مینے کہا۔ اخاہ بہائی منظور علی تم ہو؟ کہو کیسے ہو؟ اچہے تو ہو؟ کہاں ٹہیرے ہو؟ کیا حال ہی؟ کسطرح گذر ہوتی ہی۔ غرض یہ علی گڈہ کا داستان عریض سے طویل ہو گیا۔ کچہہ انہوں نے کہا۔ ہم نے سنا۔ کچہہ ہم نے کہا انہوں نے سنا۔ علیگڈہ کے بہائی تھے ہی تھے۔ بلا تعارف بلا پس و پیش ہم دہ ایک ہوئے گویا چہار درویش میں آزاد بخت بہی آ پہونچے۔ پہر کیا تہا۔ (بہئی معاف کرنا۔ اس موقع پر بے نفس کلام سے کسقدر دور ہو جانا پڑتا ہی۔ سچ تو یہ ہی کہ اولڈ بوائے میں امتیازی نشان کے متعلق مضامین میں پڑہ چکا ہوں انکو یاد کرتے ہوئے کچہہ ہنسی آتی ہی۔ بقول استاد اسکاٹ

اسکا کہنا تو میں ہی میں

ضروری تھا)

چونکہ میں اُس روز دلّی سے واپس آیا تھا اور سفر کا تھکا ماندہ تھا میں نے معذرت پیش کی کہ میں اُنکے ساتھ اُنکے اور احباب سے جو ایک نہایت ہی قریب مکان میں ٹھیرے ہوئے تھے ملنے کا اُسوقت شرف حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ منظور علی صاحب نے میری اس معذرت کو بخوشی منظور کیا۔ مجھ آزاد کو رہائی بخشی۔ میں اس خوشی میں کہ اُن تمام لڑکوں سے کہ جو آغا خاں ٹورنمنٹ کالج کی طرف سے ہاکی کھیلنے کے لیے آئے ہیں۔ کل ملونگا۔ بہت ہی سبک سبک اپنے گھر کی سیڑھی چڑھی اندر داخل ہوا۔ آرام گاہ میں پہنچکر اپنے آرام کی فکر کی۔ تھکا ہوا تو تھا ہی۔ یہاں بستر پر چڑھا اور وہاں دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ رات کو کچھ ڈراونے خواب آئے۔ کیونکہ برادر شفقت حسین کو وہو کا دینے دہلی سے میرٹھ روانہ کر کے سیدھا بمبئی چلا آیا تھا اسکا خوف نورالایمان پر اتبک غالب تھا۔ سچ تو یہ ہی کہ دلی میں بعد ایک مدت مدید کے خوش گلوان ہند کا جوگا نا سنا تو دریائے عشق میں تلاطم ہوا۔ اور میں سیدھا گھر کو دوڑا۔ کچھ اور مزیدار ہی خواب آئے صبح کی جو امید تھی اُسنے خیالی جسم حاصل کر کے اپنا چاند سا مکھڑا بتلایا غرض یہ کہ اس دنیا کے روشن کر دینے والے طبق کے طلوع تک خوف و خوشی کے درمیان خیالی تنازع ہوتا رہا اور مجھے سست پلنگ پرست انسان کو اس خیال نے جگا دیا کہ جاؤ تمہیں اپنے علیگڈھی بھائیوں سے ملنا ہی۔

سورج نکلتے ہی آنکھیں ملتے سستی دور کرتے۔ جمائیاں لیکر ڈاڑہی مونچھ صفاچٹ کپڑے بدل کر وہاں پہونچا۔ جہاں علی گڈہ کی ہوا چل رہی تھی پھر ہم تھے اور ہمارے احباب کیا کپتان صاحب۔ کیا سکرتار۔ ہر ایک سے ملے اودہر اُدہر کی باتیں ہوتی رہیں دن دوپہر کے قریب چڑھ چکا تھا اور اُن سے جبراً رخصت ہو لیے۔ مگر یہ وعدہ ضرور تھا کہ شام کو پھر ملینگے۔

شام کا انتظار صبح ہی سے ہو رہا تھا۔ آفیس کے کاروبار سے (کاروبار کا تو خدا ہی حافظ ہی) جونہی فرصت ہوئی تو میں وہاں پہنچا۔ جہاں علیگڈہ موجود تھا۔ پھر وہی باتیں جو علیگڈہیوں میں ہوتی ہیں۔ مذاق کچھ ٹھٹھا۔ شکایت۔ دو تین گھنٹہ اسی طرح اس پر لطف صحبت میں کٹے۔ اپنے پرانے ہمعصروں سے ملکر جو دلی خوشی مجھے حاصل ہوئی تو اُسکو میں بیان نہیں کرسکتا۔ حالانکہ وہ اسوقت ٹیم کے ہر کاپ بحیثیت طالب علم کے نہ تھے پھر بھی اُنکی باتوں سے وہی طالب علمی کے زمانے کی بیفکری کا رنگ جھلک رہا تھا۔ معلوم ہوا۔ محبوب عالم صاحب اُنکے کپتان تھے۔ اور کیوں نہو کپتان خود ایک بڑے بانکے جوان اور ٹیم کے سکرٹری سرور علیصاحب تھے۔ پیر سید مسعود الحسن رضوی سلمہ تعالی جنہوں نے طالب علمی کا جبہ کھونٹی کے حوالہ کیا ہی اور جناب نورالدین صاحب بالقابہ (مجھے اسوقت انکی ڈگریز یاد نہیں) اور ایک اور صاحب جو ٹیم کے لٹھ باز۔ تماشہ نواز۔ فیل صفت۔ شیر خصال۔ میرزا صاحب ماضی میں مالک حال تھے اُن سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔

ٹیم کے کارناموں کا لکھنا میں کسی ایسے صاحب کے سپرد کرتا ہوں کہ جو وقایع نگاری کے امتحان میں اعلیٰ سند پاچکے ہوں۔ میں صرف اپنے خیالی پلاؤ کو بگھاردوں۔ مجھے اُن بوسیدہ۔ بے حصول واقعات سے کیا مطلب کہ کون ہارا اور کون جیتا۔ میرے نزدیک تو ہارنے اور جیتنے سے جو زیادہ اہم بات ہی وہ یہ ہی کہ کس میں وہ اصلی مادہ تھا اور کس میں نہیں جس سے رنگیلے شیردل کھلاڑیوں کی شان ظاہر ہوتی ہی۔ تھوڑے ہی دن گذرنے پائے تھے کہ خاکسار کے نام نواب وقارالملک بہادر صاحب کا ایک تار آیا کہ جس میں اُنہوں نے دریافت فرمایا کہ میں فٹ بال ٹیم کے پیٹرنیکا انتظام کرسکتا ہوں۔ میں تو ایسے موقعوں کی تاک میں ہی رہتا ہوں کہ جب تھوڑی بہت خدمت مجھ سے کالج کی ہو۔ کردوں۔ میرے نزدیک تو اُس تار کی ضرورت ہی نہ تھی

کیونکہ میرا غریب خانہ۔ بیں جہاں کہیں ہوں کالج کے متعلقین کے لیے ہمیشہ وقف رہیگا۔ چند دنوں بعد فٹ بال ٹیم بھی آن وہنچی۔ کچھ دنوں تک کوئی میری آنکھوں سے دیکھتا کہ بمبئی میں کیا شان دکھائی دے رہی تھی۔ فٹ بال ٹیم کے کپتان صاحب لنگڑاتے ہوئے (معلوم ہوا اُن دنوں میں اُنکے ایک پیر میں جبلپور میں میچ کھیلنے کی وجہ سے چوٹ آئی تھی) صبح سویرے میرے مکان پر پہنچے اُنکے ساتھ ٹیم کے سکریٹری خلیق الزماں صاحب بھی تھے جن کی تعریف بعد میں معلوم ہوئی کہ جناب کالج کے لڑکوں میں سنترے کے رسیلے نام سے مشہور ہیں۔ اور جب کبھی اُنہیں اس نام سے یاد کیا جاتا تھا تو بہت ہی تیور سیڑھا کر اُس مجرم کی طرف مخاطب ہوا کرتے تھے۔

یہاں پر یہ کہدینا چاہیے کہ ہاکی ٹیم کے ٹھیرنے کا انتظام آنریبل مسٹر فاضل بھائی کریم بھائی صاحب کی دریا دلی کی وجہ سے ہوا تھا اور وہ یہاں قریب چھ ہفتہ کے رہی اور سبھوں کو سوا نورالدین صاحب کے اس امر پر اتفاق تھا کہ بمبئی کی آب وہوا بہت اچھی ہی جو کچھ نان و نمک حاضر تھا وہ فٹ بال ٹیم کے پیش کیا۔ اب مختصر طور پر ان دونوں ٹیموں کی ہنگامہ آرائیوں کا ذکر میں اسطرح سے کرسکتا ہوں کہ اُنہوں نے بمبئی میں جتنی بھی میچیں کھیلیں۔ سب میں علی گڈہ کا رنگ تبلایا۔ یعنی وہی تیزی وہی جوانمردی وہی نڈرپن وہی باقاعدگی اور وہی جوش جو علیگڈہ کے حروف میں مرکب ہی۔ اگر علیگڈہ اُس شیر خدا کے نام سے قائم ہوا تو پھر وہاں کے رہنے والوں میں یہ باتیں کیوں نہوں۔ میرا یہ یقین ہی کہ علیگڈہ سے دور دراز شہروں میں کالج کی ٹیموں کا جانا کالج کے لیے ایک نہایت ہی مفید بات ہوسکتی ہی کیونکہ میں جب اُن کے اوصاف کو پیش نظر رکھتا ہوں تو یہی یاد آتا ہی کہ کونسا وہ ایسا مدرسہ ہندوستان میں ہوسکتا ہی جو ایک نوعمر طالب علموں کا ایسا گروہ پیدا کرے۔ جیسے کہ علیگڈہ پیدا کرتا ہی۔ شاباش۔ اے علیگڈہ کے طالب علمو۔ تمہاری تعریف ہر جگہ اور ہر

زبان پر ہی۔ تم خواہ گیند بازی یا آبلہ آرائی میں جیتو یا ہارو۔ تمہاری شرافت تمہاری ہمت اور تمہاری دانست کا کوئی ایسا شخص نہیں ہی جو قائل نہو۔

جناب اڈیٹر صاحب آپ کی حسب فرمایش جو کچھہ میرا ناتوان دماغ ان دو ٹیموں کے بمبئی آنیکے متعلق سوچ سکا۔ حاضر ہی۔ اب میرے نزدیک کچھہ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں آیندہ بجے ایسے بے سلسلہ وار "کہ ہمارے کالج کے ٹرسٹی اور رشید آنریبل مسٹر فاضل بہائی کریم بہائی ابراہیم نے اُنکے قیام کا انتظام فرمایا ہی اور ہمارے عزیز مسٹر آزاد ایک عمدہ مکان میں مقیم ہیں" فقروں سے محفوظ رکھئے۔ یہ فقرہ مینے آپکے اپریل کے نمبر سے اقتباس کیا ہی۔ جس سے بڑھ کر مجھے خواہ مخواہ بنوق کلب کی منطق یاد آتی ہی۔

چند دنوں پہلے مجھے شملہ جانیکا اتفاق ہوا اتنا موقع پاکر مینے وہاں اپنے موعودہ مضمون "نادان فیلسوف" کے لیے کچھہ اور ذخیرہ اکٹھا کرلیا۔ وہ اگر زندگی باقی رہی تو بانکیپور سے حاضر خدمت کردونگا۔

راقم آزاد
از بمبئی

قلم تازہ:۔

یہ تو میں کہنا بہول گیا کہ راتو نکو ٹیموں کے کیا ٹھاٹھ رہتے تھے۔ چاندنی رات چوپاٹی کا پر فضا مقام اور چوتھے آسمان پر سے اُسکا نظارہ یعنی جس مکان میں رہنا تہا اُسکے چوتھے منزلہ پر ایک نہایت کشادہ کوٹھا جو میرے متعلق ہی وہاں ہماری یہ پارٹی قریب قریب روز رات کو ہوا کرتی تھی یہ تو ہاتہ اور منہ کا سلسلہ تہا پھر دماغی ورزش کے لیے بیت بازی تہی جس میں ایک صاحب کہ جو کالج میں مولانا عطا لوج کے نام سے مشہور ہیں شعروں کی ٹانگ توڑ توڑ کے شعرا کی روح کو بیتاب کردیا کرتے

تھے اور جب کبھی موسیقی کی دھن سماتی تھی تو پہلے سنجیدگی کے ساتھ اپنے قومی قوال کو سنتے تھے پھر مرزا صاحب اور سنترے صاحب سے لکھنؤ کے ایک شخص کی "تو نے بھینس کے ڈنڈا کیوں مارا" گوا کے یاد تازہ کر لیا کرتے تھے۔ اور آخیر میں کیا خوب بتایا ہی ڈپٹی صاحب نے بنگلہ گا کے گلے بٹھا دیتے تھے تاکہ سونے سے پہلے باتیں کرنے کی طاقت نہ رہی۔ ایک بات میں بھولا جسے میں چاہتا ہوں کہ ضرور بیان کروں۔ جو صاحب ہاکی اور فٹ بال ٹیم کا اکٹھا گروپ کالج کے کمرے میں دیکھیں وہ اگر مائکروسکوپ مہیا ہو سکتا ہی تو اس سے سید منظور علی صاحب کے اچکن کے بٹن غور سے دیکھیں کہ انہیں انگوٹھے کی تصویر اس میں نظر آئے۔ سید منظور علی صاحب خاص اسی لیے ایک سرے پر کھڑے ہیں اور انہوں نے خواہش بھی ظاہر کی تھی کہ لوگ انکے بٹنوں کو دیکھیں۔ اسلیے میں انکے بٹنوں کا اشتہار بلا چارج دیتا ہوں۔

آزاد

کالج سے نکلکر کیا دیکھا؟

جب تک کالج میں رہے ایک خواب خرگوش میں رہے یا جسے انگریزی میں کہتے ہیں کہ ایک فردوس ابلہاں میں رہے ایک بسم اللہ کے گنبد میں رہے ایک کتابی دنیا میں رہے۔ لکھنا پڑھنا۔ اور جو کچھ پڑھا اُس پر غور کرنا۔ اور پھر جہاں تک ہو سکا اُس پر عمل کرنا۔ اس دنیا کا ہر فرد بشر اپنی بساط کے موافق اس قاعدہ کلیہ کا پابند تھا اور یہی وجہ ہی کہ اب کالج سے نکلکر اُس دنیا اور اس دنیا میں وہی فرق معلوم ہوتا ہی جو روحوں کو عدم میں اور اس ہستی میں معلوم ہوتا ہوگا۔ کالج کی

دنیا میں کیا نہ تہا۔ کشمکش حیات کے مختلف رخ اپنی جہلک دکہائے بغیر نہ رہتے تھے۔

فکر کلاس ذکر بتاں یاد رفتگاں

سب کچھہ ہی تہا۔ فکر کلاس میں تو تعلیم و تعلّم کتب بینی اور امتحان کا فکر سمجھہ لیجیئے ہشیار طلبہ کو نمبر میں ترقی کرنے کا فکر کمزوروں کو اپنی جگہ قائم رکہنے اور امتحان میں کامیاب ہونیکا اندیشہ مارے ڈالتا تہا۔ ذکر بتاں میں بہت سی چیزیں آگئیں۔ اسکا انحصار ذاتی مذاق پر ہی۔ کسی کو فصاحت کا شوق ہی تو وہ رات دن نواب محسن الملک سید احمد خاں من موہن گوش برگ ڈیما سنتھنر ہی کا ذکر کرتا رہتا ہی اسی میں محو رہتا ہی۔ کسی کو کرکٹ کا شوق ہی تو وہ رنجیت سن جی اور ڈبلو جی گریس ہی کا وظیفہ پڑہتا ہی کوئی بلاغت کا شوقین ہی تو وہ اسی دہن میں محو ہی۔ غرضیکہ ہر ایک نے اپنے مذاق کے مطابق معشوق تلاش کر رکہے تھے اور انہیں کے ذکر میں خوش رہتا تہا یاد رفتگان میں قوم کے وہ سربرآوردہ بزرگ آگئے جنہوں نے راہ حق میں (یا جسکو موجودہ زبان میں کہتے ہیں ملک اور قوم کی بہبودی اور فلاح عام کے لیے) اپنی جان وقف کردی اور اب وہ خود تو سدہار گئے لیکن وقت کے ریتیلے سمندر میں مستقبل کی نسلونکی رہنمائی کرنے کے لیے نقش پا چہوڑ گئے۔ ایسے بزرگونکی یاد اُن کے نقش پا کا پتہ دینے والی ہوتی ہی۔ علاوہ ازیں عشق محبت خصومت خشونت کی جذباتی کشمکش سے بہی رہائی نہ ہتی۔ مگر عشق معصومانہ بعض وقت مجنونانہ سہی لیکن پاکبازی کا پہلو لیے ہوئے۔ محبت سچی زود بے لوث۔ خصومت ناپائدار۔ اصولی اور اوپری خشونت سوڈا واٹر کا سا جہاگ دریا کی سی موج ادہر آئی اُدہر گئی۔ کالج کے قانون سہی اور اُنکے نگہبان پروفیسران پراکٹر و سب پراکٹر سہی لیکن اصول حکومت جمہوری تہا اور واضع قوانین جمہور رفقا۔ اس جمہوری سلطنت کا کوئی ایک صدر انجمن نہ تہا مختلف

فیڈریشنز ملکر ایک متحدہ سلطنت بناتے تھے کوئی اچھا مقرر ہو تو فصاحت کے مشتاق کا وہ صدر انجمن ہی لیڈر ہے جہاں جاناں ہی اسکے اشارہ پر کام ہوتا ہے کوئی بڑا اکر کرٹ ہے (جیسے ہمارے شوکت یا پچا مرحوم) تو کرکٹ کے دلدادہ لونڈے اُسکے گرویدہ ہیں اُسکے پسینے پر اپنا خون گرانے کو تیار ہیں اسی طرح ہر فن کا ماہر ایک طرح کا پرسینٹ ہے اور ایک گروہ اُسکے پیچھے ہے۔ جہاں کسی نے کوئی بے قاعدگی کی اور اول تو اُسکے صدر انجمن یا پریسیڈنٹ نے اُسکو ڈانٹ دیا کہ آپ عجب بیوقوف ہیں ایسی حرکت کرتے ہیں۔ کالج میں رہنا ہے تو ان حرکتوں کو چھوڑ دیجیے نہیں تو پبلک آرا اسقدر زبردست ہوتی تھیں کہ بڑے سے بڑے اکڑباز کے بل تکلے کی طرح نکال دیتی تھی ورنہ پھر وہ خطابات جو دوسری جگہ پھبتی کہلاتے ہیں بے قاعدگی کرنے والے کے کریکٹر کو فاش کرنے کے لیے اسپر چسپاں کیے جاتے تھے جو شیطان کے طوق لعنت کیطرح اُس کی گردن میں کالج والوں کے لیے ساری عمر کے لیے آویزاں رہتے ہیں۔

جس شخص نے ایسی باقاعدہ اور خودغرضی و نفسانیت سے مبرّا دنیا میں پرورش پائی ہو جہاں ہر شخص آزادی کا گیت گاتا ہو اور پھر قواعد کی بندش میں جکڑا ہوا ہو جہاں سانچے میں خیال ڈھل رہا ہو اور اُسکو عملی صورت میں لانے کی ہر طرح سہولیت ہو جہاں ہر فرد بشر کا ایک ہی مقصد ہو۔ سب ایک ہی مقام مقصود پر پہونچنے کی کوشش کر رہے ہوں جہاں اختلاف میں ارتباط ہو اور اتفاق میں اختلاف ہو جہاں ہر ذات واحد ہر دوسرے سے مختلف ہو اور پھر سب میں ایک وحدانیت ہو جس نے ایسی دنیا میں پرورش پائی ہو وہ کس طرح اس دنیا میں آرام پا سکتا ہے جہاں حشر کے میدان کی طرح ہر شخص نفسی نفسی پکار رہا ہے اور ہر طرف سے العطش العطش کی صدا آرہی ہے۔

کشمکش حیات کا انحصار النفس پر ہے لیکن نزع للبقا میں انسان اور حیوان کا امتیاز صرف اسی میں ہے کہ انسان کمزور کا معاون ہوتا ہے بڈھی ماں اور کمزور بچے اور بیمار بھائی

کی امداد کرتا ہے آپ بھو کا رہتا ہے اور اُن کا پیٹ بھرتا ہے لیکن حیوان کمزور کو پاؤں تلے روند ڈالتا ہے۔..... تلف کر دیتا ہے اور اسکے حق کا وارث ہو جاتا ہے تو انسان کے کشمکش حیات کے قوانین میں سب سے بڑا قانون یہ ہے۔ دوسرا قانون ہے اپنے اور غیر کے حقوق کی جائز حدود سے آگاہ ہونا۔ سڑک پر چلنے کا ہر شخص کو حق ہے تو اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ ایک شخص سڑک کو روک کر کھڑا ہو جائے اور کہے کہ مجھے چونکہ یہاں کھڑے ہونیکا حق حاصل ہے میں کھڑا ہوں میری بلا سے دوسرے اپنے حق سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں یا نہیں تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی ذاتی آزادی میں جب تک کہ اس سے اُس کی ذات پر اثر نہ پڑتا ہو مخل نہو بقول شخصے

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد

کسے را با کسے کارے نباشد

اس کارے نباشد کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ایک دوسرے کی غمی شادی میں خبر ہی نہ لے بلکہ اس سے مطلب یہ ہے کہ دوسرے کی ذاتی آزادی میں خلل نہ ڈالے قصہ مختصر کالج کی دنیا میں مندرجہ بالا اصول پر ایک حد تک کاربند رہنا پڑتا ہے۔ کالج سے نکلکر ہم تو اسی کے عادی ہوتے ہیں اور جن لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے وہ حیوانی کشمکش کے اصولوں کے پابند ہوتے ہیں نتیجہ وہی ہوتا ہے اور ہو رہا ہے جو کاسہ زریں کے ساتھ ہوا تھا جب اُسکا پتھر سے مقابلہ ہوا تھا۔ ہم صاف دل سے ملتے ہیں۔ فرائض منصبی کے انجام دہی میں اپنے بیگانہ کا تفاوت نہیں کرتے دوسرے لوگ پالیسی دنیا داری ظاہر پرستی سے ملتے ہیں۔ اپنوں کا بھرنا بھرتے ہیں اور اسی کو فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ گذر ہو تو کیونکر ہو۔ ایک حجت سے کام لینے والے اور دلیل پر چلنے والے کا ایک لٹھ گنوار سے معاملہ پڑ جائے تو کیا ہو۔ ہمنے سیکھا تھا کہ سچ بولو۔ ظاہر باطن یکساں رکھو۔ فرض منصبی کی ادائگی میں جان تک کی پرواہ

نہ کرو۔ جھوٹے مکار دغاباز غاصب رشوت خوار کی تشہیر کرو تاکہ دنیا متنبہ ہو۔ آزادی
سے رائے دو جس رویئے کو جس طرز کو اچھا سمجھتے ہو بغیر کسی خوف وخطر کے ثابت
قدمی سے اُس پر چلو۔ اپنی ذاتی آزادی میں دوسرے کو مخل نہونے دو۔ سچی عزت
کے مقابلہ میں دولت کو ہیچ سمجھو کبھی کسی افرادی بہبودی کو قوم اور ملک کی مجموعی
فلاح پر ہرگز ترجیح نہ دو یہ سب کچھ ہم نے سیکھا اور جب تک کالج میں رہے ان
اصولوں پر کاربند رہنے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر کالج سے نکلکر جس دنیا میں
قدم رکھا اس دنیا میں ہائے کسطرح یہ اور ان جیسے اور ہزاروں پیارے اصول
پامال ہوے ہیں کہ انکا ذکر کرتے ہوئے کلیجہ مُنہہ کو آتا ہے۔
سچ بولو۔ آزادی سے رائے دو مگر ڈپٹی کمشنر صاحب تو یہ چاہتے ہیں کہ
ہاؤس ٹیکس لگایا جاے اور میونسپلٹی کا روپیہ سارا انگریزی حصہ شہر کی صفائی پر خرچ
کردیا جاوے۔ اب آپ سچ بولکر اور اپنی آزاد راے دیکر دیکھہ لیجیے تعلیمی کانفرنس کا
جلسہ ہے شیخ حمایت علیخاں بہادر وزیر ریاست اوجڑ آبادسی۔ آئی۔ ای۔ یہ پیش
کرتے ہیں کہ انگریزی تعلیم صرف ان لوگوں کے لیئے ضروری ہی جو ملازمت کرنی
چاہیں باقی کو عربی وفارسی واُردو میں اسقدر مہارت حاصل کرنی چاہیے کہ وہ علمی
تحقیقات کرسکیں۔ آپ شیخصاحب کی مخالفت میں سچ بولکر تماشہ دیکھہ لیجیے۔ ابھی
تو اُنہوں نے چھہ ہزار روپیہ کا عطیہ کانفرنس فنڈ کو دیا ہی اُنکے مقابلہ میں آپ کیا اور
آپ کی رائے کیا۔ اور آپ کی سچائی اور آزادی کیا ظاہر باطن یکساں رکھو۔ اپنی
خانگی آمدنی کا حال اگر کسی کو بتادو اور ہو مفلس تو خواہ کتنے ہی لائق فائق ہو صائب
راے ہو سلیم الطبع ہو عاشق زار قوم ہو کچھہ ہو مگر کس منہ پر سد کہ ہیا کیستی۔ کالج
میں کہاگڑھ کے رئیس کے صاحبزادے ہوں یا راجہ ناگپور ہوں بیگم بھوپال کے
لخت جگر ہوں یا محمود بیگم کی آنکھ کا تارا غریب سے غریب اور گمنام سے گمنام

والدین والی طلباء کے مقابلہ میں برابری وہمسری کے سوا کوئی وجہ نہ دیکھتے تھے اگر نواب محسن الملک نے اپنی اسپیچ میں ایک بات کو دہرا دیا یا نہ "صرف" اور "بلکہ" یا کیا بلحاظ اسکے اور کیا بلحاظ اسکے" یا فلاں کے لیے عموماً اور فلاں کے لیے خصوصاً کی بھرمار کی تو فوراً مجلس شورار کالج میں اُنپر اعتراض جڑ دیا گیا۔ بڑے سے بڑے عہدہ دار۔ بڑے سے بڑے عالم۔ بڑے سے بڑے صاحب دولت اور ذی مرتبت اصحاب کالج میں آئے پھرے چلے اور غائب ہو گئے لیکن کالج والوں نے انکی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ اُنکو ذرا بھی ایسی عزت کی نگاہ سے نہ دیکھا کہ جس سے اپنے آپ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا پڑے جب تک اُنکے کسی خاص ہنر یا علم و فضل میں غیر معمولی دستگاہ نہ دیکھی۔ کرزن کے وہ لوگ اُس کی فصاحت کی وجہ سے عاشق تھے۔ آغاخاں کی اُس کی غیر معمولی قابلیت اور تاریخ اسلام کی علمیت کی وجہ سے وہ پرستش کرتے ہیں۔ گوکھلے کو وہ اعداد سیاسی میں ماہر ہونے کی وجہ سے مانتے ہیں باقی ہزاروں مرغ زریں آئے گُٹرغوں کوں کی اور چلے گئے۔ اور طالب علموں نے۔

ملا اچہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت

کہکر ٹالدیا۔ چاہے وہ کلکٹر ہوں یا کمشنر۔ اگر کسی سے گفتگو کا موقع ہوا تو صاف سنادی۔ کبھی دل میں یہ خیال ہی نہیں آیا کہ میں حقیر فقیر ناچیز ایسے والا مرتبت صاحب جاہ وحشم لائق فائق شخص کے آگے کیونکر زبان تکلم دراز کرسکتا ہوں مگر جب نوکری کو نکلے تو بعض وقت جس افسر کے ماتحت کلام کرنا پڑا اور ماتحت بھی کیسے کہ اُسکی مٹھی میں اپنی جان وہ ایک نیم وحشی حیوان سے کسی طرح بہتر نہیں۔ آپ کے سب اُن اصول کو جنکو آپ زرّیں کہتے ہیں وہ اسی طرح گرز حکومت سے توڑ ڈالتا ہے جسطرح محمود نے سومناتکے زریں بُت کو پاش پاش کردیا تھا۔ اب آپ یا تو

سو بہار اچھوت اور دل چلے چھتریوں کی طرح اپنی جان پر کھیل جائیں یا برہمن پوجاریوں
کی طرح گڑگڑا اے ہاتھ جوڑے پاؤں پڑے اور چاروناچار اُس بُت شکن کی طرح
اس اصول شکن کی زبردستی دیکھئے کہ زبردست مارے اور رونے نہ دے۔

مجھ جیسے اور بہت سے میرے کالج فیلو ہونگے جو اس احساس جگرخراش
سے موثر ہوئے بغیر نہ رہتے ہونگے لیکن شیکسپیر کے وقت سے آجتک جاہل اور
غاصب کے ہاتھوں عالم اور حقدار کی مٹی خراب ہوتی آئی ہی اور نالائق کندہ ناتراش
قابل اور تعلیم یافتہ ماہران فن کو سبق پڑھاتے آرہے ہیں لیکن کاٹ کی ہنڈیا بہت
دن چولھے پر نہیں چڑھ سکتی۔ قلعی کھلتی ہی پر کھلتی ہی ہندوستان آجکل اُس صراط
مستقیم پر سے گذر رہا ہی جو ازمنہ ماضی کو ازمنہ مستقبل سے ملاکر قدیم کو جدید سے
وابستہ کرتا ہی۔ اسلیے جو لوگ اسوقت اس پل پر سے گذر رہے ہیں وہ نہایت
نازک حالت میں ہیں پیچھے سے لوگ کھڑے ہنسی اُڑا رہے ہیں اور قہقہہ لگا رہے ہیں
اور اس نازک راہ سے گذرنے سے منع کر رہے ہیں ذرا قدم نے لغزش کھائی اور
نہ صرف خود ہی قعر ناکامی کے نذر ہوئے بلکہ دوسروں کی راہ بھی کھوٹی کی۔ لیکن
اگر استقلال اور ثابت قدمی سے کام لیا اور غول بیابانی کی گمراہ کرنیوالی آوازوں نے
قوم کو جادۂ مستقیم سے نہ بہکنے دیا تو منزل مقصود کچھ بہت دور نہیں۔ اور میں اپنے
بھائی کالج کے اولڈ بوائز سے یہی کہونگا کہ لڑو اور مرو چپے چپے پر خون بہاؤ لیکن
پیچھے نہ ہٹو جو ڈگر سید نے ڈال دی ہی اُس سے ایک انچ ادہر اُدہر نہ ہو۔ اپنی راستبازی
اپنی صاف گوئی۔ اپنی حق پسندی اپنے فرض منصبی کی انجام دہی اپنی خودداری
اپنے دشمنوں سے قوم کے دشمنوں سے ملک کے دشمنوں سے منوا کر چھوڑو اور
ہرگز ہرگز ہیڑوں میں ہیڑ نہ بنو زمانہ سازی اور دروغ مصلحت آمیز پالیسی اور [illegible]

لوگوں کی پیروی نہ کرو اپنی شخصیت قائم رکھو پانی کا سا رنگ نہ رکھو بلکہ اپنا رنگ ایسا
پکا رکھو کہ دوسرے تم میں رنگے جائیں اور تم دوسرے کے رنگ میں نہ رنگے جاؤ۔
یہ ہے سر سید کی تلقین اور یہ ہے علی گڈھ کالج کی تعلیم۔ فقط

مرسلہ۔ مشتاق احمد زاہدی
پروفیسر بہاول پور۔ کالج

"امتیازی نشان"

مکرمی اڈیٹر صاحب۔ اولڈ بوائے کے اپریل نمبر میں جناب مسٹر ایس۔ ایم۔
عبداللہ صاحب رحمانی کا مضمون زیر عنوان بالا شائع ہوا ہے اس میں لائق راقم نے
کالج کے اولڈ بوائز کے واسطے امتیازی نشان کی اشد ضرورت کو محسوس کر کے
اپنی رائے اس امر کی بابت ظاہر کی ہے کہ امتیازی نشان کی ہیئت اور شکل کیا ہونی
چاہئے اور یہ امتیازی نشان ہونا کیا چاہئے اسکے بعد وہ تجویز بھی فرماتے ہیں کہ
ہمارے وزیٹنگ کارڈز پر بھی کالج کا مونوگرام ہونا چاہئے اور یہ کہ اولڈ بوائے آپس میں
عید یا تہواروں کے موقعہ پر یورپین اصحاب کی طرح ایک دوسرے کو عید کارڈ بھیجا
کریں تاکہ اخوت کی گانٹھ اور محبت و ہمدردی کی گرہ جو کالج کے درمیان ہوئی ہے
اور بھی پکی ہو جائے اور کسی بیرونی بلائے ناگہانی سے اُسے منتعلق ٹوٹنے کا خطرہ نہ
رہے۔

۲۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی مسٹر رحمانی کی مذکورہ بالا تجاویز سے کسی طرح بھی اختلاف نہیں کیا
کرینگے۔ مگر میری رائے ناقص میں جتنی ضرورت پہلی تجویز کی محسوس ہو رہی ہے
اتنی دوسری تجاویز کی ابھی تک نہیں ہوئی گو آئندہ کسی زمانے میں ہم کو انکی بھی ویسی

ہی ضرورت محسوس ہونے لگے جتنی پہلی کی پہلی تجویز پر میں اسیلیے زیادہ زور دیتا ہوں
اور اسکو اہم ترین سمجھنے کی یہ وجہ ہی کہ مجھے خود انہیں دنوں میں ایک نہایت ہی تلخ تجربہ
امتیازی نشان کی نہونے کی وجہ سے ہو چکا ہی خلاصتاً میں اس واقعہ کو ناظرین رسالہ
کی ضیافت طبع کے واسطے سپرد قلم کرنیکی جرأت کرتا ہوں کہ اپریل ۱۹۱۲ء میں (ٹھیک
تاریخ یاد نہیں) پنجاب مسلم اسٹوڈنس ایسوسی ایشن کے سکرٹری اور نائب سکرٹری کے
انتخاب کے واسطے ہم (میں اور دوسرے علیگ) اسلامیہ کالج گئے ہوئے تھے شام
کا وقت تھا۔ میرے دیگر احباب بموجب کالج کی اصطلاح کے بڑے آدمی بن رہے
تھے اور میں اسلامیہ کالج کے بورڈنگ کے دروازے پر باہر کی طرف کھڑا ہوا یہاں
کی کنوبلینگ اور سٹڈنس یونین کلب کی کنوسلمینگ کا دل ہی دل میں مقابلہ کرکے ہنس رہا
تھا کہ دور سے ایک صاحب کو کالج کی طرف آتے ہوئے دیکھا انہیں دیکھتے ہی
دل نے چٹکی لیکر کے کہا کہ ہو نہو یہ ضرور کالج کے اولڈ بوائز میں سے ہیں مگر ایک
دوست سے باتیں کرتے ہوئے بے اختیار میرے مُنہ سے یہ نکل گیا کہ بھئی دیکھنا تو
یہ صاحب مجھے علی گڈھ کالج کا سٹائپ لیے ہوئے معلوم ہوتے ہیں لیکن میرے
دوست بھی چونکہ انہیں نہیں جانتے تھے اسیلیے عقدہ حل نہ ہوسکا اور یہ راز سربستہ
اسوقت تک ایک راز ہی رہا خیر وہ میرے دوست تو ایک طرف چلے گئے اور میں
ان صاحب کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ آپ خراماں خراماں بورڈنگ کے اندر تشریف
لے گئے میں بھی سائے کی طرح ساتھ ہی تھا پہلے تو آپنے بورڈنگ کے برآمدوں میں
چکر لگایا پھر اوپر کی منزل کی طرف چلے گئے مگر معلوم نہیں کس وجہ سے جاتے جاتے
رُک گئے اور میری طرف رجوع فرمایا۔ میں بڑے دروازے کے سامنے ہی کھڑا تھا
آپ نہایت متانت اور سنجیدگی سے میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے یوں
پوچھا کہ "کیوں صاحب میں اوپر جا سکتا ہوں" مینے نہایت ہی آسانی سے اور ایسے

طبیعت سے جو علیگڑھ والوں کے لیے خاص ہے عرض کیا کہ ہاں صاحب آپ بےتکلف تشریف لیجائیں اور خوشی سے بورڈنگ کا معائنہ فرمائیں۔

۳- اب یہ صاحب مجھے ضرور روڈ کہیں گے کیونکہ میں انکے ساتھ انہیں بورڈنگ دکھانے نہ گیا مگر میرا عذر یہ ہے کہ میں غیر ملک میں کرتا تھا اور جیسے وہ اجنبی گو ویسا ہی میں بھی اجنبی تھا کیونکہ اوپر کی منزل کو میں نے خود اسوقت تو کیا اب تک نہیں دیکھا ہاں اگر وہ کالج کے احاطے میں مجھ سے یہ سوال کرتے اور اگر وہاں بھی میں ایسا ہی روکھا پھیکا جواب دیتا تو پھر میں مورد الزام ہو سکتا تھا الغرض یہ صاحب تو اوپر کی منزل میں چلے گئے مگر میں اس گہری سوچ میں پڑگیا کہ یا الہ یہ واقعی کوئی علیگ ہے یا کوئی اور۔ یہی سوچتا سوچتا میں اسلامیہ کالج کے ہال کی طرف جس میں کہ انتخاب مذکورہ بالا کے متعلق جلسہ ہونے والا تھا چلا گیا مگر جا کر بیٹھا ہی تھا کہ دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت بھی ایک کونے میں دیک کر دامن تر سنبھالے ہوئے بینچ پر تشریف فرما ہیں اب تو میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ کچھ ہی ہو جلسہ برخاست ہونے پر انسے سلام علیک کرہی لونگا خدا خدا کرکے جلسہ ختم ہوا اور میں آپ کی طرف لپکا مگر وہ تو ایسے نظر سے غائب ہوئے کہ خدا کی پناہ سارا کالج ڈھونڈ مارا مگر یہ نہ ملے۔

۴- اب تقریباً عرصہ دو ماہ کے بعد جب میں یہاں ریاست بہاولپور میں موسم گرما کی رخصتیں گذرانے کے لیے آیا تو میری ملاقات مولوی مشتاق احمد زاہدی صاحب سے جو یہاں کالج میں پروفیسر ہیں ہوئی ایک دن انسے باتوں ہی باتوں میں میں نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا انہوں نے مجھ سے آپکی چال ڈھال شکل و شباہت کے متعلق چند سوالات کرکے نہایت وثوق سے فرمایا کہ واقعی تم نے غلطی کھائی تمہارا دل سچا تھا وہ کالج کے بڑے سپوتوں میں سے ایک ہیں جن کو عام دنیا لیلیٰ و مجنوں کے مصنف کی حیثیت سے جانتی اور پہچانتی ہے اور کالج والے سجاد کے پیارے نام سے

یاد کرتے ہیں یہ سنکر جو رنج اسوقت مجھے ہوا وہ میں ہی جانتا ہوں مگر میرا یا سجاد صاحب کا اس میں کیا قصور نہ تو میرے پاس کوئی امتیازی نشان تھا جس سے وہ مجھے پہچان جاتے اور نہ انکے پاس کوئی ایسی چیز تھی جس سے میں انہیں جان جاتا ایسے ناگوار واقعات کو آئندہ روکنے کے واسطے ایک امتیازی نشان کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے ہاں اسوقت کو غنیمت جانکر سجاد حیدر صاحب کی خدمت بابرکت میں بذریعہ اوڈ بوائے (جس سے بہتر ذریعہ اور اس کام کے لیے مجھے نذر نہیں آتا) انکی شادی خانہ آبادی پر مبارکباد عرض کرنیکی جرأت کرتا ہوں ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

۵- ایک ہی واقعہ نہیں بلکہ سیکڑوں ایسے اور بھی ہوئے ہیں جو امتیازی نشان کی ضرورت کا ہمیں قائل کر دینے کے لیے کافی ہیں۔

۶- اب یہ سوال کہ امتیازی نشان کیا ہو رہ گیا۔ میری رائے میں انگوٹھی سے زیادہ اس کام کے لیے کوئی اور چیز موزوں نہیں ہو سکتی اخی المکرم مسٹر عبد اللہ انگوٹھی کے امتیازی نشان ہونے پر چند ایک اعتراضات کرتے ہیں جو اسوقت میری پیش نظر ہیں لائق معترض کہتا ہے کہ اگر انگوٹھی ہی امتیازی نشان ہوا تو بعض اولڈ بوائز میں جن میں آتے ہی دیگر سوسائٹیوں کی بھی انگوٹھیاں ہیں یہ اضافہ موجب تکلیف ہوگا مگر اسکے جواب میں میں یہ عرض کرتا ہوں کہ بہت کم ایسے لوگ ہونگے جن کی انگلیوں پر اتنی تعداد میں انگوٹھیاں ہوں کہ وہ بوجہ معلوم ہونے لگیں اور ایسے اشخاص بہت تھوڑے ہونگے جنکے پاس کئی ایک دیگر سوسائٹیوں کی انگوٹھیاں بھی ہوں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایک ایک انگوٹھی ہر ایک کے پاس پہلے سے ہو یہاں تو کم از کم ہم تین اولڈ بوائز ہیں سے کئی کے پاس ایک ایک انگوٹھی بھی نہیں یہ کہنا کہ ہر ایک شخص اپنے کاغذات پر مہر لگانے کے لیے کم از کم ایک انگوٹھی

رکھتا ہی میرے خیال میں ایک حد تک غلط ہی کیونکہ انگوٹھی سے دستخط ثبت کرنیکا طریق اب خلاف فیشن ہو گیا ہی اور جو کچھ تھوڑا بہت رواج انگوٹھی کا اب ہی بھی وہ بھی جلدی ہی اٹھ جائیگا اسکے بجائے اپنے ہاتھ سے دستخط کرنیکا طریق اب مطابق فیشن خیال کیا جاتا ہی ان صورتوں میں میرے خیال میں انگوٹھی ہی اس کام کے واسطے نہایت موزوں ثابت ہو گی۔

۷۔ یہ تجویز کہ انگوٹھی کے بجائے میڈل امتیازی نشان ہونا چاہئے۔ میرے خیال میں ایسی ہی کہ اسپر کبھی عملدرآمد ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ امتیازی نشان کے واسطے یہ ضروری ہی کہ وہ ہر وقت دیکھنے والوں کے پیش نظر رہے تمغہ پیش نظر تو ضرور رہیگا اور نظر بھی صفائی سے آئیگا مگر یہ لگے گا کہاں کیونکہ یہ تو فیشن نہیں کہ ہر وقت اسے کوٹ پر لگائے پھریں یہ امتیازی ٹمل تو ایکطرف رہا لوگ تو خطابوں کے میڈل لگانا بھی ایک قسم کا بوجھ خیال کرتے ہیں اور واقعی ہی بھی جیسا میں پہلے کہہ چکا ہوں امتیازی نشان کے لیے یہ ضروری ہی کہ ہر وقت ہمارے ساتھ چسپاں ہو خواہ ہم کسی حالت میں ہی کیوں نہوں لائق مجوز سے کیا اسبات کے پوچھنے کے لیے جرأت کر سکتا ہوں کہ بحالت ہمارے رات کے وقت گاڑی میں ہونے کے اور بحالت سونے کے وہ تمغہ کہاں لٹکا کر لیگا میں پھر کہونگا کہ ان تمام ضروریات کو جیسے انگوٹھی پورا کرتی ہی کوئی اور چیز نہیں کر سکتی۔

۸۔ یہ خیال کرنا کہ شوقیہ انگوٹھی میں اور کالج کے نشان تمیزی والی انگوٹھی میں تمیز کرنا مشکل ہو گا مجھے نہایت ہی مہمل معلوم ہوتا ہی کیونکہ امتیازی نشان والی انگوٹھی اس مطلب کے واسطے بنائی جائیگی کہ وہ تمیز کرنے میں مدد دے۔

۹۔ یہ سوال اٹھتا ہی کہ انگوٹھی پر مابہ الامتیاز نشان کیا ہوگا۔ میرے خیال میں اُسپر کالج کا مونوگرام ہونا چاہیے یعنی کھجور ہلال ستارہ اور تاج کندا ہوا ہو۔ اس سے

زیادہ میرے خیال میں اور کوئی ڈنر اُن موزوں نہیں ہوسکتا۔

مجھے اُمید واثق ہی کہ دیگر بھائی بھی اپنی قیمتی آراکا اس بحث کے متعلق ضرور اظہار فرمائینگے

عزیز احمد بی، اے (علیگ)

از بہاولپور

اولڈ بوائز

۷رجون کو علی الصباح ایک تازہ ولایت تشریف لایا جس کو دیکھکر سب حیران ہوگئے حضرت کی وضع قطع کچھ نرالی نہ تھی۔ مگر مونچھوں کا غائب ہونا اُن کی شناخت میں ہارج ہوتا تھا کپڑے انگلستان کے سلے ہوئے تھے۔ خواہ مخواہ اچھے ہونگے مگر صورت بھی کچھ صاف ہوگئی تھی۔ نام سُنئے حضرت ڈاکٹر سید محمود (قوم) بمبئی سے نہ وطن گئے نہ بنارس اور بغیر کسی کو مطلع کیے ہوئے علی گڑھ آپہونچے۔ دن بھر سب دوستوں میں رہے اور ہمارے اصرار پر وعدہ کرلیا ہی کہ عنقریب پھر آئیں گے۔ شاید اپنے عزیزوں سے ملے بغیر کالج میں آنا ثابت کرتا ہے کالج نے جو خطاب (قوم) اُن کو دیا تھا وہ اُس کے مستحق تھے۔ باوجود نحیف الجثہ ہونے کے تقریباً طرابلس پہونچ گئے تھے۔ ہمارے عزیز دوست نے کیمبرج اور جرمنی میں چار برس تک تعلیم پائی اور وہاں سے بیرسٹری اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لے کر آگئے ہیں۔ اُن سے ہماری تعلیم یافتہ جماعت میں ایک معتد بہ اضافہ ہوا ہی اور ہم کو اُن کی ذات سے بہت امیدیں ہیں وہ ایک قابل پرجوش اور راسخ الاعتقاد مسلمان ہیں اور علی گڑھ کو اُن پر فخر ہی۔

ہم سب کو مسرت ہی اور ہم سے زیادہ قاری سرفراز حسین صاحب خوش ہیں کہ مسٹر سید سجاد حیدر کی شادی ہوگئی۔

ہمارے ناظرین یہ معلوم کر کے اور زیادہ مسرور ہوں گے کہ مسٹر سجاد حیدر کی شادی بنت نذر الباقر صاحبہ سے ہوئی ہی جو تمام اردو دنیا میں مشہور ہیں اور جو مسٹر سید ظہور حسنین صاحب کی اور ہماری بھتیجی ہیں۔ دونوں صاحب علم اور علم دوست ہیں اور ایسا جوڑا بہت کم خوش نصیب انسانوں کو ملتا ہی۔ ہم دونوں کو مبارکباد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اُن کی ذات سے مسلمانوں اور زبان اردو کو بیش بہا فائدے پہونچینگے۔

ہمارا دل چاہتا ہی کہ ہم اس شادی کے بارے میں اور مزید حالات لکھیں کیوں کہ سجاد حیدر کے محبت کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد ہی۔ مگر ہمکو معلوم ہوا ہی کہ مسٹر محمد یعقوب صاحب اور مسٹر مشتاق زاہدی عنقریب اس میں ہماری مدد کرنے والے ہیں۔ مسٹر محمد علی کے مسٹر سجاد حیدر سے جو تعلقات ہیں وہ سب کو معلوم ہیں غالباً وہ بھی ضرور سہرہ لکھکر بھیجنگے ہم اُسکے منتظر ہیں ہمارے اپنے عزیز مسٹر سجاد حیدر سے یہ درخواست ہی کہ وہ ہماری طرف سے وکیل ہو کر اپنے شوہر کو یہ یاد دلادیں کہ "ایفاء وعدہ" ہر مسلمان پر فرض ہی۔ ہم سے انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ "احمد" کھلنڈرہ کا سارا قصہ تین نمبروں میں ختم کرینگے "احمد" اب تک تنہا پڑا گھبراتا ہی اور چلّا چلا کر پکارتا ہی کہ برائے خدا "محمود و حامد" کو میرے ساتھ کھیلنے غل کرنے اور لڑنے کے لیے بھیجدو

محمد صابر علی خاں صاحب شروانی بی، اے جنکی نامزدگی گزشتہ سال کالج کی طرف سے ڈپٹی کلکٹری کے لیے ہوئی تھی اُن کا تقرر دوم درجہ کے ریونیو اور سوم درجہ کے جوڈیشنل اختیارات کے ساتھ ہوگیا ہی خدا کا شکر ہی۔ سردست بطور کار آموزدہ علیگڈہ ہی میں متعین ہوئے ہیں۔ اس موقع پر اُن کو تہ دل سے مبارکباد کیساتھہ ہماری یہ دعا ہی کہ اس نئی زندگی میں اُنھیں کامیابیاں حاصل ہوں پرانے زمانہ میں عام طور سے یہ خیال تھا کہ "پٹھان" صرف تلوار کے دھنی ہوتے ہیں علم سے اُنھیں کیا سروکار۔ مگر علیگڈہ اور اُسکے پٹھان طلبا نے ثابت کر دیا کہ

کسقدر بے انصافی اُن کی قوم سے کی گئی تھی - ہر سال صوبہ فرانٹیر کے مسلمان ڈگری لے کر نکلتے ہیں مگر مسٹر شروانی تو اُن سب سے بڑھ گئے - اِس سال اُنھوں نے ایم - اے، ایل ایل، بی دونوں کا فائنل امتحان ایک ساتھ ہی پاس کر لیا یہ ایک ایسی علمی فتح ہی جس پر ہم اُن کو مبارکباد دیتے ہیں، اور ہمکو یقین ہی کہ اب کوئی ایسے غلط الزامات پٹھانوں پر نہیں لگا سکے گا -

---

ہمیں یہ معلوم ہوا ہی کہ مسٹر رفیع القدر خان صاحب ڈپٹی کلکٹر نے جو ڈیشنل کے سو اتمام امتحانات پاس کر لیے ہیں اور اُن کی ترقی بھی ہو گئی ہی - ہم اُنھیں یقین دلاتے ہیں کہ ہمیں یہ خبر پاکر ویسی ہی مسرت ہوئی جیسی اُن کی گزشتہ کامیابیوں سے بنارس میں ہوئی تھی -

---

مسٹر اظہر علی صاحب آزاد تحصیلدار خلیل آباد ضلع بستی نے بھی مال کا امتحان پاس کر لیا جس کی اُنھیں امید نہ تھی - کیوں کہ امتحان کے زمانہ میں اور اُس سے پہلے علالت اور دوسری فکروں نے اُنھیں پریشان کر رکھا تھا - خدا کا شکر ہی کہ دونوں سے نجات ملی

ولایت سے آنے والے "اولڈ بوائز" میں مسٹر سیف الدین کچلو (امرتسر) اور مسٹر محمد میر (لاہور) بھی ہیں - ہم اپنے دونوں دور افتادہ دوستوں کا خیر مقدم کرتے ہیں اور امیدوار ہیں کہ وہ اپنی زندگی کو کامیاب بنانے کے ساتھ ہی قومی معاملات سے بھی دلچسپی لیتے رہیں گے - ہماری درخواست ہی کہ دونوں نو وارد نئے زمانہ کے انگلستان کے حالات اور اولڈ بوائز کے نئے نئے قصّہ ہمکو بھیجینگے -

---

یہ خبر ہم سب نے مسرت کے ساتھ سُنی ہی کہ آنریبل مسٹر محمد رفیق اڈیشنل جوڈیشنل کمشنر اودھ

صوبہ متحدہ کے ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوگئے ہیں مسٹر محمد رفیق سب سے پہلے اولڈ بوائے ہیں جو ہم میں سے عدالت العالیہ کی اس کرسی کو زینت دینے کے لیے منتخب کیے گئے ہیں۔ ہمیں سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ اُنھوں نے ابتدائے ملازمت سے اسوقت تک کالج کی شہرت کو قائم رکھا اور اپنے زبردست کیرکٹر کے ذریعے ہمیشہ اُسکے اضافہ میں کوشش کرتے رہے ہم اُنھیں مبارکباد دیتے ہیں۔ اور یقین دلاتے ہیں کہ ہم سبکو اُن پر فخر ہے۔ ہمکو خوب یاد ہے کہ مسٹر اکلینڈ کالون نے خود کالج میں آکر فخریہ بیان کیا تھا کہ اُن کو کالج کے ایک اولڈ بوائے مسٹر رفیق کو لکھنؤ کی ججی قبول کرانے میں کامیابی ہوئی۔ اُن کی پیشگوئی کہ وہ ضرور ایک دن ہائی کورٹ کے جج ہونگے۔ خدا کا شکر ہے کہ پوری ہوئی۔

مسٹر صاحبزادہ شمشاد احمد خان خلف آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے نہایت کامیابی کے ساتھ ایل، ایل، بی کا امتحان پاس کرلیا ہے اور "کال" ہونے کے بعد عنقریب وطن واپس آئیں گے۔ ہم سب اُن کے دیکھنے کے از حد مشتاق ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اولڈ بوائے ولد اولڈ بوائے" بھی اب دنیا میں اپنی خدمت کرنے کے لیے آنے لگے شمشاد تو چھوٹے سے بڑے علیگڈھ ہی میں ہوئے۔

مسٹر ولایت علی صاحب کے یہاں ایک نیا لڑکا مہمان آیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ زچہ بچہ دونوں تندرست ہونگے اور یہ مہمان جلد بڑا ہو کر علی گڑھ آئیگا خدا مبارک کرے مسٹر ولایت ہمیں اس خوشی میں اپنا مضمون روانہ فرمائیں۔

مسٹر عزیز اللہ سابق نائب تحصیلدار صوبہ متحدہ اب صوبہ متوسطہ کے سب انسپکٹر

آبکاری مقرر ہوگئے ہیں۔ خدا کرے وہ اپنے فرائض میں کامیاب ثابت ہوں

مسٹر عبدالمجید خواجہ کی شادی نواب سربلند جنگ کی صاحبزادی سے لکھنؤ میں نواب سرور جنگ کے دولتکدہ پر ہوئی۔ اور دولہا دولھن کو لے کر علیگڈھ واپس آ گئے۔ طعام ولیمہ میں اسٹیشن کے اکثر شرفا شریک تھے۔ ہم مسٹر خواجہ کو مبارکباد دیتے ہیں۔

۷ر جولائی کو مسٹر شوکت علی صاحب نے رامپور میں اپنے مقامی احباب اور بیرونی اولڈ بوائز کو اپنے کارخانہ کے سنگ بنیاد رکھنے کے لئے مدعو کیا تھا، جس کی تفصیل ہم کسی موقع پر دیں گے۔

ہمیں افسوس ہوا کہ خان صاحب میر ولایت حسین صاحب کی والدہ ماجدہ نے اپنے وطن میں انتقال فرمایا۔ ہم میر صاحب سے اس غم میں ہمدردی ظاہر کرتے ہیں۔

مسٹر منہاج الدین اور مسٹر علی احمد نے رڑکی کالج سے امتحان انجنیری میں کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ دونوں سرکاری گارنٹی میں آئے ہیں اور تیسرے مسٹر خلیل احمد نے جو کامیابی حاصل کی ہے اس سے یقین ہے کہ گارنٹی میں آجائیں ہمکو امید ہے کہ جو عمدہ مثال ہمارے ان "اولڈ بوائز" نے قائم کی ہے اور بہت زیادہ مسلمان طالبعلم توجہ کریں گے۔ ہم تینوں کو دل سے مبارکباد دیتے ہیں

ہم اپنے عزیز دوست مسٹر حافظ ولایت اللہ صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر امراؤتی کو دل سے مبارکباد دیتے ہیں کہ اُن کی خوبی خدمات کا گورنمنٹ نے اعتراف کر کے اُن کو خطاب "خان بہادر" عطا فرمایا۔ اس خطاب سے اُن کی اس قدر وقعت نہیں ہوئی جس قدر کہ اُنکی موجودگی سے اس خطاب کی عزت بڑھ گئی ہم مبارکباد دیتے ہیں مگر اس شرط پر کہ وہ فوراً ہمکو ایک مزہ دار اور پر لطف منظوم و منثور خط لکھیں ورنہ ہم اپنی مبارکباد واپس لے لیں گے۔

مسٹر سید مسعود الحسن بی۔ اے جو سال گزشتہ میں ڈپٹی کلکٹری کے لیئے نامزد ہوئے تھے، اب کانپور میں کارآموزی کے لیئے مقرر کیئے گئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ جس طرح کالج کلاس اور فٹ بال فیلڈ میں وہ پیش پیش رہتے تھے۔ اسی طرح اپنے موجودہ فرائض میں بھی مستعدی دکھائیں گے۔

مسٹر احتشام الدین صاحب کی شادی ایک دوسرے "اولڈ بوائے" مسٹر مشرف الحق صاحب کی صاحبزادی سے دہلی میں ہوئی۔ مسٹر سندھی شہ بالا تھے۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ نوشاہ کو یہ شادی مبارک ہو۔

مسٹر ذوالفقار علی صاحب نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے کہ اپنے کالج کے زمانہ کی دلچسپ نظمیں ہمیں عنایت کریں گے۔ جن کی تلاش جاری ہے۔

ہمیں یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ ہمارے بھائی مسٹر سید محمد یعقوب صاحب

کی والدہ نے اپنے وطن مراد آباد میں وفات پائی۔ ہم اپنے بھائی کے شریک غم ہیں اور خداوند کریم سے جنابہ مرحومہ کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

این ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

جواں مرا اور کیا جواں مرا مشکل سے ایک سال ہوا کہ ہم اور وہ ایک مکان میں کئی ہفتوں تک کلکتہ میں رہتے تھے۔ دل قبول نہیں کرتا کہ وہ ہنستی صورت ہم سے ہمیشہ کے لیئے جُدا ہو گئی۔ مرحوم کوئی معمولی طالبعلم نہ تھا۔ بی اے کے بعد اب کلکتہ میں وہ سُلسٹر ہونے کی لیے طیاری کر رہا تھا۔ اور ہر شخص کو قوی اُمید تھی کہ وہ اپنے لایق بھائی مسٹر سلطان احمد بیرسٹر ایٹ لا کی طرح بہت کامیاب سُلسٹر ہوگا۔ چند سال ہوئے کہ بیمار ضرور رہا تھا۔ مگر کسیکو یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ مہلک بیماری ابتک جسم میں تھی۔ کالج میں ہر دلعزیز تھا۔ ۰۷ فیصدی رُشنک نپولین "پوانٹ آف آرڈر" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ گزشتہ سال محمد علیؓ، عبد الرحمٰن۔ غلام مولیٰ اور ہم سب جب کام سے فارغ ہوتے تھے اس کو چھیڑتے تھے اور جبتک خوب دل بھر کر میوہ اور مٹھائی نہیں کھا لیتے تھے اُسکو چین نہیں لینے دیتے تھے۔ جو صدمہ کہ ان کے والد ماجد اور انکے بڑے بھائیوں مسٹر ہادی اور مسٹر سلطان احمد کو ہوا ہوگا اُس کا اندازہ کر سکتے ہیں خدا رحم کرے۔ سوائے صبر کے بندہ اور کیا کر سکتا ہی۔

جنگ طرابلس یا "خون ناحق" کو ہماری جماعت میں دلچسپی سے دیکھا گیا ہی اور ہم جانتے ہیں کہ اس میں حضرت اقبال کی جو نظمیں ہیں اُنہیں اولذبوائز دلچسپی سے دیکھیں گے۔

ایسوسی ایشن کی خبریں

۱۱؍ جولائی کو سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کا جلسہ اُسکے دفتر میں منعقد ہوا۔ اور مندرجہ ذیل حضرات شریک ہوئے۔

خان صاحب میر ولایت حسین صاحب

پروفیسر برکت علی صاحب

مسٹر سید عبد الباقی صاحب

مسٹر عبد الحکیم صاحب وکیل

مسٹر سرفراز خاں صاحب

مسٹر شوکت علی صاحب

کارروائی شروع ہونے سے پہلے معلوم ہوا کہ مندرجہ ذیل صاحبان نے اپنی رائیں دفتر ایسوسی ایشن کو ارسال فرمائی ہیں۔

مسٹر احسان الحق صاحب۔ جالندھر

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب۔ علیگڈھ

مولوی طفیل احمد صاحب۔ منگلور

مسٹر مصباح العثمان صاحب۔ ہوشنگ آباد

مسٹر محمد علی (آکسن) کلکتہ۔

مسٹر سید سجاد حیدر صاحب دیرہ دون

مسٹر سید محمد حسین صاحب رضوی۔ اجمیر

مسٹر عامر مصطفیٰ خان صاحب - علیگڈھ
مسٹر سید رضا علی صاحب - بستی
مسٹر سید محمد صاحب - بمبئی
لفٹنٹ عظمۃ اللہ صاحب - گولکنڈہ دکن -

حسب تحریک آنریری سکرٹری صاحب ایسوسی ایشن و بتائید مسٹر سرفراز خان صاحب و مسٹر سید عبد الباقی صاحب و باتفاق جملہ ممبران موجودہ اجلاس (خان صاحب) میر ولایت حسین صاحب جلسہ کے صدر قرار پائے -

مسٹر سرفراز خاں صاحب نے رو داد جلسہ گزشتہ منعقدہ ۲۸ جنوری ۱۹۱۲ء کو حاضرین جلسہ کے روبرو کنفرم کیا - اس کے بعد آنریری سکرٹری صاحب ایسوسی ایشن نے مدات مندرجہ اجنڈا پڑھ کر سنائیں جو یہ ہیں -

(۱) برائے خریداری فرنیچر برائے دفتر ایسوسی ایشن - بالاتفاق جملہ حاضرین و بہ کثرت آرائے جملہ ممبران بیرونی پاس ہوا -

۲ - انتخاب مسٹر سید صغیر علی بعہدہ پراونشل سکرٹری سنٹرل انڈیا و برار بالاتفاق پاس ہوا -

۳ - انتخاب مسٹر سعید محمد خاں بعہدہ ممبر سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی ایسوسی ایشن بجائے مسٹر شوکت علی صاحب باتفاق منظور ہوا -

۴ - انتخاب ممبران کمیٹی متعلق تعمیر لاج؛ جن کے نام درج ذیل ہیں باتفاق منظور ہوا - مسٹر محمد علی صاحب (آکسن)، مسٹر احسان الحق صاحب، خان بہادر سید جعفر حسین صاحب، مسٹر صفدر علی صاحب انجنیر، مسٹر عبد العزیز صاحب اسسٹنٹ انجنیر، مسٹر سرفراز خاں صاحب سکرٹری محکمہ تعمیرات کالج، مسٹر رضا اللہ صاحب انجنیر بہاولپور - آنریری سکرٹری صاحب اولڈ بوائز ایسوسی ایشن،

۵۔ تقسیم مختلف شعبہ جات ایسوسی ایشن بہ ممبران ایسوسی ایشن معہ تسلیم علیگڈہ بالاتفاق پاس ہوا اور حسب ذیل سب کمیٹیاں بنا تجویز ہوئیں جن کے ممبران کی فہرست درج ذیل ہے۔

کمیٹی نمبر ۱۔ متعلق ڈائرکٹری کی بابت طے ہوا کہ چوں کہ اس کے منتظم پہلے سے مولوی طفیل احمد صاحب ہیں اس وجہ سے وہی اب بھی اس کے منتظم رہیں۔

کمیٹی نمبر ۲۔ متعلق حسابات ایسوسی ایشن۔ اس کے کنوینر مسٹر عامر مصطفےٰ خاں صاحب اور مسٹر منظور احمد صاحب، شاہ مصطفےٰ احمد صاحب اور مسٹر عبدالحکیم صاحب کلرک ممبر تجویز کیئے گئے

کمیٹی نمبر ۳۔ متعلق انتظام وصولی بقایا، جو ممبران ایسوسی ایشن پر واجب الادا ہے۔ اسکے کنوینر مسٹر سعادت علی خاں صاحب اور ممبر مسٹر عبدالکریم صاحب فاروقی مسٹر غضنفر محمد خاں صاحب مقرر کیئے گئے۔

کمیٹی نمبر ۴۔ ایسوسی ایشن کے واسطے جدید ممبروں کی تلاش و جستجو کرنا۔ اس کے کنوینر مسٹر عبدالحکیم صاحب وکیل علیگڈہ اور ممبر مسٹر نورالدین صاحب مسٹر اختر عادل صاحب، مسٹر عبدالرحمٰن صاحب سندھی اور مسٹر عبدالمجید صاحب قریشی قرار پائے۔

کمیٹی نمبر ۵۔ متعلق خبر گیری و نگرانی اُن اولڈ بوائز کے بچوں یا عزیزوں کی جو کالج یا کالج کے اسکول میں تعلیم پاتے ہیں۔ اس کے کنوینر مسٹر برکت علی صاحب اور ممبر حافظ بشیر صاحب، مسٹر نعیم الدین صاحب اور مسٹر نور محمد صاحب تجویز کیئے گئے

کمیٹی نمبر ۶۔ بسبب تلاش ملازمت، یعنی اگر کسی جگہ کے لیئے مانگ آئے تو اولڈ بوائز کے گروہ سے اس کا انتظام کیا جائے۔ یہ کام سکرٹریان ایسوسی ایشن

کے متعلق کیا گیا، کیوں کہ یہی اِس کام کو پہلے بھی کرتے تھے۔ اِس کے متعلق اَب باقاعدہ خط وکتابت ہوگی اور رجسٹر رکھے جائیں گے۔

۶۔ متعلق اِس امر کے کہ کالج اسٹاف کو کن الفاظ کے ساتھ مخاطب کیا جائے۔ اِس کے متعلق بالاتفاق یہ تجویز ہوا کہ انگریزی تحریرات میں مسٹر اور اسکوائر اور اردو کی تحریرات میں حسب رواج حال "صاحب" کا استعمال کیا جائے اور آنریری سکرٹری صاحب کالج کو اِس کی اطلاع دیجائے۔

۷۔ متعلق کرایہ دفتر ایسوسی ایشن۔ بالاتفاق پاس ہوا کہ مبلغ چھ روپئے ماہوار اُسوقت سے جب سے کہ پُرانے یونین کلب کے کمرہ میں دفتر آیا ہی اِس کمرہ کا کرایہ دیا جائے۔

۸ متعلق ترقی سید نادر علی صاحب رضوی کلرک دفتر ایسوسی ایشن مبلغ پانچ روپیہ ماہوار۔ بالاتفاق منظور ہوا کہ سید نادر علی صاحب کو پانچ روپیہ کی ترقی دیجائے

اِس کے بعد بعد شکریہ صدر انجمن صاحب جلسہ برخواست ہوا۔

نہایت خوشی کے ساتھ اطلاع دیجاتی ہی کہ مندرجہ ذیل حضرات نے ایسوسی ایشن کی ممبری قبول فرمائی ہی

۱۔ مسٹر بہاء الدین صاحب سب انسپکٹر پولیس۔ رائے بریلی۔ ۸ ر ماہوار

۲۔ مسٹر رفیع اللہ خاں صاحب سب انسپکٹر پولیس کانٹ، ضلع مراد آباد ۱۰ ر ،،

۳۔ مسٹر ضیاء الدین احمد صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل بارہ بنکی عما ،،

۴۔ مسٹر شمس الضحےٰ صاحب۔ ڈاکخانہ کپتان گنج ضلع گورکھپور۔ ۴ ر ،،

۵۔ مسٹر سلطان الزمان صاحب معرفت مسٹر علی الدین حسن صاحب منصف حیدرآباد دکن ۸ ر ،،

۶۔ مسٹر مسیح الحسن صاحب وکیل مراد آباد عـ۴ ر ،،

۷- مسٹر منشی فدا محمد خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لا- پشاور- عسہ/ ماہوار

۸- مسٹر معشوق علی صاحب ہیڈ کلرک اگریکلچرل ڈپارٹمنٹ لکھنؤ- عسہ/ ،،

۹- مسٹر سید محمد صاحب معرفت میسرس گریسن اینڈ کو سول لائن- مراد آباد ۸/ ،،

۱۰- مسٹر رحمت اللہ صاحب سوم تعلقدار اورنگ آباد دکن- عسہ/ ،،

۱۱- مسٹر صبیح الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات بمبئی- عسہ/ ،،

۱۲- مسٹر صابر علی خاں صاحب شروانی آنریری ڈپٹی کلکٹر علیگڈہ- ۴/ ،،

۱۳- کنور سید اکبر علی خاں صاحب رئیس پنڈراول ضلع بلند شہر- عسہ/ ،،

۱۴- مسٹر سید محمود حسن صاحب رئیس ترکی پورہ بابن ڈاکخانہ بہاسو ضلع بلند شہر- عسہ/ ،،

۱۵- مسٹر سید مسعود حسن صاحب ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، عسہ/ ،،

بے حد مسرت کے ساتھ اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ صاحبان ذیل نے اپنا اضافہ منظور فرما کر ایسوسی ایشن کی مدد فرمائی ہے-

نام	سابقہ	موجودہ	اضافہ
۱- مسٹر صفدر علی صاحب ایگزیکیٹو انجینیر اوریٔی-	۸/	معہ/	عسہ/
۲- مسٹر عبد العلی صاحب اڈیشنل سب جج کانپور-	للعہ/	صہ/	عسہ/
۳- مسٹر ذو الفقار علی خاں صاحب افسر آبکاری رام پور-	عسہ/	سے/	عسہ/
۴- مسٹر محمد حنیف خان صاحب محلہ لال مسجد رامپور-	۴/	عسہ/	۱۲/
۵- مسٹر سید نبی اللہ صاحب بیرسٹر ایٹ لا- لکھنؤ-	سے/	عسہ/	عسہ/
۶- مسٹر چودہری واجد حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر پرتابگڈہ	سے/	للعہ/	عسہ/
۷- مسٹر نواب علی صاحب وکیل بارہ بنکی-	عسہ/	سے/	عسہ/
۸- مسٹر محمد جنید صاحب نعمانی منصف پھپھوند ضلع اٹاوہ	عسہ/	عسہ/	عسہ/

	سابقہ	موجودہ	اضافہ
۹- مسٹر محمد اکرم خان صاحب قزلباش ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بلاسپور	سے ؍	للعہ ؍	عسعہ ؍
۱۰- مسٹر عامر مصطفی خاں صاحب رئیس علیگڈھ۔	عسعا ؍	سے ؍	عسعہ ؍
۱۱- مسٹر مقتدی خاں صاحب شروانی اڈیٹر انسٹیٹیوٹ گزٹ علیگڈھ	۱۰ ؍ ۴ پا	عسعہ ؍	۵ ؍ ۴ پا
۱۲- مسٹر عظیم داد خاں صاحب تعلقدار۔ غازی آباد۔	۱۱ ؍	۱۲ ؍	۱ ؍
۱۳- مسٹر مقصود علی خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر۔ رائے بریلی۔	سے ؍	للعہ ؍	عسعہ ؍
۱۴- مسٹر سید عبد الرؤف صاحب بیرسٹر ایٹ لا الہ آباد	صہ ؍	ععہ ؍	عسعا ؍
۱۵- مسٹر محی الدین احمد صاحب ایگریکلچرل فارم علیگڈھ	۱۰ ؍ ۴ پا	عسعہ ؍	۵ ؍ ۴ پا

علی گڑہ کالج اور شیراز

سفر شیراز کا خیال

اوائل جون ۱۹۰۳ء میں مدرسۃ العلوم علیگڈھ کے طلبا میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ اس سال کی چھٹیوں میں کالج کی طرف سے ایک وفد (ڈیپوٹیشن) شیراز بھیجا جائیگا۔ اُن دنوں انجمن الفرض کا کالج میں زور تھا۔ سال بسال اس انجمن کی طرف سے طلبا کا ڈیپوٹیشن ہندوستان کے مختلف صوبوں میں دورہ کرتا۔ کالج کے مقاصد کو لوگوں پر ظاہر کرتا۔ بدگمانیوں کو دور کرتا۔ اور کالج کے لیئے خاص مالی امداد بہم پہنچاتا۔ شیراز ڈیپوٹیشن کی خبر سُنکر اکثروں نے یونہی سمجھا کہ یہ الفرض کے اسسٹنٹ سکریٹری صاحب کے پرجوش دماغ کا نتیجہ ہی۔ ہندوستان میں لڑکوں کی کامیابی دیکھکر حضرت کو اب تسخیر ایران کا شوق پیدا ہوا ہی۔ مگر اس کے ساتھہ ہی بعض لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ مارِسن

صاحب ایسی بے عقلی کی حرکت کرنے سے اسسٹنٹ کیر صاحب کو روک دیں گے لیکن جو لوگ جانتے تھے وہ کہتے تھے کہ کہاں اسسٹنٹ کیر صاحب کی ہمت اور کہاں شیراز کی تسخیر، چنانچہ جون کے آخر آخر یہ بات معلوم ہو گئی کہ خود ماریسن صاحب اِس تجویز کے محرک ہیں۔ بلکہ ماریسن صاحب کیسے کوئی اور بڑی طاقت ہی جو اُن سے یہ کام لے رہی ہے

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہی ستمگاری میں
کوئی معشوق ہی اِس پردۂ زنگاری میں

ٹرسٹیز اختلاف کرتے ہی رہے لیکن پرنسپل صاحب نے کسی نہ کسی طرح اپنے موافق معاملہ کو طے کر لیا۔

میر ولایت حسین صاحب بی اے سکنڈ ماسٹر اس وفد کے افسر مقرر کیے گئے۔ میں اِن کا مددگار تجویز ہوا۔ اور طالبعلموں میں سے سید ابو محمد صاحب اور جمیل الزمان صاحب معاون قرار پائے۔ ۹ر اگست ۱۹۰۳ء کو اس وفد کی روانگی علی گڑھ سے طے ہو گئی۔

سفر کا اہتمام

خاک پاک ہندوستان کی شاید آب و ہوا کا یہ اثر ہی کہ یہاں کے رہنے والوں میں سفر کا مذاق نہیں۔ ہندوستان سے باہر قدم رکھنا گویا بلا کا سامنا کرنا ہی۔ اگرچہ بحمد اللہ رفتہ رفتہ یہ کفر ٹوٹتا جاتا ہی۔ پھر بھی صدیوں کے موروثی اثر جاتے جاتے بھی صدیاں ہی درکار ہونگی۔ ممبران ڈیپوٹیشن میں سے میرے لیئے یہ سفر کوئی نیا نہ تھا۔ مجھے پہلے بھی ایران، عربستان، و عراق عجم میں سفر کرنے کا اتفاق پیش آچکا تھا۔ لیکن سفر کی تقسیم ہوتے ہی پہلا خیال یہ ہوا کہ معلوم نہیں کیا اتفاق ہو۔ اپنے کل اعزا اسے مل آنا ضرور ہی۔ چنانچہ کالج سے رخصت لے کر الہ آباد، بنارس

اعظم گڑھ، جونپور، گورکھپور، اور میرٹھ کی بادیہ پیمائی کرتا پھرا۔ چوں کہ میری والدہ
عرصہ سے کربلائے معلیٰ میں مقیم تھیں اسوجہ سے میرا موروثی مکان جو اعظم گڑھ کے
ایک موضع میں ہے ان دنوں خالی پڑا تھا لیکن وطن کی محبت مجھے وہاں بھی کھینچ لے گئی
سنسان مکان اور خاموش در و دیوار کو دیکھکر جی بھر آیا اور آنسوؤں کے
چند موتی وہاں نثار کرکے چل کھڑا ہوا۔

بنارس سے روانگی کے وقت ایک عجیب سانحہ پیش آیا۔ کاشی کے اسٹیشن
سے مجھکو سوار ہونا تھا۔ میری ایک بہن میرے ساتھ تھی جسکو میں جونپور پہنچانا چاہتا
تھا۔ کاشی کے اسٹیشن پر ہمیشہ مسافروں کی کثرت ہوتی ہے۔ ڈاک گاڑی کا
وہاں بہ مشکل تین منٹ کے لئے دم لینا، اُس روز پانی کا موسلا دھار برسنا
اُترنے چڑھنے والے جاتریوں کا ایک دوسرے پر گرنا، کسی کا رونا، کسی کا
چلانا۔ غرض کہ ایک عجیب حشر و نشر کا عالم بپا تھا۔ میں ناکردہ گناہ اُن
لوگوں کے غول میں جنھوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر ایک بڑی قطار
بنالی تھی پھنس گیا اور بدقت تمام گاڑی تک پہنچا۔ بہن اور خادمہ کو سوار
کرا چکا تھا خود سوار ہونے ہی کو تھا کہ میرا بایاں ہاتھ جس میں کھلی ہوئی چھتری
تھی ہجوم کے باعث سر سے زیادہ بلند ہوگئی۔ بلند ہونا تھا کہ ہاتھ اکھڑ گیا
اور میں زمین پر گر کر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ اُدھر گاڑی نے سیٹی دی
اور بھک بھک کرتی چلتی بنی۔ ہاتھ کے اکھڑنے کا عارضہ مجھکو پہلے سے تھا
لیکن وہ ہمیشہ میری اپنی ہی کوشش سے ایک آدھ منٹ میں بیٹھ جاتا تھا۔ اِس دفعہ
کچھ ایسی بُری طرح اکھڑا تھا کہ بلا ڈاکٹر کی مدد کے اپنی جگہ پر نہ آیا اور مجھکو
کامل تین گھنٹہ تک کرب میں مبتلا رکھا اور پسینہ سے نہلاتا رہا۔ اِس مرتبے
کے بعد بھی دو تین مرتبہ مجھکو یہ عارضہ لاحق ہوچکا ہے اور اب مجھکو اچھی طرح کا

ہو گئے ہیں کہ میرے لیئے ضرورت سے زیادہ ہات پھیلانا منع ہی۔ کسی کے سامنے
انگڑائی لینا بدتہذیبی میں تو داخل تھا ہی میرے لیئے تنہائی میں بھی یہ ایسا جرم ہی کہ اُسکی
سزا فوراً ملتی ہی۔ حضرت نظام سے ایک شعر اُن کے کسی محبوب کی خاص حالت کا
فوٹو عجب پُرلطف پیرایہ میں کھینچتا ہی۔ اس موقع پر تو وہ پھبتی سے کم نہیں۔ لیکن شعر
خوب قابلِ داد ہی۔

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اُٹھا کے ہات
دیکھا جو مجھکو چھوڑ دیئے مسکرا کے ہات

روانگی

حسب قرارداد سابق یہ وفد ۸ راگست ۱۹۰۳ء کو علیگڈہ سے روانہ
ہوا۔ اُسی روز میں بھی میرٹھ سے چلکر دہلی میں اپنے ساتھیوں سے
آملا۔ اور شام کے قریب ہم سب ڈاک گاڑی میں براہ بھٹنڈا و سمرسٹہ کراچی
کو روانہ ہوئے۔ میر ولایت حسین صاحب چونکہ ہم سب سے عمر میں زیادہ تھے
اور اُن کے عہدہ پراکٹری کے باعث سے ہمارے ہم سفر طالب علم اُن کی خدمت
میں گستاخ بھی نہ تھے۔ اِس لیے سفر کے ابتدائی حصہ میں سب گم سم بیٹھے رہے
میں نے یہ خیال کر کے کہ ابھی مسلسل ڈھائی تین مہینے تک ہم سب کو یک جا
رہنا ہی اگر ہم سب ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف نہ ہوئے تو بڑی تکلیف کا
سامنا ہوگا۔ اور چونکہ میر صاحب اور طالبعلموں کے درمیان حد مشترک میں
ہی تھا۔ اِس لیئے میں نے میر صاحب سے درخواست کی کہ ہم سبکو اس حد تک
بے تکلف ہونے کی اجازت دیجیے جو خلاف تہذیب نہو۔ اِس کو میر صاحب نے
بخوشی و خندہ پیشانی منظور ہی نہیں کیا بلکہ خود لڑکوں سے بے تکلف ہونے کی
درخواست کی۔ میر صاحب کے جرأت دلانے سے ہم سب رفتہ رفتہ مخلی بالطبع ہوئے
ہماری سکنڈ کلاس کی گاڑی میں ہم چاروں کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ پہلے

میں نے حافظ کی روح کو شاد کرنا شروع کیا۔ پھر سید ابو محمد صاحب میرے شریک ہوئے نوبت یہاں تک پہنچی کہ میر صاحب نے فرمائشات شروع کر دیں۔ اس طرح رات کا ایک معتدبہ حصہ گزر گیا۔ نصف شب کے بعد ہم نے بھلنڈیے میں گاڑی بدلی۔ اور صبح کو سمرسٹہ پہنچے۔ اپنی راہ کے متعلق اس قدر اور بیان کرنا ہے کہ شب کو جب ہم سوئے تھے تو خاصے بھلے چنگے تھے۔ صبح کو جو اُٹھے تو ہیئت ایسی بدل ہو گئی تھی کہ پہچانے نہ جاتے تھے۔ اگر مبالغہ سمجھا جائے تو ایسے تو ضرور ہو گئے تھے کہ کسی کو منہ دکھانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ داڑھی مونچھ اور بھوؤں تک کے بال رات ہی بھر میں سفید ہو گئے تھے۔ کپڑے کا رنگ خواہ کچھ ہی رہا ہو۔ اسوقت سب مل گئے تھے۔ کپڑے تو ایک طرف خود انسانوں میں وہ یک رنگی سمائی تھی کہ کالے گورے کا ذرا فرق باقی نہ تھا۔ میدان کی ہوا اور بیابان کی ریگ نے شاید ہمیں بے والی وارث شہیدان راہ خدا سمجھکر دفن کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن ہم نے جلد کروٹ لی اور بچ نکلے۔

سمرسٹہ سے روانہ ہونے کے وقت ہمارا ایک بورا جس میں برتن اور کھانے کی چیزیں تھیں اور جو اب تک ہمارے ساتھ گاڑی میں آیا تھا اسٹیشن ماسٹر کی زبردستی سے برک میں رکھے جانے کے لیئے اتار لیا گیا۔ اور جلدی کے سبب سے برک میں بھی نہ رکھا جا سکا۔ یہ تو ہمیں امید تھی کہ کراچی میں پہنچکر کسی نہ کسی وقت ہمکو بورا مل جائیگا۔ اور اُس کے اندر اسباب کی بھی سب کی نہیں تو تھوڑے بہت کے مل جانے سے ناامیدی نہیں تھی۔ لیکن اسوقت مشکل یہ تھی کہ کھانے پینے کی سب چیزیں اُسی میں رہگئیں تھیں۔ اور اس طرف کے اسٹیشنوں کا بھی حال معلوم تھا کہ بھوکے بھلے مانسوں کو زیادہ تر بجائے کھانے کے غم ہی کھانا پڑتا ہے۔ بہر حال تن بہ تقدیر سوار ہوئے۔ ہم لوگ جس گاڑی میں

سوار ہوئے اُس میں پہلے سے دو مُشیّن مسلمان بیٹھے ہوئے تھے - اور جیسا کہ دستور کی نئے آنے والوں سے کچھ خوش نہیں ہوئے - انگریزی تہذیب تو شاید اسکی مقتضی تھی کہ ہم لوگ اجنبیوں سے ہمکلام نہ ہوتے اور ابتداءً ہم نے بھی سوا اسلام علیکم کا تحفہ پیش کر دینے کے اور زیادہ جرأت نہیں کی - لیکن جب ہم نے تھوڑی دیر کے بعد ان کو اپنی طرف مخاطب پایا تو پھر بات چیت شروع کر دی - اُنہیں معلوم ہو گیا کہ ہم لوگ کون ہیں اور کہاں جاتے ہیں - اور ہم کو بھی معلوم ہو گیا کہ ان میں ایک بزرگ ریاست بہاولپور کے فارن منسٹر اور دوسرے اسسٹنٹ ڈاکٹر ہیں - اب اجنبیت جاتی رہی اور آپس میں سلسلہ کلام برابر جاری رہا - علیگڈھ کے متعلق ان کی واقفیت اور بہاولپور کے متعلق ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا رہا - تھوڑی دیر کے بعد اُن حضرات نے اپنا دستر خوان کھولا اور ہم لوگوں سے بھی شرکت کی درخواست کی - حقیقت یہ ہے کہ سخت بھوک لگی ہوئی تھی لذیذ کھانوں کی خوشبو ناک میں تیزی کیساتھ گھس رہی تھی اور بے چین کئے دیتی تھی - منہ میں پانی بھر آتا تھا - اور عجب نہیں کہ آنکھ بھی دل کا آئینہ بن رہی ہو - لیکن تہذیب اور حمیت اس طرح سے کھانے پر گرنے سے باز رکھ رہی تھی - ہم نے انکار کیا اور بہت انکار کیا - لیکن انھوں نے بھی اصرار کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑا - آخرش ہم اُن کے شریک ہوئے اور منعم مجازی اور حقیقی دونوں کا شکریہ بجا لائے -

کارساز ما بہ فکر کار ما ؛؛
فکر ما در کار ما آزار ما

کراچی ۱۰ اگست کی صبح کو ہم کراچی پہنچے - اور سیدھے اسلامیہ مدرسہ میں جا داخل ہوئے - اسلامیہ مدرسہ کے اسٹاف میں مولوی

حمید الدین صاحب بی اے ہیڈ سعادت علی خاں صاحب اور مسٹر سید عبد اللہ صاحب جعفری ہمارے کالج کے پُرانے طلبا موجود تھے۔ اِن حضرات نے ہماری خاطرداری اور آرام دہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ علی الخصوص سعادت علی خاں صاحب نے ہمارے کل امور کا انصرام جو کراچی سے متعلق تھے اپنے ذمہ لیا۔ اور ان کی انجام دہی میں ہمہ تن مصروف رہے۔

ہمارے زمانہ قیام کراچی میں یہ تجویز ہوئی کہ ایک عام جلسہ اسلامیہ مدرسہ میں کرنا چاہیئے جس میں تعلیم کی ضرورت پر لکچر دیا جائے اور مسلمانان کراچی کو اسلامیہ مدرسہ کراچی میں زیادہ دلچسپی لینے کی ترغیب دیجائے چنانچہ نہایت تعجیل کے ساتھ اِس کا انتظام کیا گیا۔ مسٹر کمنگ صاحب کمشنر سندھ نے صدر جلسہ ہونا قبول فرمایا اور ایک روز قبل تمام شہر میں چھپے ہوئے نوٹس تقسیم کر دیئے گئے۔ جلسہ اچھا ہوا۔ اسلامیہ مدرسہ کا بڑا ہال عمائد شہر اور طلبا سے پُر تھا۔ صدر جلسہ نے اولًا جلسہ کی غرض بیان کی اور پھر ہمارا تعارف شرکائے جلسہ سے کرا کر تقریر کرنے کی اجازت دی۔ چنانچہ سیّد ابو محمدؐ صاحب نے ایک پُرجوش تقریر انگریزی میں کی۔ سیّد صاحب کو تقریر کرنے کی خاص مہارت تھی چنانچہ وہ تا دیر مسلمانان کراچی کو تعلیمی امور اور خاصکر اسلامیہ مدرسہ کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کی ترغیب دیتے رہے۔ سیّد صاحب کے بعد میری باری آئی۔ میری تقریر اردو میں تھی اور مجھ سے بھی جہانتک ہوسکا قرآن وحدیث کی مدد سے اور آل و اصحاب کی نظیر سے درس و تدریس کی جانب تحریص کرتا رہا۔ جلسہ کامیابی کیساتھ ختم ہوا۔ اور

معلوم ہوتا تھا کہ کم سے کم اس وقت تو سامعین کے قلوب امور خیر کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔

کراچی میں اب سے نو سال قبل بھی مجھے آنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اگرچہ اس وقت بالکل ہی سرسری نظر سے شہر کو دیکھ سکا تھا۔ لیکن پھر بھی اسقدر سمجھ میں آتا تھا کہ اتنے عرصہ میں اس شہر نے نمایاں ترقی کر لی ہے۔ بکثرت عمارات عالیشان بن گئی ہیں اور بنتی جاتی ہیں۔ اسلامیہ مدرسہ خود شاندار دو منزلہ عمارت ہے۔ اوپر نیچے دونوں جگہ بڑے ہال ہیں۔ اور کلاسوں کے کمرے بھی اچھے خاصے ہیں مدرسہ کی عمارت کی دونوں جانب دو مسجدیں ہیں۔ جن میں سے ایک طلبائے اہل سنت کے لیئے اور دوسری حضرات شیعہ کے واسطے ہے۔ بورڈنگ خوب بڑا ہے لیکن اس کے کمرے شاندار نہیں ہیں۔ البتہ بورڈنگ کا ایک حصہ جو میران سندہ کے خاندان کے لیے مخصوص ہے وہ اچھا ہے۔ اسلامیہ مدرسہ میں پہلے پہل میں نے مسلمانوں کو سر پر پورے بال مثل عورتوں کے رکھے ہوئے دیکھا معلوم ہوا کہ میران سندہ کے خاندان اور اُن کے متوسلوں میں اِسی کا رواج ہے۔

بمبئی اور کلکتہ کے بعد غالباً کراچی ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہاں کی سڑکوں پر ٹریم چلتی ہے۔ اِن کا باقاعدہ آنا جانا اور صرف دو گھوڑوں کا دو درجہ کی بھری ہوئی گاڑیوں کو آہنی سڑکوں پر آسانی سے کھینچے لیے جانا قابل دید نظارہ ہوتا ہے۔ کراچی کا چڑیا خانہ بھی بڑا اور اچھا ہے۔ کراچی کی حفاظت کے لیئے انگریزوں نے بندرگاہ سے متصل ایک جزیرہ میں مضبوط قلعہ بنالیا ہے۔ اور اُس کو خوب سامان حرب سے مصلح کر رکھا ہے۔

اِس جزیرہ کی سیر بھی خالی از لطف نہیں۔ منورا ڈفنسز کے نام سے یہ جگہ مشہور ہی۔ اِس جزیرہ میں جہازوں کی ہدایت کے لیئے ایک اونچا منارہ بنا ہوا ہی۔ جو لائٹ ہاؤس کہلاتا ہی۔ یہاں پر بکریں بھی قابل دید ہیں۔ ایک مختصر سی دیوار ہی جو سمندر میں بنائی گئی ہی اور سطح سمندر سے زیادہ بلند نہیں ہی۔ اِس پر جب لہریں آکر ٹکرائی اور پار ہوتی ہیں تو جھاگ کی بہت بڑی سفید چادر بنجاتی ہی اور نہایت بھلی معلوم ہوتی ہی۔

کراچی سے روانگی

ابتدا ہی میں جب سے کہ ہم لوگوں کا شیراز جانا طے پا گیا تھا میر ولایت حسین صاحب نے پاس پورٹ حاصل کرنے کے لیے درخواست دیدی تھی۔ لیکن چونکہ ہماری روانگی تک پاس پورٹ وصول نہیں ہوا تھا اِس لیے کراچی میں حاصل کیا گیا۔ ملک غیر میں جانے کے لیے یہ پاس پورٹ جو تذکرہ بھی کہلاتا ہی نہایت ضروری ہی۔ اِس میں صاحب تذکرہ کا نام ولدیت اور سکونت وغیرہ درج ہوتی ہی۔ یہ اسبات کی سند ہی کہ صاحب تذکرہ رعایائے برٹش گورمنٹ سے ہی اور ضرورت کے وقت اِس کو برٹش قنصل سے مدد ملسکتی ہی۔

۱۰ اگست کو ہمارا جہاز کراچی سے روانہ ہونے والا تھا۔ چنانچہ اس روز صبح سے ہم لوگوں کو مع اپنے اسباب کے قرنطینہ کے دفتر میں حاضر ہونا پڑا کامل تین گھنٹہ تک صحن میں انتظار کرنیکے بعد جہاں پر بیٹھنے کے لیے کوئی چیز بھی نہ تھی ایک سیاہ فام عیسائی ڈاکٹر برآمد ہوا۔ تمام مسافر ایک قطار میں کھڑے کیئے گئے۔ اور اِن بزرگ نے دو منٹ میں سب کی نبض دیکھ لی۔ ہاتھوں پر معائنہ کا نشان بنایا گیا۔ اور جہاز پر جانے کی اجازت مل گئی۔ اسی اثنا میں ہمارے بستر اور بعض اور چیزوں کو دھونی دیگئی

ہم مع اسباب قرنطینہ کی کشتیوں کے ذریعہ سے جہاز پر پہونچے۔ ہم کو رخصت کرنے کے لیئے ہمارے دوست دوسری کشتی پر جہاز تک آئے۔ لیکن ان کو ہمارے پاس آنے کی یا ہم کو اُن کے پاس جانے کی اجازت نہ تھی۔ وہ لوگ ہم کو دور ہی سے خدا حافظ کہکر رخصت ہوئے۔ شام کے پانچ بجے جہاز نے آخری بگل دیا اور آہستہ آہستہ بندرگاہ سے باہر نکلا۔ جہاز جوں جیوں بندرگاہ سے نکلتا جاتا تھا۔ ہماری پُرحسرت نظر کنارے اور سواد شہر پر اور بے چینی سے پڑتی تھی۔ دریا کے سفر کی عادت نہ ہونے سے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہم اپنے پیروں سے موت کے منہ میں چلے جا رہے تھے۔ اور خشکی پر حسرت بھری نگاہیں اِس طرح ڈال رہے تھے جیسے اب پھر اس کے دیکھنے کی امید نہ ہو۔

دم رفتن است عرفی بہ رخش نظارہ کن
کہ امید بازگشتن کس ازاں سفر ندارد

سید جلال الدین۔ از لاہور

کالج کی خبریں

جب سے ہم علیگڈھ آئے ہیں، برابر ہر شعبۂ زندگی پر بہت غور سے نظر ڈالتے ہیں تاکہ وقت مناسب پر ہم اولڈ بوائز کی اطلاع کے لیئے کالج کے اندرونی حالات لکھ سکیں۔ ہم کو یقین کامل ہے کہ اولڈ بوائز اور اُن کی ایسوسی ایشن

دونوں عنقریب کالج کے امور سے باخبر ہوکر کالج کے ضروری کاموں کی طرف پوری طاقت سے متوجہ ہوں گے۔ بعض باتیں ہم نے ایسی دیکھیں جس سے ہم کو رنج ہوا۔ بہت سی ایسی نظر آئیں جن سے ہم کو اور اولڈ بوائز کو بڑی خوشی ہوگی۔ مگر جو بات کہ ہم کو بہت زیادہ پسند آئی اور جس کا ہمارے دل پر بہت اثر پڑا وہ ہمارے کالج اور اسکول کے طلبا کا اسلامی جوش ہی۔

اس وقت جو کچھہ تکالیف اسلام اور مسلمانوں پر پڑ رہی ہیں اُن سے ہر شخص واقف ہی، ہم اُن کا ذکر بے فائدہ کرنا نہیں چاہتے۔ علیگڈہ پر ابتدائے زمانہ میں بہت گالیاں پڑی تہیں بعض بزرگ محض لاعلمی کی وجہ سے اس کو بُرا کہتے اور بدنام کرتے ہیں کہ اُن کے طالبعلموں میں محبت کم ہی۔ کاش! وہ علیگڈہ آکر اُن کی روزانہ زندگی دیکھیں۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ایک بات اُن کو علیگڈہ میں ایسی نظر آے گی جس سے اُن کا دل باغ باغ ہوجائے گا۔ اور افسردگی اور مایوسی بخش خیالات دور ہوکر علیگڈہ اور اس کے موجودہ طالبعلموں سے محبت ہوجائے گی۔ اُن کی سی مثال کسی گوشہ ملک میں نظر نہیں آتی۔

اکتوبر گذشتہ میں جب جنگ طرابلس شروع ہوئی ہی اور جس میں بہت عربوں اور ترکوں نے اپنے ملک اور اسلام کے لیے جانیں قربان کردی ہیں، طلبا کالج نے (بڑے سے لے کر چھوٹے بچے تک) علاوہ معمولی کھانے مثل گوشت دال اور چپاتی کے پلاؤ، زردہ، فرنی یا اور قسم کا لذیذ کھانا کالج ڈائننگ ہال میں نہیں چکھا۔ اُنہیں ہفتہ میں تین دن عمدہ غذا ملتی تھی ۹ ماہ سے اُنہوں نے اِس سے پرہیز کیا ہی اور جو روپیہ کہ کالج کو بچتا ہی وہ ہر ماہ مسلمان مقتولین جنگ کے بچوں اور خاندانوں کے لیے بھیجا جاتا ہی۔

ہم نے ممتاز بورڈنگ ہاؤس، میکڈانل ہاؤس، ماریسن کورٹ اور خاصکر ظہور وارڈ میں کھانے کے وقت جاکر دیکھا تو اسکول کے بچے خوش نظر آتے تھے کہ اپنے اسلام کے لیئے وہ تکلف گوارہ کرتے تھے۔ شکایت کا ایک لفظ بھی کسی کی زبان پر نہ تھا۔ کاش! اور مسلمان جو ہر لحاظ سے اُن بچوں سے بڑے تھے اُن کی تقلید کرتے اور تکلفات سے پرہیز کرتے۔ جو کچھہ پس انداز ہوتا غریب بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کو بھیجدیتے۔

آنریبل مہاراجہ بہادر دربھنگہ جو ہندو یونیورسٹی کے لیے اسقدر نمایاں کوشش کررہے ہیں۔ ۹ ر ماہ جون کو علیگڈہ تشریف لائے اور کالج میں مہمان ہوئے۔ اُن کا استقبال مثل مسلمان والیان ملک کے کیا گیا۔ علیگڈہ کے مسلمانوں کا یہ جوش اور خلوص محبت فقط مہاراجہ بہادر کی ذات ہی کے لیئے نہ تھا بلکہ تمام ہندو قوم کے لیئے اور خاصکر ہندو یونیورسٹی سے اظہار ہمدردی تھا۔ آنریبل مہاراجہ بہادر پر بہت اچھا اثر پڑا۔ اور وہ طلبائے کالج کو دیکھہ کر ازحد خوش ہوئے۔ ہم کو یقین ہے کہ علیگڈہ اور بنارس کی یونیورسٹیاں مسلمانوں، ہندوؤں اور ملک کے لیئے باعث برکت ہوں گی۔

مسٹر شوکت علی صاحب نے ماہ جولائی میں کالج کے رامپور حامد ہال میں یونیورسٹی کے اوپر تقریر کی۔ مدعا یہ تھا، تعطیلوں کے زمانہ میں پریزنٹ بوائز یونیورسٹی کے کام میں دل کھول کر مدد کریں۔ طلبا کا مجمع اچھا تھا اور ڈاکٹر ہارورسٹ صدر جلسہ تھے۔

سال گذشتہ میں ہمارے کالج سے ڈیوٹی ڈپوٹیشنز روانہ نہیں کیے گئے تھے لیکن وظائف کی ضرورت کو محسوس کرکے اِس مرتبہ قبلہ و کعبہ نواب وقار الملک بہادر نے مختلف صوبوں کو وفود روانہ کیئے ہیں۔ بمبئی ڈپوٹیشن کے سکرٹری مسٹر عبد الرحیم صاحب ممتاز ہیں، راجپوتانہ کے مسٹر سیّد محمد عمر صاحب، ہند وسطی کے مسٹر احمد حسینؑ خاں صاحب، سندھ اور گجرات کے مسٹر عمر حیات خاں صاحب اور حیدر آباد کے مسٹر سیّد کلب عباس صاحب ہیں۔ مسٹر سیّد علی متقی صاحب، مسٹر سیّد باقر حسین اور مسٹر سیّد اشفاق حسین صاحب بھی حیدر آباد میں کام کریں گے۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری قوم اِن فقیروں کے سوال پر لبیک کہے گی اور اِس مرتبہ اتنا دیدیگی کہ ہم قوم کے بہت سے بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرسکیں!

۴۔ اور ۵ ؍ جولائی کو محمدن کالج کے یونین کلب کے ممبران کیبنٹ اور لائبریرین کا انتخاب ہوا۔ لائبریرین کے لیئے مسٹر بشیر احمد صاحب صدیقی، مسٹر خواجہ یوسف علی اور مسٹر عبد الرحیم صاحب ممتاز امیدوار تھے، قرعہ میں سب سے زیادہ مسٹر بشیر احمد کے لیئے رائیں نکلیں اور کیبنٹ میں مسٹر احتشام الدولہ خاں صاحب، مسٹر خلیفہ عبد الحکیم صاحب، مسٹر غلام حسین صاحب، مسٹر غلام ربّانی صاحب، مسٹر محمد شفیع صاحب، مسٹر امیر احمد صاحب، مسٹر حشمت علی خان صاحب، مسٹر عمر حیات ملک صاحب، مسٹر احمد سعید خاں صاحب اور مسٹر آغا میرزا صاحب ممبر منتخب ہوئے۔

---

۱۲ ؍ جولائی کو آخر یہ فیصلہ ہوگیا کہ جناب نواب محمد اسحاق خاں بہادر

کے ہاتھ میں ہمارے کالج کا انتظام سپرد کیا جائے۔ اور یکم اگست سے وہ ہمارے کالج کے سکرٹری ہیں، ہمیں پوری امید ہے کہ وہ نواب وقار الملک بہادر کے سچے جانشین ثابت ہوں گے اور قوم اُن کے کام سے خوش ہوگی،

کالج کی موجودہ عمارتیں اور آئندہ کیلئے تجاویز

خاص توجہ کے قابل نمبر (۱)

ہم آج ایک بہت ضروری مسئلہ کی طرف، جس کو ہم مسلم یونیورسٹی کے پروگرام میں اعلیٰ درجہ دیتے ہیں، اولڈ بوائز اور محبان کالج کی توجہ مبذول کرتے ہیں۔ ہم کو یہ بھی امید ہے کہ خود جناب آنریری سکرٹری صاحب کالج، سکرٹری صاحب بلڈنگ کمیٹی اور ٹرسٹی صاحبان ہماری تجاویز پر غور فرمائینگے اور اگر اُن کو باکار اور مفید خیال کرتے ہوں تو اس کے تکملہ کا فوری انتظام فرمائینگے۔ اِس ضروری اور اہم مسئلہ کو اب ملتوی کرنا سخت غلطی ہوگی جس کا خمیازہ ہم کو آئندہ بھگتنا ہوگا۔ اور اُس وقت، بے وقت افسوس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ "اولڈ بوائے" کے سب سے پہلے نمبر کے ساتھ "خواب" کے عنوان سے ایک انگریزی مضمون بطور ضمیمہ کے شایع ہوا تھا: جسے "فضل" نے ہمارے پاس یہ سمجھ کر بھیجا تھا کہ اولڈ بوائے انگریزی میں شایع ہوا کرے گا۔ وہ مضمون ایسا دلکش اور دلچسپ تھا کہ ہم نے اِس کو ضایع کرنا ہرگز گوارہ نہ کیا اور اِسی لیئے بطور ضمیمہ رسالہ میں شامل

کر دیا تھا۔ اس کے پڑھنے سے کالج کی محبت کا جوش "اولڈ بوائز" اور فدائیان علیگڈھ کے دل میں اُٹھا تھا۔ اس کا ثبوت ہم کو دفتر کے خطوط اور مضامین سے ملا تھا۔ اب اس رازِ عام کے پوشیدہ رہنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ حضرت فض کون تھے۔ جیسا کہ بہت سے احباب کو معلوم ہے "فض" مسٹر محمد علی (آکسن) کا وہ فرضی نام تھا کہ جس کے پردہ میں وہ زمانہ طالبعلمی میں اور اس کے بعد کالج اور اور مختلف مسائل پر مضامین لکھتے تھے۔ جس شخص نے وہ مضمون پڑھا تھا اُس پر اس کا اس وجہ سے بے حد اثر ہوا تھا کہ باوجود لطیف مذاق اور بعض اوقات چبھتے ہوئے فقروں کے شروع سے آخر تک اس میں ہمارے کالج کو اعلیٰ اور نامور بنانے کے لیئے مفید اور کارآمد تجاویز تھیں۔ ایسے مضمون کے لکھنے کا حق بھی مسٹر محمد علی یا اُن جیسے اور اولڈ بوائز کو حاصل تھا؛ جنھوں نے لڑکپن کے زمانہ سے جوانی تک وہاں ہی تعلیم پائی تھی اور علیگڈھ کے ذرّہ ذرّہ حالات اور اس کی چپہ چپہ زمین سے بخوبی واقف اور اس پر شیدا اور فدا تھے۔

علیگڈھ کی تعلیم کے بعد وہ آکسفورڈ گئے جہاں کی خوشنما اور دل و دماغ کو اعلیٰ خیالات کی طرف لیجانے والی عمارتیں روزمرّہ دیکھیں، وہاں سے واپسی پر قدرتی طور سے علیگڈھ کی محبت متقاضی تھی کہ علیگڈھ کی شان کو بھی ایسا بنانا چاہیئے کہ اس کے نئے اور پُرانے طالبعلم اس پر فخر کریں اور آکسفورڈ کیمبرج یا دیگر یونیورسٹیوں سے مقابلہ کے وقت اُن سے شرمانے کی نوبت نہ آئے۔

اسقدر تمہید کی ضرورت اس وجہ سے پڑی کہ جیسا "خواب" میں بیان کیا گیا تھا، اس سے پیشتر کہ اندیشہ، جب ضرورت آن پڑے گھبراہٹ

میں بغیر سوچے سمجھے تعمیر شروع کردیں۔ ہم پورے طور پر اپنی موجودہ عمارتوں موجودہ اراضی، موجودہ آمدنی۔ آئندہ کی ضروریات، طلبا کی رہایش کے لیے کمرے، لکچر روم، ہینٹ ہال، لائبریری، جملہ کالج اور اسکول اسٹاف کے لیے مناسب مکانات، زمانہ حال اور اصول صفائی کے مطابق باورچیخانوں غسلخانوں اور پاخانوں کا کافی اور کرکٹ اور مختلف کھیلوں کے لیے متعدد میدان اور دیگر موجودہ و آئندہ ضروریات کا اندازہ کرکے ایک ایسی مکمل اسکیم تیار کرلیں جس کے مطابق ہم آئندہ ۱۵۔ یا ۲۰۔ سال تک اپنی ضروریات کے لحاظ سے اپنی عمارت تیار کرسکیں؛ مثلاً اگر ہم نے فیصلہ کرلیا کہ ہماری یونیورسٹی میں خاص علیگڈھ میں دس کالج ہوں جس میں چار ہزار طالبعلم تعلیم پائیں گے۔ اس فیصلہ کے ساتھ ہی ہم کو ابھی سے یہ انتظام شروع کردینا چاہیے کہ ہم کس طور سے اس تجویز کو مکمل کرینگے، کسقدر بورڈنگ ہاؤس درکار ہوں گے، وہ کس جگہ بنائے جائینگے۔ عمارتین دو منزلہ ہوں گی یا یک منزلہ اُن کے غسل خانے، پاخانے، باورچیخانہ کہاں کہاں ہوں گے، شاگرد پیشہ کس جگہ ہوگا۔ اس تعداد کے مطابق کسقدر لکچر روم کی ضرورت ہوگی۔ وہ بھی یکمنزلہ ہوں گے یا دومنزلہ۔ کس جگہ ہوں گے تاکہ سب کو آرام ملے، اسی تعداد کے مطابق ہم کو مناسب جگہ پر عمدہ ہوادار مکانات اسٹاف کے واسطے بنانا ہوں گے جن میں شادی اور بے شادی والے پروفیسر و اسسٹنٹ پروفیسر آرام سے رہ کر علمی خدمات کرسکیں۔ ہمارے خیال میں کسی شخص کو بھی اس ضروری اور مفید تجاویز سے انکار نہو گا۔ مگر جب سوال آتا ہے کہ کیوں اس پر عمل درآمد نہیں کیا جاتا اور کیوں اس کی اسکیم تیار نہیں کیجاتی تو ہم جواب سے قاصر پائے جاتے ہیں۔ علاوہ بریں ہم کو یہ بُری عادت

پڑگئی ہے کہ ہم وقت کے وقت کام کرتے ہیں، جب ضرورت ٹل گئی ہمارے خیالات
بھی اور طرف منتشر ہو گئے۔ کسی صاحب کا یہ جواب دینا کہ ہماری ضروریات
اس قدر نہیں اور ہمارے پاس کام اس قدر تھا کہ کسی کو اس اسکیم کے تیار کرنے
کی فرصت نہ تھی، ایک حد تک صحیح تھا مگر اس کام کی سہولیت اور آسانی کے
لیے ان صاحبوں کو سب سے اول ایک مکمل پروگرام تیار کرنا ضروری تھا۔
تاکہ آئندہ کی دشواریوں سے بچتے اور ہمارے کالج کی عمارات خوبصورت عالیشان
اور آرام دہ ہوتیں۔ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ جسوقت آنریبل مسٹر گوکھلے اول مرتبہ
ہمارے کالج میں آئے اور بڑے دروازہ سے گزر کر اسٹریچی ہال اور اُسکے
ارد گرد کا منظر دیکھا تو اِسکی تعریف ضرور کی مگر یہ بھی کہا کہ تمام عمارتیں دبی دبی
معلوم ہوتی ہیں۔ ہمارے ناظرین کو مسٹر سید سجاد حیدر کا وہ خط بھی یاد ہوگا جو
انھوں نے "اولڈ بوائے" کو قسطنطنیہ سے بھیجا تھا۔ اُنہیں "اولڈ بوائے" کا
ایک نمبر قسطنطنیہ میں ملا تھا۔ وہ جب اپنے ترک احباب سے ملنے گئے تو اُس کو
اس غرض سے لیتے گئے کہ اسکی کور کی تصویر کو دکھا کر اُن کو علیگڈھ کی عمارات
کا اندازہ کرائیں گے۔ اس کو دیکھکر جو رائے ان کے احباب نے دی وہ تقریباً
وہی تھی جو رائے مسٹر گوکھلے کی تھی۔ واقعی امر تو یہ ہے کہ "رفعت" یکمنزلہ عمارت
میں ہونا نہایت دشوار بلکہ قریب قریب ناممکن کے ہے۔ رہی "وسعت" وہ ہمارے
لیئے بلائے جاں ہو گئی ہے۔ آج اگر ہم میں سے کوئی باہر سے آکر چند گھنٹوں میں
مختلف بورڈنگ ہاؤسوں اور عمارتوں میں جاکر اپنے احباب سے ملنا چاہے تو
اُس کو یقیناً ایک موٹر کار کی ضرورت ہوگی۔ بجائے عمارات کے دو منزلہ اور
ایک دوسرے کے قریب ہونے کے اُن میں بہت فصل ہے اور فصل ہونا
بھی چاہیئے؛ جبکہ پارک نما اور یکمنزلہ ہوں۔ یہی نہیں کہ فضول قیمتی زمین بیکار

ضایع کی گئی ہی؛ بلکہ طلبا کی نگرانی اُن کے میل جول کھیلوں اور جلسوں کی شرکت میں دشواری ہوتی ہی۔ منٹو سرکل میں جو کمرے تیار ہوئے ہیں وہ کسی طرح آرام کے لحاظ سے پکی بارک کے کمروں سے کم نہیں ہیں۔ مگر طلبا وہاں رہنے کو "عبور دریائے شور" تصور کرتے ہیں۔ گرمی برسات یا جاڑوں کی راتوں میں یونین کلب سے منٹو سرکل جانا ضرور تکلیف دہ ہوگا۔ اگر موجودہ پکی بارک یعنی سرسید کورٹ دو منزلہ کردیجاتی (جو آسانی سے ہوسکتی ہی) اور پرانی کچی بارک (سید محمود کورٹ) کی جگہ خوشنما دو منزلہ بارکیں بنادیجائیں اور بیچ کے وسیع صحن میں سے بدنما، آنکھوں کو تکلیف دینے والی ایسپریل کو علیحدہ کرکے ایک خوبصورت سبزہ زار (لان) تیار کیا جائے جس میں طلبا کرکیٹ اور ٹینس کھیل سکیں تو ہم فخر سے ہر باہر کے آنے والے کو یہ حصہ کالج دکھا سکیں اب تو اس سے شرم آتی ہی اور خود ہمارے طلبا جو وہاں رہتے ہیں نالاں ہیں۔

ہم یہ سلسلہ مضامین جاری رکھیں گے اور اپنے ناظرین اولڈ بوائز سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے خیالات سے ہم کو مطلع کریں۔ ہم اس وقت مضمون کو ختم کرتے ہیں اور بلڈنگ کمیٹی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ (۱) مصمم ارادہ کرلے کہ آئندہ کالج کی تمام عمارتیں دو منزلہ ہوں (۲) موجودہ یکمنزلہ عمارتیں حتی الامکان دو منزلہ کردیجائیں (۳) فوراً تمام زمین کی پیمائش کراکر موجودہ عمارتوں کو نقشہ میں قائم کردیا جائے۔ اس کے بعد ماہران فن کے مشورہ کے بعد اسباب کی کوشش کرے کہ ان پرانی عمارتوں میں کیا ردوبدل ممکن ہی کہ وہ نئی عمارتوں سے مل جل جائیں۔ (۴) آئندہ کوئی عمارت بغیر مشورہ ماہر فن تیار نہ کیجائے (۵) آئندہ کسی حالت میں کچی اور پکی بے معنی، بے مصرف اور بے تکی عمارتیں نہ بنائیں جائیں؛ جیسی کہ ممتاز ہاؤس کے باہر شمال وجنوب

میں اسٹاف کے لیے تیار کی گئی ہیں۔ (۶) کالج اور اسکول کے اسٹاف کے لیے عمدہ اور دو منزلہ عمارات کے لیے نقشے انعام دے کر تیار کرائے جائیں، جو علاوہ آرام دہ ہونے کے خوبصورت بھی ہوں تاکہ ہمارے کام کرنے والے خوش وخورم رہ کر علمی خدمات کی جانب متوجہ ہوں۔ گرد ونواح کا دماغ پر بہت اثر پڑتا ہی۔ آئندہ ہم ہر عمارت کے متعلق مفصل حالات لکھیں گے۔ ہمارا منشا ہی کہ بلڈنگ کمیٹی اس ضروری سوال کی طرف فوراً متوجہ ہوگی۔ اور اگر اس اسکیم کے تیار کرانے اور ماہر فن سے مشورہ لینے میں دس پانچ ہزار خرچ ہوں تو ضرور خرچ کرے گی۔

نوٹس

بعض اولڈ بوائز کی گفتگو اور خطوں سے ہمکو یہ اندازہ ہوا کہ وہ اب تک اولڈ بوائے کے اجرا کی نسبت غلط خیال رکھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک "اولڈ بوائے" صرف تفریح طبع کا ایک آلہ ہی۔ جس کو ہنسی مذاق کی باتوں کے علاوہ کارآمد اور سنجیدہ مضامین سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خیال سراسر غلط ہی۔ اولڈ بوائے کا مقصد اولڈ بوائز میں علیگڈہ کی محبت کا پیدا کرنا۔ اور اُن کو اس کے حالات سے باخبر رکھنا ہی۔ ہماری درخواست ہی کہ ہمارے احباب ہمیں جلد سنجیدہ مضامین بھیجیں۔ مگر یہ خیال رہی کہ ان کا تعلق علی گڑھ اور اُس کے گزشتہ موجودہ اور آئندہ زندگی سے ہو۔ ہمارا رسالہ معمولی علمی رسالہ نہیں ہی جس میں ہر قسم کے علمی مضامین کو جگہ ملسکے

ہمارے ایک عزیز دوست نے ہم کو ایک پُر لطف خط لکھا ہی جس کا ایک دلچسپ فقرہ ہم یہاں درج کرتے ہیں؛

آپ کو معلوم ہی کہ میں ابتدا سے "اولڈ بوائے" کے مداحوں میں ہوں۔ اسلیے میری درخواست پر غالباً بدگمانی نہ کیجائے گی۔ آپ براہ مہربانی اپنے دفتر کو ہدایت فرمادیجیے اور خود بھی اِس پر عمل فرمائے کہ آئندہ چند ماہ کے لیے "اخی، بھائی، اخی مکرم، مادر کالج" اور "درشاہوار" اولڈ بوائے میں نظر نہ آئیں۔ گزشتہ بارہ ماہ میں جس قیمتی اخوت کو اِس بے دردی کے ساتھ آپ اور آپ کے کارپردازوں نے صرف کیا ہی کہ آئندہ اِس کے مفقود ہونے کا خطرہ ہی۔"

ہم اپنے "دوست" سے معافی مانگتے ہیں، واقعی اِن الفاظ کو ضرورت سے زیادہ استعمال کیا گیا تھا، اور "درشاہوار" تو کتاب کا اشتہار تھا۔ بہرکیف ہم اپنی غلطی پر خوش ہیں کہ اس کی بدولت مہر سکوت ٹوٹی۔

خدا ترا یتِ ناداں دراز سن کو کرے
ستم کے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن تو کرے

۲۔ ۳۔ اور ۴۔ جون کو صبح سے لے کر شام تک لکھنؤ میں آنریبل راجہ صاحب محمود آباد کی کوٹھی قیصر باغ میں یونیورسٹی کانسٹی ٹیوشن کمیٹی کے اجلاس ہوئے، علاوہ پریسیڈنٹ آنریبل راجہ صاحب محمود آباد اور نواب اسحاق خاں بہادر کے اور بھی ٹرسٹی صاحبان موجود تھے، قبلہ و کعبہ نواب وقار الملک بہادر بوجہ علالت شریک نہ ہوسکے تھے مگر اُنھوں نے ہر امر کی نسبت تحریری رائے بھیجدی تھی، جو اجلاس میں پڑھی گئی تھی، مسٹر جسٹس سید کرامت حسین صاحب الہ آباد سے، آنریبل مسٹر رفیع الدین پونا سے اور مفتی فدا محمد خاں صاحب اور صاحبزادہ

عبدالقیوم صاحب پشاور سے تشریف لائے تھے، اولڈ بوائز کی تعداد خاصی تھی صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب، مسٹر محمد علی، مسٹر راس مسعود، ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، مسٹر سید نبی اللہ، مسٹر سید وزیر حسن، مسٹر شوکت علی، ڈاکٹر ناظر الدین حسن، مسٹر عبد المجید خواجہ، مسٹر شیخ عبد اللہ، مسٹر عبد العزیز خاں اور پروفیسر عبد العزیز نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ مولوی حبیب الرحمن خاں، مسٹر شاہد حسین، مولوی محمد عسکری اور مسٹر سمیع اللہ بیگ آخر تک جلسوں میں شریک رہے تھے۔ باوجود شدت کی گرمی کے شروع سے آخر تک ریگولیشن پڑھے گئے۔ اور اُن پر کافی مباحثہ ہوا۔ نہایت ضروری ترمیمیں کی گئیں۔ جس سے قانون کی بہت سی خرابیاں دور ہو گئیں۔ افسوس کہ ترمیم شدہ قانون ابتک پبلک کے سامنے نہیں۔ اور اس تساہل سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب سکرٹری کمیٹی اگر مسودہ قانون درست کرتے وقت نواب وقار الملک بہادر، پروفیسر عبد العزیز اور دیگر پروفیسران کالج سے مشورہ لیتے تو اس قدر دقتیں نہ پڑتیں۔ ہم نے کالج کے مسلمان اسٹاف کو اکثر یہ جائز شکایت کرتے سُنا ہے کہ ایسے جائز امور میں اُن سے کبھی مشورہ نہیں لیا جاتا۔ یہ ایک نہایت قابل اعتراض بات ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آئندہ سے اس قسم کی شکایت نہ ہوگی۔ عام طور پر اندیشہ تھا کہ ٹرسٹی صاحبان کے (کورٹ کے) مقابلہ کے لیے سینٹ تیار کیا گیا تھا۔ کمیٹی نے صاف طور پر اظہار کر دیا کہ کورٹ کو ہر وقت اختیار ہوگا کہ سینٹ کے فیصلہ کو ترمیم کر دے۔

آنریبل راجہ صاحب نے اپنے مہمانوں کی بے حد خاطر و مدارات کی۔ مہمان نوازی واقعی اُن کا حصہ ہے۔

۱۸ جولائی کے اخبارات سے یہ تشویش ناک خبر ملی کہ گورنمنٹ ہند نے یہ قطعی فیصلہ کرلیا ہے کہ علیگڈھ اور بنارس کی یونیورسٹیاں انھیں مقامات کے لیے محدود ہوں گی۔ جو بے چینی اور رنج اس خبر سے عام طور سے مسلمانوں کو ہوگا وہ قابل بیان نہیں۔ ہم اس کے متعلق مفصل حالات آئندہ لکھیں گے۔ اسوقت اس قدر کافی ہے کہ مسودہ قانون کو دوبارہ تیار کرنا ہوگا، پرووسٹ اور اسٹاف کی نسبت ترمیم کی ضرورت ہوگی۔ ہم کو افسوس ہے کہ یہ فیصلہ بہت سے دلوں کو دکھائے گا۔ ہمکو معلوم ہے کہ ہماری یکجہتی اور متفقہ آواز سے اس معاملہ میں کارروائی ہوگی۔

حال میں ہم نے ایک چھوٹی سی ناتمام نظم مسٹر سید ہاشمی کی جو کالج میں تھرڈ ایر میں پڑھتے ہیں اتفاقاً ایک جلسہ طلباء میں سنی۔ پڑھنے والے مسٹر منظور علی تھے جن کی آواز میں درد ہی اور جو اقبال کے ترانہ کے باعث مشہور عام ہیں۔ نظم کے خاتمہ پر دس یا پندرہ منٹ تک سناٹا تھا۔ نظم یہ ہی۔

اے گرفتار بلا اے امت خیر البشر — اے غزال پا شکستہ سے کہیں مظلوم تر
دیدۂ بیم و رجا کس بات کا ہے منتظر — ڈالتا ہے کیا ٹرپولی پہ حسرت کی نظر

یاں بنایا جائیگا مرقد تری ناموس کا
یاں نشاں ہوگا تری ذلت تری افسوس کا

یاں کھڑی ہوگی عمارت کافر گمراہ کی — یاں پریشاں کر دیجائیگی کتاب اللہ کی
یاں گھٹا چھایا کریگی مسلموں کی آہ کی — خاک میں ملجائیگی عزت رسول اللہ کی

تا نہ بچنے پائے میت بھی کوئی اس نام کی
نعش پانی میں ڈبو دی جائیگی اسلام کی

کس جہنم کی ہوا تھی جس کا جھونکا چلگیا — باغ تیرہ سو برس کا لہلہا کر جل گیا

دفعتہ کوہِ غم و اندوہ پھٹکر آپڑا　　ایک ہچکی میں کلیجہ منھ کے باہر آپڑا
ایک مدت سے جو امت لی رہی تھی سسکیاں
اس مریض نیم جاں کا آج منکا ڈھل گیا۔
کیا یہ سچ ہے دین احمد کا لٹا دل اور جگر　　کیا دعائیں کلمہ گویونکی گئیں سب بے اثر
کیا ابھی تک قبر سے باہر نہیں نکلا عمرؓ　　تاکہ دیکھے مومنونکی خاک و خون آغشتہ سر
انہدام کوشک توحید اُٹھکر دیکھ لے
اور دریدہ روضہ اطہر کی چادر دیکھ لے

سیّد ہاشمی، کالج علی گڑھ

---

۷ جولائی کو مسٹر شوکت علیؓ نے اپنے کارخانہ کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیئے علیگڈھ اور اطراف سے بہت اولڈ بوائز اور غیر اولڈ بوائز کو مدعو کیا تھا۔ علیگڈھ سے مسٹر سرفراز خان اڈیٹر اولڈ بوائے اور چند حضرات وہاں پہلے سے ہی پہونچ گئے تھے۔ ۷ تاریخ کی صبح کو بنارس سے ڈاکٹر سیّد محمود (قوم) اور مراد آباد سے مسٹر سیّد رضا علیؓ، مسٹر محمد امین، مسٹر ابوالحسن، مسٹر مسعود الحسن، مسٹر سیّد مسلم، مسٹر محسن حسین مسٹر محمد باقر اور چند اور لوگ آپہونچے۔ مسٹر مشتاق کے نہ آنے کا سبکو افسوس تھا۔ مگر دوپہر کو وہ بھی یکایک آگئے، دوپہر کو سب نے قصر ریاست اور رامپور کی دوسری عمارتیں دیکھیں اور شام کو دعوت میں شریک ہوئے، ایک اولڈ بوائز کا دوسرے اولڈ بوائز سے گلے ملنا عجب کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ اور میزبان کی خاطر و مدارات نے کئی سو مہمانوں کے قلوب کو اپنی جانب کھینچ لیا تھا یہ رسم حضور نواب صاحب بہادر کی عدم موجودگی میں حضور کے خاص اصرار سے عمل میں آئی ہے۔ مگر اعلیحضرت کے موجود نہونے کا ہم سبکو افسوس تھا۔ اور ہماری آنکھیں اپنے صوبہ کے سب سے بڑے والی ملک اور ایک پرجوش علم دوست کو ڈھونڈتی تھیں آخر ہم سب نے خوب کھایا پیا اور سرکاری بینڈ کی گت سننکر شب کی گاڑی سے رامپور کو خدا حافظ کہا۔ ہماری دعا ہے کہ یہ کارخانہ ترقی کرے اور قومی کاموں میں ہم مسٹر شوکت علےؓ سے دل کھول کر رقمیں وصول کریں۔

نذرِ ناظر

پچھلے دنوں یونیورسٹی کانسٹی ٹیوشن کمیٹی کے جلسوں کے لیے ہم لکھنؤ گئے تھے
وہاں ہم سب کو اسقدر کام کرنا پڑا کہ صبح سے لے کر شام تک ذرا فرصت نہیں ہوتی
تھی مگر شام کو چار کے وقت ایک دن تھوڑا موقع ملا اور ہم اپنے عزیز بھائی مسٹر
محمد فاروق سے ملنے گئے ہم تین چار اولڈ بوائز تھے اور اتنے ہی نئے طلبا ہونگے
ہم سب نے مسٹر فاروق سے خواہش کی کہ اپنا کلام سنائیں اُنہوں نے جو نظمیں ہمیں
سنائیں اُن میں سے ایک "نذر ناظر" ہم ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں اسکے
مصنف مسٹر فاروق اور مسٹر آفتاب عمر ہیں جن کی شوخی طبع سے کالج خوب واقف ہے
اِس نظم کی شانِ نزول اسطرح پر ہی کہ ہمارے عزیز دوست مسٹر ناظر حسن انصاری
کالج میں ایک ساتھ پڑہتے تھے۔ اتفاق سے مسٹر ناظر سنہ ۱۹۰۹ء میں پریپرمانیٹر ہو گئے
نماز کے خود پابند تھے اسیلیے حاضری لینے میں سختی سے کام لیتے تھے غیر حاضروں پر
چونکہ جرمانہ ہوتا تھا اسیلیے وہ سب ان سے ناراض تھے یونین کلب کے سالانہ انتخاب
میں وہ عہدہ سکرٹری کے ییلے امیدوار ہوئے، مخالفین نے بہت زور لگایا،
کوشش کی مگر وہ ایک ووٹ سے کامیاب ہو گئے۔ سنا گیا ہی کہ جسوقت وہ
کرسی نظامت پر جلوہ فرما ہوئے۔ ساری یونین میں اللہ اکبر کا شور تھا اور کان
پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ جسطرف وہ نکلتے نعرۂ تکبیر بلند ہوجاتا۔ جب مخالفوں کا
کچھ اور زور نہ چلا اور تکبیریں کہکر تھک گئے تو ایک نظم لکھدی جسکا نام "نذر ناظر"
رکھا گیا اور جو اُنکو باقاعدہ طور سے پیش کی گئی۔ یہ سب حالات ہمیں مسٹر......سے
ملے ہیں، نیز ہم سے اُنہوں نے وعدہ کیا ہی کہ اولڈ بوائے" کی مختلف قسم کی خدمتوں
میں وہ ہمیں مدد پہنچائینگے:۔

کچھ غیب سے نرالے ہی سامان ہو گئے — پورے ہمارے دل کے سب ارمان ہو گئے
ہم خود کلب میں ناظمِ[1] دیوان ہو گئے — ساتھی ہمارے جتنے تھے ارکان[2] ہو گئے
جس طرح بندروں سے سب انسان ہو گئے

کن کن مصیبتوں کا گناؤں میں تمکو نام — کافر لعین[3] کہتے تھے لڑکے مجھے تمام
اور میں بھی جھوٹ سچ سے بناتا تھا اپنا کام — ان ساری دقتوں کا ہوا اب یہ اختتام
مسجد سے ہم نکل کے مسلمان ہو گئے

کرتے تھے انتخاب[4] میں سب میری رد و کد — تھے برخلاف جتنے تھے کالج کے نیک و بد
مانیٹری کی چپکے سے حق کو دکھا سند — لے آیا ووٹ کو میں فرشتہ سے لے مدد
دشمن[5] تمام دیکھ کے حیران ہو گئے

آئندہ یونین جو کبھی بند ہو جائیگا — احمد کمال[6] ہاتھ میں قلم[7] اٹھائے گا
عبدالودود[8] آکے ڈبیٹ بچائے گا — حافظ بشیر فرش تلک لینے آئے گا
کیا کیا خدا کے فضل سے سامان ہو گئے

جب آسمان زمین بنے اور زمیں فلک — کالج کے جھگڑے آ کے چکانے لگیں ملک
اور ہو فریب فکر میں اعجاز کی جھلک — گر معاملات یونہیں رہے کچھ دنوں تلک
سن لیجیو ہم بھی صاحبِ دیوان ہو گئے

---

[1] سکرٹری سٹڈنٹس یونین کلب
[2] ممبر کیبینٹ
[3] سینیر پریپر مانیٹر
[4] الکشن سالانہ یونین کلب
[5] مخالف پارٹی
[6] آجکل بیرسٹری کی تعلیم کو گئے ہوئے ہیں
[7] مراد ہاکی اسٹک
[8] بی اے پاس کرکے اب لا پڑھتے ہیں
[9] آجکل سرسید کورٹ میں اسسٹنٹ ٹیوٹر ہیں ایل ایل بی کا امتحان دے چکے ہیں۔

آفتاب عمر

۱

رجسٹرڈ نمبر اے (۵)

اولڈبوائی

جلد ۲ (بابت ماہ اگست ۱۹۱۲ء) نمبر ۱۲

—— اڈیٹر ——

ابوحامد عترت حسین بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

مطبع احمدی علی گڈھ مین طبع ہوا

حسب ایما مسٹر سید منظر علی دفتر اولڈبوائے واقع جعفر منزل علی گڑھ سے شائع ہوا

اولڈبوائے

اس ماہواری رسالہ کے خاص مقاصد ہین

(۱) جملہ حقوق طلباء مدرستہ العلوم مسلمانان واقع علیگڈہ کے دلون مین انکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُسکے حالات سے اُنکو باخبر کرنا اور اس کی ترقی کے لئے ہر طرح کوشان رہنا۔

(۲) اولڈبوائز مین رشتہ اخوت قائم رکھنا اور اسکو ترقی دینا اور حالات سے ایکدوسرے کو آگاہ کرتے رہنا

(۳) "اولڈبوائز ایسوسی ایشن" اور "کالج" کی مالی مدد کیلئے سابق طلباء کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمتگذاردن مین خود اوسکے فرزندوں کی خدمت کافی اور تسلی بخش ہون۔

(۴) جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانون کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا تاکہ وہ قومی خدمات مین معتد بہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکین جو قوم نے اُن پر ہمارے کالج کے قائم کرنیسے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست ہے

(۱) جملہ خط وکتابت دربار ترسیل زر و تبدیل پتہ منیجر اولڈبائے علیگڈہ سے ہونی چاہیے

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ اڈیٹر اولڈبائے علیگڈہ ہونا چاہیے اسیطرح ریویو کیلئے کتابین اور تبادلہ کیلئے اخبارات ورسائل بھی۔

منتظمان "اولڈبوائے" ہروقت مفید مشورہ و رفع شکایات کیلئے تیار ہین اور شکرگذاری کے ساتھ اونپر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر

۷۸۶

اولڈ بوائے

نیچہ

×(۰)×
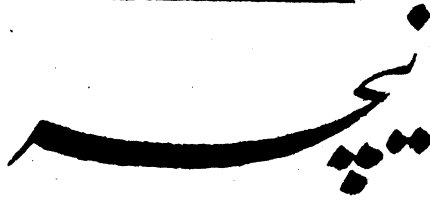
علی گڈھ کے بڑے چھوٹے سیکڑون انسٹی ٹیوشنس مین بلحاظ رنگینیت، جو امتیاز "نیچہ" کو حاصل ہے وہ بہت کم خطاب یافتون کے حصہ مین آیا ہے۔ "بمبوق" "خبنا" "بوم" جیسے امتیازی آرڈر بلحاظ اپنی وسعت اثر، اور بلحاظ اپنی عمر کے یقیناً ہر دوسری "آرڈر" پر فوق رکھتے ہین لیکن چند خصوصیتین ہین "خو نیچہ" کے سوا مادر کالج کے کسی دوسرے فرزند کو حاصل نہین ہو سکتین۔ وحدانیت استقلال طبع یا وضع داری ذاتی وجاہت، اور کسبی متانت، (جو صرف ڈپلومیٹیک اوقات مین استعمال کی جاتی ہے) ایسے خصوصیات ہین جن سب کا ایک ہی شخص مین جمع ہو جانا ایک ایسا واقعہ ہے جسکی مثال کالج کے بڑے سے بڑے "آرڈر" بھی پیش نہین کر سکتے لفظی تناسب سے اگر بھائی "نیچہ" کا شجرہ نسب طیار کیا جاوے تو غالباً یون ہوگا (اہل نظر ضروری ترمیم خود کرلین م)

تماکو

- سگار
  - سگار کٹر
  - ایش ٹرے
- سگریٹ
  - بیڑی
- حقہ
  - گڑگڑی
  - فرشی
  - سٹک
    - قفلی
    - چلم
    - نیچہ
    - توا
  - پیچوان
- پائپ
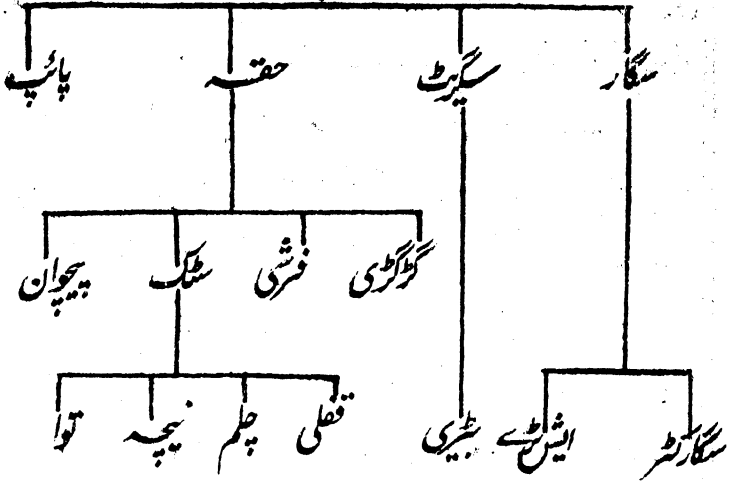
"نیچہ کے خاندان کا مورث اعلیٰ تماکو، اوسکا فرزند اولین حقہ اور حقہ کی سب سے بڑی اولاد سٹک اور سٹک کے خاندان کا سب سے زیادہ دلچسپ چشم و چراغ "نیچہ" کالج مین اس دلچسپ نام کے ساتہہ جو تن واحد موسوم ہے اوس کو اپنے نام کے ساتہہ چند ده مناسبتین ہین جو کسی دوسری "آرڈر" کے ممبرون مین اس حد تک نہین پائی جاتین نیچہ کی سی خمیدہ کمر، ساتہہ ہی طویل القامت دہوین اور آگ کے اثر سے جہلسا ہوا منہہ نیچہ کی طرح منہ لگنے کی عادت گڑگڑانے کی خصلت، یہ تمام خصوصیات خود نام کی موزونیت کی دلیل ہین۔ نام کی موزونیت کی ایک یہ بہی دلیل ہے کہ بہائی "نیچہ" صاحب کو حقہ سے خاص تعلق، اور حقہ کشی آپکی زندگی کا بہترین مشغلہ ہے تماکو جیسے مورث اعلیٰ کی وسیع سلطنت مین بہت کم لوگ ہین جن کو اُس سے ایسی گہری عقیدت کا دعویٰ ہو سکے۔ وہ زمانہ جبکہ بہائی "نیچہ" اپنی عمر کا "زمانہ جاہلیت" یکی پارگ مین گذر رہے تھے حیرز والے بہت سے لوگون کو یاد ہو گا۔ صبح سے شام تک اسی عجیب و غریب قہقہہ کی آواز (جس کو دنیا مین اگر کسی چیز سے مشابہت دی جاسکتی ہے تو وہ شاید حقہ کی وہ آواز ہو سکتی ہے جو زور سے دم لگاتے وقت تہوڑے پانی ہونے کی حالت مین پیدا

ہوتی ہے) یکی بارگ کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک کمرو بہ کمرہ گھومتی پھرتی تھی یا صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک نیب کے سایہ تلے سے اٹھہ اٹھہ کر مرکے جھونکے کی طرح ایک طرف گریجویٹ لان اور دوسری کرکٹ فیلڈ کے سبزہ زارون تک رقص کرتی ہوئی کھلکھلاتی ہوئی جاتی تھی اور لوٹ آتی تھی محکمۂ تفتیش یا تو یون کہیے کہ کالج کے .D .ن .C مین سب سے قابل وہ عہدہ دار جس نے اپنی کوششون سے بہت سے راز سربستہ محض بانس کی لکڑی کے بل پر تحقیق کیے۔ قسمت مین اثار قدیمہ سے جو تعلق لکھا ہوا تھا۔ اوسکی ابتدا بھی اسی وقت سے ہوئی جب کہ .D .ن .C کا سلسلہ کالج کے کھنڈرون مین چاندنی راتون کے درمیانی اور پچھلی گھڑیان گذاری جاتی تھین۔ وہ زمانہ تھا کہ کالج مین گانے والے تو بہت تھے مگر بھائی نیچہ سے بڑا گانے والا اور رسیا ہوا گانے والا کوئی نہ تھا۔ جھونٹ مونٹ کو بھی کبھی گلے مین خراش کی شکایت پیدا نہین ہوئی۔ موسیقی سے "بھائی نیچہ" کو جو خاص تعلق تھا اور "سید صاحب سادھا" گانا جیسا اونھین آتا تھا اوسکی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ بارگ کے ہر کمرہ اور ہر لڑکے کی زبان پر

"جہیر نامست ورنہ ہم گا دینگے"

کا فقرہ آپکے خیر مقدم کا اولین دیباچہ ہوتا تھا۔ جب کہ وہ کمرہ مین قدم رکھتے تھے تو ہمیشہ کوئی نہ کوئی نغمہ آپ کی زبان پر ہوتا تھا۔ اگر سوء اتفاق سے ایسا نہو تب بھی وہ کسی کے سلام کا جواب دینے سے پہلے اپنی "وہ ایک دو چیز ضرور سنا دیتے تھے کمال یہ تھا کہ جب نغمہ شروع ہوا ہمین نوحہ کا لطف اگیا۔ اور جب نوحہ شروع کیا تو ہمین نغمہ کا مزہ دے گیا۔ یہ "ایک دو چیز" ہمیشہ ایک دو گھنٹہ سے کم مین ختم نہین ہوتی تھی اور اکثر ایسا ہوا کہ گاتے گاتے جب آنکھہ کھولی ہے تو بھائی نے کمرہ خالی پایا ہے۔ بعض چیزین بلحاظ مذاق شاعرانہ اونھین کیلئے مخصوص تھین مثلاً

"چھوٹا دیوالو چلے جائے گوونداکی چپیاں چپیاں"

یاد ـــ تھا نہیں ہے کہ امداد دل کو طپش کا صلہ ہو کہ مزد تلق ہو۔

"گووندا کی چپیاں چپیاں" کا بار بار دہرایا جانا اور "طپش کا صلہ ہو کہ مزد تلق ہونے"
عجیب غریب چٹکلے وہ کیفیت پیدا کرتے تھے جسنے آخرکار ہمارے دماغوں میں پہنر نامت"
والا فقرہ موزون کردیا۔ اس نغمہ سرا سے میں جب کبھی اصل سر یا دہن خراب ہوجاتی
تو ہمیشہ گانے میں معافی مانگ کر پھر ایسی جلدی اُس سلسلہ کو شروع کردیتے تھے کہ کسی
کو بات کرنے کا بہی موقع نہیں ملتا تھا۔ طلسمانی راگ جو گرمی میں سردی اور سردی میں گرمی
پیدا کرتے تھے اسوقت اپنا پورا روحانی اثر دکھلاتے تھے جب کہ رات کے "دو بجے" پہر میں
سے تانین، دہان موزون سے نکل نکل کر دوش صبا پر اٹھکھیلیاں کرتی تہیں۔ ایسے
عجیب وقت میں جب کہ آدھی رات کے بعد "استاد" کی گٹکری دار آواز (جس کو لوچ
دار کہنا اوسکی ہتک کرنا ہے) سوتے سوتے جگا کر دماغ اور قلب سے محسوسات میں
ایک عجیب قسم کا ہیجان پیدا کردیتی تھی اور ہم لوگ بہی نیچے سر دن اسوقت جو کچھ
تفنیف کرتے تھے وہ شاعرانہ نقطہ خیال سے اِس نغمہ نیم شبی سے کم نہ ہوتا تھا۔

امتحان کے قریب جب کہ لڑکے رات کو دیر تک پڑھنے میں مشغول رہتے تھے
یہ نوائے دلکش اُنکی محنتون کی سچی داد اور اونکے لئے پیام امید تصور کی جاتی تھی یونین کے
انتخابات میں بھی یہ انسانی دو تارا عربون کے رجز خوانی سے زیادہ موثر ہوتا تھا۔
"لوفنگ سوسائٹی" میں خصوصاً "بہائی نیچہ" کے ترنم آفرینیان ممبرون کے دلچسپی کا
ایک بہت بڑا ذریعہ ہوتی تہین۔ مجھے یاد نہین کہ ہمارے بہائی کو سالانہ خطابات مین
بہی کبہی کوئی خطاب ملا ہے یا نہین۔ (کسی صاحب کو معلوم ہو تو لکھین) لیکن میری یاد
آپکی ذات کے لئے کالج کا ہر اعزاز کم اور بہت ہی کم تہا۔ اور آپ کی اعلیٰ قابلیتین
سے مستغنی تہین۔

به خال وخط وزیبا کش چه حاجت روی زیبا را

"بهائی نیچه" کی طبیعت مین ایک خصوصیت اور بھی تھی جسکی وجہ سے آپ کی ذات مین تھوڑی سی رنگینی کا اور اضافہ ہو گیا تہا۔ اور لڑکون کو تفریح کرنے کا ایک ذرا سا اور شغلہ ہاتہہ آ گیا تھا۔ یعنی آپکی انسلٹ (Insult) بہت جلد ہو جاتی تہی۔ کسی نے سلام علیکم زور سے کیا اور آپ کی "انسلٹ" ہو گئی۔ کسی نے چھینکا اور وہ بین بجبین ہوے کسی نے قہقہہ مارا اور وہ نعل در آتش۔ ہر بات پر اونہین یہی خیال ہوتا تھا کہ انکی "انسلٹ" کی گئی حالانکہ یہ یقین کے ساتہہ کہا جا سکتا ہے کہ انکی "انسلٹ" کے لئے اس قسم کے بے ضابطہ طریقے بالکل ناکافی تھے۔

اب "بہائی نیچہ" ایمپریل ڈیپارٹمنٹ کے اعلی عہدہ دار ہین۔ گرمیون مین شملہ رہنا ہوتا ہے۔ اس لئے جاڑون مین ہی نیچے اونکو پسینہ آجاتا ہے اول اول جب . . . . . . دروازہ مین مکان لینا پڑا تہا۔ تو کالج مین "شریر لڑکون" نے اون کی بہت "انسلٹ" کی تہی لیکن انہون نے اس قسم کا بہت کم موقعہ دیا۔ اور بہت ہی جلد کالج مین آرہے۔ بہت کم طلبا ایسے رہگئے ہین جو اون کی بہت سی خصوصیات سے واقف ہون لیکن اب ہی بہت ہین جو "انسلٹ" سے بخوبی واقف ہین اور اب ہی جو لڑکا (بقول آغا) "مجہہ سے مذاق کرتا ہے" وہ نہ صرف آپ کی ہتک کرتا ہے بلکہ کالج کے کل اولڈ بوائز کے ساتہہ یہانتک کہ اولڈ بوائز ایسی ایشن، کالج، نواب صاحب، اور سر سید کے ساتہہ ایسی سخت گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے۔ جس کے متعلق وہ ہمیشہ سالانہ ڈنر مین ایک رزولیوشن کے پاس ہونے کی ضرورت پر زور دیا کرتے ہین۔ بقول اونکے۔ پرانے اور نئے طلباء کی پوزیشن مین ایک امتیازی فرق ہونا چاہیے، طبیعت کی' اور فطرت کے خاص خاص جوہر عمر کے ساتہہ بڑہتے جاتے ہین۔ اور اون کی سوسائٹی مین روز بروز ترمیم

ہوتی جاتی ہے۔ احباب کی فہرست سے اُن لوگون کے نام کاٹے جارہے ہین جو کالج کے اولڈ بوائز مین ڈپٹی کلکٹری اور تحصیلداری سے کسی نیچے عہدہ پر ہین۔ مقامی ضروریات بعض اوقات "لڑکون" شفقت آمیز متانت کے ساتھہ مخاطب کرنے پر مجبور کرتی ہین لیکن اسقدر احتیاط کے ساتھہ اُن کو دل مین بھی "نیچہ" کہنے کا موقعہ نہ ملے۔ جو لوگ (جنکی تعداد بہت ہی محدود ہے) اپنی خوش قسمتی سے شملہ مین بھائی "نیچہ" کے مہمان ہونے کی عزت حاصل کر چکے ہین، وہ اس عام خاطر و مدارات کو بھول نہین سکتے۔ جو سفر شملہ کے بہترین یادگار ہین۔ نہ صرف یہ بلکہ مین نہایت زور کے ساتھہ مشورہ دیتا ہون۔ کہ جس بھائی کو اچھی مٹھائی کھانی ہو، یا جس دوست کے کپڑے اچھے نہ دھلتے ہون وہ ان گرمیون مین ایک دفعہ شملہ جا کر اور بھائی نیچہ کے مہمان ناخواندہ ہوکر (اسلئے کہ اُن کا ہر مہمان ناخواندہ ہوتا ہے) تجربہ کرین اور مفت کی مٹھائی اور مفت کی دھلائی کے کپڑے اڑاوین۔ جن لوگون کو کالج کے زمانہ مین، دہوکہ دے دے کر "بھائی نیچہ" نے لکھنؤ کا تماکو منگوا منگوا کر دیا ہو۔ اگر وہ بدلہ لینے کے خواہشمند ہون تو ایک دفعہ ضرور شملہ ہو آوین۔ "بھائی نیچہ" کی کوٹھی مین" ٹھیرین۔ کپڑے دھلوائین اور مٹھائی کھائین۔ جسکا تمام صرفہ ہمیشہ صاحب خانہ نہایت اصرار کے ساتھہ اپنے ذمہ رکھتے ہین۔

کالج کے آثار قدیمہ مین بہت سی صورتین کالج سے جُدا ہوگئین بہت سے "مشاہیر" اپنی یاد کے سوا نہ کچھہ نہ چھوڑ گئے لیکن قرون وسطیٰ کی یادگار یہ ایک شخصیت گو اب طالب علمی کی حیثیت مین نہین ہے لیکن کالج مین موجود ہے کہ "مشاہیر" کے سلسلہ مین اس ایک شخصیت کی تنہا سوانح عمری اسقدر طویل ہے جس کا ضبط تحریر مین لانا ایک شخص کی تنہا کوشش سے ممکن نہین جن لوگون کو ان عجیب و غریب صحبتون سے بہرہ اندوز

ہونے کا موقع ملا ہو کچھ لکھیں اور تھوڑے تھوڑے قلمی چندہ سے اس شخص کے نام کو جنے ہماری صحبتوں کو روشن کیا ہی ہمیشہ کے لیئے اولڈ بوائز کے صفحات میں ثبت کر دیں۔ کالج کے یادرفتگان میں میری طرح سے خود بھی ایک باب کا اضافہ کر دیں۔

ان سطور کے پڑھنے سے اگر "بھائی نیچہ" خفا ہوں تو میں شملہ آکر اور پندرہ دن انکے پاس مہمان رہ کر (جس میں حسب معمول مٹھائی اور کپڑوں کی دُھلائی کا صرف بھی انہیں کے ذمہ ہوگا) نہایت متانت سے معافی مانگنے پر تیار ہوں، مجھے خود اس بات کا اندیشہ لاحق تھا۔ مگر دوستوں کے تقاضہ نے اسقدر لکھنے پر مجبور کیا ورنہ ابھی تو بہت کچھ باقی ہی۔ اٹھارہ روپیہ والا بوٹ اختلاج قلب۔ سی، ای ڈی کے کارنامے وغیرہ وغیرہ۔

راقم

"خاموش"

قومی لباس

سطور ذیل کا تعلق اس دلچسپ مضمون سے ہی کہ جو پروفیسر برادر مشتاق صاحب کے قلم فولادی سے نکلا ہی۔ اس میں شک نہیں کہ اس مضمون سے اتفاق یا برعکس حالت دونوں نتیجہ خیز ثابت ہوں گی۔ لیکن یہ نتیجہ اُسی وقت پیدا ہو سکتا ہی کہ جب اس مضمون کو ادھورا نہ چھوڑ دیا جائے بلکہ ایک عرصہ دراز تک تسلسل مضامین قائم رہے اور آخر میں مختلف مضامین کی معجون معتدل بنکر اس امر کا فیصلہ ہو جائے کہ آخر ہمارا لباس کیا ہونا چاہیئے۔ اگر اولڈ بوائز جمہور اسلام سے اپنے کو علیحدہ

کرلیں یا سمجھیں تو یہ انکی غلطی ہے اور اگر جمہور اسلام میں شامل رہ کر ڈیڑھ اینٹ کی
مسجد علیحدہ بنالیں - تو اُس پر اطلاق قومی عائد ہونا مشکل ہوگا - جب صورت حال
اس طرح ہے تو مدرسہ دیوبند و اڈیٹر اودھ پنچ پر جو سخت تازیانہ لگا کر پروفیسر
صاحب نے خامہ فرسائی فرمائی ہے وہ چنداں مستحسن نہیں معلوم ہوتی - بغیر اس بیجا
حملہ کے بھی پروفیسر صاحب اپنا مضمون تمام و کمال وضاحت کے ساتھ تحریر
فرما سکتے تھے - قابل پروفیسر صاحب نے گوہر ریزی فرمائی ہے کہ یہ اڈیٹر اودھ پنچ
کے ایسے خیالات ہیں - غالباً پروفیسر صاحب نے پچھلے پرچہ اودھ پنچ کے
ملاحظہ نہیں فرمائے - ورنہ وہ تنہا غریب اڈیٹر اودھ پنچ پر ایسا سخت الزام
عائد نفرماتے - لباس کے متعلق عرصہ سے اسی پرچہ میں مضامین شائع ہورہے ہیں
اور ایسی صورت میں انکے مورد عتاب ہمارے دوسرے بھائیوں کو اور خاصکر
مسٹر یعقوب کو ہونا چاہیئے تھا جو اول تحریک کنندہ اس مضمون کے ہوئے ہیں
پروفیسر صاحب تحریر فرماتے ہیں "پیارے اصول اور پکے اور مستقل ارادوں کو
جن کی تعلیم . . . . چھوڑ کر جبہ اور عمامہ یا چوڑی دار پائجامہ اور میلی
سڑی ہوئی قمیص پر وہ دار اچکن جس کے کالر پر چار چار انگل میل چڑھا ہوا ہو لئے
جس قصر منزلت سے ہم نکلے تھے اسی میں جا دھسیں" کیا پروفیسر صاحب براہ کرم
سرسید علیہ الرحمہ کا وہ لکچر پیش فرما دینگے جس میں سرسید نے پکے اور مستقل ارادے
اور پیارے اصول کا حصر چھوٹا کوٹ اور پتلون یا کسی لباس پر کیا ہو - اور اگر
کاش وہ ایسا نہیں کرسکتے تو سرسید کو بدنام کرنے کے بجائے یہ بہتر ہوگا کہ اسکو
اپنا پیارا اور سچا اصول تحریر فرمائیں - دوسرا اعتراض فقرہ مذکورہ میں یہ ہے کہ پروفیسر
صاحب کے نزدیک اچکن پہنتے ہی قصر منزلت میں دھس جاتا ہے اور اس
اچکن یا قمیص کو مزید شاندار بنانے کے لئے پروفیسر صاحب نے چار چار انگل میل

ہی چیڑھا دیا ہی یہ اُنکی محض طباعی ہی۔ یورب کو وہ زمانہ نہیں بھول سکتا کہ جب کوئی ساٹھ برس کی بڑھیا یہ فخر کر سکتی تھی کہ وہ اپنے ہوش میں کبھی نہیں نہائی اور موجودہ صفائی کا خیال یورپ میں جبہ پہنے والے مسلمانوں ہی کے ذریعہ پھیلا جسکی بدولت آج پروفیسر صاحب نہ صرف اُنکی صفائی بلکہ اُن کے کوٹ پتلون تک کے دلدادہ ہو گئے۔ اگر اس بحث کا نتیجہ یہ ہی جبہ وغیرہ کثیف نہ تھے جن کا اثر یورپ پر ہوا تو پروفیسر صاحب کی ہٹ دھرمی قابل داد ہی۔

(۲) یہ ہم مانتے ہیں کہ بقول پروفیسر صاحب انگریزی اور صاحب سے ایمان نہیں جاتا بشرطیکہ اِن الفاظ کے معنی کوٹ اور پتلون سے متجاوز نہ ہوں۔ لیکن اسی طرح پروفیسر صاحب کو فراخ دلی سے یہ بھی مان لینا چاہیئے کہ اچکن یا عبا یا قبا سرسید کے پکے پیارے اور سچے اصولوں کی کامیابی میں ہارج نہیں ہو سکتے۔ کیا کوئی صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے فخر قوم جناب نواب وقار الملک بہادر دام ظلہ سرسید کے سچے اصولوں کے پیرو نہیں ہیں اور کیا قبلہ نواب صاحب موصوف جبہ قبا وغیرہ کو ایسے ہی ذریعہ پستی خیال فرماتے جیسا کہ پروفیسر صاحب موصوف۔

ایک حد تک غیر ضروری قلم فرسائی کے بعد پروفیسر صاحب نے روئے سخن قائم کرنے کے لیئے دو سوال حسب ذیل ثبت فرمائے ہیں۔

(۱) ایک لباس قدیم وضع ہو تب ہی ترقی ممکن ہی۔

(۲) جسقدر میلا لباس ہو اتنی ہی جلدی ہم ترقی کر سکیں گے۔

میرے خیال میں اسی ذیل میں دو سوال اور بھی قائم کرنے چاہئیں۔

اوّل۔ ایا قدیم وضع کے لباس سے ترقی نہیں ہو سکتی اور ثانیاً اگر ہو سکتی ہی تو اُس لباس کو چھوڑ کر کوٹ اور پتلون سے کیوں بدل دیا جائے۔ بہر حال اِن چاروں سوالوں کے جواب ہر شخص دیسکتا ہی اور قرین قیاس یہ ہی کہ جوابات میں اختلاف

ہوگا لیکن پروفیسر صاحب کا جو قرار داد ہی کہ ہر شخص کو لٹھ مار مار کر کوٹ پتلون پہنایا جاے اس سے کوئی بھی متفق نہ ہوگا۔ جناب رسول مقبول کی تعلیم یہ ضرور ہی کہ قومی شان اور امتیاز قائم رہی چنانچہ حدیث نبوی میں تشبہ کے متعلق تصریح موجود ہی۔ لیکن اگر پروفیسر صاحب یا انکے دیگر ہم خیال اس کی پرواہ نہیں کرتے تو یہ کیا ضرور ہی کہ جمہور اسلام بھی نہ کریں۔ یہ سچ ہی کہ سرسید نے یورپ کو آئڈیل قرار دیا تھا۔ لیکن یہ قرار داد مشہور عربی مثل سے مشروط تھا "میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو" یورپ ہی پر حصر نہیں ہمارے لئے ساری دنیا آئڈیل ہونی چاہیئے لیکن صرف اچھی باتوں کے لئے' یہ ضرور نہیں ہی کہ ہم اندھی تقلید یہاں تک کریں کہ قمیص کے کف خراب ہو جانے کے خیال سے وضو ہی چھوڑ دیں۔ کیا پروفیسر صاحب مہربانی فرما کر کوئی شکل ہندوستان کے مسلمانوں کے میلان اور رجحان پر غور کرکے تجویز فرمانے کی کوشش کریں گے کہ ممکن العمل طریقہ ہمارے قومی لباس کا کیا ہو سکتا ہی۔ آخر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ پروفیسر صاحب نے غیر معمولی کرختگی اس مضمون کے تحریر فرمانے میں استعمال کی ہی۔ اور اسی وجہ سے میں نے اُن کے مضمون کو فولادی قلم سے لکھا ہوا موسوم کیا ہی۔

"شاہی عمارت" از الہ آباد

کیا کوئی صاحب مہربانی فرما کر مطلع فرمائیں گے کہ آجکل ہمارے عزیز بھائی عبد الرحمن صاحب بجنوری اور پہیلی بوجھنے والے سیالکوٹی صاحب کہاں ہیں کیا کرتے ہیں اور کیوں اسقدر خاموشی اختیار کیئے ہوئے ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کے مضمون سے جو لطف مجکو آیا بیان سے باہر ہی اور ابتک اُن کے اُسی پرانے مضمون کو اکثر پڑھ لیا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ کوئی نیا مضمون بھیجکر مجھ پر احسان فرما دیں گے۔

ابراھیم بیگ از الہ آباد

کالج کا لوفر شاعر

یوں تو کالج میں ایسی زور کی مشاعرے بھی ہوئے ہیں جس میں ہندوستان کے مشہور سے مشہور شعراء جمع ہوئے ہیں اور بڑے بڑے پائے کی غزلیں کہی گئیں۔ لیکن حضرت لوفر اپنی مثال آپ ہیں اور یہ پرائیوٹ مشاعروں ہی میں حصہ لینا پسند کرتے ہیں ایسے بڈھے ٹھڈے دقیانوسی لوگوں کی صحبت سے گھبراتے ہیں۔ آپ پرانی تشبیہات و استعارات کی قید سے آزاد ہیں اور بیساختہ کلام لکھتے ہیں۔ زبان روزمرہ کی ٹکسالی ہے مگر کالج کی ٹکسال میں ڈھلی ہے اور طالبعلموں کی مقبولیت کی چھاپ شدہ ہے آپ پولیٹیکل امور پر بھی قلم فرسائی کر دیتے ہیں اور سچ پوچھو تو طلبار کالج کی نظر میں رشک اکبر ہیں۔

مندرجہ ذیل نظم ۱۹۰۵ء میں کہی گئی تھی جب لارڈ کرزن و لارڈ کچنر میں باہمی اختلاف تھا اور جبکہ جاپان و روس کی لڑائی جاری تھی۔

ملے گا خوب قارورہ ہے جوڑ اچھی برابر کی

نہایت دوستی ہے آج کل بندے سے بیرر کی،

تشریح یہ نظم جس زمانے میں لکھی گئی ہے اس زمانے میں کالج سے چلا آیا تھا اس لئے تشریح میں قیافے سے زیادہ کام لیا جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نوآموز صاحبزادے نے کسی بیرے کی ذرا خاطر تواضع زیادہ شروع کر دی ہوگی یا اُس کو "بخشش" ضرورت سے زیادہ دینی شروع کر دی ہوگی چنانچہ لوفر صاحب نے فوراً اُن پر جڑ دی۔

اُڑا ئی ہی خبر اُس بت کی نسبت کیسی بے پر کی
کسی دن کھال کھینچی جائے گی دشمن کے چوتڑ کی

(نوٹ) قافیہ مکروہ ہی مگر قابل ملاحظہ ہی۔

لگاتے کیوں نہیں جانے کبھی اغیار کے سر پر
کہاں تک کام آئے کھوپڑی عاشق کی پتھر کی

(نوٹ) عاشق کا سر گویا قبر کا تعویذ ہی۔

شب مہتاب میں جب کہکشان کو میں نے دیکھا تھا
ہوا تھا شُبہ ٹوٹی ٹانگ ہی ماہ منور کی بنا بنا

(نوٹ) ماہ منور باندھنے کے لیئے مصرعہ ثانی کی بھی ٹانگ توڑ دی۔

سپاہی کی مگر سب جاؤبے جا مان لیتے ہیں
وگرنہ پیش جاتی لارڈ کرزن سے نہ کچنر کی

خبر ہی دیدیا ہی لارڈ کرزن نے رزگنیشن
مگر اب تک نہ آئی تار برقی کوئی روٹر کی

(نوٹ) اِن ہر دو اشعار میں کرزن و کچنر کے اختلاف کا حوالہ ہی اور کرزن کے مستعفی ہونے کی طرف اشارہ ہی۔

تپ فرقت سے زیادہ پیاس جب معلوم ہوتی ہی
منگا کر پی لیا کرتا ہوں بوتل سوڈا واٹر کی

(نوٹ) ڈاکٹر شفاعت اللہ صاحب نے بخار میں سوڈا واٹر کا استعمال بتایا ہوگا۔

گلے سے پان کی سرخی جو جھلکی یہ کہی پھبتی
صراحی دار گردن یار کی بوتل ہی جنجر کی

(نوٹ) لوفر کی زبان میں تشبیہ بمعنی پھبتی ہی۔ شاید آپ کو سفید چھچھوندر پیٹنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

اسی تقریب سے دیکھیں گے یورپ کے حسینوں کو
کریں گے جا کے پیرس میں تجارت کار موٹر کی

(نوٹ) قدیم شاعروں نے مصوری کو تقریب ملاقات خیال کیا تھا۔ لیکن موٹر کار سے زیادہ تقریب کس طرح ممکن ہوسکتا ہی۔ لفظ کار کی صنعت ملاحظہ ہو

ہوا ہی یار کے دربان کو بھی شوق افیون کا
بہت گاڑی چھنیگی میری اب اور گیٹ کیپر کی

بنا کر ہر مہینے بھیجتا ہی اکسکلوژن بل ،،،،
اٹنڈنس اپنی کٹ جاتی ہی ایسی تیسی برسر کی

(نوٹ) بہت پرانے اولڈ بوائز کے زمانے میں اکسکلوژن بل (Exclusion Bill) کا رواج نہ تھا۔ اس بل کی رو سے جن لوگوں کی رقم ایک خاص تاریخ تک ادا نہ ہوئی ہو وہ کالج میں نہ حاضری دے سکتے تھے نہ ڈائننگ ہال اُن کو کھانا دے سکتا تھا۔ اس طرح غریب کی حاضری میں کمی پڑتی تھی چنانچہ مشرقی شاعروں نے فلک کو کیا سنائی ہونگیں جو حضرت لوفر نے بچارے محاسب کو سنائی ہیں۔

پھرینگے دن تو پشہ بھی کرے گا زیر ہاتھی کو
ثبوت اس کا بدیہی ہی لڑائی پورٹ آرتھر کی۔

انوکھا بات کہتا ہی نیا مضمون لکھتا ہی ،،،
بڑا شاعر ہی کالج میں مچی ہی دھوم لوفر کی

(نوٹ) صاحب انوکھا بات باندھتا ہی پہلے زمانہ میں انوکھی بات کہتے تھے۔ امید ہی کہ حضرت لوفر ان معنی پہنانے پر مجھے معاف کریں گے

کیوں کہ ان اشعار آبدار کے اصل معنی "فی بطن الشاعر" ہی ہونگے۔

مشتاق احمد زاہدی
از بہاولپور

مدرسہ نسواں

مئی کے اولڈ بوائے میں ایک مضمون بابت مدرسہ نسواں علیگڈہ ہمارے محترم دوست سیّد محمد خاں کا پڑھا۔

اس سے پہلے کہ واقعات پر نظر ڈالے جاتے ہوئے اسباب کا بہت افسوس ہی کہ خود برادران کالج اپنے دوسرے بھائیوں کے کاموں پر جب کہ وہ خود ان کی کثرت رائے یعنی اجازت اور گویا قوم کے حکم سے ہوا ہی ناحق کا اختلاف کرتے ہیں۔ میں یہ کہنے پر بالکل مجبور ہوں کہ اس کا سبب سوائے ذاتی اختلافات یا اپنے کسی دوست کی جابیجا طرفداری کے اور کچھہ نہیں ہی۔ ہمارے ہر دلعزیز اخبار کامریڈ نے اپنے پرچہ مورخہ ۲۳ دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء میں سب سے پہلے مخالفت کی کہ موجودہ مدرسہ بیکار ہی اور ہوگا۔ صرف ایسے مدرسہ کی ضرورت ہے جو اُستانیاں بنا سکے۔

تفریق خیال اچھے نتیجے پیدا کرتا ہی بشرطیکہ بے لوث ہوں۔

مولوی مختار علی صاحب کے اعتراضات۔ یقینی درست نہیں جیسا شیخ عبداللہ صاحب نے لکھا ہی اُن کی طبعی عادت مخالفت کی ہی کس دن انھوں نے علیگڈہ کالج کا ساتھ دیا۔ کسدن علیگڈہ کے اچھے فعلوں کی تعریف کی مولوی

صاحب کی ہاں میں اگر کیجائے تو خیر ورنہ ممکن نہیں کہ مولوی صاحب مخالفت نہ کریں۔ یہ ضرور ہی کہ مولوی صاحب کو اپنے وطن سے عشق ہی اور اگر یہ علیگڈہ کا کالج موجودہ ترقی اور عزت کے ساتھ لاہور میں نہیں ہوا تو ایسے عاشق کا غصہ بے جا نہیں

اگر تعجب خیر ہی تو ہمارے دوست سعید محمد خان کی ناواجب مخالفت ہمارے بھائی نہیں معلوم کس اصلی سبب سے مخالفت پر اوترے ہیں اُس کام کی جس کی فی زمانہ اشد ضرورت ہی اور ایک ذات کی کوششوں سے کچھ نہ کچھ ترقی کر رہا ہی

برادرم صرف ۱۹۱۳ء سے یہ صیغہ شیخ عبد اللہ صاحب کی نگرانی میں آیا اِس سے پہلے یہ صیغہ تھا جسکے باقاعدہ سکرٹری بھی تھے کبھی عملی صورت ۱۹۰۳ سے پہلے نہ تھی

یہ بھی آپ کو معلوم ہی کہ اِس صیغہ کی کارکن جماعت قریباً ۸۹ ہی جس کے سکرٹری شیخ عبد اللہ صاحب ہیں۔ ہر بڑا کام جماعت کی کثرت رائے سے کیا جاتا ہی۔

جب شیخ عبد اللہ صاحب سکرٹری مقرر کیے گئے اُسوقت فنڈ میں ایک حبّہ نہ تھا۔ صرف شیخ عبد اللہ صاحب کی ذاتی کوششوں نے اُس کو یعنی اُس صیغہ کو آج یہ قابل رشک سکشن بنا دیا ہی۔

بیگم صاحبہ بھوپال کو جو خاص دلچسپی اِس تعلیمی سکشن (بلکہ یوں کہا جائے اِس خیال) کی طرف ہوئی وہ صرف شیخ عبد اللہ صاحب کی ذاتی کوشش کا نتیجہ ہی۔

اِسکے علاوہ اور بھی بہت سے مشکل وقتوں میں شیخ عبد اللہ صاحب نے استقلال کوشش اور ہمت سے کام لیا جو قانون قدرت کے موافق

سرسبز ثابت ہوا۔
ہر سال کئی مرتبہ گورنمنٹ کا معائنہ ہوتا ہی جس کی رپورٹیں جہاں تک مجھے علم ہی قابل اطمینان ہیں۔
برادر من اب صرف ایک بات ہی کہ بقول آپکے مدرسہ میں اُستانیاں بنانے کی تعلیم ہو اور بس ورنہ مدرسہ بند کیا جائے۔ کاش! اِس رائے کو قائم کرنے اور پیش کرنے سے پہلے آپ اِس پر غور کر لیتے اور بے جا مخالفت کو راستہ نہ دیتے۔
ذرا تو غور کیجئے کہ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی صاحبزادیوں کے تعلیم کے واسطے اُستانیاں تیار کیجاویں اور آپ کو خواہ آپ کوہاٹ میں ہوں یا لنکا میں اُستانیاں ہیں ملیں۔ یہ اسواسطے چاہتے ہیں کہ آپ مالدار ہیں۔ غریب اپنی لڑکیوں کو اُستانی گری کی تعلیم دیں تاکہ آپ کی نظر مہر کے طفیل پیٹ پال سکیں یا غریب ماباپ اپنی اپنی لخت جگر کو پال پول کر اُستانی بناکر امیروں کی دولت مہربانی اور جا نا جائز برتاؤ کے سپرد کردیں۔ کیوں بہائی صاحب یہی انصاف ہی۔؟
اِس وقت اور اِس زمانہ میں ہر غریب سے غریب کی آرزو یہ ہی کہ لڑکی جو تعلیم پارہی ہی لائق ہو کہ اُس کو اچھا شوہر ملے خود آرام سے رہی اپنے گھر والے کو آرام سے رکھے خود چین سے رہی اُس کی بہاریں دیکھے۔
آج اگر کسی شہر میں ایک زنانہ مدرسہ کھولا جائے اور یہ کہا جائے کہ اپنی اپنی لڑکیوں کو بھجواؤ کہ اُن کو اُستانی گری کی تعلیم دیجاویگی تاکہ سارٹیفکٹ حاصل کرکے وہ تنخواہ دار اُستانیاں بنینگی (کہ امیروں کے بچوں کو اِس شہر اور باہر دور اور پاس کے شہروں میں پڑھاوینگی ساتھ ہی جابجا مدرسہ میں

اُستانی گری کرینگی) تو میں یقین کرتا ہوں کہ کسی بڑے شہر میں دو یا تین لڑکیاں بھی اُنکے ما باپ بھجوا سکیں گے۔

بیشک اُستانیوں کی ضرورت ہی۔ مگر ہم مجبورًا ہرگز اُستانیاں نہیں بنا سکتے جب تک کہ

۱ ہم کو گورنمنٹ سے تعزیزی اختیارات نہ مل جاویں کہ جس کے یا غریب ہی کے سہی زبردستی بچہ پکڑ لیا کریں اور زبردستی تعلیم دے کر اُستانیاں بنا دیا کریں اور جہاں ہمارے متمول بہائیوں کو ضرورت ہو پولیس کی نگرانی میں بھجوا دیا کریں۔

۲ یا موجودہ طریق تعلیم قائم رہی جب شوق تعلیم خود بخود زیادہ ہوگا۔ اور زیادہ تعداد لڑکیوں کی آنے لگے گی تو ایک جماعت اُستانی گری کی بھی کھولدیجادیگی اُس وقت، وقت اور زمانہ خود بخود زیادہ تعداد میں اُستانیاں بنا دیگا اور ہر جگہ جہاں دنل اُستانیوں کی ضرورت ہو گی بآسانی ملیں گی۔

یہ بات کہ مدرسہ کیوں علیگڈہ میں بنایا گیا اِس کا جواب علاوہ اِسکے کہ خود قوم اور کارکنان نے علیگڈہ پسند کیا، بخویز کیا اور منظور کیا یہ بھی ہی کہ کسی جگہ تو ہوتا پھر کیوں نہ علیگڈہ میں ہو جہاں قوم نے خود تجویز کیا اور جہاں اِسوقت قومی خیر خواہوں کا ایک معقول گروہ ہی علاوہ اور ضروری کاموں کے اِس کی بھی نگہداشت کر سکتے ہیں۔ یہ خیال کہ علیگڈہ کے مدرسہ میں باہر سے لڑکیاں نہیں آوینگی قبل از وقت ہی، آوینگی اور ضرور آوینگی آپ دیکھ لیجیے گا کہ مدرسہ کھولنے کے وقت ہی کتنی لڑکیاں معززین سے باہر کی آتی ہیں اور بہت زیادہ دور نہیں وہ وقت بھی آیا چاہتا ہی کہ ہمارے

مخالفین یا بالکل اُن کے سے خیال والے خود اپنی لخت جگر کو اس ہی علیگڈھ کے مدرسہ نسواں کی سپردگی میں دینگے۔

یہ سب کچھ ہی آخر میں برادرانہ دوستانہ عجز سے التجا ہی کہ ناواجب اور کسی ذاتی سبب سے مخالفت کو جگہ نہ دیں دینی، دنیوی، ذاتی، قومی کاموں میں ہم سب ایک دوسرے کے سچے دوست ہو کر رہیں اگر کوئی بات قابل اختلاف ہی تو ضرور بحث سے صاف کر لیں۔ خود مدد دیں اگر کسی سبب سے نہیں دے سکتے تو خلوص دل سے کسی شخص کی اُس سچی خالص کوشش محنت کی قدر کریں اور اعتراف کریں جو اُس نے چند سال کی کوششوں سے ایک مردہ سیکشن کو جسکے پاس نہ کوڑی تھی نہ کوئی عملی صورت ایک خوبصورت امیدوں بھرا محل بنا دیا ہی۔

وہ تم ہیں سے ایک ہی اور تم وہ ہو ہرگز تم اُس سے اور وہ تم سے جُدا نہیں ہو سکتے۔ ایک ہی سرزمین میں پلے ہو پھولے ہو ایک ہی دایہ نے تم سب کو دودہ پلایا ہی۔ ہمارے بھائی کے اچھے فعل سے ہم کو عزت ہی اُسکے بُرے اخلاق سے ہم کو ندامت ہے اور اگر موجودہ اختلاف یہ تحریر مٹا سکے یا کم ہی کر سکے تو میں سب کا ازبس ممنون ہوں۔

آخر میں یہ بھی کہوں گا کہ ہمارے برادر شیخ عبداللہ صاحب کو بھی چاہیے کہ مدرسہ کی رپورٹیں باقاعدہ شائع کیا کریں اور سب رائوں پر غور کریں اور بحث کریں جو فیصلہ ہو اختیار کریں۔

از کلکتہ راقم بشیر مرزا

عارف شاعر طہران

طہران میں ایک شاعر عارف قزوینی ہے۔ اس کی عمر تقریباً تیس سال ہے۔ شراب بہت پیتا ہے، اور چانڈو بھی پیتا تھا۔ لیکن اب چانڈو چھوڑ دیا ہے۔ اس وجہ سے اُس میں سوداویت کا زور ہے اور طبیعت پریشان رکھتا ہے۔ قومیات میں بھی کہتا ہے اور غزل بھی۔ ایک عورت سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ اُس سے بُری طرح پیش آتی تھی ایک جلسے میں وہ آئی اُسی وقت باہر جاکر ایک غزل کہی اور اندر آنے کے بعد لوگوں کے سامنے پڑھی اور سب کو سخت رقت میں لایا۔ یہ ایک درویش منش آدمی ہے اور لوگ اُس کی بہت قدر کرتے ہیں۔ مگر کسی سے ایک پیسہ نہیں لیتا۔ مفصلہ ذیل غزل اُسکے ایک دوست کو زبانی یاد تھی۔ واقعی نہایت شیریں اور موثر ہے۔

بے خبر از سر کوی تو سفر خواہم کرد — ہمہ آفاق ز جورِ تو خبر خواہم کرد

فتنۂ چشمِ تو اے رہزنِ دل تا بہ سرست — ہر کجا پاے نہم فتنۂ و شر خواہم کرد

گلۂ زلفِ تو بار دگر ہمیہ خواہم گفت — صبحِ محشر شبِ ہجرِ تو سحر خواہم کرد

وقت پیدا اگر از دیدۂ خونبار کنم — مشت خاکے ز غمِ یار بہ سر خواہم کرد

پھر اُس کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔

گفتہ بودم بہ رہِ عشقِ تو دل خوش دارم — بہ جہنم کہ نشد فکرِ دگر خواہم کرد

تیرِ مژگانِ تو روزی تو کماں گر گزرد — اولین بار منش سینہ سپر خواہم کرد

خلق گویند کہ از کوچۂ معشوق مرو — گر رود سر من از ان کوچہ گزر خواہم کرد

اب اُس نے عہد کر لیا ہے کہ عشقیہ شعر نہ کہوں گا۔ صرف قومی شعر کہتا ہے چنانچہ آجکل تمام شعراء قومیات و وطنیات میں مبتلا ہیں اور کوئی پرچہ کسی اخبار کا ایسا نہیں ہوتا جس میں ادبیات کے عنوان سے قومی نظمیں اور ترکیب بند نہیں ہوتے بہت سے قومی راگ بھی لوگوں نے بنائے ہیں جن کو نہایت مؤثر لہجہ میں پڑھتے ہیں۔ منجملہ اُن کے عارف کی ایک معقول اور قومی نظم یہ ہے۔

پیام دوشم از ایں پیر می فروش آمد | بنوش بادہ کہ یک ملتے بہوش آمد
ہخامنش[1] چو خدا خواست منقرض گردد | سکندر از پئی تخریب دار بوش آمد

پھر قومی خائنانِ معاصرین کا ذکر ہے جس کو اُس کے دوست نے خوف سے ظاہر نہیں کیا۔ آخر میں کہتا ہے

وطن فروشی ارث است ذیں تعجبت | چرا کہ آدم از اول وطن فروش آمد

اُس کا نغمۂ قومی جو اکثر قومی جلسوں اور آزادی خواہ نوجوانوں کے مجمع میں گایا جاتا ہے مفصلہ ذیل ہے۔

عارف کا نغمۂ قومی (درد انگیز)

(۱)

ہنگام مئی و فصلِ گل و گشت چمن شد | از باد بہاری توبہ از زاغ و زغن شد
از ابرِ کرم خود طرف رشکِ ختن شد | دل تنگ چو من مرغ قفس بہر وطن شد

چہ کج رفتاری اے چرخ! چہ بدکرداری اے چرخ
سر کین داری اے چرخ! نہ دین داری نہ آئین داری اے چرخ

(۲)

خوابند وکیلان اند و خراب اند وزیران | بردند بسرقت ہمہ سیم و زر از ایران

[1] ہخامنش۔ ایک قدیم بادشاہ عجم کا نام ہے جو سے اول گذرا ہے اور دارا سے آخر

مارا نه گذارند بیک خانهٔ ویران   یارب بستان داد فقیران ز امیران

چه کجرفتاری ای چرخ! چه بدکرداری ای چرخ!
سرکین داری ای چرخ! نه دین داری نه آئین داری ای چرخ

(۳)

از خون جوانان وطن لاله دمیده   وز ماتم سرو قدشان سرو خمیده
در سایهٔ گل بلبل ازین غصه خزیده   گل نیز چو من در غم شان جامه دریده

چه کجرفتاری ای چرخ! چه بدکرداری ای چرخ
سرکین داری ای چرخ! نه دین داری نه آئین داری ای چرخ

(۴)

از اشک همه روی زمین زیر و زبر کن   مشتی گرت از خاک وطن هست بسر کن
غیرت کن و اندیشهٔ ایام بتر کن   اندر جلوی تیر عدو سینه سپر کن

چه کجرفتاری ای چرخ! چه بدکرداری ای چرخ
سرکین داری ای چرخ! نه دین داری نه آئین داری ای چرخ

(۵)

از دست عدو نالهٔ من از سر درد است   اندیشه هر آنکس کند از مرگ نه مرد است
جانبازی عشاق نه چون بازی نرد است   مردیت اگر هست همین وقت نبرد است

چه کجرفتاری ای چرخ! چه بدکرداری ای چرخ
سرکین داری ای چرخ! نه دین داری نه آئین داری ای چرخ

(۶)

عارف ز ازل تکیه به ایام نداده است   جز جام به کس دست چو خیام نداده است
دل جز به سر زلف دلارام نداده است   صد زندگی ننگ به یک نام نداده است

چہ کج رفتاری اے چرخ! چہ بدکرداری اے چرخ
سرکیں داری اے چرخ! نہ دین داری نہ آئین داری اے چرخ

عارف کی نسبت کہتے ہیں کہ اپنی عاشقانہ غزلوں کی وجہ سے تاج السلطان دختر شاہ ناصر الدین کو اُس نے مجبور کیا کہ دوستی اور آمد و رفت پیدا کرے اسکی ایک غزل جو اس بارہ میں بہت لطیف ہے درج کرتا ہوں ایرانی محاورہ کیمطابق کہنا چاہیئے "پدر سوختہ خیلے قشنگ گفتہ"

برغم خستیم توبے با من از شراب شدم	خدا خراب کند خانہ ات خراب شدم
فروختہ خرقہ و شیخ آب آتشین مخواست	میان میکدہ من از خجالت آب شدم
زہجر روئے تو لبریز گریہ ام چہ کنم	زپائے تا سر و سر تا بپا سحاب شدم
اگرچہ خون مرا بگینہ بہ بخت خوشم	کہ در عداد شہیدان او حساب شدم
مرا ز آتش ہجرت گداختی یک عمر	چہ شد کہ این ہمہ مستوجب عذاب شدم
سوال کرد ز من عارف از پری رویان	وفا چہ دیدی و من عاجز از جواب شدم

ایک شعر میں جس میں محمد علی شاہ پر اُس کے استبداد صغیر[1] کے زمانہ میں حملہ کیا ہے۔ یہ شعر مجرمانہ تھے۔ یہ اس زمانہ کا ہے جب محمد علی مرزا نے چند احرار کو قتل کیا تھا اور پھانسی دی تھی اور صدر العلماء اور تقریباً سات آٹھ سو آدمی سفارت خانہ عثمانی میں پناہ گزین تھے۔

ز زلف بر رخ ہیچون قمر نقاب انداخت	فغان کہ ہالہ بہ رخسار آفتاب انداخت
ہلاک ناوک مژگان آنکہ سینہ ہا	نشانہ کرد و براو تیر بے حساب انداخت

[1] جب مظفر الدین شاہ نے ایران کو پارلیمنٹ دی اور اُسکے بعد آزادی ہوئی اور پھر محمد علی شاہ نے پارلیمنٹ کو توپ سے اڑا دیا اور چند احرار کو قتل کیا اُس زمانہ کو تا فرار محمد علی شاہ استبداد صغیر کہتے ہیں اور استبداد کبیر شخصی خود اختیاری سلطنت کا وہ طویل زمانہ ہے جو مظفر الدین شاہ کے آخر عہد تک رہا۔

رہا نہ کرد دل از زلف خود بہ استبداد ۔ گرفت و گفت تو مشروطی طناب انداخت

ازاں زماں کہ رخت دیدم اندر خواب ۔ قسم بچشم تو عمرم مرا بخواب انداخت

براہ بادیہ عشق عارفے می گفت ۔ خوش آں کہ سر بہ پا بود در شتاب انداخت

علیگڈھ کالج اور شیراز

جہاز بزارہ — انسان کی مصنوعات میں سے جہاز بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں جن لوگوں کو جہازوں کے دیکھنے کا برابر اتفاق ہوتا رہتا ہے اُن کی حیرت تو جاتی رہتی ہے لیکن نئے آدمی کے لیئے تو اس کا دیکھنا اور سمجھنا مصیبتوں کا سامنا ہے - جہاز کو ایک متوسط درجہ کا چہار یا پنج منزلہ مکان سمجھنا چاہیے حصہ زیریں جو تقریباً نصف حجم کے برابر ہوتا ہے مال کے لیے مخصوص ہوتا ہے - اس سے اوپر کا حصہ جو تتق کہلاتا ہے - کبھی مال رکھنے کے لیے اور کبھی عام مسافروں کے رہنے کے لیے کام میں آتا ہے - انجن وغیرہ بھی یہیں ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جہاز رانی کی ساری کلیں تو حصہ زیریں سے لے کر آخر عرشہ تک برابر ہی چلی جاتی ہیں - اس سے اوپر کا حصہ جو ڈک یا سطحہ کہلاتا ہے عام مسافروں یا گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کے لانے اور لیجانے کے کام آتا ہے - اس حصہ اور اس سے نیچے کے حصہ میں اول اور دوم درجہ کے مسافروں کی کوٹھریاں افسروں کی کیبن (کوٹھریاں) وغیرہ ہوتی ہیں - ان کوٹھریوں کی چھت جو اب چوتھا درجہ ہوا - اول درجہ کے مسافروں کے بیٹھنے اوٹھنے اور تفریح کے کام آتا ہے سب سے اوپر ایک مختصر سی چھت بطور پُل کے ہوتی ہے جہاں افسر متعینہ برابر ٹہلتا رہتا ہے

اور اُسی کے حکم سے جہاز کا رُخ بدلتا اور رفتار گھٹتی بڑھتی ہے۔ سمندر کے سکون کی حالت میں جہاز کے چلنے میں ذرا بھی حرکت محسوس نہیں ہوتی اور ہوا و طوفان کی حالت میں الامان اِدھر کی چیزیں اُدھر اور اُدھر کی اِدھر یہ تو معمولی بات ہے انسان کو اپنی جگہ پڑا رہنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ رفتار معمولاً دس بارہ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے ہم جس جہاز پر سوار ہوئے تھے یہ اصل میں مال کا جہاز تھا جو تمام درمیانی بندروں سے مال لیتا دیتا بوشہر کو جا رہا تھا۔ اس کا نام ہزارہ تھا۔ اس کے افسر کچھ زیادہ خلیق نہ تھے۔ مسافروں کی تعداد بھی زیادہ نہ تھی۔ جہاز پر ایک خاص قسم کی بو سی ہوتی ہے کہ ہر مسافر کو عموماً اور نئے آدمیوں کو خصوصاً نہایت تکلیف دہ معلوم ہوتی ہے۔ سفر کے ابتدائی دو تین دن نہایت بے لطف گزرتے ہیں۔ متلی ہوا کرتی ہے اور استفراغ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اس سے ڈرنا بالکل نہیں چاہیئے۔ کھانا کھاتے رہنا چاہیئے۔ دو تین روز میں طبیعت عادی ہو جاتی ہے اور آدمی اچھا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی سب لوگ بیمار پڑے۔ میرے اور ساتھی تو جلد اچھے ہو گئے لیکن مجھکو اچھے ہونے میں تین دن لگ گئے۔ ہم لوگوں نے ٹکٹ دوسرے درجہ کا لیا تھا اس لیے ہم کو ایک کوٹھری جس میں ریل کی طرح اوپر نیچے کر کے چار بستر تھے ملی تھی۔ لیکن وہ اسقدر تنگ اور کم ہوادار تھی کہ سوا پہلے دن کے ہم نے باقی دنوں میں اس کے اندر رہنا بالکل پسند نہ کیا۔ تیسرے درجہ کے مسافروں کے ساتھ کھلی ہوئی جگہ میں پڑے رہا کرتے تھے۔

ہمارے ساتھ جہاز میں کراچی کے دو تاجر سیٹھ فقیر محمد صاحب اور حاجی عبد اللہ بھی تھے۔ یہ دونو صاحب اپنی تجارتی ضرورتوں سے بندر عباس جا رہے تھے ان حضرات سے شروع ہی میں ملاقات ہو گئی اور پھر کئی روز تک ساتھ رہنے سے آپس میں ایک قسم کا اتحاد سا ہو گیا۔ یہ لوگ پڑھے لکھے بہت کم تھے۔ لیکن بڑے

جہاں دیدہ تجربہ کار، پختہ مغز اور ہوشیار تھے۔ دریا کا سفر بارہا کر چکے تھے انکی باعث سے ہم لوگوں کو بہت آرام ملا۔ اور ایران اور ایرانیوں کے متعلق بہت کچھہ حالات معلوم ہوئے۔

راہ کے بندرگاہ

کراچی سے روانہ ہوکر پہلا بندرگاہ گوادور نامی ملا۔ یہاں سے روانہ ہوکر مسقط پہونچے یہاں پہونچنے پر جہاز نے سلطان مسقط کی سلامی کی توپ چھوڑی۔ یہاں کا حلوا بہت مشہور ہے اور تحفہ کے طور سے ہندوستان لایا جاتا ہے۔ لیکن مجھکو بالکل پسند نہیں۔ بندرگاہ تین طرف اونچے پہاڑوں سے محصور ہے۔ گرمی نہایت شدید ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں خوارج بہت کثرت سے آباد ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قابل نفریں جانتے ہیں۔ مسقط سے روانہ ہوکر بندرعباس کے قریب ہمارا جہاز ایک بڑی چٹان پر چڑھ گیا۔ وہاں چھہ گھنٹے معطل رہنا پڑا۔ دوسرے دن جب سمندر میں پھر مد آیا تو جہاز نے اپنی قید سے رہائی پائی۔ افسروں سے معلوم ہوا کہ جہاز ٹکرا کر ٹوٹ جانے سے بال بال بچ گیا۔ بندرعباس پر سیٹھ فقیر محمد اور اُن کے ساتھی اُتر گئے۔ اتنا سفر اِن کی بدولت نہایت آرام و لطف سے کٹا۔ بندرعباس کے بعد لنگا ملا۔ سمندر کے کنارے شہر کے مکانات دور سے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرے دن بحرین پہونچے۔ یہاں مارواڑی تاجر جو موتیوں کی تجارت کرتے ہیں اُترے۔ اس جزیرہ کے قریب سمندر میں سے اچھے قیمتی موتی نکلتے ہیں۔ خلیج فارس کے بندرگاہوں سے کچھہ ایرانی بھی بوشہر جانے کے لیے جہاز پر سوار ہوگئے ہیں۔ ان کی آپس میں وہ تو تو میں میں رہتی ہے کہ خدا کی پناہ لیکن ہم لوگوں کے ساتھ انسانیت سے پیش آتے ہیں۔ اِن میں سے ایک صاحب نے جو ہمارے ساتھ زیادہ تپاک سے ملتے ہیں اپنے تئیں سالار معظم گورنر

بوشہر کا مصاحب بتایا ہے اور ہمکو بوشہر میں ہر طرح کی مدد دینے کے بہت سے وعدے کیے ایک روز میں نے ایک دوسرے ایرانی ہم سفر کو کھانا کھاتے دیکھا علاوہ اور کھانوں کے وہ تھیلے میں سے ایک چیز نکال کر کھا رہے تھے جس کا رنگ زعفرانی تھا اور شکل ایک بڑی انگوٹھی سے ملتی جلتی تھی۔ میں نے یہ چیز پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس وجہ سے اس کو تعجب کیساتھ دیکھ رہا تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ کوئی مٹھائی کی قسم ہوگی۔ میرے تعجب سے دیکھنے پر انھوں نے ان میں سے چند چھلّے مجھے بھی دیے اور بتایا کہ یہ مچھلی ہے جب میں نے ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھا تو واقعاً یہ جھینگا مچھلی ہے۔ لیکن اُس قد و قامت سے کہیں زیادہ ہے جس کے دیکھنے کا میں اپنے وطن میں عادی تھا۔ اسکو سکھا کر اور ابال کر رکھ لیا تھا۔ ہمارے ہمسفر نے اُس مچھلی کے مفید ہونے کے اس قدر پُل باندھنے شروع کیے کہ ان کے اتباع میں میں نے بھی ایک مچھلی منہ میں رکھ لی۔ منہ میں رکھنا تھا کہ میری جان پر بن گئی۔ ایسی بد ذائقہ بد رایحہ بد طعم چیز میں نے کبھی پہلے منہ میں نہیں رکھی تھی۔ نگلنے سے طبیعت کو استکراہ اگلنے سے تہذیب مانع۔ عجب مشکل میں پھنسا تھا۔ کسی نہ کسی طرح نگل گیا اور وہاں سے جلد کسی حیلہ سے ہٹ آیا۔

ایک اور واقعہ

بعینہ ایسا ہی واقعہ مجھکو مدینہ منورہ میں پیش آیا تھا۔ یوم عاشورا کو میں وہاں عربوں کی مجلس میں شریک ہوا۔ عرب یا عجم کے شیعوں میں دہم محرم کو فاقہ کرنے کا رواج جیسا کہ ہندوستان میں ہے نہیں ہے۔ چنانچہ لوگ گریہ و بکا میں بھی مصروف تھے اور چا، قہوہ اور حقہ کا دور بھی مسلسل چل رہا تھا۔ قہوہ کے دور میں میرے سامنے بھی ایک نہایت چھوٹی پیالی میں اسقدر مختصر سا قہوہ کہ جسکو اشک بلبل کہنا تھوڑا ہی سا مبالغہ ہوگا۔ پیش کیا گیا۔ مجلس کے سب لوگ پیتے چلے آتے تھے۔ میں کیا جانتا تھا کہ میرے منہ

میں ایسا سم قاتل ہوگا۔ زبان پر آنا تھا کہ میری طبیعت بے کیف ہونی شروع ہوئی
لوگ اپنے رونے پیٹنے میں مصروف تھے۔ کسی نے میری طرف خیال نہیں کیا
میں نے جلدی سے رومال میں لے لیا اور جان بچائی۔

تاریخ بارہ بنکی

غلام مولی صاحب کے دو دلچسپ مضمون پڑھکر مجھے بھی خیال پیدا ہوا کہ بارہ بنکی
میں بھی اولڈ بوائز ہیں۔ اور زندگی کے ناامیدیوں۔ اہل پنجاب کی شوق شاعری
یا آپ کی، برادری کی طرح روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ اگر اُن کا کوئی تذکرہ
لکھا جائے تو خالی از لطف نہ ہوگا۔ اگر بالفرض پُرلطف نہ ہو تو بھی اپنی فہرست
مضامین میں ایک اضافہ ہوجائیگا۔ اور اپنے آئندہ کے بیاگرافر کو تھوڑا اسا
اور سامان خامہ فرسائی کے لیے مل جائیگا (مجھے اپنے بیاگرافر کا بڑا خیال تھا
ہے۔ رقت قلب کا یہ حال ہے کہ اُس کی مشکلات و کوتاہ سامانی کا خیال کر کے
گھنٹوں اشکبار رہتا ہوں) یہ بھی خیال تھا کہ ممکن ہے (غائب) اڈیٹر صاحب خوش
ہوجائیں اور اپنی آئندہ (خیالی) تصنیف نہ بھیجیں اور اگر بھیجیں بھی تو اُس کے
پڑھنے پر زیادہ اصرار نفرمائیں (پوسٹمیں کی صورت دیکھی اور جان نکل گئی کہ کہیں
اڈیٹر صاحب کی کوئی نئی تصنیف یا ضیاءالدین صاحب کی نئی نظم تو نہیں آرہی
ہے۔

بڑی بڑی امیدوں سے یہ مضمون بھیجا جاتا ہے۔ اگر کسی کو پسند نہ آئے تو راقم الحروف

کا کیا قصور۔

مسیح الدین صاحب سے شروع کرتا ہوں۔ یہ کالج کے کہنہ ترین طالب علموں میں ہیں۔ اِن کے ساتھیوں میں شاید ہی کوئی زندہ ہو مگر اُن کی اولاد اگر تلاش کیجائے تو ضرور ملے گی۔

موذن کالج کا بھی قبل از وقت انتقال ہوگیا۔ شاید اُسی سے کچھ ہمارے دوست کے زمانۂ طالب علمی کا پتہ چلتا۔ موذن مرحوم کے نفس کشی سے یہ تو امید تھی کہ اگر اُس کو علم ہوتا کہ مسیح الدین صاحب کے حالات طالب علمی کی دنیا کو کسی وقت ضرورت ہوگی تو شاید وہ دو ایک برس اور زندگی کے ناگزیر مصائب جھیلتا۔ ہنوز ہمارے دوست نے (آٹو بیاگریفی) بھی نہیں لکھی ہے۔ مجھے امید ہے کہ دنیا کو اس تصنیف کا زیادہ انتظار نہ کرنا پڑیگا۔ اگر کسی دن خیال دلا دیا گیا تو دیوان جعفر زٹلی کی طرح ایک دن میں مکمل ہو جائے گی۔

مسیح الدین صاحب کالج کو بالکل بھول گئے ہیں۔ اگر کبھی دلچسپی کالج سے رہی بھی تو اب نہیں ہے۔ کالج سے تو زیادہ اُن کو اپنے اصطبل کی بہبودی و فلاح کی فکر ہے۔ اس ناخوشگوار یاددہانی سے جو سکرٹری اولڈ بوائز ایسوسی ایشن بذریعہ ویلو کرتے ہیں۔ ہمارے دوست ہنوز مستثنیٰ ہیں کارروائیاں جلسوں کی ضرور آتی ہیں مگر مسیح الدین صاحب تک اُن کی جدت پسند لڑکے پہونچنے بھی نہیں دیتے بلا مبالغہ ایکہزار کشتی کاغذی ہر وقت مسیح الدین صاحب کے یہاں طیار رہتی ہے۔ (کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسلام کا مستقبل تاریک ہے۔ یہ تو رضا علی صاحب وکیل مرادآبادی کو بھی ماننا پڑیگا کہ کم از کم بارہ بنکی میں اُسکی حفاظت کا پورا پورا انتظام کر لیا گیا ہے) اِس مقام پر ایک اعتراف کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مجھے بچوں کی ٹھیک یا تخمینی تعداد نہیں

معلوم اور نہ میں نے کبھی دریافت کرنے کی جرأت یا کوشش کی۔ اب مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں علم ہندسہ کی جانب کافی توجہ کیوں نہ کی ورنہ اِس تحقیقات کا سہرا میرے ہی سر رہتا۔ اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں اور دعوے کیساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر بات پڑ جائے اور قومی عزت وشان معرض خطر میں ہو تو ہمارے دوست پانچ منٹ کے نوٹس پر ہر سن وسال۔ ہر رنگ ہر قد کے لڑکے پیش کر سکتے ہیں۔

مسیح الدین صاحب بیرسٹر ہیں۔ اپنے پیشہ میں اچھی خاصی کامیابی حاصل کی ہے۔ آدمی خلیق اور مہمان نواز۔ چائے بغیر زیادہ اصرار کے پلاتے ہیں بشرطیکہ شکر کا زیادہ تقاضہ نہ کیا جائے۔ قومی اور سوشل معاملات میں اچھی خاصی دلچسپی لیتے ہیں۔ چنانچہ اپنے موضع کے مویشی خانہ (اور اسی قسم کے کاموں) کی ترقی ونیکنامی کی زیادہ تر ذمہ دار آپ ہی ہیں۔ قومی لیڈروں میں اگر آگے چل کر کوئی جگہ خالی ہوئی تو ہمارے دوست کے حقوق غیر قابل لحاظ نہونگے مگر خوف تو یہ ہے کہ سید محمود صاحب قوم انگلستان سے واپس آچکے ہیں اور ابو علی صاحب آنیوالے ہیں اِسکے علاوہ یعقوب صاحب مرادآبادی بھی ابھی موجود ہیں۔

عبد الوالی صاحب۔ یہ بھی یہیں تشریف فرما ہیں اور میونسپل سکرٹری ہیں۔ جسامت میں والی صاحب نے اچھی ترقی کی ہے۔ اور اسی طرح تجربے میں بھی۔ اب گاتے بہت کم ہیں مگر سمجھتے زیادہ ہیں۔ احباب اس تبدیلی مذاق سے بالکل مطمئن ہیں۔ علمی مذاق ومشاغل بدستور ہیں: (Shakespeare اور امانت لکھنوی کے ہنوز دلدادہ ہیں۔ بچوں سے البتہ زیادہ ناخوش رہتے ہیں اور شاکی۔ اکثر فرماتے ہیں کہ یہ بچے بھی کیا قابل نفرت چیز ہیں۔ اِن میں

متانت یا سنجید گی نام کو نہیں ہوتی۔ ضد اور خود ستائی کی کوئی حد نہیں ہوتی! قومی اور سوشل معاملات سے بالکل بے خبر۔ مذاق شاعری سے نا آشنا۔ دو گھنٹہ مسلسل کسی مضمون پر تقریر نہیں کر سکتے!

سب سے تعجب خیز تو یہ امر ہی کہ (Sense of humour) سے بھی معرا ہوتے ہیں۔ مجھے اپنے دوست کی رائے سے بالکل اتفاق ہی۔ خصوصاً اُس کے اخیری حصہ سے۔ جہاں تک (Sense of humus) کا تعلق ہی کوئی بین بچے ایک ظہور احمد کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وآلی صاحب نہایت جفاکش ہو گئی ہیں۔ اُن کے احباب کو یہ سُنکر تعجب ہوگا کہ وہ جسم جو ایک زمانہ میں چار پائی سے جنبش نہیں کر سکتا تھا اور اگر بہزار دقّت درجۂ تک پہونچا بھی دیا گیا تو وہیں کا ہو رہتا۔ اب آٹھ نمبر کے دو پیروں پر۔ اور وہ بھی کسی غیر معمولی قوت کے نہیں۔ شہر کے گلی کوچوں میں مارا مارا پھرتا ہی۔ میں تو اُس کو معجزہ سمجھتا ہوں۔

ضیاء الدین صاحب مسبوق۔ اِن کا پیشہ شاعری ہی مگر فی الحال وکالت کرتے ہیں۔ نہایت نحیف الجثہ ہیں۔ مگر ہاضمہ نہایت درجہ قابل رشک۔ اکثر دعوتوں میں ساتھ کہانے کا اتفاق ہوا ہی۔ ہمارے دوست منشی عبدالوالی صاحب کو بڑے بڑے دعوے تھے مگر ایمان کی بات یہ ہی کہ اِس شہسوار میدان دستر خوان کو مان مان گئے۔ پلیٹیں زبان حال سے فریاد کر رہی تھیں اور کسی عابد شب بیدار کے قلب کی طرح صاف ہو گئی تھیں۔ مگر یہاں کون سُنتا ہی زوال شاعری کے نالاں تو ہمیشہ سے تھے مگر حال میں قحط سامعین کی جدید شکایت پیدا ہو گئی ہی۔ ہر جیب میں ایک غزل رہتی ہی کبھی ہم لوگ بھولے سے بھی شعر ضیاء الدین صاحب کے سامنے اِس خوف

سے نہیں پڑھتے کہ کہیں اپنا کلام سنانے لگیں تو کیا کریں گے
کرکٹ کو بیچارے ترس رہے ہیں۔ ساتھ کھیلنے والوں کی چنداں ضرورت نہ تھی مگر بُرا ہو بارہ بنکی کا یہاں منی کی بھی گیند نہیں ملتی۔ کالج الیون کے ایک نہایت کہنہ اسکورنگ بک (ـــــــ) ہمارے دوست کے کتب خانے میں موجود ہے اور اکثر مہمانوں پر رعب جمانے اور انکی نگاہوں میں اپنا وقار بڑھانے کے لیئے اُن کے سامنے زبردستی کردیجاتی ہے۔
ضیاء الدین صاحب حال میں صوفی ہو گئے ہیں۔ قوالی کا از حد شوق ہے۔ محفل سماع میں شریک ہوتے ہیں۔ سنا ہے کہ ایک شعر پر ہمارے دوست کو گھنٹوں رقت رہی میں اُس محفل میں شریک نہ تھا۔ عبدالوالی صاحب کی روایت ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ انکی روایتیں اکثر ضعیف ہوتی ہیں۔ شعر ملاحظہ طلب ہے۔

یار کی گلیوں میں کیوں اے یار جانا چھوڑ دے
میں نہ چھوڑونگا تجھے چاہے زمانہ چھوڑ دے

نواب علی صاحب یہ بھی کالج کے ہوشیار طالبعلموں میں ہیں اور راقم الحروف کے بھائی ہیں (اِس اعتراف سے نہ نواب علی صاحب کا وقار بڑھتا ہے اور نہ اِس ناچیز کا کم ہوتا ہے)
دو برس تک برابر صوفی رہے۔ مگر اب والی صاحب کی کوششوں سے پھر راہ راست پر آرہے ہیں۔ بہشتی زیور کی تمام جلدیں ایام تصوف میں خرید کی تھیں۔ مجھے ہرگز تعجب نہ ہوتا اگر کسی انبیا شہید کے ملفوظ بھی لکھڈالتے مگر دنیا اس تصنیف سے بال بال بچ گئی۔ شوق قوالی بھی بڑھ گیا تھا۔ اور دو ایک محفلوں میں حال آتے آتے رہ گیا۔
نصیر الدین صاحب یہ کالج کے مشاہیر طلبا میں ہیں۔ بلا قصور ڈپٹی ہو گئے ہیں۔ بڑی

خوبیوں کے آدمی ہیں۔ ایثار نفس کی یہ کیفیت ہی کہ انسٹیٹیوٹ گزٹ صرف خرید ہی نہیں ہیں بلکہ بغیر التفعال شروع سے اخیر تک پڑھ لیتے ہیں۔
میگزین مرحومہ۔ علیگڈھ میگزین۔ جبتک زندہ رہی آپنے اُس کے ساتھ پوری رفاقت کی۔ مگر اُس نے بیوفائی کی اِن کا کیا قصور۔ لائبریری بھی اچھی خاصی جمع کرلی ہی۔ ہندوستان کے ہر ریلوے کا ٹائم ٹیبل اور ہر سال کے سول لسٹ ہمارے دوست کے کتب خانہ میں موجود ہی۔ باقی آیندہ

"بمبوق"

نواب وقار الملک بہادر

۲۱۔ جولائی کالج کی تاریخ میں کوئی معمولی دن نہ تھا۔ اس دن نواب وقار الملک بہادر نے اپنے عہدہ آنریری سکرٹری کالج کا چارج نواب محمد اسحٰق خاں بہادر کو دیا۔ اگر یہ غیر معمولی اجلاس ٹرسٹیان بیس دن قبل کیا جاتا؛ جبکہ کالج میں طلبا موجود تھے اور نواب صاحب قبلہ اُن سے اور کالج سے رخصت ہوتے تو ایسا سماں نظر آتا جس کی نظیر ابتک کالج میں کبھی پیش نظر نہوئی تھی۔ جو محبت نواب صاحب قبلہ سے طلبا کو تھی (اور ہی) اسکا وہی اندازہ جو عام طلبا سے ملا ہو اور اُنکے خیالات سے واقف ہو۔ کالج میں کہرام مچ جاتا اور رخصت ہونے کے وقت نواب صاحب قبلہ کو ایک صدمہ عظیم ہوتا۔ قبلہ و کعبہ خوب جانتے تھے کہ اگر وہ ایسے وقت کالج سے رخصت ہوتے تو ایک ہنگامہ برپا ہوتا نواب صاحب کی یہ ایک خصوصیت ہی کہ وہ نمود و نمایش سے گریز کرتے ہیں اور یہ خصوصیت ہمیں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو یاد دلاتی ہی۔ ہم کو خوب یاد ہی کہ جب نواب صاحب قبلہ کا

انتخاب بحیثیت سکرٹری ہوا تھا تو اُنہوں نے فرمایا تھا کہ میرا نصب العین یہ ہوگا کہ میں اپنی زندگی ہی میں اپنے جانشین پیدا کر دوں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہوئے اور مسٹر عزیز مرزا مرحوم کے بعد بھی ایک قابل جانشین مل گیا۔ ہمکو کامل یقین ہے کہ نواب محمد اسحق خاں بہادر کا زمانہ کالج کے لیے ترقی کا زمانہ ہوگا۔ نواب وقار الملک بہادر نے ترقی کے لیے راستہ بالکل صاف کر دیا ہے۔ اب کسی طرح کی رکاوٹ باقی نہیں رہی خود مقامی کام کرنے والوں میں بدمزی کے بجائے اب محبت اور یگانگت ہے۔ مسٹر آرچبولڈ کی بیجا حرکات کے مناسب تدارک کے بعد انگلش اسٹاف خود سر نہیں رہا ہے اور طلبا میں اسلامی جوش اور اپنے قوم و مذہب سے محبت پیدا ہو گئی ہے۔ عام مسلمانوں نے بلند اور متفقہ آواز سے علیگڈھ کو اپنا تعلیمی مرکز قبول کر لیا ہے۔ نواب وقار الملک بہادر کی خدمات ایسی عظیم الشان ہیں کہ قوم انکا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔ اس دور میں مالی لحاظ سے جو کامیابی کالج کو ہوئی ہے اسکو ہم بڑا پایہ نہیں دیتے مگر اس شعبہ میں بھی ہز ہائنس آغا خاں کی گراں بہا امداد کی وجہ سے بینظیر ترقی نظر آتی ہے۔ اسوقت جس ہمت اور بردباری سے مسلمان قومی کام کر رہے ہیں اس میں نواب صاحب قبلہ کی اعلیٰ مثال کا بہت بڑا حصہ ہے۔ نواب صاحب کے دور میں جب جب قومی حقوق اور اسلامی تحفظ کا مسائلہ پیش ہوتا رہا ہے اسوقت اُنہوں نے اس اخلاقی جرات کا ثبوت دیا ہے کہ قوم میں ایک تازہ جان آگئی۔ ہم نوجوانوں کے لیے اُنکی زندگی ایک قابل قدر نمونہ ہے خدا ہمکو توفیق دے کہ اُنکے قدم بقدم چلیں۔ مسلم یونیورسٹی کانسٹی ٹیوشن کمیٹی کی طرف سے جو خط سر ہارکوٹ بٹلر کے تکلیف دہ خط کے جواب میں بھیجا گیا ہے اس سے ایک نئی دل خوش کُن بو آتی ہے جسکے لیے ہم نواب صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمکو اب یقین ہو گیا کہ ہم اپنی مسلم یونیورسٹی بنالیں گے۔ چارٹر چاہے گورنمنٹ آج دے یا پانچ برس بعد ہمارا کام تکمیل مسلم یونیورسٹی کے لیے شروع ہو گیا ہے۔

ہم علیگڈھ میں اور کالج بنائینگے۔ اسلامیہ کالج لاہور اور مدرسہ اسلامیہ کراچی کو مسلم یونیورسٹی فنڈ سے ترقی دیں گے اور جابجا اسلامی اسکول قائم کرینگے۔ ۲۵ لاکھ روپیہ ہمارے پاس موجود ہے، دس بارہ لاکھ اور وصول کرنا ہے اور اسکے علاوہ اس پندرہ لاکھ اور نئے چندہ کے ذریعے سے کرلیں گے۔ اسوقت اسلام اور مسلمانوں کی موت اور زندگی کا معاملہ ہے اسکے لیے ہر مسلمان جان و مال سے حاضر ہوگا۔ قوم میں اس نئی روح پھونکنے کے متعلق اس پیرانہ سال بزرگ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ بعض لوگ بہت متفکر تھے کہ نواب صاحب قبلہ کے چلے جانے کے بعد کالج کا کام کیسے چلے گا، ہم اُن میں نہیں ہیں۔ ہمارے خیال میں علی گڈھ کے کام میں اب وہ دشواریاں نہیں رہی ہیں جو اسوقت تہیں جب کہ نواب وقار الملک بہادر نے کالج کا چارج لیا تہا۔ اُنہوں نے اپنے زمانہ میں اُن سب دشواریوں کو دور کردیا ہے اور وہ اپنا کام کر چکے۔ خدا انہیں صحت کلی عطا فرمائے اور مدتوں تک زندہ و سلامت رکھے۔ تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ان کی پیرانہ سالی کی ان تھک کوشش رائیگاں نہیں گئی۔ ہمکو مسلمانوں پر اور نواب اسحاق خاں بہادر پر پورا بھروسہ ہے۔ انشاءاللہ ہماری قومی ترقی اب رکنے والی نہیں۔ ہم قبلہ و کعبہ کو کم از کم اولڈ بوائز کی جانب سے یقین دلاتے ہیں کہ جب تک ہماری جان میں جان ہے اُن کی بنائی ہوئی عمارت کو انشاءاللہ ترقی دینگے۔

(۵)

کالج کی موجودہ عمارتیں اور آیندہ کا پروگرام

(۵)

گذشتہ نمبر میں ہم نے اصول پر بحث کی تہی اب کالج کی مختلف عمارتوں پر علحدہ علحدہ بالتفصیل بحث کرینگے۔ اگر ہم "نملور گیٹ" سے کالج کے احاطہ میں داخل ہوں

تو اول عمارت جو ہمکو بائیں ہاتھ پر ملتی ہے وہ "ازلڈنا ہاؤس" ہے؛ جو طعام خانہ اور کلب کے کام
میں آتا ہے۔ یہ یک منزلہ عمارت ہے اور بدقسمتی سے دو منزلہ نہیں ہوسکتی۔ اسلیے ہم کو مجبوراً
اسے ایسا ہی چھوڑنا پڑیگا۔ اسکے قریب ہی شمالی جانب "اولڈ بوائز لاج" بننا تجویز ہوئی
ہے جو انشاء اللہ ایک شاندار دو منزلہ عمارت ہوگی؛ جہاں سے بیٹھ کر ہم کرکٹ میچ بلطف
کے ساتھ دیکھ سکیں گے۔

آگے بڑھکر کالج کی پختہ بارک جسکو اب سرسید کورٹ کہتے ہیں؛ شروع ہوگئی ہے
ہم بلڈنگ کمیٹی کے بہت ممنون ہیں کہ اُسنے نئی بارک کے کونے والے بدنما پاخانے
دور کر کے ڈائننگ ہال کے مقابلہ میں ایک پختہ عمارت تیار کرنا شروع کردی ہے جو لکچر روم
یا رجسٹرار آفس کے کام آئیگی۔ مگر بدقسمتی سے یہ پاخانے وہاں سے اُٹھکر کوارڈنگل کے ٹھیک
وسط میں آگئے ہیں جس سے سارے کوارڈنگل کے بدنما اور بدبودار ہونیکا اندیشہ ہے
ہم نہایت زور کیساتھ ٹرسٹی صاحبان کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ ان پاخانوں
اور غسل خانوں کے بارہ میں ماہرین فن سے جلد مشورہ لیں اور آنکھوں کو تکلیف دینے والی
عمارتوں کو کوارڈنگل کے وسط سے علیحدہ کریں۔ اسٹریچی ہال یا لکچر روم کہیں بھی ہوں
مگر یہ بدنما عمارتیں ہمارے سامنے موجود ہوتی ہیں۔ اولڈ بوائز کو یہ سنکر افسوس ہوگا کہ اب
سرسید کورٹ میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں طلباء اطمینان سے ٹینس کھیل سکیں؛ جہاں
گارڈن پارٹی یا اور جلسے ہوسکیں۔ چاروں طرف سے بدبودار عمارتیں موجود ہیں۔
پہلے دو تھیں اب چار ہوگئیں۔ ہمارے نزدیک ماہرین فن کے مشورہ کے بعد بہتر
ہوتا کہ نئی بارک اور پختہ بارک کے ایک دو کمرے توڑ کر وہاں یہ عمارتیں بنوائی جاتیں
ہمکو پورا یقین ہے کہ بمبئی یا کلکتہ کے ماہرین فن تعمیر ضرور اس مسائلہ کو آسانی سے صاف
کردینگے۔ ہم نے خوب غور کیا ہے اور بہت سے انجینروں سے گفتگو کرنے کے بعد
یہ رائے قائم کی ہے کہ سرسید کورٹ آسانی سے دو منزلہ ہوسکتا ہے اس کی بنیادیں اور

دیواریں اسقدر مضبوط ہیں کہ بجائے دومنزلہ کے جبت سہ منزلہ اور چہار منزلہ عمارتوں کا بوجھ اُٹھا سکتی ہیں۔ اب رہی یہ دشواری کہ برآمدہ اور پشت کے کمرہ کی چھت نیچی ہے۔ یہ مشکل نہایت آسانی سے رفع ہوسکتی ہے۔ ہم ان دونوں پختوں کی چھت ڈالکر بڑے کمرے کی برابر کرسکتے ہیں اور اسکے اوپر دوسری منزل تیار کرسکتے ہیں اور زینے اوپر جانے کے لیے ہر ایک بارک میں آسانی کے ساتھ لگ سکتے ہیں جنکا تعلق اوپر کی منزل سے ہی ہوتا کہ گرمیوں میں بالاخانوں پر رہنے والے آسانی سے اوپر جاسکیں۔

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ نئی بارک عنقریب ٹوٹنے والی ہے بلکہ مسٹر سرفراز خاں سکرٹری بلڈنگ فنڈ کا تو ارادہ ہے کہ اسی سال دو ایک کمرے توڑکر پختہ کمرے تیار کرادیں۔ ہماری خواہش ہے کہ وہ ابتدا ہی سے ان کمروں کی بنیادیں اور دیواریں اس طرح کی بنوائیں کہ دومنزلہ کرنے میں آسانی ہو۔

اب رہا سید محمود کورٹ اُس کی تو ایسی خراب حالت ہے کہ خدا کی پناہ۔ طلبا کو جو تکالیف کچی بارک میں سال کے ہر موسم میں اُٹھانا پڑتی ہیں اسکا اندازہ وہ لوگ بخوبی کرسکتے ہیں جو وہاں رہ چکے ہیں۔ غرض کچی بارک (سید محمود کورٹ) کس لحاظ سے کسی موسم میں آرامدہ ہیں۔ علاوہ بریں ہر سال مرمت میں صرف کثیر ہوتا ہے۔ ہماری غرض ہے کہ ہر سال کم از کم ایک بارک توڑکر اُس کی جگہ دومنزلہ پختہ کمرے تیار کیے جائیں جن میں ہر قسم کی ضروریات کا انتظام کیا جاے۔ ہم کو صاف طور سے کہنا پڑتا ہے کہ گذشتہ اور موجودہ بلڈنگ کمیٹی ہرگز ابتدائی اصول فن تعمیر سے ماہر نہ تھی ورنہ قدرتی طور پر ہر کمیٹی صرف اخراجات کا انتظام ٹرسٹی صاحبان کی جانب سے کرسکتی تھی اور تعمیر کا کام ماہرین فن کے مشورہ سے کرتی۔ ماہر فن سے ہماری یہ مراد نہیں کہ ایک معمولی انجینیر یا اورسیر رکھ لیا اور اسکا مشورہ ماہر فن کا مشورہ ہو۔

ہماری خواہش ہے کہ ٹرسٹی صاحبان اور بلڈنگ کمیٹی بمبئی یا کلکتہ کے کسی بڑے ماہر کو بلا کر اسکے مشورہ سے تمام نقشے ایک مرتبہ تیار کرلیں اور انکے مطابق عمارتیں حسب ضرورت تیار کی جائیں۔ سید محمود کورٹ میں ہم کو غلطی کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ ہمکو فوراً ماہر فن سے گفتگو کرنا چاہئے اور اس کی رائے کے مطابق ہم کام کریں۔ اس (سید محمود) کورٹ کے وسط میں نہایت عمدہ کرکیٹ اور کھیلوں کے میدان نکل سکتے ہیں۔ موجودہ بدنما پائخانوں کو وہاں سے دور کرکے دونوں گوشوں میں بنا دیا جائے۔

مسٹر سرفراز خاں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں اور مسٹر محمد علی سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اس مسئلہ کو سنڈیکیٹ کے سامنے پیش کریں۔

ہماری درخواست ہے کہ اولڈ بوائز بھی اپنی رائے سے ہمیں مطلع کرینگے۔

اولڈ بوائز

(۱)

اب بانکی پور کی خیر نہیں۔ سنا ہے کہ مسٹر اے ایس مسعود، مسٹر ایم کے آزاد، اور مسٹر محسن علی وہاں اکتوبر سے کام شروع کرینگے، مسٹر آزاد تنہا کافی تھے، مسٹر محسن علی کے اضافہ سے اندیشہ معلوم ہوتا ہے۔ ہماری ساری امیدیں مسٹر راس مسعود پر ہیں کہ وہ اس نئی تثلیث کی روک تھام کرکے غریب بانکی پور کو ممنون فرمائینگے اور وہاں فقط امن قائم رکھیں گے۔

(۲)

مسٹر سید محمود (قوم) پہلے آچکے تھے، مسٹر تصدق احمد خاں بھی آگئے ہیں

اور ہماری قدیم تثلیث میں اب صرف مسٹر عبدالرحمن بجنوری کی کمی ہے۔ ہم مسٹر تصدق احمد کا اپنے درمیان خیر مقدم کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ اپنے وطن علی گڈھ کو چھوڑ کر فیض آباد جانے پر وہ ہمیں اور کالج کو فراموش نہ کرینگے

انگلستان نے چند اولڈ بوائز کو ہمیں دیکر ہم سے ہمارا ایک عزیز دوست چھین لیا ہے مسٹر عبدالستار جنہوں نے بی اے پاس کر کے چند روز کالج کی خدمت کرنیکا قصد کیا تھا اور ایک حدتک کر بھی چکے تھے۔ سرکاری وظیفہ پر ولایت گئے ہوئے ہیں۔ وہاں سے وہ ڈاکٹر صاحب بنکر آئینگے۔ بسلامت روی و باز آئی۔

مسٹر محمد حیدر خاں صاحب (ٹاٹا اسکالر) نے کیمبرج یونیورسٹی سے اول درجہ میں بی اے کا امتحان پاس کیا ہے۔ اس سے پہلے اُنہوں نے ہمارے کالج سے ایف اے اور بی ایس سی کے امتحانات اول درجہ میں پاس کیے تھے۔ اب وہ آئی سی ایس میں شریک ہونگے۔ مبارک

مسٹر سید حامد علی صاحب جج منگاولی ریاست گوالیار قائم مقام پیونی جج ہو کر گوالیار آگئے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اس جگہ پر مستقل ہو جائینگے۔

مسٹر محمد اسمٰعیل صاحب بیرسٹر ایٹ لا گورکھپور منیوسپل بورڈ کے چیرمین مقرر ہو گئے ہیں ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ یہ انتخاب بلا اختلاف واقع ہوا۔

مسٹر عزیز الحسن صاحب غوری جو اب تک پرو بشنری ڈپٹی کلکٹر تھے اب رہ چکے ہیں

میں سب پروٹم ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے ہیں۔ مبارک ہو

مسٹر یعقوب علیخاں صاحب نے ریاست رامپور میں نائب تحصیلداری سے تحصیلداری پر ترقی پائی ہے اور اب اُنکا تقرر تحصیل بلاسپور میں ہوا ہے۔ خدا ترقی مبارک کرے۔

مسٹر سید موسیٰ کاظم صاحب نائب تحصیلدار رائٹہ ضلع ہمیرپور سے ضلع جہانسی کی تحصیل گرونٹیا میں تبدیل ہوئے ہیں۔

مسٹر سید ابو محمد صاحب ڈپٹی کلکٹر اٹاوہ کے اس فیصلہ کی عدالت العالیہ تک دھوم ہے جس میں اُنہوں نے قمار بازی سے متعلق ایک چالان میں بنو طوا لُف کو سزائے قید دی۔

مسٹر سید نقی الحسن صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بلاسپور (صوبہ متوسط) کے فرزند دلبند تولد ہوا ہے۔ خدا بچہ کی عمر دراز کرے اور وہ مع اپنی والدہ کے تندرست رہے۔

الٰہی بخش کے نام سے دو اولوالعزم نے حال ہی میں انتقال فرمایا ہے۔ ایک تو مسٹر الٰہی بخش میرمنشی سفیر کابل اور دوسرے مسٹر الٰہی بخش بی اے ایل ایل بی وکیل جھنگ ہمیں ان دونوں کی وفات کا قلق ہے اور دونوں کے عزیزوں کے ساتھ اس غم میں شریک ہیں۔ خدا دونوں مرنے والوں کو جنت میں جگہ دے اور پسماندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مسٹر حیدر کرار صاحب جعفری کی بیگم صاحبہ نے طویل علالت کے بعد اس مہینہ میں وفات پائی اور اپنے ماتم کے لیے ایک کنبہ کو رنجور چھوڑا۔ ہمیں مسٹر جعفری سے ہمدردی ہے اور مرحومہ کے لیے جوار جناب سیدہ کی دعا کرتے ہیں۔

یہ خبر کمال افسوس کے ساتھ سنی جائیگی کہ مسٹر رفیع القدر خاں صاحب کی بیگم صاحبہ اور ہفت سالہ بچے نے یکایک ہیضہ سے انتقال کیا۔ بیچارے رفیع کا ارادہ تھا کہ حال ہی میں مرحومہ کو مع ان بچوں کے اپنے پاس بلالیں مگر افسوس! یہ آرزو پوری نہ ہوئی ہم مسٹر رفیع القدر کے شریک غم ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خداوند کریم مرنے والوں کو باغ فردوس عطا فرمائے۔

مسٹر سید منظور علی ریاست بھوپال میں سب انسپکٹر مقرر ہوئے ہیں اور ہم خوش ہیں کہ جس مقام پر اُنکی تعیناتی ہوئی ہے وہ باعتبار آب و ہوا کے اچھا ہے۔ خدا انہیں مبارک کرے۔

یہ بات ہمارے لیے مسرت سے خالی نہیں کہ مسٹر محمد منصور صاحب جو سال ہوئے سرکاری وظیفے پر ولایت گئے ہوئے تھے اب اُنہیں تیسرے سال کے لیے بھی سرکار سے وظیفہ ملا ہے یقین ہے کہ وہ اچھے نمبروں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لیکر آئندہ سال ہم سے آملیں گے۔ فی الحال مسٹر منصور تعطیلیں گذارنے کے لیے برلن سے لندن آئے ہوئے ہیں۔

ہمیں یہ خبر کسقدر رو بر سے ملی کہ ہمارے عزیز دوست میر سید حسین صاحب کے والد ماجد مولوی میر سید حسین صاحب پرسنل اسسٹنٹ ڈائرکٹر صیغہ زراعت کو اس سال

خان بہادری کا خطاب عطا ہوا ہے ہم اپنے عزیزوں کو اُنکے اس خاندانی اعزاز پر مبارکباد دیتے ہیں۔

ایسوسی ایشن کی خبریں

اولڈبوائز اس خبر کو سنکر بہت خوش ہونگے کہ ہمارے کالج کے فخر آنریبل مسٹر رفیق نے ہائی کورٹ میں مقرر ہوتے ہی اپنے ایک فیصدی چندہ میں فوراً اضافہ فرمادیا اور اب وہ چالیس روپیہ ماہوار دیتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اُنہوں نے گذشتہ مہینوں کا چندہ وصول کرنے کے لیے بھی ایسوسی ایشن کو حکم دیدیا ہے۔ مسٹر جسٹس رفیق مسٹر صفدر علی ایگزیکٹو انجنیر، مسٹر الطاف حسین ہیڈماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ اور بہت سے اولڈبوائز ایسے ہیں جو باقاعدہ اپنا چندہ دیتے ہیں اور جسوقت آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے فوراً دفتر ایسوسی ایشن کو اطلاع دیتے ہیں بعض حضرات ایسے بھی ہیں کہ جب اُنکی تنخواہ معقول ہوجاتی ہے تو چندہ کے اضافہ سے دل چراتے ہیں اور عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ اب اخراجات بڑھ گئے ہیں ہم تو یہی کہیں گے کہ جہاں آمدنی اور اخراجات بڑھ جاتے ہیں وہاں قومی چندوں میں بھی اضافہ ہونا چاہیے۔ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ آنریبل مسٹر رفیق نے اضافہ چندہ کی نسبت مسٹر شوکت علی سکرٹری ایسوسی ایشن کو خود لکھا تھا اور چونکہ وہ بنگلور کانفرنس میں شرکت کی غرض سے گئے ہوے تھے اسلیے مسٹر رفیق کو جواب ملنے میں دیر ہوئی۔ اسپر اُنہوں نے مسٹر محمد علی سے دریافت کیا کہ تمہارے بھائی کہاں ہیں۔ غرض لکھنؤ میں ملکر اضافہ کیا اور اپنے تقاضہ سے۔ خدا اور ہمت دے۔ اُنکی مثال اب ہر اولڈبوائے پر فرض ہوگئی ہے۔ ہمیں امید ہے

کر او لدبوائز میں سے ہر ایک صاحب اضافہ چندہ کی دفتر کو جلد اطلاع دینگے۔

مندرجہ ذیل حضرات نے اپنے ماہوار چندہ میں اضافہ فرماکر ہم سب کو ممنون فرمایا ہے۔

		سابقہ	موجودہ	اضافہ
۱	مسٹر ولایت علیصاحب بی اے ایل ایل بی وکیل بارہ بنکی	ع/	سے/	عہ/
۲	مسٹر سید علی حسن صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آگرہ	ع/	عہ ۸/	۸/
۳	مسٹر شمس الحسن صاحب منصف۔ دیوریا ضلع گورکھپور	عہ/	ع/	عہ/
۴	" نعمت اللہ بی اے ایل ایل بی وکیل فیض آباد	صہ/	مہ/	ع/
۵	" سید محمد ہاشم صاحب ڈپٹی کلکٹر کردی ضلع باندہ	سے/	صہ/	ع/
۶	" سید عین الدین صاحب منیجر کورٹ آف وارڈس ملیا	عہ ۸/	عہ ۱۲/	۴/
۷	" محمد صفدر خاں صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل سیالکوٹ	۴/	عہ	۱۲/
۸	" سید حامد علیصاحب تحصیلدار۔ چکراتہ ضلع دہرہ دون	۱۲/	عہ ۸/	۱۲/
۹	کنور اکرام علیخاں صاحب رئیس پہاسو ضلع بلند شہر	عہ	صعہ	صہ/
۱۰	مسٹر عبدالرحمن صاحب سندہی اسسٹنٹ سکرٹری کانفرنس علی گڈہ	عہ/	عہ ۴/	۴/
۱۱	مسٹر بدر الحسن صاحب منصف۔ لکھنؤ	سے/	للعہ/	عہ/
۱۲	مسٹر قاضی مخدوم حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر پرتاب گڈہ	للعہ/	صہ/	عہ/
۱۳	مسٹر عبدالمجید خاں صاحب ممبر کونسل ریاست رام پور	للعہ/	صہ/	عہ/
۱۴	مسٹر معظم علیصاحب وائس پرنسپل لا کالج۔ ڈہاکہ	عہ/	سے/	صہ/

مندرجہ ذیل صاحبان نے ایسوسی ایشن کا ممبر ہونا منظور فرمایا ہی -

نمبر	نام	ماہوار
۱	حکیم محمد شجاع صاحب مسلم ہوسٹل میرٹھ	۴/
۲	مسٹر ذکر الرحمن صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل دہلی	۶/
۳	مسٹر عطاء اللہ صاحب کوچہ چیلاں دہلی	عہ/
۴	مسٹر حافظ عبد العلی صاحب بی اے سرگودھا ضلع حصار	عہ/
۵	مسٹر اسلام نبی صاحب بی اے پروفیسر ڈپٹی کلکٹر سلطان پور	عہ/
۶	مسٹر سید واجد حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر کہیری	سے/
۷	مسٹر محمد اطہر صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل مارہرہ	۸/
۸	ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو بیرسٹر ایٹ لا - امرتسر	عہ/
۹	پروفیسر لکشمی نراین ڈی ایس سی سنٹرل ہندو کالج بنارس	۸/
۱۰	مولوی علی محمد صاحب منصف بستی	عہ/
۱۱	کنور نثار محمد خاں صاحب رئیس پنڈراول ضلع بلند شہر	۸/
۱۲	مسٹر محمد شفیع صاحب بی اے - پرنسپل مدرسہ نوشہرو فیروز ضلع حیدر آباد سندھ	عہ/
۱۳	مسٹر حافظ محمد ابراہیم صاحب جنرل مرچنٹ رسل گنج علی گڈھ	عہ/
۱۴	مولوی عبد القیوم صاحب رئیس گورکہپور	۸/
۱۵	مسٹر محمد اعظم صاحب حیدر آباد دکن	۴/
۱۶	مسٹر مصلح الدین صاحب کوچہ چیلاں دہلی	۴/
۱۷	کنور مہندر پرتاب سنگھ صاحب رئیس مہابن ضلع متھرا	۵ے
۱۸	قاضی وجاہت حسین صاحب رئیس گورکہپور	۸/
۱۹	قاضی ممتاز الحق صاحب " "	۸/
۲۰	مسٹر محسن علی صاحب بی اے - ایل ایل بی نمبر ۳ مدراس	۴/

انشاء اللہ اگلے پرچہ میں ہم جدید ممبران کی ایک مطول فہرست درج رسالہ کرینگے۔

اولڈ بوائز ڈنر اور افتتاح اولڈ بوائز لاج کے موقع پر ہماری جماعت کی جو تصویریں لی گئی تھیں وہ اولڈ بوائز میں شائع ہو رہی ہیں۔ جن صاحبوں کے پاس یہ تصویریں نہ پہونچی ہوں وہ سکرٹری صاحب اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کو لکھکر طلب فرمالیں۔

سرسید نواب محسن الملک اور سید محمود کی تصویروں کا گروپ جنکے بہت سے لوگ شائق تھے اب خاص طور پر تیار کیا گیا ہی اور وہ دفتر اولڈ بوائے سے ملسکتا ہے نیز انور سے کی تصویر بھی ہمارے دفتر سے ملیگی دونوں کی قیمت ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ ہی۔

سیرۃ العباس۔ حضرت عباس عم رسول اللہ کی پاک زندگی کے حالات ہمارے محترم دوست مسٹر محمود احمد صاحب عباسی نے اپنے برادر معظم مولوی حکیم فرید احمد صاحب عباسی سے لکھکر شائع کیے ہیں۔ ہمارے نوجوانوں کے لیے اس قسم کی کتابوں کی بے حد ضرورت ہی اور ہم اپنے ناظرین سے خواہش کرتے ہیں کہ وہ مسٹر عباسی (دفتر کانفرنس۔ علیگڈہ) سے ایک روپیہ بھیجکر ضرور منگائیں گے۔

حقیقت الکیمیا۔ کے نام سے مسٹر سید عبد القادر بی اے (علیگ) انسپکٹر آبکاری آگرہ نے ایک کتاب شائع کی ہی، جو جناب حکیم محمد حیات خاں صاحب کی تصنیف سے ہی۔ اس علم سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے ہمارے خیال میں یہ کتاب بہتر رہنما ثابت ہوگی کتاب مسٹر عبد القادر سے ملیگی۔ قیمت ۱۲ ار ہے۔

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۲

اولڈ بوائے

جلد (۳) بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۲ء نمبر (۱)

اڈیٹر
ابو حامد عزت حسین بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری
مطبع احمدی علی گڈہ میں ۱۹۱۲ء طبع ہوا
حسب ایما مولوی سید منظر علی صاحب علی گڈہ سے شائع ہوا

اولڈبوای

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

(۱) جملہ سابق طلبا، مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڈھ کے دلوں میں انکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اسکے حالات سے انکو باخبر کرنا اور اس کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا

(۲) اولڈبوائز میں رشتہ اخوت قائم رکھنا، اور انکو ترقی دینا، اور انکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

(۳) "اولڈبوائز ایسوسی ایشن" اور "کالج" کی مالی مدد کے لیے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمتگذاروں میں خود اسکے فرزندوں کی خدمات کافی اور تسلی بخش ہوں۔

(۴) جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا، تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اپنر ہمارے کالج کے قائم کرنے سے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کی جاتی ہے

(۱) جملہ خط وکتابت دربارہ ترسیل زر وتبدیل پتہ "منیجر اولڈبواے" بنارس سے ہونی چاہیے

(۲) مضامین دیگر مراسلات بنام "اسسٹنٹ اڈیٹر اولڈبواے" بنارس آنا چاہیے۔

اسیطرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات و رسائل بھی،

منتظمان "اولڈبواے" ہر وقت مفید مشورہ و رفع شکایات کے لیے تیار ہیں۔ اور شکرگذاری کے ساتھ اپنر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر

اولڈ بوائے

اولڈ بوائے اسٹور

اولڈ بوائے اسٹور کی تحریک میں نے عرصہ ہوا کی تھی اور معمولی توجہ برادران عالی قدر کے بعد جو سناٹے کا عالم چھایا اُس کے صرف یہی معنی سمجھے جا سکتے تھے کہ اُس تجویز کا کام تمام ہوا۔ اولڈ بوائے اپریل سنہ ۱۹۱۲ء میں برادر سید لائق حسین صاحب نے اپنے مضمون سے سب کو مطلع فرما دیا کہ ابھی دم باقی ہے اور دوڑ دھوپ کا موقع ہے۔ لہذا یہ چند سطور ارسال خدمت ہیں اگر آپ درج اولڈ بوائے فرمائیں تو بے جا نہ ہوگا میرا مقصد ان سطور میں غیر عامیانہ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ آئندہ جو صاحبان قلم فرسائی فرمائیں وہ عملی نصب العین سے اپنی رائے خواہ موافق یا مخالف دیں۔ ہر دو حالت میں اس کا اثر بہ نسبت محض عامیانہ رائے کے زیادہ اچھا ہوگا میرا مقصد اس تحریک سے نہ صرف یہ تھا کہ اولڈ بوائے اسٹور ایک شاندار زندہ

مثال اخوت اولڈ بوائز کی ہو۔ اور نہ صرف یہ کہ جو صاحبان روپیہ لگائیں اُن کو بنک سے زیادہ منافع رہے۔ یہ بھی مقاصد تھے اور ضرور ہونے چاہئیں۔ لیکن ان سے بدرجہا زیادہ کارآمد مقاصد میرے اس تجویز سے یہ بھی تھے کہ ان مشترک سرمایہ سے کام کرنے کی ہم لوگوں کو عادت پڑے

(۲) پھیلے ہوئے کاموں کی نگہداشت کی صلاحیت پیدا ہو اور

(۳) جو مسلمان تجارت سیکھنا چاہیں اُن کے لیے ایک بے تکلف موقع کام سیکھنے کا بہم پہنچ جائے موجودہ حالت میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ عموماً مسلمان تجارت اور اسکے طریقوں سے ناواقف ہیں۔ اب اس میں اتنا اور اضافہ کر دیا جائے کہ تجارت ایک عجیب کارآمد شے ہے پھر یہ سوچ لینا آسان ہوگا کہ اس ناواقفیت سے کتنا نقصان ہو رہا ہے۔ ہم مثال کے طور پر یہ غور کریں کہ اگر عمر ایک بڑے عہدہ پر سرفراز ہے تو زیادہ سے زیادہ چند مسلمان نوکر رکھ سکتا ہے اور وہ بھی اپنی خدمات کے لیئے۔ لیکن بکر جو ایک فرم کا مالک ہے بدرجہا زیادہ مسلمانوں کا پیٹ بھر سکتا ہے اور نہ صرف ان کا پیٹ بھر سکتا ہے بلکہ ان کا پیٹ بھرنے کے ذریعہ سے اپنے روپیہ میں بھی اضافہ کر سکتا ہے۔ پھر جو کچھہ کام وہ اُن سے لے گا وہ ذاتی خدمتگاری نہ ہوگی بلکہ حرفت وغیرہ۔ اب سوال یہ ہے کہ واقفیت کس طرح پیدا کیجائے۔ اس کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے کہ عملی کام سے واقفیت عملاً کام کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ عملاً کام کہاں کیا جائے اس کا جواب میں یہ دونگا کہ اولڈ بوائے اسٹور میں الفاظ "کام اولڈ بوائے اسٹور میں سیکھا جائے" تصریح طلب ہیں۔ لیکن انکی تشریح وسعت اسٹور کے لحاظ سے کم و بیش ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر اولڈ بوائے اسٹور صرف مقصد ہوا کہ اس میں مال قابل نکاسی دیگر کارخانوں سے منگا کر رکھ لیا اور مناسب قیمت پر طلب کنندگان کو بھیجدیا تو یہ اسٹور صرف اس قابل ہوگا کہ اس میں دوکانداری

بیچی جائے لیکن اگر یہ اسٹور اس وسعت کا ہوا کہ اس میں کام بھی تیار کیئے جائیں اور متعلقہ شعبے ہوں تو علاوہ دکانداری کے حرفت کی تعلیم بھی حاصل کیجا سکتی ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ تیار مال اس اسٹور میں نہ منگایا جائے۔ کل مال تیار کرلینا محض ناممکن ہوگا۔ لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ تیار مال فراہم کرنے کے علاوہ بعض چلتے ہوئے کام خود بھی کیئے جائیں مثلاً خیاطی۔ نجاری (میز کرسی بنانا) چمڑہ کی چیزیں بنانا۔ وغیرہ وغیرہ جو تیار مال دیگر مقامات سے منگا کر رکھا جائے اُسکے شعبے بھی الگ الگ ہوں۔ مثلاً کپڑہ، اسٹیشنری، وغیرہ وغیرہ تاکہ اسٹور ایک نمونہ کی تجارت اور شاندار کام ہو۔

اب دو باتوں پر غور کرنا ضرور ہے اول کام چلنا۔ دوسرے تعلیم دینا۔ امر اول پر وجود اسٹور کا حصر ہے اور امر ثانی پر اُس کی فیض رسانی کا۔ ہر کارخانہ کے لیئے یہ ضرورت ہے کہ نکاسی مال کے ذرایع سوچے جائیں۔ اگر نکاسی تیزی سے ہو تو اچھے نتائج جلد مترتب ہو جائیں گے۔ اس کے ایسے موقع تجویز کرنا چاہیئے، اور اس بارے میں میں بالفعل کچھ لکھنا نہیں چاہتا بلکہ اس مضمون کے سلسلہ میں جو صاحبان قلم فرسائی فرمائیں گے ان کی رائے پر غور کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ ایک بات میں ضرور کہ سکتا ہوں کہ اولڈ بوائے اسٹور کے مفروضہ گاہک سارے ہندوستان میں موجود ہیں یعنی خود اولڈ بوائز۔ ہر خریدار نہ صرف اخوت کا ثبوت دیگا بلکہ قومی ضرورت تعلیم تجارت و حرفت میں حصہ دار ہوگا اور مناسب قیمت پر اسٹور سے چیز بھی حاصل کرلے گا۔ تاہم اس اسٹور کی ہمدردی بڑھانے کا ذریعہ بھی نظر انداز نہ ہونا چاہیئے وہ ذریعہ میرے نزدیک یہ ہے کہ جس قدر زیادہ حصہ دار ہوں گے اوتنا ہی حصہ داروں کا، خود اسٹور کا، اور قوم کا نفع ہے۔ زیادہ حصہ دار بہم پہنچانے کے لئے حصوں

کی قیمت کم ہونا لازم ہے اور میری قطعی رائے ہے کہ دس روپیہ سے زائد کا حصہ نہ ہونا
چاہیئے اگر کاش پانچ روپیہ فی حصہ ہو تو اور بھی بہتر ہے۔ اِس طرح حصہ دار زیادہ
ملیں گے جس کے معنی یہ ہوئے کہ مالک یا گاہک ہی کیوں نہ کہا جائے زیادہ
ہو جائیں گے۔

امر دوم متعلق تعلیم دہی بھی قابل لحاظ ہے۔ میرے نزدیک اتنی شرط ہونی چاہیئے
کہ جو صاحبان اِس اسٹور میں بہ حیثیت ملازم یا کارکن شریک انصرام خدمات ہوں
وہ اِس کے حصہ دار بھی ہوں یعنی سوائے نیچے درجے کے صفائی کرنے والوں
وغیرہ کے جو ملازم ہوں اور خصوصاً جو کام سیکھنے کے لیئے کام کریں وہ کم از کم
ایک حصہ کے حصہ دار ہوں تاکہ ان کو ایک قسم کی دلچسپی رہے۔ جو لوگ کام
سیکھیں گے وہ اپنی حسب حیثیت اُس کی اجرت لیں گے اور کام حاصل کرلینے
کے بعد اِس قابل ہوں گے کہ پسند کریں تو اپنا کام الگ جاری کریں تاہم
زیادہ عملی تجاویز اِس بارے میں اُن صاحبوں کا حصہ ہے جن کو تجارت و حرفت
میں تجربہ ہے۔

اب ایک تجویز خاص آپ کے متعلق ہے وہ بھی اسی ذیل میں بیان کردینی
بیجا نہ ہوگی۔ وہ یہ کہ اسوقت کوئی بھی پرچہ مسلمانوں کے تجارتی امور پر
روشنی نہیں ڈال رہا ہے۔ لہذا یہ خدمت آپ اپنے ذمہ لیں اور مختلف تجاویز
مختلف امور پر وقتاً فوقتاً شائع فرمائیں۔ اِس سے جو فوائد مترتب ہوں گے
وہ محتاج صراحت نہیں ہیں۔ اور اِس طرف پورا زور دینے کا بہتر طریقہ یہ ہے
کہ آپ کے ہر پرچہ میں ایک معین گنجائش اِن مضامین کے لیے پیدا ہونی
چاہیئے۔ زیادہ موثر یہ مضمون اِس طرح ہوگا کہ ایک سرخی یا سرنامہ تجویز
فرمائیے اور اُس کے ذیل میں مسلسل مضامین موصولہ درج کیجئے۔ سرنامہ کی تجویز

آپ خود خوب کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک عام سرنامہ ہو جس کی ذیل میں تجارتی
معلومات وراے درج ہوتی رہیں۔ اگر کاش کسی نمبر میں کچھ درج نہ ہو سکے تو
تو سرنامہ قائم کر کے نیچے لکھدیا جائے کہ اس نمبر کے لیے کچھ موصول نہیں ہوا
جو صاحبان تجارت سے دلچسپی رکھتے ہیں اُن کے لیے کسی نمبر میں اتنا پڑھ
لینا ایک فوری تحریک کا باعث ہوگا۔ اور وہ کسی نہ کسی امر متعلق تجارت پر
کچھ نہ کچھ لکھ کر آئندہ اشاعت کے لیئے بھیجدیں گے۔ آپ خود بھی مختلف
امور متعلق تجارت پر اپنی تجاویز اور رائے دیتے ہیں۔ میرا مطلب صرف یہ
ہی کہ تجارتی تحریک مسلمانوں میں عام کرنی چاہیئے۔ اور اگر اولڈ بوائے نے
یہ خدمت انجام دی تو اُس کے لیے باعث فخر ہوگا۔ میں بہت منتظر رہونگا
اس بارے میں کہ آپ کی ذاتی رائے کیا ہے۔ والسلام

شاہی عمارات۔ ازالہ آباد

ہم نہایت افسوس اور دلی قلق کیساتھ اس خبر کو درج رسالہ کرتے ہیں کہ ہمارے
عزیز دوست مسٹر سید نور الدین صاحب بی اے نے عین عالم جوانی میں ظہور وارڈ میں
۲۵ ستمبر کو وفات پائی اور اپنے ایک بڑے کنبے اور متعدد دوستوں کو اپنے پیچھے غمگین
چھوڑا۔ مسٹر سید زین الدین صاحب مرحوم کے زمانۂ علالت ہی میں تشریف لے آئے
تھے۔ ہم اس غم میں مرحوم کے پس ماندوں کے ساتھ عموماً اور مسٹر سید زین الدین
صاحب، مسٹر سید عین الدین صاحب اور مسٹر سید ضیاء الدین صاحب کیساتھ خصوصاً
دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ مرحوم کے غم میں کالج کے تمام دفاتر ۲۵ ستمبر کو بند
رہے۔

ایک خط

برادرم۔ تسلیم۔ اولڈ بوائز ڈنر کی سالانہ رپورٹ پہونچی مشکور عنایت ہوا۔ اس رپورٹ کو میں نے غور سے مطالعہ کیا۔ اور میں آپ کو باور کرانا چاہتا ہوں کہ جہاں آپ نے ترک ملازمت، خدمت قومی اور قیام کارخانہ کا ذکر فرمایا ہی۔ اُس حصہ کو نہایت دلچسپی اور وقعت کیساتھ میں نے پڑھا۔

مگر بھائی صاحب یقین مانئے کہ مجھے علیگڈہ کے تعلیم یافتہ، فیشن ایبل نوجوان مسلمان کا خدمت قومی کے لیے ترک ملازمت کر دینا ایک خواب پریشان نظر آرہا ہی۔ اور یقین ہی نہیں آتا کہ ہم میں بھی ایسے قومی دلدادہ پیدا ہوگئے ہیں جو اپنے راحت و آسایش پر خدمت قومی کو مقدم کردیں۔ خدا اس خواب کو سچا کر دکھاے اور آپکی ہمت مردانہ ایسا رنگ لاے کہ ہزارہا نوجوان دل و جان سے قومی خدمت کے لیئے تیار ہوجائیں اور آپ کی کوشش پیش خیمہ اور آپ ہراول لشکر نظر آنے لگیں اور اس خواب کی تعبیر یہ برآمد ہو اللہم زد فزد۔

بھائی صاحب آپ کے سکرٹری ہونے سے قبل میں نے ہر طور سے کوشش کی کہ ہمارے گروہ کے سر سے عیش پرستی، فضول خرچی۔ اور تضیع اوقات کے بھوت کا سایہ دور ہوجاے اور وہ راہ مستقیم پر اس طور سے چلے کہ اُسکے اباؤ اجداد، اس کی آئندہ نسلوں اور مادر کالج کے لیے باعث فخر و مباہات ہو۔ مگر میرا کوئی گنڈہ اور تعویز ابتک پورے طور پر کارگر نہ ہوا۔ اور ہم میں سے

اکثر لوگ کم توجہی کی طرف مائل نظر آتے ہیں اس خصوص میں برادرم سرفراز خاں صاحب سے مجھکو زیادہ شکایت ہی کہ میں نے برادر موصوف کو ایک مفصل عریضہ روانہ کرکے استدعا کی ہی کہ میری تحریکات کو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے جلسہ میں پیش کیا جاوے۔ مگر معلوم ہوتا ہی کہ میرا وہ خط عدم توجہی کیساتھ ردی خانہ کے نذر کردیا گیا۔

بھائیصاحب ہندوستان کے مختلف کالجوں سے ہزارہا اشخاص۔ بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں حاصل کرتے ہیں مگر انکو اپنے کالجوں سے صرف اُسیوقت تک تعلق باقی رہتا ہی جب تک کہ وہ کالج میں رہتے ہیں اور ہر وہ کالج کے کمپونڈ سے نکلے اور تعلیمی تعلق کے ساتھ سب تعلقات منقطع ہو گئے۔ مگر یہ خاص شرف صرف ہمارے کالج کو حاصل ہی۔ جہاں دو روز بھی طالب علم نے ڈائننگ ہال میں سب کے ساتھ کھایا پیا۔ اور دیگر صحبتوں کے لطف اٹھائے اُسکے جسم میں مقناطیسی اثر ایسا سرایت کر گیا کہ مدت العمر کیا بلکہ میرا خیال یہ ہی کہ بعد ممات بھی ایک قسم کا روحانی رابطہ اگر قائم رہتا ہو تو بعید نہیں ہی۔ جب کالج میں بڑی تعطیل ہوتی ہی تو لڑکے بجاے اسکے کہ اپنے گھر کو جاکے اپنے عزیز و اقارب دوست و احباب سے ملنے کی مسرت حاصل کریں وہ ملکوں ملکوں اپنے کالج کے لیے چندہ جمع کرنے کی غرض سے بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ اگر جذب محبت مقناطیسی اثر کا خاصہ نہیں ہی تو پھر اور کیا ہی۔ ڈیبیٹنگ کلب کی پرلطف تقریریں یونین کلب کی اتحاد کی باتیں۔ اولڈ بوائز کے ڈنر۔ کرکٹ ٹیم کا لوڑ وغیرہ یہ سب مناظر آنکھوں کے سامنے پھر کر کالج کی یاد دل میں تازہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی خاص بات ہی۔ جو اور کسی کالج کو اسوقت تک نصیب نہیں ہی۔ ہمارا یہ فرض ہی کہ اس میں روز افزوں ترقی کی کوشش کرتے رہیں اور وہ تدابیر اختیار کریں جو باہمی اتحاد و یگانگت کے رشتہ کو اور زیادہ مستحکم بناتی ہیں۔

بفضل خدا کالج کے اولڈ بوائز اکثر بڑے بڑے عہدوں پر مامور اور مرفع الحال میں

اور ہم سے چند غریب بھی کما کما تے ہیں۔ پس ہم سب کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ جو معدودے چند بیکار اور قابل امداد ہوں اُنکو با کار بنانے کی کوشش کریں اور اُنکو ہر طور کی مدد دیں تاکہ ہمارے کالج میں شریک ہونیکی ایک خاص کشش پیدا ہو جائے آپنے بارہا ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ اکثر جانور اپنے چارہ میں اپنے ساتھیوں کو شریک کر لیتے ہیں۔ پس کیا ہم ان غیر ناطق حیوانات سے بھی گئے گذرے ہیں۔

اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے ہم کو خاص قواعد منضبط کرنا چاہیئے۔ تاکہ غریب اور بیکار اولڈ بوائز اور بصورت ضرورت اُنکے یتیموں کی مدد اور تعلیم اور تربیت کا معقول ذریعہ نکل آئے۔ بھائی صاحب معاف فرمایئے اگر آپ نے اپنا فرم جداگانہ قائم کر لیا اور میرے اس پیش کردہ اصول کو پیش نظر رکھ کے اپنے سب بھائیوں کو حصہ لینے کا موقع نہ دیا۔ اور ترغیب و تحریص نہ دلائی تو میں تو یہی سمجھونگا کہ آپنے سب بھائیوں کا حق لیلیا۔ بھائی جان اپنی تجویز میں ایسا پہلو قائم کیجیے کہ اس سے آپکے اکثر بھائی جو کس مپرسی کی حالت میں پڑے ہیں مستفید ہوں اور قابل امداد لوگوں کو مدد پہونچے۔ میں اسکے متعلق متعدد مرتبہ اولڈ بوائز کے پرچوں میں لکھ چکا ہوں جنکو غالباً آپنے بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا۔

بھائی محمد فاروق صاحب نے حیدرآباد سے ایک سکیم "اولڈ بوائز اسٹور" کے متعلق نہایت خوبی سے مرتب و پیش فرمائی تھی جو اولڈ بوائے میں شائع ہو چکی ہے۔ مگر وائے افسوس کہ اُس کی کچھ بھی قدر نہوئی۔ میرے خیال میں جملہ اولڈ بوائز کی خدمت میں آپ کی جانب سے بہ حیثیت سکرٹری ایسوسی ایشن ایک اپیل شائع ہونا چاہیئے کہ "ایک اولڈ بوائز اسٹور" قائم ہو رہا ہے اور ہر شخص کو بقدر امکان شیرز خرید نا چاہیئے اگر عـــہ ہزار تک کے شیرز کے خریدار پیدا ہو جائیں اور غالباً ہو جاینگے تو فرم چل نکلیگا۔ دوم یہ کہ ہم لوگوں کو لازم ہے کہ بجائے فیشن کی تراش و خراش کی فکر کے

اپنے بھائیوں اور انکے نادار یتیموں کی زیادہ فکر کریں اور انکی خبرگیری کا بندوبست کریں افسوس کہ ہم میں سے اکثر ایسے ہی بے فکر اور من چلے نکلیں گے کہ جو اپنی اولاد تک کے لیے کچھ پس انداز نہیں کرتے اور مرنے پر سوائے قرض کے اور کچھ نہیں چھوڑ جاتے اسکے دفعیہ کے لیے انسداد ضروری ہے۔ پس بجائے اسکے کہ ۴ روپیہ ماہوار فنڈ میں دیئے جائیں بہتر ہے کہ ہر شخص اپنی آمدنی سے بحساب فیصد ایک معقول رقم اس فنڈ میں جمع کرتا رہے تاکہ اسکے بعد یا اس کی حیات ہی میں اس کی اولاد کی تعلیم و تربیت میں یہ رقم جمع شدہ مع منافع کے صرف ہو سکے۔ آپ سب بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ تعلیمی اخراجات روز بروز گراں ہو رہے ہیں اور جوں جوں زمانہ گذرتا جائیگا اخراجات بڑھتے جائینگے۔ پس ایسی حالت میں اب بھی اگر ہم نے سمجھ بوجھکر کچھ کر لیا تو غنیمت ہے ظاہر ہے کہ ایک (۵۰) پانیوالے شخص کے لیے جسکو ذرا بھی اپنی اولاد کی جانب سے فکر ہے دیگر اخراجات کے ساتھ ساتھ (۲؍) جمع کرا دینا کچھ دشوار نہیں لیکن یقین ماننا چاہیے کہ (۱۰۰) ایکسو روپے ماہوار پانیوالا شخص نہایت ہی مشکل کے ساتھ اپنی اولاد کو علیگڈہ کی تعلیم دلا کر اسکے اخراجات کا کفیل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ رقم حقیر معلوم ہوتی ہے۔ مگر آئندہ بڑی معین و مددگار ثابت ہوگی اور جسکی قدر کچھ وقت ہی پر معلوم ہو سکیگی۔ علاوہ اسکے اس میں اور بھی چند فوائد ہیں وہ یہ کہ طریقہ بالا پر عمل کرنے سے ہمارا فنڈ ایک بہت بڑا فنڈ ہو جائیگا۔ دویم یہ کہ ہمارے اسٹور کو بہت بڑی تقویت اس رقم سے ہو سکیگی۔ اگر ہم نے باتحاد ان کاموں کو چلا لیا تو بڑا سا بڑا اقلعہ جو ہماری ترقیوں کا سد راہ تھا فتح کر لیا ہر شریک فنڈ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ چاہے وہ اپنی اولاد تک اس رقم مجتمع کے فائدہ کو محدود کر دے یا عام اولڈ بوائز کے نادار یتیموں کی تعلیم و تربیت کے لیے وقف کر دے۔

اولڈ بوائز کی مجتمعہ رقم میں سے جو رقم عربک پروفیسر کی ماہوار میں دینا طے پائی ہے

اس سے مجھے اتفاق نہیں ہے اور غالباً ایک بڑا گروہ بھی اس سے متفق نہ ہوگا یا ہواد
کالج کی جمع شدہ عظیم الشان رقم سے ادا ہونی چاہیے جو رقم ہم لوگوں نے اپنے خفیف
خفیف چندوں سے جمع کی ہے۔ وہ خاص ہمارے ایسوسی ایشن ہی کے اغراض میں صرف
ہونا چاہیئے۔ وابستہ کالج میں جو عمارت اولڈ بوائز کے قیام کے لیے تیار ہو رہی ہے اس سے
مجھے پورا اتفاق ہے یہ ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے کہ جو نا چیز رقم اولڈ بوائز کی جمع ہوتی
ہے وہ خاص اسی گروہ کے مفاد پر خرچ ہونا چاہیے۔ میری غرض صرف یہ ہے کہ آپ اس
طرف پورے طور سے متوجہ ہوکے ایسی تدابیر اختیار کریں جن کی وجہ سے اغراض
مندرجہ بالا کی تکمیل ہو سکے۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے اخراجات یا دوسرے خاص ضروری
معاملات جب درپیش ہوا کریں تو جملہ اولڈ بوائز کی تحریری مشورت ضروری اور لازمی سمجھنا
چاہیے۔ سالانہ ڈنر کے موقع پر میرے خیال میں سو (۱۰۰) تک تعداد میں اولڈ بوائز
شریک ہوتے ہونگے محض اسی دائرہ میں اسوقت ایک بات پیدا کرکے اور دوسروں پر
فیصلہ کرنا عام طور پر قابل اعتراض ہوگا۔

میں اپنے عریضے کو ختم کرتے کرتے ایک ضروری امر کی جانب اور توجہ مبذول
کرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہم سب کا پرچہ اولڈ بوائے مثل سابق کے پھیکا اور بدیر نکل رہا ہے
اگرچہ اسباب سب ظاہر ہیں لیکن ضرورت یہ ہے کہ اسکی تلافی جلد فرمائی جائے۔ اور
جہانتک ہو سکے اس پرچہ کو نہایت آب و تاب شان و شوکت کیساتھ وقت
پر نکلنا چاہیے۔ زیادہ تر مضامین ہم لوگوں کو خواب غفلت سے چونکانے والے ہوں
یہی پرچہ ہمارا رہنما ہو جو ہماری غلطیوں کو بتلائے اور توجہ دلا کر ہوشیار کرے کہ
ہمکو کہاں جانا چاہیے تھا اور کہاں جا رہے ہیں۔ یہ بار گراں محض اڈیٹر و جائنٹ
اڈیٹر کے سر پر نہ ڈالا جائے بلکہ ہم سب بھائیوں کو ملکر ہاتھ بٹانا چاہیئے۔ اور جہانتک

ممکن ہو جلد سے جلد اسکی اشاعت میں ترقی دینا چاہیے تاکہ اُسکی مالی حالت عمدہ ہوکر ہر پرچہ تصاویر کیساتھ آن بان سے نکلے اور نہ صرف ہمارے ہی گروہ تک یہ پرچہ محدود رہے بلکہ اپنی خوبیوں اور صفتوں کے باعث ملک کے ہر گوشہ میں ہر خاص و عام کے ہاتھوں ہاتھ لیا جاوے امید کہ ہماری ترقی کے لیے آپ ہمہ تن مصروف ہوگئے ہونگے خدا سے دعا ہے کہ آپ بخیریت ہوں۔

اسکی ایک نقل بخدمت اڈیٹر صاحب اولڈبوائے مرسل و عرض ہے کہ براہ کرم خط بالا کو جو بحیثیت ایک مضمون کے لکھا گیا ہے۔ اپنے پرچہ کے کسی گوشہ میں جگہ دیکر مجھکو ممنون و مشکور فرماویں۔ اور برادران اولڈبوائز کو مخالفت یا موافقت کا موقع دیں

والسّلام خیر اختتام۔

آپکا بھائی (سید لائق حسین)

علیگڈہ کالج اور شیراز

بوشہر پہنچا شیراز اور علیگڈھ

بحرین سے روانہ ہوکر دوسرے دن ۲۴۔ اگست کو ہمارا جہاز بوشہر پہنچا۔ ڈاکٹر اور مردمان قرنطینہ نشان شیر و شمشیر ٹوپیوں پر لگائے آ پہنچے اور سب مسافروں سے چار روپیہ فی کس محصول وصول کرلیا۔ ہم کو کراچی سے روانہ ہوئے آج نو دن ہوئے ہیں اس لیے بجائے اُس جزیرہ میں لیجانے کے جہاں قرنطینہ میں لوگ رہتے ہیں اس جہاز کے مسافروں کو ایک شب اسی جہاز پر رہ کر دس دن پورے کرلینے کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ شب بسر کرلینے کے بعد صبح کو قرنطینہ کے سپاہی آ موجود ہوئے اور اپنی کشتیوں پر ہمکو کنارے پر چُنگی گھر کے دروازہ پر جو گمرک کہلاتا ہے پہنچا دیا۔ یہاں ہمارے اسباب کی دیکھ بھال ہوئی لیکن چونکہ کوئی محصولی چیز برآمد نہیں ہوئی اسلیے یہاں سے بلا ٹکس دیے چھوٹ گئے۔ پاس پورٹ کے سرکاری معائنہ کے وقت ایرانی قنصل کے دستخط نہ نکلے۔ لہذا اسکو یہاں دیست

کرانے کے لیے فی کس چار روپیہ بھرنے پڑے۔

سرایے بوشہر میں پہونچے اور محصولوں کی آفت سے نجات پانے کے بعد قیام گاہ کی فکر ہوئی دریافت سے معلوم ہوا کہ چنگی گھر سے قریب ہی ایک سرایے ہی۔ چنانچہ ہم لوگ وہاں جا اُترے ان مراحل کے طے کرنے میں دوپہر کا وقت آگیا تھا خاصی بھوک لگی ہوئی تھی۔ بطور خود پکوانے کا وقت نہیں رہا تھا اسیلیے بازار میں جو کھانا ملسکا منگایا گیا اور دیو اشتہا کی نذر کیا گیا۔ اس سے فارغ ہوکر ذرا آرام لینے کے لیے جو ہم لیٹے تو اپنی مسافرت کا خیال آیا اسوقت سارے شہر میں نہ کوئی ہمارا جاننے والا تھا اور نہ ہم کسی کو جانتے تھے۔

مبارکباد منزل آں نزیل بے کس دکورا
کہ نے کس را مبارکباد گوید نے کسے اورا

ایران کی سرائیں علی العموم ہندوستان کی عام سراؤں سے بدرجہا بہتر ہوتی ہیں۔ اکثر دو منزلہ کمرے فراخ اور کشادہ۔ شب میں سونے کے لیے اوپر چھت۔ البتہ صفائی سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہر طرح کا میلا جہاں تہاں پڑا ملتا ہی۔ سرایے والا اُس خدمت کے لیے بھی فوراً آمادہ ہو جاتا ہی جس میں اُسکے اپنے نفع کی بھی کوئی صورت ہو۔ سرائیں کنواں بھی معہ ڈول کے ہوتا ہی لیکن چونکہ اُنکا پانی اکثر کھاری ہوتا ہی اسیلیے پکانے اور پینے کے لیے پانی بہ قیمت لینا پڑتا ہی۔

سیٹھ ابراہیم اور دوسرے ہندی سیٹھ فقیر محمد صاحب نے جو بندر عباس تک ہمارے ہمسفر تھے اور جنکا ذکر پہلے آچکا ہی علاوہ اور مہربانیوں کے ایک مہربانی یہ بھی کی تھی کہ ہم کو ایک خط سیٹھ ابراہیم صاحب تاجر بوشہر کے نام تعارف کرانے کی غرض سے دیدیا تھا۔ چنانچہ جب اس خط کے ذریعے سے ہم اُنکے پاس گئے تو وہ نہایت گرمجوشی اور تپاک کے ساتھ ہم سے

ملے اور فوراً اپنا آدمی بھیجکر ہمارا اسباب سرائے سے منگوالیا انکے مکان میں آجانے کو تو ہم بہت غنیمت سمجھے لیکن چاہتے یہ تھے کہ کھانا اپنا پکوا کر کھائیں مگر انہوں نے اس کو کسی طرح منظور نہیں کیا اور بہ اصرار تمام ہمکو اپنا مہمان بنائے رکھا۔ انکے یہاں روزانہ کھانے کی ترکیب یہ تھی کہ ایک بڑی سینی میں چاول پک کر آجاتے تھے کھانے والے اسکے گرد بیٹھ جاتے تھے۔ دو دو آدمیوں کے درمیان ایک ایک بڑا پیالہ سالن کا جسمیں کبھی گوشت ہوتا کبھی مچھلی، رکھ دیا جاتا۔ اور مشترک سینی میں سے ہر شخص اپنی اشتہا کے مطابق کھا لیتا۔ ایک روز سیٹھ صاحب نے خاص طور پر ہم لوگوں کی دعوت کی جس میں اُنہوں نے بوشہر کے کل ہندیوں کو مدعو کیا تھا۔ یہ جلسہ نہایت اچھا تھا کھانا پر تکلف تھا اگرچہ کھانیکا طرز روزانہ ہی کا تھا۔ پندرہ سولہ آدمی شریک ہوئے تھے جن میں سے اکثر تو تجارت پیشہ تھے۔ بعض ریزیڈنسی میں ملازم تھے ان حضرات سے ملکر نہایت خوشی ہوئی اور کلفت غربت بالکل جاتی رہی یہ ہندی حضرات ہندوستان کے مختلف حصوں کے رہنے والے ہیں لیکن چونکہ تعداد میں بہت ہی تھوڑے ہیں اسلیئے آپس میں خوب ملے جلے ہوئے ہیں۔ شام کو سب ایک جگہ مل بیٹھتے ہیں اور دنیاوی افکار کو تھوڑی دیر کے لیے بالائے طاق رکھکر خوش و خورم وقت گذار لیتے ہیں۔

ریزیڈنسی اور مسٹر اسکویرا بوشہر میں پہنچے اور منزل کر لینے کے بعد ہم برٹش قنصل سے ملنے ریزیڈنسی میں گئے وہاں جاکر معلوم ہوا کہ قنصل صاحب شیراز میں ہیں اور ابھی وہیں رہینگے۔ لیکن مسٹر اسکویرا نائب قنصل اور مسٹر سنٹ قنصل کے فرسٹ اسسٹنٹ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ حضرات بڑی انسانیت کیساتھ ملے ہمارے مقاصد کیساتھ بڑی ہمدردی ظاہر کی اور ہماری روانگی شیراز کے متعلق کل اہتمام کے ذمہ دار ہوئے۔ دوسرے روز شام کو مسٹر اسکویرا نے ہم لوگوں کو

اپنے یہاں چاد پر بُلایا یہ دو ڈہائی گھنٹے کی صحبت نہایت لطف سے کٹی۔ مسز اور مس ایکڑلے بہی تشریف رکہتی تہیں جسنے مختلف مضامین پر باتیں ہوتی رہیں۔ مس صاحبہ نے اپنے والد کے حکم سے مہمانوں کی خاطر پیانو بہی بجایا۔

اس صحبت میں مجہکو اپنا نہایت بیکسی کی حالت میں اب سے ٹہیک نو برس پہلے اسی مکان میں آنا یاد آیا۔ ۱۸۹۴ء میں حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے فارغ ہوکر میں جدہ سے بصرہ جا رہا تہا۔ بوشہر میں ہمارا جہاز تین روز کے لیے لنگر انداز ہوا۔ اس زمانہ میں میں ایف اے پاس کرچکا تہا اور انگریزی بول لیتا تہا اسوجہ سے جہاز کے کپتان اور ڈاکٹر صاحبان سے ارتباط پیدا ہوگیا تہا۔ چنانچہ جب جہاز بوشہر میں آکر ٹہیرا تو کپتان اور ڈاکٹر خشکی پر آئے۔ مجہکو بھی اپنے ساتہ لائے کپتان تو اپنے کسی دوست سے ملنے جہاز کے دفتر میں چلا گیا۔ میں ڈاکٹر کے ساتہ شہر میں پہرتا رہا۔ پہرتے پہراتے شام ہوگئی۔ جب سمندر کے کنارے جہاز پر جانے کی غرض سے پہنچے تو ہوا بہی کسیقدر تند ہورہی تہی۔ ملاحوں نے کشتی کا کرایہ معمول سے دہ چند مانگا اور کسیطرح کم پر راضی نہوتے اسی اثنا میں ڈاکٹر صاحب کو آسمان کی سوجہنے لگی شہر میں ایک ارمنی کی دکان پر خوب شراب چڑہائی تہی اور اب اُسنے اپنا اثر کرنا شروع کیا تہا۔ میری جان عذاب میں گرفتار تہی۔ میں چاہتا تہا کہ کسیطرح جہاز پر پہنچوں اور اس عذاب سے چہوٹوں اُدہر کشتی والے تہے کہ چلنے ہی سے انکار کررہے تہے اِدہر صاحب بہادر تہے کہ جو کچہ زبان پر آتا تہا بکتے چلے جاتے تہے اور معمولی کرایہ سے ایک حبہ زائد دینا نہیں چاہتے تہے۔ آخرکار جب صاحب کی زبان درازی حد کو پہنچگئی تو کشتی والوں نے ہاتہ سے جواب دینے کا ارادہ کیا میں نے بمشکل تمام صاحب کو وہاں سے علیحدہ کیا لیکن اب مشکل یہ تہی کہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ جائیں تو کہاں جائیں رہیں تو کہاں رہیں۔ میں تنہا ہوتا تو شاید کسی سرائے میں جا پڑتا۔ لیکن صاحب کو لیکر کہاں جاؤں۔ صاحب سے کچہ پوچہتا ہوں

تو سوال از آسمان وجواب از ریسمان کا مضمون ہوتا ہے۔ آخر میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ رزیڈنسی میں چلنا چاہیے۔ وہاں کی مدد سے شاید کوئی کشتی مل جائے اور ہم اپنے جہاز تک پہونچ سکیں۔ چنانچہ اس قصد سے میں رزیڈنسی کی طرف روانہ ہوا۔ کشتیوں کے گھاٹ سے رزیڈنسی ایک میل سے زائد ہوگی لیکن صاحب کو میں دو گھنٹے سے کم میں وہاں تک نہ پہنچا سکا۔ راہ میں چھوٹے چھوٹے ایرانی بچے ہم پر کنکر پھینکتے اور "بکشید این فرم ساق را۔ بکشید این کلفواں را" کے نعرے بلند کرتے جاتے تھے۔ جب میں ذرا ڈانٹتا تو بھاگ جاتے اور پھر لوٹ آتے انکے لیے ہم ایک اچھا تماشا بنے ہوئے تھے۔ بہزار خرابی جب نائب قنصل کے مکان پر پہنچے کیونکہ قنصل صاحب اُس زمانہ میں شیراز ہی میں تھے تو معلوم ہوا کہ وہ باہر گئے ہوئے ہیں اور علی العموم بارہ بارہ بجے رات تک نہیں آتے۔ لیکن ہمارے صاحب بہادر نے اس مکان پر پہنچکر اسکو اپنا خانہ بے تکلف سمجھا اور بلا میزبان کی اطلاع تک کے مہمان بن بیٹھے۔ نائب قنصل صاحب کا ملازم ایرانی آدمی تھا۔ اُس سے میں نے ساری کیفیت بیان کی۔ اُس نے بھی یہی کہا کہ اب رات زیادہ آگئی ہے آپ لوگ یہیں رہیے۔ نائب قنصل صاحب نہایت بھلے۔ یعنی آدمی ہیں۔ آپ لوگ اُنکے ملکر خوش ہونگے۔ آدمی نہایت شائستہ تربیت یافتہ اور ہوشیار تھا۔ اسنے ہم دونوں کو میزبان کی عدم موجودگی ہی میں کھانا کھلایا اور پلنگوں پر بستر بچھا کر آرام سے سلا دیا۔ نائب قنصل صاحب سے ہماری ملاقات صبح کو ہوئی۔ حقیقت میں وہ نہایت شریف آدمی ثابت ہوئے انہوں نے ہم دونوں کو ایک شب و روز اور مہمان رکھا اور چونکہ انکو عربی فارسی سے بھی ذوق تھا اسلیے مجھ سے اُن سے خاص لطف کیساتھ باتیں ہوئیں دوسرے روز ہم اُن سے رخصت ہو کر اپنے جہاز پر آ گئے۔ یہ محض اتفاق کی بات ہے کہ اس مکان میں ہمارا ناخواندہ مہمان بنکر آنا اور پھر نو برس بعد خواندہ مہمان ہونا دونو ایک ہی تاریخ یعنی ۲۹ اگست

کو واقع ہوا۔

سالار معظم

زمانہ قیام بوشہر میں رزیڈنسی کی وساطت سے ایک روز ہم لوگ سالار معظم گورنر بوشہر و جزائر خلیج فارس سے شرف اندوز ملازمت ہوئے آپ شاہی قلعہ میں رہتے ہیں جو سمندر کے کنارے واقع ہے قلعہ کی عمارت بظاہر مستحکم ہے لیکن بہت قدیم ہونے کے آثار بھی نمایاں ہیں قلعہ کے دروازہ پر شاہی جھنڈا لہراتا تھا اور سپاہیوں کا دستہ موجود تھا۔ قلعہ کے اندر پہلے ہم ایک کمرے میں ٹہلائے گئے۔ پھر سالار معظم کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ جن کمروں میں اب تک ہمارا گذر ہوا تھا وہ مشرقی ترکیب سے قالین و تکیہ وغیرہ سے آراستہ تھے۔ لیکن اس کمرہ میں جہاں سالار معظم تشریف فرما تھے قالینوں کے اوپر کرسیاں بچھی ہوئی تھیں بیش قیمت پردے لٹک رہے تھے اور چاروں طرف مغربی تہذیب کا جزو غالب نظر آرہا تھا۔ سالار معظم سے ملاقی ہونے کے وقت ہم سب نہایت ادب سے تسلیم کے لیے خم ہوئے معتشم الیہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جواب سلام دیا۔ مصافحہ کیا اور اپنے پاس کی کرسیوں پر جگہ دی ہم نے اپنے آنیکا مقصد بیان کیا جسکو اُنہوں نے نہایت دلچسپی سے سنا۔ تادیر کالج کے حالات پوچھتے رہے اور ہمارے مقاصد سے پوری ہمدردی کا اظہار کیا اپنے صاحبزادوں کی نسبت فرمایا کہ وہ (Belgium.) میں تحصیل علم کر رہے ہیں لیکن اور عمائد کی نسبت فرمایا کہ اگر وہ اپنے لڑکوں کو علیگڈھ بھیجنا چاہینگے تو نہ صرف ان کو اجازت ہی دیجائیگی بلکہ انکے لیے ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائی جائیگی۔

سید جلال الدین حیدر از لاہور

اگر آپ سفرنامہ خواجہ غلام الثقلین صاحب دیکھنا چاہتے ہیں تو منیجر اولڈ بوائے کو لکھئے۔

سید محمود بہاری

ناظرین مشرق نے ۲۰ جولائی کے پرچہ کی نوٹ خبروں میں سکھوں کے چند وظائف کی تفصیل دیکھی ہوگی اور وظیفہ پانیوالوں میں ۔ایس ایم محمود بہاری کا نام دیکھا ہوگا ۔ غالباً آپ کی کچھ حالت سے پبلک کو آگاہ کرنا بے موقع نہو گا ۔

ہندوستان میں تو ابھی اتنی توفیق ہوئی نہیں کہ سوائے بڑے آدمیوں کے کسی معمولی طالب العلم کے حالات اخباری دنیا میں لائے جائیں یہ فخر مغربی ممالک کو حاصل ہے کہ جہاں ذرا کسی نے کچھ بھی کام کیا یا کرنیکا حوصلہ باندھا اُسکے حالات تو کیا مکمل سوانح عمری تیار ہوگئی ۔ اور اسی بنا پر مجھے اب تک تامل تھا حالانکہ آپ کو وظیفہ جون کے آخر مہینوں میں ملگیا تھا اور جولائی کے اگلے ہفتہ میں وہ امریکہ جانے کے لیے الہ آباد سے روانہ ہوگئے تھے ۔ مگر اس نبیس تاریخ کے مشرق نے مجھے بیتاب کرکے اسپر مجبور کیا اپنے عزیز دوست اور مشرق کے ہمدرد نامہ نگار کا کچھ حال ناظرین مشرق کے سامنے پیش کرکے آپ کی کامیاب واپسی کی دعا کرنے کی امید کروں ۔

سید محمود شہر مظفرپور محلہ چاند وارہ کے ایک شریف خاندان سے ہیں اور باوجود اسکے کہ پدر بزرگوار کا سایہ بھی سر پر نہیں ہے مگر آپ کی تعلیمی دلچسپیاں بچپنے ہی سے کچھ اسدرجہ پر تھیں کہ باوجود ظاہری بے سروسامانیوں کے آپ علیگڈھ پہونچے اور ۱۹۰۶ء میں وہیں سے انٹرنس پاس کرکے آپ کالج میں داخل ہوئے ۔

میری اُنکی ملاقات بھی بوجہ ہم کالج ہونے کے ہوئی اور ہم لوگوں کا کچھ ایسا ساتھ رہا کہ ملاقات ایک گہری دوستی کے درجہ پر پہونچ گئی ۔

سید محمود علیگڈہ ہی میں تھے کہ مینے کالج چھوڑ دیا اور تقریباً ڈیڑھ سال تک

ہم جدا رہے جسکے بعد آپ علیگڈہ سے الہ آباد چلے آئے جہاں میرا اُن کا مع اور چند
علیگڈہ والوں کے ساتھ ہوگیا جسکا ذکر میں آگے کرونگا۔

آپکے علیگڈہ چھوڑنے کی وجہ ہماری عاشق کش الہ آباد یونیورسٹی ہوئی جسکے
انداز معشوقانہ کے بیسیوں قتیل متعدد شہروں اور مقاموں پر پڑے ہوئے زبان
سے ؎

زخم نے داد نہ دی تنگیٔ دل کی یارب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا

کا ورد کر رہے ہیں۔

اس مقام پر غالباً ایک لطیفہ لکھنا بے لطف نہوگا۔ علی گڈہ میں مظفرپور کے ایک
امیر کا لڑکا سید محمود کی زیرنگرانی تھا اور ساتویں درجے میں پڑھتا تھا اُس کی کند ذہنی
اور بدشوقی سے گھبراکر سید محمود اُس لڑکے کو اُنکے والد کے سپرد کرآئے اور
کہہ آئے میں اس خدمت سے محروم رکھا جاؤں۔ اُن امیر صاحب نے اُس لڑکے
کو مجبوراً ولایت روانہ کردیا۔ یہ سنہ ۱۹۰۹ء کا واقعہ ہے۔ اپریل سنہ ۱۹۱۲ء میں اُس لڑکے
کا خط آیا کہ جناب ماسٹر صاحب۔ خدا کا شکر ہے کہ مینے اسکاٹ لینڈ یونیورسٹی سے
ایم اے پاس کرلیا۔ کہئے آپ کا ایف اے کا امتحان کب ہوگا یعنی غریب محمود تو الہ آباد
یونیورسٹی کے طفیل سے ابھی ایف اے میں تھے اور ساتویں درجے کا غبی
لڑکا تین سال میں ایم اے ہوگیا ؎

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

غرضکہ وہ صاحبزادے تو اس تعلیمی معراج کو پہونچے اور استاد صاحب بیچارے
فیل ہوتے ہوتے اپنی اُسی اگلی حالت پر رہے خیر الہ آباد میں ہم سب نے قاضی
سلطان قلی صاحب کے زیرسایہ سلطان لاج میں رہنا شروع کیا اور یہیں سے سید محمود

امریکہ کے لیے روانہ ہو گئے

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست

تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

اپکے اخلاق عادات کے متعلق میں اتنا لکھنا کافی سمجھتا ہوں کہ آپ انتہا سے زیادہ مذہبی اور پابند شرع تھے اور خدا کرے امریکہ میں بھی رہیں۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ آپ فرقہ اور طبقہ سے صلح کل پالیسی رکھنے والے اور میل ملاپ کرنے والے آدمی تھے۔ اور قومی جوش کا پتہ اس سے چل سکتا ہے کہ ترکی کے لیے صرف آپ ہی کی کوشش سے کرسچین کالج الہ آباد سے ۵۰ روپیہ وصول ہوئے جسکے متعلق اُنہوں نے ایک مضمون بھی مشرق میں دیا تھا اور جسوقت طالب نامی طالب العلم عیسائی ہوا ہی تو آپنے اپنے حتی الوسع اسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کی گو اُس میں ناکامی رہی۔

قمر احمد (علیگ) مشرق

علیگ لقبی

ہمارے ایک معزز نامہ نگار نے ہمکو حسب ذیل خط لکھا جو ہم بجنبسہ درج کرتے ہیں نامہ نگار صاحب خفا نہوں اودبوا ہے بغیر کسی اجرت کے اُنکا مضمون درج کریگا

جنابِ من۔ السلام علیکم

جب سے مینے ہوش سنبھالا ہی اس لفظ کو دیکھ رہا ہوں کہ فخریہ لکھا جاتا ہی۔ میرے خیال میں کوئی فخر نہیں اور ذلت ہی ہوتی ہی دراصل۔ جھوٹ موٹ کو علیگ لکھہ لیا۔ نو برس سے میں بھی کالج میں پڑھتا ہوں۔ مینے تو اب تک لکھا نہیں۔

اول تو ہمارے پاس یونیورسٹی نہیں جو یہاں کے تعلیم یافتہ اور کامیاب شدہ

طلبا دلپنے آپ کو اس پیارے لقب سے ملقب کر سکیں۔

دویم اس لفظ کو لقب کی حیثیت میں استعمال ہر شخص کرلیتا ہے۔ خواہ ایم اے ہو خواہ جاہل مطلق۔ خواہ ایک سکینڈ علیگڈہ کالج میں پڑھ لے خواہ سو برس۔ چھوٹا بڑا ہر ایک اپنی کلاہ میں علیگ کا پھندنا باندھے پھرتا ہے اگر ہر شخص لکھ سکتا ہے تو ایک مہمل سی بات ہے۔ اور در اصل عزت کا سایہ بھی باقی نہیں رہتا اپنے دل کو خوش کرنیکو لکھو۔ اور اگر یہ آرزو رکھتے ہو کہ بیل والا اور کنٹب کی طرح علیگ کہلاؤ تو کمر ہمت کسکر باندھو گورنمنٹ سے یونیورسٹی لو اور اس طرح اصلی خوشی اور عزت اس لقب کی حاصل کرو یا مجبوری درجہ کو کم سے کم اس لقب کو اسقدر محدود ضرور کر دینا چاہیے کہ بی اے اور اُس سے اوپنچے درجے کے لوگ ہی صرف لکھ سکیں۔

اندھیر تو یہ ہے کہ وہ لوگ جو کہ کبھی کالج کی ہوا بھی نہیں کھاتے اور جو کہ اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہیں کالج کو یہ لقب فخریہ لگاکر مفت بدنام کرتے ہیں۔ یا یہ بھی مانا کہ اس لفظ کے لگا لینے سے دنیا و عاقبت کی تمام عزت حاصل ہو جاتی ہے تو تھوڑی دیر کے لیے ذرا اسکو تو خیال شریف میں لائیں کہ برتاؤ اُنکا دوسرے مسلمان بھائیوں اور علیگڈہ کے زبردستی کے بھائیوں سے کیسا ہے۔

پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل۔ علیگڈہ کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔ اتحاد۔ ملنساری۔ خوش اخلاقی ہمدردی۔ اخلاقی کمزوریوں سے دشمنی اور مادر شفقہ یعنی ہندوستان سے محبت اور اُسکی ترقی میں کوشاں رہنا۔

اگر محمد فاضل صاحب در اصل فاضل ہیں تو یہ جوہر دکھلائیں اور ان خوبیوں کو عمل میں لائیں ورنہ اُنکو کوئی حق علیگ لکھنے کا نہیں ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ میری آنکھوں میں یہ دیکھکر خون اُتر آتا ہے۔ اور بجائے عزت کے نفرت کی پگڑی اُنکے سر پر باندھنے کو دل چاہتا ہے غصہ کا پارہ تمام ڈگریاں سطے کر کے دل کے تھرما میٹر کو توڑ ڈالتا ہے۔

اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کو اسکا ہی انتظام کرنا چاہیئے۔ بھلا کوئی مدرسہ پانچویں درجے کے طلباء اور جاہل لوگ ہم سے علیگ کی دُم لگا کر یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہم ان کی عزت کریں۔ یہ تو سب بھول جاتے ہیں کہ علیگ کو برادرانہ سلوک اور برابری کا برتاؤ کرنا چاہیئے بخلاف اسکے اپنے آپ کو ضرورت سے زیادہ بڑا سمجھنے لگتے ہیں۔ ہم اسکو نہیں دیکھ سکتے۔

اگر معزز اڈیٹر صاحب میرے اس مضمون کو جگہ نہ دینگے تو پھر میں اجرت دیکر کسی اور اشتہار میں چھاپ دونگا۔

اگلے مہینہ کے لیے میں اولڈ بوائز ایسوسی ایشن پر گہری نظر کے عنوان سے ایک مضمون لکھوں گا۔

امتیازی نشان

اولڈ بوائے میں چند مضامین نسبت امتیازی نشان کے نکل چکے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں ابھی تک کوئی تجویز ایسی پیش نہیں ہوئی جسنے قبول عام حاصل کیا ہو۔

میرے معزز دوست مولوی طفیل احمد صاحب نے انگشتری تجویز کی تھی۔ ایک اور صاحب نے میڈل تجویز کیا ہی لیکن یہ دونوں تجویزیں ایسی ہیں کہ عام پسند نہیں ہوسکتیں۔ انگشتری سے تو وہ غرض حاصل نہیں ہوتی جسکے لیے اسکا استعمال تجویز کیا جاتا ہے۔ کون ایسا بے تکلف ہی جو ناواقفیت کی صورت میں جُھک جُھک کر انگشتری کو دیکھے گا کہ اسپر کالج کا مارک ہی یا کوئی نگینہ جڑا ہوا ہی۔ میڈل کا ہر وقت

بھیجدیا۔

سہیلی۔ اُہو۔ بڑی کارگذاری ہوئی۔ ایک دو آنہ ہنڈی کی فیس ہی بچ گئی اور کونسا تیر مار لیا

بہنیلی۔ یوں ہی سہی، دو تین آنہ ہی سہی کسی غریب بدہوا (بیوہ) بیچاری کو دو تو مہینہ بھر گھر میں دیا بارے، کسی کا مہینہ بھر کا پان چھالی چلے۔ کوئی بن ماں باپ کا بچہ ہو، اسکے لیے قلم، پنسل، کاغذ، مہینہ بھر کو تین چار آنہ میں آ لے اور یہ سب تو تمہارے حساب کے موافق ہو۔

سہیلی۔ میں قائل ہوں۔ اب اپنی عقل سے حساب بتاؤ۔ رام جی کی کرپا ہوئی کہ آج تم آئیں۔

بہنیلی۔ اگر پانچ (۵) مہینہ کا ایک دم کوئی بھیجے اور ایک ہی روپیہ مہینہ اسے بھیجنا ہو تو کوئی روپیہ سترہ آنہ کی بچت ہو۔ کیسے؟ مہینے مہینے بھیجو تو ایک روپیہ دو آنہ میں دو چٹھی خرید و اور اب پانچ روپیہ پر ایک آنہ ہنڈی کی فیس دی اور بس۔ یوں دس آنہ کے بدلے ایک آنہ خرچ ہوا تو آنے بچے۔ یتیم کو دو چاہے بیوہ کو۔ دفتر کے پانچ لفافے بچے، پانچ لفافوں کے کاغذ بچے، قلم بچا، لکھنا بچا، بہیوں میں ہر مہینہ درج ہوتا وہ محنت بچی، محرر کی تنخواہ بچی (جو اس کام پر دو محرر ہوں تو ایک سے ہی کام چل جائے)۔ پریسیڈنٹ اور سکریٹری صاحب کے دستخطوں میں وقت ضائع ہوتا وہ بچا، چپراسی کا ڈاک لیجاتے وقت بوجھہ گھٹا، سکرٹری صاحب یا محرر صاحب کی ہنڈی یعنی منی آرڈر وصول کرتے وقت کے دستخط کرنیکا وقت بچا، ڈاکخانہ کے پوسٹ ماسٹر کی، محرر کی، پوسٹمین کی، مُہر لگانے والے کی، چٹھیاں الگ الگ کرنے والے کی جان محنت سے بچی۔ وہ الگ۔ اور ایسی ہی بہت سی بچتیں ہیں۔ کوئی ان سب سے دُگنی

اور۔

سہیلی - پوتھی کی پوتھی بانچ سنائی۔ اب تو انگریزی کے اچھے اچھے لفظ بھی آ گئے ہیں۔
رام جی کریں اور بڑھی بڑھے - ہم جیسوں کو بھی فائدہ ہو جاتا ہے، جیسے اب ہوا۔
سچ ہے اب سمجھ میں آیا - کسی بات کو کیسے سوچنا چاہیئے۔ نہیں تو ہم سے دال کو
وہی نو آنے کا نفع معلوم ہوتا ایک بات بھی نہ سوجھتی - اپنی کیسیوں آنکھیں ہی
کھل گئیں - ضرور روپیہ سوا روپیہ کابل ایک ہی آدمی کی وجہ سے پڑجائیگا اور جو
بہت بہت سے روپے ماہوار دیتے ہیں اُنہیں تو اور بھی زیادہ نفع ہوگا۔
بہنیلی - اگر سب اسی طرح سوچیں اور سوچنے کے بعد عمل کریں تو انجمن کو کتنا نفع ہوگا۔
سہیلی - ہاں ہاں میرا بس چلے تو ان باتوں کو اخبار در اخبار چھپوا دوں (اور رسالہ
اولڈ بوائے کو ضرور بھیجوں) مگر سنے گا کون - آجکل سستی کا تو ہر جگہ زور ہے
ہی کہیں گے کون منی آرڈر لکتا پھرے - جب چھٹی آئیگی دام دیدینگے۔
بہنیلی - اجازت دیدیں کہ پانچ چھ مہینہ کا پیشگی وصول کر لیا جاے - اپنا ہی تو نفع
ہے - اور پیاری بہن! جو نہ اپنا نفع سوچے اور نہ دوسرے کا، نہ اپنا کام دیکھے
نہ دوسرے کا دکھ دھیان میں لاے - اسکا تو نقصان ہی ہوگا - اور سب دنیا
میں ایسے نادان اور بے عقل تھوڑی ہیں بہت سے ایسے ہیں جو پیشگی دے
سکتے ہیں اور جب تک ہو سکیگا دینگے - ہاں سب کی حالت ایک سی نہیں۔
اور نہ سدا کسی کی ایک سی رہی - بس بہن! لو رام رام -
سہیلی - رام رام، رام رام، پھر بھی کبھی پیر اکیجیو -

خاکسار - شفیع احمد

نوشہرہ - فیروز سندھ

مہربانی فرما کر ایک جلد خونِ ناحق کی منگا کر دیکھئے - قیمت عہ

ایک الوداعی پارٹی

کلکتہ کے اولڈ بوائز نے مسٹر محمد علی کو جو کلکتہ سے جا رہے ہیں ایک الوداعی پارٹی دی
یہ پارٹی محض اولڈ بوائز کلکتہ کی طرف سے تھی اور اس میں محض اولڈ بوائز شریک تھے۔
(سوائے دو صاحبوں کے جنکے نام آگے آوینگے)

یہ پارٹی کل شام کو مسٹر عبدالرحیم بخش الہی صاحب کے باغ واقع دمدم میں ہوئی۔
شیخ صاحب موصوف اگرچہ اولڈ بوائے نہیں ہیں مگر کالج اور اولڈ بوائز سے خاص دلچسپی
رکھتے ہیں ازراہ عنایت اُنہوں نے ہم لوگوں کو اپنا باغ پارٹی کے واسطے دیدیا تھا۔

جہاں پارٹی بہت ہی پرلطف رہی۔

وقت پانچ بجے مقرر تھا۔ مگر جعفر کلامی اور مسٹر ظریف کا نمبر اول رہا جو ساڑھے
چار ہی سے آن دھمکے۔ عبدالرحیم صاحب نے ہم لوگوں کی تفریح کے واسطے اپنے باغ کا
ٹینس کورٹ درست کرا رکھا تھا۔ اور سب سامان موجود تھا مسٹر ظریف کے اکثر آزاد ڈرین
پاس کے لگے ہوئے شامیانہ کے اوپر سے جاکر اور وی بونڈری کی صدا سنواتے
تھے محمد علی کا اس فن ونوش پر کھیلنا اور اچھا کھیلنا ضرور قابل تحسین ہے مگر کیا کریں انکے
ساتھی مسٹر ظریف کے خوش کن کھیل نے انکو ایک سٹ بھی نہ جیتنے دیا ہاں ٹینس میں ایک
بات قابل ذکر ہے یعنی مسٹر کلامی کا جیتنے کے شوق میں اکثر رٹ کرنا اور ایک موقع پر اپنے
زور میں آپ گر کر جیت کی یادگار میں گھانس اور مٹی کے میڈل پتلوں پر لیجانا ٹینس کے
بعد شامیانہ کے اندر ریفریشمنٹ کھایا گیا منجملہ اور سب چیزوں کے برف کی قفلیاں
قابل یاد ہیں جو مزہ دار تھیں اور ہر ایک کو زبردستی زیادہ کھلائی گئیں (اسکے متعلق
ایک پرلطف جملہ ہے جسکا ذکر آیندہ آئیگا) بعد میں ایک ماہر فن نے ہارمونیم بجا کر ہم سب کو

محفوظ کیا۔ اُسی وقت راقم کی فرمائش سے ایک دوست نے چند شعر کہے تھے وہ ہارمونیم پر بجائے گئے وہ چند اشعار آخر میں درج ہیں۔

آخر ہمارا نیشنل انتھم "چین وعرب ہمارا" باجے پر دلسوز لہجہ میں بجا۔

وقت کے لحاظ سے اشعار نے سامعین پر بہت اثر کیا اور سب شوق سے سنتے رہے۔

یہ سب کچھ اولڈ بوائز کلکتہ کی طرف سے تھا اسکے بعد اس پارٹی کو اور دلچسپ بنانے کے خیال سے ہمارے دوست مسٹر عبدالرحیم بخش الٰہی صاحب اور ہمارے برادر نواب زادہ معین الدین مرزا نے اس پارٹی کو جلسہ دیا جو رات کے قریباً دس بجے تک باغ ہی میں رہا اس میں شبہ نہیں کہ اس جلسہ سے پارٹی کو بہت رونق ہو گئی اور ہم سب نے وقت بہت لطف سے بسر کیا۔ یہاں صرف ایک بات قابل ذکر ہے۔

تعطیلوں کی برف چونکہ زیادہ تھی اور شام کو سب سیر ہو گئے تھے اسلیے بقیہ رکھدی گئی کہ دوران جلسہ میں کام آجاویگی اگرچہ ہر ایک سے پوچھا گیا کہ اُنکو اس کی رغبت ہے مگر کسی نے ہاں نہ کی پھر بھی اس خیال سے کہ مسلمانوں اور بھائی مسلمانوں کا پیسہ کیوں ضائع جائے اُنکو کہا لینا مناسب ہے اُنکا دور چلا۔ ہر ایک کو بازبردستی کہاتا تھا اسپر ہمارے چپ بھائی غلام حیدر صاحب جو بولتے ہی نہیں بولے کہ برف تو پبلک نیوسنس ہو گئی ہے اور وقت اور حالت کے لحاظ سے اور اس سبب سے بھی کہ ایک پولیس افسر کی زبان سے نکلا ہے یہ ریمارک برف سے زیادہ مزہ دیگیا۔

غرض جلسہ نہایت لطف سے قریباً دس بجے شب کے ختم ہوا اور ہر ایک نے اپنے بھائی محمد علی کو کلکتہ سے جاتے ہوے دلی مسرت اور دعاے ترقی کیساتھ الوداع کہی۔ خدا اُنکو کامیاب کرے۔ پھلیں پھولیں خوش رہیں۔

آخر میں ہم کو مسٹر عبدالرحیم بخش الٰہی کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے اپنے

سچے خلوص سے جو انکو کالج یعنی اولڈ بوائز سے ہے نہ صرف اپنا باغ معہ ضروری سامان کے ہماری پارٹی کے واسطے عنایت کیا بلکہ ہم سب کی مزید تفریح کے واسطے مسٹر معین کے ساتھ ایک بہت ہی اچھی پارٹی دی۔

تعارف کے واسطے ہم کہنا چاہتے ہیں کہ مسٹر عبدالرحیم دہلی و کلکتہ کے مشہور تاجر سگرٹ حاجی بخش الٰہی صاحب کے فرزند ہیں اور کلکتہ کا سارا کام جو حاجی بخش الٰہی کمپنی کے نام سے ہے خود چلاتے ہیں۔

اسکے بعد ہم اپنے برادر معین الدین میرزا کے بھی مشکور ہیں جنہوں نے اپنے بھائیوں کی تفریح میں حصہ لیا اور مسٹر عبدالرحیم کے ساتھ ایک پارٹی دی ہم اپنے باہر کے بھائیوں کو یہ مطلع کرنا چاہتے ہیں کہ برادر معین کی جو اول رونڈ سپورٹس میں ہیں فٹ بال کھیلنے میں دائیں ٹانگ میں ضرب شدید آئی تھی اور بہت اندیشہ تھا کہ ٹانگ بالکل بیکار ہو جائے مگر الحمدللہ اب بہت بہتر ہے اور انشاءاللہ درست ہو جائیگی اگرچہ دیر سے۔ اس تکلیف میں بھی وہ ٹانگ بندھے شریک پارٹی ہوئے۔

آخر میں مجکو اپنے دوست عبدالمجید صاحب کا شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے اس پارٹی کا انتظام اپنی ذات سے کیا اور اپنا وقت اور عقل خرچ کی۔ مسٹر عبدالمجید میرے ایک خاص دوستوں میں ہیں انکو ہم اپنی پارٹیں سرکاری بیل کہتے ہیں کیونکہ کسی کا کوئی کام ہو بھائی عبدالمجید کو دیدو اور وہ کر دیدینگے۔ غنیمت ہے ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں ہمارے برادران جو موجود جلسہ تھے۔

مسٹر محمد علی مسٹر غلام حسین مسٹر جعفر کلامی " مجتبےٰ حسین " سید ہاشمی	برادران علیگڑھ	مسٹر معین الدین میرزا۔ مسٹر میرزا عباس علی پروفیسر ظریف ۔ مسٹر مسعود حسین مسٹر غلام حیدر۔ مسٹر امجد حسین۔ مسٹر اعجاز حسین احقر۔ مسٹر عبدالرحیم بخش الٰہی۔ مسٹر بھائی عبدالمجید

نظم جو اخفر کی فرمایش سے شام ہی کو نا مکمل طور پر لکھی گئی ہے۔

ہائے کلکتہ کی وہ رونق وہ زینت ہی نہیں ... کہاں گئی کس کی نظر اُس کی وہ صورت ہی نہیں

تابع فرمان کلکتہ کا سارا ہندستان تھا ... وہ حکومت اب کہاں دارالحکومت ہی نہیں

ایک اک جس کی عمارت قصر جم سے کم نہ تھی ... حیف کلکتہ کی اب وہ شان و شوکت ہی نہیں

جتنے تھے اعلیٰ دفاتر سب کے سب دہلی چلے ... فخر کلکتہ کو جسپر تھا وہ عزت ہی نہیں

کامریڈ اک قوم کا حامی تھا اب وہ بھی چلا ... اب ہمارے واسطے کوئی حمایت ہی نہیں

کیوں نہو اُسکی محبت دل میں ہر اک کو نہاں ... قومی خدمت سے جسے ذرا فرصت ہی نہیں

کہنے آئے ہیں خدا حافظ مگر غمگین ہیں ... کسطرح رخصت کریں ہم تاب فرقت ہی نہیں

تابع فرمان تھے ہیں اسلئے خاموش ہیں ... ہوں مخالف کسطرح اتنی تو جرأت ہی نہیں

روز افزوں ماہِ نو کی طرح ہو تجھکو عروج ... اب بجز اسکے ہمارے دل میں حسرت ہی نہیں

الوداع بس اے محب دوستان بس الوداع ... بس بجز اسکے تو کچھ کہنے کی طاقت ہی نہیں

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

نظم دوم

دہلی جاکر یا الٰہی کامریڈ ہمت سے بنے ... واں پہنچکر اور اخباروں کا یہ افسر بنے

ہر ورق سونیکا ہو کامریڈ وہ پیپر بنے ... روشنائی کے عوض چھپنے کو آبِ زر بنے

لفظ ایک اک قیمتی ایسا ہو جو گوہر بنے ... لکھنے والا قومی خدمت کے صلہ میں سر بنے

وائسرائی کونسل کا جاکے یہ ممبر بنے ... قوم کی جانب سے اپنی قوم کا لیڈر بنے

راقم
بشیر مرزا سکرٹری
اولڈ بوائز کلکتہ

اولڈبوائز اسٹور

(۲)

ہم اس نمبر میں دو اور مضمون " اولڈبوائے اسٹور" کے عنوان سے درج کرتے ہیں ایک ہمارے دوست "شاہی عمارت" (آگرہ کی شاہی عمارت) کا ہے اور دوسرا ہمارے عزیز مسٹر سید لایق حسین کا۔ اسکے علاوہ مسٹر نظیر حسین فاروقی اور دوسرے اولڈبوائز کے بہت سے خطوط آئے جو درج رسالہ ہوچکے ہیں۔ ہماری خاموشی ممکن تھا کہ غلط فہمی کا باعث ہو اس لیے ہم صاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ ہم کو اس تجویز سے پوری ہمدردی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ" اولڈبوائے اسٹور" علی گڈھ میں جلد قایم ہو۔ ہمکو صرف اس بات کا خیال ہے کہ چلانے والا جبتک پورہ واقف کار اور اصول تجارت سے ماہر نہو گا کامیابی ناممکن ہے۔" اولڈبوائز" سے رشتہ برادرانہ یاد دلاکر کافی سرمایہ جمع کرلینا دشوار نہوگا مگر روپیہ جمع کرنیکے بعد اگر بوجہ ناتجربہ کاری یا بے اصول کارروائی سے ناکامی ہوئی تو اُس کا اثر ہمارے "رشتہ برادرانہ" پر پڑیگا جس کو ہم ہرگز ہرگز گوارہ نہیں کرسکتے۔ ہم سب قبول کرتے ہیں کہ" اولڈبوائے اسٹور" کا قیام عمدہ اور ضروری ہے۔ اب ہم کو صرف اس بات کا یقین ہونا چاہیئے کہ اسکو چلائیگا کون۔ یہ کام اولڈبوائز ایسوسی ایشن اپنے ذمہ لے فی الحال ناممکن نہین تو دشوار ضرور ہے۔ اس بارہ میں ہمنے مسٹر شوکت علی صاحب سکرٹری اولڈبوائز ایسوسی ایشن سے رائے طلب کی تھی، خاصکر مسٹر لایق حسین کے خط کی نسبت، جس کا جواب حسب ذیل اُنھوں نے ہمارے پاس بھیجا ہے۔ ہم اُسے یہاں بجنسہ درج کرتے ہیں:۔

میرے نزدیک اولڈبوائز ایسوسی ایشن کے پاس اس وقت اس قدر کام ہے کہ وہ کوئی اور ذمہداری مشکل سے لے سکتی ہے۔ ہمکو خود ایسوسی ایشن کی حالت درست کرنا ہے، سب اولڈبوائز کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ممبر کرنا ہے اور یہی نہیں بلکہ اُنہیں کالج کے حالات سے باخبر

کرتاہی، اُن سے کام لیناہی اور خاص کر اُن کے ذاتی کاموں میں مدد کرتاہی۔ اُنکی اولاد کی تعلیم میں مدد دیتاہی اور جو بدقسمتی یا حوادث زمانہ سے نادار ہو گئے ہیں۔ اُنکو سہارا دیتاہے۔ معقول سالانہ آمدنی کا ان سب کاموں کیلیے انتظام کرتاہے اور قابل ترین رایوں کو جمع کرکے منتظمان کالج کے سامنے انکو کالج کی بہتری کے لیے پیش کرتاہے اور اب سب سے مقدم کام یہ ہے کہ گورنمنٹ سے اب چارٹر ملے یا دو چار برس کے بعد اپنی مسلم یونیورسٹی کی عملی تکمیل کرتاہی۔ ایسی حالت میں مشکل سے ایسوسی ایشن تجارتی کام کو اپنے ذمہ لے سکتی ہے۔ . . . .

. . . . رہی میری اپنی ذات تو میں خود اصول تجارت سے پورا واقف نہیں ہوں، ہاں! یہ ضرور ہے کہ محکمہ افیوں کی وجہ سے جو تجارتی اصول پر چلایا جاتاہے ایک شعبۂ تجارت کو جانتاہوں، میں نے اپنے روپئے سے رامپور میں کارخانہ کھولاہے، یہ اس وجہ سے کہ اگر خدانخواستہ وہ نہ چلا تو میں ہی مصیبت میں پڑونگا، اوروں کی محنت سے کمایا ہوا سرمایہ نہیں ڈوبے گا، میرے خیال میں ہر قابل اولڈ بواے کے متعلق یہ سمجھ لینا کہ وہ کامیاب تاجر بھی ہوسکیگا غلطی ہے، میری راے میں جو اولڈ بوائز مشترکہ سرمایہ سے علیگڈہ میں اسٹور قایم کرنا چاہتے ہیں وہ ہمارے کالج کے مشہور کرکٹر مسٹر عبدالرزاق صاحب سے۔

خط وکتابت کریں، انھوں نے کالج کے ڈائننگ ہال کی جنس مہیا کرنے کا ٹھیکہ لیا
ہے، اور غالباً کھانے کا آیندہ ٹھیکہ بھی اُن کو ہی دیا جائیگا، اس کے علاوہ وہ کالج کے
احاطہ کے اندر، "جنرل اسٹور" کے لیے مکان عنقریب بنائیں گے، میرے نزدیک
اگر اُن سے خط وکتابت ہو کر یہ کارخانہ ہی مشترکہ سرمایہ کا ہو جائے تو بہتر ہو؛

ہمارے نزدیک یہ رائے مناسب ہے اور بہتر ہوتا کہ اگر مسٹر فاروقی اُن سے خط وکتابت
کرکے اس امر کا تصفیہ کرتے ہم خود بھی مسٹر رزاق کو متوجہ کرتے ہیں،

امتیازی نشان

ہمارے رسالے میں تین مضامین پر مختلف اصحاب نے بحث کی ہے، اور وہ تین یہ ہیں
"الناس باللباس" جسکی ابتدا مسٹر محمد یعقوب نے کی تھی "اولڈ بوائے اسٹور" جس کے
پیش کرنے والے "شاہی عمارت" ہیں اور "امتیازی نشان" جس کے سب سے بڑے
خواہاں مسٹر عبداللہ خاں رحمانی ہیں، ہمارے نزدیک ان پر کافی بحث ہو چکی ہے اور انشاء اللہ
ان کا تصفیہ اس سال کے ڈنر میں ہو جائے گا، جبکہ بہت سے اولڈ بوائز موجود ہونگے اور
آپس کے مشورہ کے بعد مناسب فیصلہ کر لینگے، اس وقت "امتیازی نشان" کی ضرورت
ہم ضرور بیان کرینگے، واقعی اس کی ضرورت ہے، اب رہا یہ کہ وہ کیا ہو؟ اس کی نسبت
مختلف تحریکیں پیش کی گئی ہیں۔ کوئی ایسا نشان مقرر کرنا جس سے ہر ایک "اولڈ بوائے"
پہچانا جاسکے یا جسے ہر اولڈ بوائے ہر وقت استعمال کرتا رہے، بالکل ناممکن ہے۔ ہماری رائے
میں جب ہم سفر میں ہوں یا کسی ایسی جگہ جائیں جہاں ہمارے جاننے والے کم ہوں تو ہم ضرور
اسے استعمال کریں، ایسا نشان انگشتری، کفوں کے بٹن، اچکن اور واسکٹ کے بٹن، اسکارف
پن یا تمغہ ہو سکتا ہے، ہمارے خیال میں انگشتری تو بیکار ہے کیونکہ اول تو وہ نظر نہیں آتی

دوسرے بہت سے لوگ انگوٹھی پہننا بُرا جانتے ہیں، مناسب ہے کہ اچکن یا واسکٹ کے بٹن جن پر کالج کا کریسٹ یعنی کھجور تاج اور ہلال، ہو، استعمال کئے جائیں۔ مسٹر سید محمد علی صاحب سشن جج کے پاس اس قسم کے بٹن موجود ہیں جو نہایت خوبصورت ہیں۔ وہ لوگ جو انگریزی لباس پہنتے ہیں، اسکارف پن استعمال کریں جس پر کریسٹ بنا ہوا ہو۔ ہمکو معلوم ہوا ہے کہ مسٹر عبدالرزاق نے بٹن وغیرہ منگانے کا انتظام کیا ہے، ہماری خواہش ہے کہ سکرٹری صاحب اولڈ بوائز ایسوسی ایشن اُن سے کافی تعداد کے منگانے کا انتظام فرمائیں اور اس کا تمام اشتہار اولڈ بوائز میں دیں۔ مسٹر سید محمد علی صاحب ایک انگریز کے متعلق حکایت بیان فرماتے ہیں کہ اُن سے ایک انگریز سے ملاقات تھی جو بہت سی انجمنوں کا ممبر تھا اور ہر انجمن کا خاص بٹن یا تمغہ وہ اپنے کوٹ میں لگاتا تھا، خود ہمنے سنٹرل ہندو کالج بنارس میں دیکھا ہے کہ وہاں کے کارکن اپنے کوٹوں میں اس قسم کا تمغہ لگاتے تھے، یہ تمغہ چوّنی سے کچھ بڑا ہوتا ہے جس پر سی، ایچ، سی (C.H.C) لکھا ہوا ہوتا ہے، ہمارے نزدیک ایسا تمغہ بھی تیار کیا جاوے جو کوٹ یا اچکن میں لگایا جاسکے اس طرح مختلف مزاج کے لوگوں کو موقع ملیگا کہ وہ اپنے مذاق کے مطابق تمغہ بٹن اور اسکارف پن جو چاہیں استعمال کریں۔

اولڈ بوائز

کامریڈ اب دہلی آگیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا خدم وحشم بھی، کلکتہ کے اولڈ بوائز نے اپنے ایک قابل فخر دوست مسٹر محمد علی صاحب کو جو الوداعی دعوت ڈنر میں دی تھی اس کا حال مسٹر بشیر میرزا صاحب نے مہربانی فرماکر رسالے کیلئے ہمارے پاس بھیجا ہے ہم اسے کسی دوسری جگہ درج کرتے ہیں اور مسٹر محمد علی کا علیگڈھ سے قریب خیر مقدم کرتے ہیں۔

"ہمدرد" پریس کے انتظام کے بعد وہ سب سے پہلے اولڈ بوائے کی چھپائی کا اہتمام
کرینگے اور شروع سال آیندہ سے ہمارا رسالہ ہمدرد پریس میں چھپے گا۔

ماہ مبارک (رمضان) میں تمام عالم اسلام کے اندر خیر و برکت کا دورہ خصوصیت کیساتھ
ہوجاتا ہے، اور تمام راسخ العقیدہ مسلمان روزہ داروں کے افطار کے لیے خاص طور پر اہتمام
فرماتے ہیں، اس مرتبہ دہلی میں ہمارے دوست مسٹر ذاکر الرحمن صاحب بی، اے، ایل، ایل
بی، نے بڑے پیمانے پر افطار کا انتظام کیا تھا اور ۲۵ رمضان المبارک کو اُن کے یہاں
دہلی کے تمام اولڈ بوائز اور کم و بیش آٹھ سو مہمان مدعو تھے، اس قسم کی پارٹیاں پبلک زندگی
کے لیے نہایت مفید ہیں۔

مسٹر عبدالغفار صاحب (مرادآبادی) جو گمنامی میں رہ کر "اولڈ بوائے" کی خدمت
اپنا فرض عین تصور فرماتے رہے ہیں اخبار "ہمدرد" کے سب اڈیٹر مقرر ہوئے ہیں۔ "ہمدرد"
اور "کامریڈ" اب اولڈ بوائز کے دنگل ہیں اور ان میں مسٹر محمد علی، مسٹر غلام حسین، مسٹر غلام مجتبیٰ
اور مسٹر سید ہاشمی[1] جیسے دل چلے اولڈ بوائز موجود ہیں، خبر ہے کہ مسٹر سید محفوظ علی صاحب بھی
تشریف لانے والے ہیں۔

مسٹر آفتاب عمر بی اے کی شادی ۲۹ ستمبر کو خان بہادر سید جعفر حسین صاحب کی
صاحبزادی سے ہوئی اور تمام مراسم نہایت سادگی کے ساتھ ادا کئے گئے اسٹیشن کے تمام
شرفا اس وقت موجود تھے، بعد نکاح مسٹر شوکت علی صاحب نے "اولڈ بوائے" کی جانب سے
اظہار تہنیت میں "نئی شادی" کے عنوان سے ایک نظم پڑھی اور مسٹر سید ہاشمی صاحب نے
کامریڈ پریس کی طرف سے ایک نو تصنیف سہرا سنایا "نئی شادی" والی نظم ناظرین اگلی

[1] مسٹر ہاشمی نے ترک ملازمت فرماکر اب تعلیمی سلسلہ کو پھر جاری کیا ہے۔

اشاعت میں ملاحظہ فرمائیں۔ شام کو ایٹ ہوم دیا گیا اور شب کو دعوت، ہمیں مسٹر آفتاب کا ایک فقرہ "الحمد للہ بجا یا اور قبول کیا، تمام عمر یاد رہیگا جو انہوں نے ایجاب و قبول کے وقت کہا تھا، مسٹر تصدق احمد خاں صاحب بھی کچھ کم قابل مبارکباد نہیں کہ انھوں نے "رشتہ بالا" کے تمام خدمات نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیئے۔

———(۷)———

مسٹر سید ابو محمد صاحب ایم۔ اے ڈپٹی کلکٹر نے اٹاوہ پولس کے افسروں کے سامنے اُنکے فرایض کے متعلق ایک مبسوط لکچر دیا جو عام طور پر پسند کیا جاتا ہے، ہماری رائے ہے کہ مسٹر ابو محمد اسے کتابی صورت میں شائع کر دیں، ورنہ یہ خیالات عام اشاعت نہ پا سکینگے اور صرف چند روزہ ہونگے۔

———(۸)———

ہمیں یہ معلوم کرکے نہایت قلق ہوا ہے کہ مسٹر منظور المحمود رامپور میں نہایت بیدردی سے قتل کئے گئے، اور کئی روز کے بعد اُن کی نعش مکان کے اندر بند پائی گئی، نعش کیا تھی گویا گوشت کے لوتھڑے تھے، ملازم کا پتہ نہیں اور سُنا ہے کہ کچھ مال بھی ضائع ہوا ہے۔ کالج میں مسٹر منظور کپتان عبد اللہ صاحب کا ہلن (ہرن) کہلاتے تھے اور کرکیٹ میں خاص مشق رکھتے تھے۔ ہمیں اُن کے خاندان سے دلی ہمدردی ہے۔

———

ہمیں خوشی ہے کہ مسٹر اسمٰعیل خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لا قواعد جدید کے مطابق دہلی کے گورنمنٹ پلیڈر مقرر ہوئے ہیں۔ مبارک ہو

ایسوسی ایشن کی خبریں

روئداد جلسہ سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن
منعقدہ ۲۹ ستمبر سنہ ۱۹۱۲ء بمقام کالج، دفتر ایسوسی ایشن

حاضرین جلسہ

۱- مسٹر عامر مصطفےٰ خاں صاحب
۲- مسٹر محمد علی صاحب بی اے آکسن
۳- مسٹر خواجہ عبدالمجید صاحب
۴- مسٹر عبدالحکیم صاحب
۵- مسٹر سید عبدالباقی صاحب
۶- مسٹر محمد سرفراز خاں صاحب
۷- مسٹر شوکت علی صاحب

. . . . . .

صاحبان ذیل کی تحریری رائیں موصول ہوئیں

۱- مسٹر احسان الحق صاحب
۲- مسٹر سید رضا علی صاحب
۳- مولوی سید طفیل احمد صاحب
۴- مسٹر سعید محمد خاں صاحب
۵- سید محمد حسین صاحب رضوی
۶- مسٹر سجاد حیدر صاحب

بہ تحریک مسٹر محمد سرفراز خاں صاحب بہ تائید مسٹر شوکت علی صاحب جملہ حاضرین کے اتفاق سے مسٹر سید عبدالباقی صاحب صدر انجمن مقرر ہوئے۔

آنریری سکرٹری نے روئداد جلسہ گزشتہ منعقدہ ۱۱ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء حاضرین جلسہ کو پڑھکر سنائی، اور تمام حاضرین موصوف نے اسکو کنفرم کیا، بعد ازاں مدات مندرجہ ایجنڈا

پڑھکر سنائے گئے۔

سب سے اوّل بالاتفاق یہ تجویز ہوا کہ اسیوسی ایشن اور سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کیطرف سے مرحوم سید نورالدین صاحب کی جوان مرگی وفات پر مرحوم کے عزیزان کی خدمت میں بذریعہ تحریر اظہار ملال و ہمدردی کیا جاوے۔

اسکے بعد کارروائی جلسہ شروع ہوئی۔

مد اوّل۔ بابت خرید آیرن سیف قیمتی مبلغ تا سو روپیہ برائے دفتر اسیوسی ایشن بالاتفاق پاس ہوا کہ مبلغ سو روپیہ تک کا ایک سیف دفتر کے واسطے خرید کیا جاوے

مد دوم۔ بابت خرید کلاک برائے دفتر قیمتی مبلغ ... لغایتہ ... بالاتفاق پاس ہوا۔

مد سوم۔ بابت ترقی میر محمد عباس صاحب کلارک مبلغ پانچروپیہ ماہوار بالاتفاق پاس ہوا۔ اسکے بعد مسٹر محمد علی صاحب نے تجویز کیا کہ دفتر میں سروس بکین ملازمین دفتر کی رکھی جاویں جن میں بہ تعیین تاریخ ترقی وغیرہ کا اندراج کیا جائے۔ اس تجویز کو ممبران موجودہ اجلاس نے بہت پسند فرمایا اور پاس کیا۔

مد چہارم۔ بابت وظیفہ اتقاء اللہ خاں صاحب پسر مسٹر ضیاء اللہ خاں صاحب مرحوم بالاتفاق پاس ہوا۔ اور تجویز ہوا کہ پراویڈنٹ فنڈ میں سے اتقاء اللہ خاں کو اور مسٹر نعیم خاں مرحوم کے لڑکے کو جس کی درخواست ۲۰ جنوری ۱۹۱۲ء کے سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی میں پیش ہوئی تھی فی کس آٹھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ دیا جائے۔

نسبت امور اطلاعی

(۱) ڈائرکٹری کے دوسرے حصہ کی بابتہ یہ طے پایا کہ اُس مطبع کے علاوہ جس میں ڈائرکٹری کا اوّل حصہ طبع ہوا ہے (جلدی چھپنے کی غرض سے) کسی دوسرے مطبع میں چھپوالیا جائے اس کے متعلق مسٹر محمد علی صاحب نے اپنی عنایت سے وعدہ کیا ہے کہ وہ دسمبر ۱۹۱۲ء تک

اس کے چھپنے کا انتظام فرماکر اسکو چھپوا دینگے۔

(۲) قرار پایا کہ پراونشل سکرٹری صاحبان کو وقتاً فوقتاً جدید ممبران کے نام دفتر ایسوسی ایشن میں بھیجنے کے واسطے دفتر ایسوسی سے لکھا جائے۔

(۳) تجویز ہوا کہ ممبران ایسوسی ایشن سے بذریعہ تحریر دریافت کیا جائے کہ اگر وہ اپنا چندہ بخوشی پیشگی ادا کرنے پر راضی ہوں تو اُن کا چندہ سہ ماہی کر دیا جائے۔ کیونکہ اس سے ہر ممبر کو فیس منی آرڈر وغیرہ کی ادائگی میں کفایت اور دفتر کے کام میں سہولیت ہوگی۔

(۴) ترمیم خانہ ہائے رجسٹر ممبران ایسوسی ایشن کے متعلق یہ طے پایا کہ اس ترمیم کو مسٹر محمد علی صاحب و مسٹر سید عبدالباقی صاحب رجسٹرار و مسٹر محمد منظور احمد صاحب اکاونٹنٹ کی راے پر چھوڑا جائے جس طرح وہ مناسب سمجھیں اسکے خانوں کی ترمیم کردیں۔

اسکے بعد صدر انجمن صاحب کا شکریہ ادا کیا گیا اور جلسہ برخاست ہوا۔

مندرجہ ذیل حضرات نے ہماری ایسوسی ایشن کا ممبر ہونا قبول فرمایا ہے۔ ۔ ۔ ۔

۱۔ مسٹر محمد اسمٰعیل صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کنسرویٹر جنگلات، بلاسپور۔ .. .. .. [illegible]

۲۔ مسٹر فیروزالدین صاحب۔ للی لاج۔ لاہور ۴ر

۳۔ " ابراہیم صاحب زبیری، مارہرہ ضلع ایٹہ، ۴ر

۴۔ " محمد نثار اللہ صاحب بی اے۔ گورکھپور۔ ۴ر

۵۔ " عبدالوہاب صاحب متصل تارگھر، آگرہ۔ ۴ر

۶ " پیر محی الدین صاحب تاپسٹ ہائی کورٹ، اندور۔ ۴ر

۷ " ایس، ایم میر بیرسٹر ایٹ لا، لاہور۔ .. .. عہ ر

۸ " عبدالعزیز صاحب انسپکٹر پولیس فیض آباد .. .. [illegible]

۹ " بہادر حسن صاحب ۳۱ رپن اسٹریٹ کلکتہ ۴ر

۱۰- مسٹر محمد اسمٰعیل صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ گورکھپور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عا

۱۱- " محمد ابراہیم صاحب اسسٹنٹ ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر تھانہ بکار ۔ ۔ ۔ ۱۲ر

۱۲- " شاکر علی صاحب سب پوسٹماسٹر، غازی آباد ضلع میرٹھ ۔ ۔ ۱۲ر

۱۳- " غلام نبی صاحب معرفت قاضی امام علی صاحب آنریری مجسٹریٹ، حیدرآباد سندھ ۔ ۔ ۴ر

۱۴- حکیم سید عباس علی صاحب رئیس پلول، ضلع گوڑگاؤں ۔ ۔ ۔ ۸ر

۱۵- مسٹر سید علی حمید صاحب بی اے اسسٹنٹ ڈی، ٹی، ایس ۔ ۔ ۔ عہ ر

۱۶ " صادق علی صاحب سب انسپکٹر پولیس، پولیس کمشنر آفس رنگون ۔ ۔ ۸ر

۱۸ " چودہری محمد اصغر صاحب وکیل، کیمبل پور ۔ ۔ ۔ عا

۱۹ " عبدالرشید خاں صاحب میونسپل کمشنر گورکھپور ۔ ۔ ۔ ۸ر

۲۰- " واحد یار خاں صاحب اسسٹنٹ انجنیر آگرہ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

۲۱- " شیخ اکرام اللہ صاحب معرفت شیخ سعد اللہ صاحب وکیل بھوپال ۔ ۔ ۔ عا

۲۲ " نعیم اللہ خاں صاحب انسپکٹر پولیس، پرتاب گڈھ ۔ ۔ ۔ ۸ر

۲۳ " عبداللطیف احمد خاں صاحب دہوگری ضلع جلندہر ۔ ۔ ۔ ۴ر

۲۴ " خورشید علیخاں صاحب، حامد باغ، رامپور ۔ ۔ ۔ ۸ر

۲۵ " حبیب اللہ صاحب معرفت شیخ سعد اللہ صاحب وکیل، بھوپال ۔ ۔ عہ ر

۲۶ " عبدالشکور صاحب معرفت حاجی اسمٰعیل صاحب کرک۔ مانڈوی، بمبئی ۔ ۔ ۔ عہ ر

۲۷ " شیخ سمیع اللہ صاحب بی اے، ایل، ایل، بی، لکھیم پور کھیری ۔ ۔ عہ ر

۲۸ " محمد حسین خاں صاحب پوسٹماسٹر، بنارس چھاونی ۔ ۔ ۔ عا

۲۹ " محمد زماں خاں صاحب نئی بستی، جلندہر ۔ ۔ ۔ ۸ر

۳۰ " عمر یوسف صاحب سیٹھ، کول بازار، بلاری ۔ ۔ ۔ ۸ر

۳۱ " حاجی ابراہیم صاحب معرفت ابراہیم اینڈ کو بلاری ۔ ۔ ۔ ۸ر

۳۲۔ حکیم میر احمد علی صاحب دارالشفا حیدر آباد دکن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صہ/

۳۳۔ مسٹر نذیر الحسن صاحب سب انسپکٹر پولیس، نگینہ ضلع بجنور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸/

۳۴۔ " محمد علیخاں صاحب سب انسپکٹر پولیس، افضال گنج، ضلع بجنور ۔ ۔ ۸/

۳۵۔ " شیخ محمد حسین صاحب رئیس ڈالٹن گنج ضلع پلاموں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ/

۳۶۔ " ممتاز حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر، ڈالٹن گنج ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ/

۳۷۔ " عبدالرحیم صاحب بی اے۔ ایل۔ ایل بی میسور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ/

۳۸۔ مفتی محمد یعقوب صاحب بیرسٹرایٹ لا پشاور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ/

۳۹۔ مسٹر ابو الحسن خاں صاحب سب انسپکٹر، پیلی بھیت ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰/

۴۰۔ " ظفر حسین خاں صاحب بی اے متصل گورنمنٹ اسکول۔ گوجرانوالا ۔ ۔ ۴/

۴۱۔ " محمد ناصر صاحب بی اے۔ اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸/

۴۲۔ " رحمت اللہ صاحب سکینڈ ماسٹر منیونسپل اسکول سیالکوٹ ۔ ۔ ۔ ۸/

۴۳۔ " عبداللہ خاں صاحب انسپکٹر ڈاکخانجات، پشاور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ/

۴۴۔ " سلطان محمود صاحب سپرنٹنڈنٹ دفتر ڈپٹی کمشنر۔ ڈیرہ غازیخاں ۔ ۔ عہ ۸/

۴۵۔ " ظفریاب علیخاں صاحب معرفت کرنیل صاحب بھوپال ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰/

۴۶۔ " مخدوم محمد افضل صاحب بی اے۔ ایل ایل بی سیالکوٹ ۔ ۔ ۔ ۱۲/

۴۷۔ " قاسم رضا صاحب بیرسٹرایٹ لا سنڈیلہ ضلع ہردوئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۴/

۴۸۔ " محمد عاشق صاحب وکیل۔ گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صہ/

۴۹۔ " خلیل الرحمن صاحب سکرٹری جنگی۔ بدایوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲/

۵۰۔ " حمایت حسین صاحب گورنمنٹ ہائی سکول بلند شہر ۔ ۔ ۔ ۔ ۴/

۵۱۔ " شیخ محمد حسین صاحب پیشکار سشن جج۔ حصار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ/

۵۲۔ " ملک عبدالحق خاں صاحب بی اے شمس آباد کیمبل پور ۔ ۔ ۔ ۴/

جن لوگوں نے کلیات اکبر جلد اوّل کو ایک نگاہ دیکھا ہو اُنکے دل میں یہ خواہش ضرور پیدا ہوتی ہوگی کہ وہ حضرت اکبر مدظلہ کی دوسری کلیات بھی دیکھیں۔ یہ خوشخبری ہم نہایت مسرت کے ساتھ سُناتے ہیں کہ حضرت اکبر کی کلیات کا دوسرا ناتمام حصہ شائع ہوگیا ہے ناتمام ہم اسلئے کہتے ہیں کہ خدا کرے ہمیں ابھی اُنکے کلام کا ایک بڑا ذخیرہ دیکھنے کو ملے۔ اور اسلیے بھی کہ بعض وہ کلام جو ہم دیکھ چکے ہیں کلیات میں موجود نہیں ہے۔ باوجود اسکے ہماری دلی تمنا ہے کہ ہمارے ناظرین کے درمیان کثرت کے ساتھ یہ کلیات شائع ہو۔

حضرت اکبر نے حال ہی میں ہمیں چند اشعار بھیجے ہیں جنھیں ہم خوشی کیساتھ یہاں درج کرتے ہیں ؎

گئے وہ دن کہ جنون تھا مجھے پری کے لیے
حواس باختہ ہوں اب تو میری کے لیے

سب سعی میں مصروف ہیں حاصل کی نہ پوچھ
مغرب کے خضر ساتھ ہیں منزل کی نہ پوچھ
ہے بحر مباحث میں رواں کشتی اُمید
لہروں کی لچک دیکھ لو ساحل کی نہ پوچھ

مرضی حق کا ادب بھی دم فریاد رہے
تلک الایام کی آیت بھی ذرا یاد رہے
ہم تو اُس دل کی بصیرت کی کرینگے تصدیق
ساتھ سائنس کے بھی جنکو خدا یاد رہے

ہمارے ناظرین کو "اولڈ بوائے" کی بے قاعدگی اور اس کے پھیکے پن کی شکایت کچھ دنوں سے پیدا ہو گئی ہے۔ بے قاعدگی کا ذمہ وار تو پریس ہے اور یہ شکایت اُسوقت رفع ہو سکتی ہے کہ "ہمدرد" پریس درست ہونے کے بعد ہمارا پرچہ اُس میں چھپنے لگے رہی مضامین کی بدمزگی اُسکے متعلق گزارش ہے کہ اس شکایت کا رفع کرنا آپکے اور صرف آپکے ہاتھ میں ہے اگر آپ چاہیں تو پرچے کو اچھا بنا سکتے ہیں۔ روزانہ آپکے متعلق ایسے واقعات پیش آتے ہونگے کہ آپ انھیں "اولڈ بوائے" میں درج کرا دیں مگر نہیں۔ دوات قلم لے کر کون بیٹھے، لکھنے کی تکلیف کون گوارا کرے، اپنی پرانی عادت کون چھوڑے اب آپ ہی بتائیے کہ پرچے کیلئے مواد کہاں سے آئے آپ کی ذراسی توجہ اس بدمزگی کو بھی رفع کر سکتی ہے اسکے علاوہ ہم نے اسٹاف کے مکمل کرنے کا اہتمام کیا ہے اور اڈیٹری و انتظامی کاموں کے دو صیغے کر دیئے ہیں خدا کرے اس طرح سے "اولڈ بوائے" چل نکلے۔ یہ پرچہ باوجود سال ختم ہوجانیکے سادہ روانہ ہوتا ہے۔ اگلا پرچہ انشاءاللہ! بذریعہ وی پی آئے گا۔

جلد (۳) بابت ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۱۲ء نمبر (۲ و ۳)

اڈیٹر

مسٹر شوکت علی، بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڈھ میں طبع ۱۹۱۲ء ہوا

حسب ایماء مولوی سید منظر علی دفتر اولڈ بوائے علی گڈھ سے شائع ہوا ہے۔

اولڈبوای

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

(۱) جملہ سابق طلبا مدرستہ العلوم مسلمانان واقع علیگڈہ کے دلوں میں اُنکے کالج کی محبت کا تازہ رکہنا اُسکے حالات سے اُنکو باخبر کرنا اور اس کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا۔

(۲) اولڈبوائز میں رشتہ اخوت قائم رکھنا، اور اُنکو ترقی دینا، اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

(۳) "اولڈبوائز ایسوسی ایشن" اور "کالج" کی مالی مدد کے لیے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادرِ مہربان کے خدمتگزاروں میں خود اُسکے فرزندوں کی خدمات کافی وتسلی بخش ہوں۔

(۴) جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا، تاکہ وہ قومی خدمات میں معتد بہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُنپر ہمارے کالج کے قائم کرنے سے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

(۱) جملہ خط وکتابت دربارہ ترسیل زر وتبدیل پتہ "منیجر اولڈبوائے علیگڈھ" سے ہونی چاہیئے۔

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام "اسسٹنٹ اڈیٹر اولڈبوائے علیگڈہ" آنا چاہیے۔

اسیطرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات ورسائل بھی۔

منتظمان "اولڈبوائے" ہر وقت مفید مشورہ و رفع شکایات کے لیئے تیار ہیں اور شکر گذاری کے ساتھ اُنپر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی —— منیجر

مجذوب کی بڑ

ہاں ہاں میری ہستی کچھ بھی نہیں قانون قدرت کی رسیاں کھنچی ہوئی انسان کے گلے سے بندش رکھتی ہیں، کسیکو رفعت کے پہاڑوں پر کھینچ کر لیجاتی ہے اور کسی کو عمیق اور ناکامی کے گڑہوں کی طرف۔ میں خوش تھا اور ہونگا لیکن موجودہ حالت میں نہیں کیا یہ آخری جواب منشاء خلقت کے خلاف نہیں ہے اور ضرور ہے۔ انسانی آزادیاں اور قدرتیں گو بہت محدود سہی تاہم وسیع ہیں۔ گو بہت پابند سہی لیکن تب بھی آزاد ہیں۔ ہم نے جس رسی میں اپنا گلا دبا دیا ویسا ہی نتیجہ پایا۔ جو کچھ کیا وہ دیکھا آسمانی بلائیں نازل ہوتی ہیں کیونکہ ہم بلاتے ہیں، رحمت و انعامات ہماری طرف بڑھتے ہیں، اور ہم گود پھیلاتے ہیں۔ ہمارے لیے سب کچھ ہے اور پھر کچھ بھی نہیں صاحب ادراک خلقت کے لیے دنیا جائے امتحان و دار الحرکت ہے، دار السکونت نہیں۔ انگور کی جھاڑیاں لگا کر کوئی جسطرح چنا نہیں کاٹ سکتا، اسیطرح جوار بو کر انگوروں کی کھیتی نہیں ممکن۔ ایک گنجان و مصیبت ناک جھاڑی کا ٹنے کے بعد ابدی حیات کا سرچشمہ ہے اور ملحقات تدابیر سے دنیا میں نمود ہے۔ مادیات اور روحانیات کا خاتمہ یکساں ہے اگر تزکیہ قلب برابر ہو۔ ایک ہی قوت ان دونوں کو متحرک کرتی اور نتیجہ کی خواہش آخری منزل تک پہنچاتی ہے، ذائقہ اور اثر علیحدہ ہے۔

اسباب و نتائج دست و گریبان ہیں اور علۃ معلول کی سلسلہ بندی یکساں ہے جس سے قدرت کی رسیاں اُلجھاؤ اور سادگی دونوں رکھتی ہیں اور دونوں کی بندش ہمارے گلوں پر ہے جسطرف کھنچ جائیں۔ سیلاب اعمال جسطرف چاہے لیجائے۔ جسطرف چاہو جاؤ۔

نظام و ترتیب عالم پر جو قوت محیط ہی وہ کامل حکمت و قدرت ہی جس میں افراط و تفریط یا نقص کی گنجایش نہیں جسطرح ہماری خلقت میں فیاضی کا زیادہ حصہ ہی اسیقدر بہ نسبت اور مخلوق کے ہمارے فرائض اہم اور جداگانہ ہیں۔ ظالم و مظلوم جابر و محکوم قوی و کمزور کے وجود سے آیندہ روحانی زندگی کا تجسس ہوا اور ہم دیکھتے ہیں کہ حسن و قبیح ہمیں سمجھاتے ہیں کہ ہماری انتہائی منزلیں پاکی و ناپاکی ہیں جسکے لیے ہمیں یہاں سعی و کوشش چاہیے۔ ہر کوشش کا وجوب امتحان ہی۔ ہمارے انسانی فرائض کا وجوب جب ثابت ہی تو ہمکو امتحان کے لیے آزادی ملی جو ہونا چاہیے تہا۔ ایک قوت توفیق دیتی ہی اگر ہم طالب ہوں، لیکن ہمیں یہاں کسی بات پر مجبور کر کے آیندہ عدالت کے دروازوں کو بند نہیں کر سکتی۔ پہر ہم یہ کیوں مان لیں کہ پیدایش موت و زندگی کے سوا ہمارے افعال میں مجبوری ہی جیسی کرنی ویسی بہرنی کیسی سچی مثل ہی۔

چلو بڑہے چلو۔ چلو نکل چلو۔ وہاں پہنچو جہاں پہنچنا چاہیے۔ اگر سمجھ رکھتے ہو اور اسے ضائع نہیں کیا جو قوت تمہارے دماغ میں فطرت نے ودیعت کی تہی تو وہیں پہنچو جہاں پہنچنا چاہیے۔

اگر چلوگے چل سکتے ہو۔ پیر ٹپکنے سے آواز ہوگی۔ سورج نکلیگا۔ دہوپ ضرور پہنچیگی۔ اسیطرح جو اور جس طرح کوشش کروگے پاؤگے۔ تقدیر کا اصل نام قدرت سے فائدہ اٹہانا ہی۔ قدرت نے زہر کو زہر اور پانی کو پانی بنایا ہی زہر پیوگے ضرور مروگے۔ پانی پیوگے پیاس بجہیگی۔ پانی افزایش خلقت و تشنگی کے لیے بنایا گیا ہے اگر تم ڈوب مرو تو قدرت پر الزام، عقل سوچکر زندگی بسر کرنے اور نیک و بد میں امتیاز کو دیگئی ہی اگر اُس سے چوری کیجائے تو یہ تقدیر نہیں اپنا فعل ہی۔

ہر انسانی زندگی گرد و پیش ایک دائرہ رکہتی ہی، عناصر چاروں طرف موجود ہیں جو مدد دینے کو تیار عقل و کانشنس سلامتی و پاکبازی کے معیار کے لیے موجود ہیں

ترقی کے وسائل اور رستے کشادگی کے ساتھ سامنے وافر........ یہی سوچا کرتی ہیں
کہ کیا کریں اُنکے تعقل کا دائرہ خیال تک ہے لیکن وہ ہستیاں جو ادراک و عمل سے ساتھ ہی
ساتھ فائدہ اُٹھاتی ہیں دنیا سے کامیاب گذرتی ہیں اور انسانی زندگی کی مثل قائم کرتی ہیں۔
عقل و کانشنس اور انکی مطابقت سے انسانی اعمال و ادنی .. زندگی میں امتحانات
کی افزائش کرتی ہی لیکن آدمی اس سے بہنسکر پاک نکلتا اور ذمہ داریوں کو پورا کردیتا ہی
یا دنیا سے بے پرواہ ہوکر استغنا و استقلال و تحمل پیدا کردیتا ہے اور بالکل مستغرق روحانیات
ہوکر مادیات کو فضول و مہمل سمجھنے لگتا ہی لیکن فی نفسہ یہ ایسا نہیں جسنے روحانیات
کا چراغ جلایا اسنے مادیات کو بھی منور کیا یہ دونوں بہم دیگر ہوں تو سبحان اللہ ورنہ
یہی کیا کم ہی کہ مادیات میں انہماک رکھے البتہ ضمیر و کانشنس پر جو ہر حالت میں موجود ہیں اُس
واجب الوجود کی عظمت و جلالت اور قدرت و قدوسیت کے انوار شعلہ زار ہیں،
جو اعمال سے ناممکن نہیں مگر وہ ہستیاں جو کچھ بھی نہیں ساکت و صامت ہونے کی
وجہ سے انعامات قدرت کی ناشکر گذار ہیں وہ ملائک و قدسی، سلاطین، بہادر، جہانداران
و مصنف یہ سب ہیں مگر عالم خیال سے باہر نکلکر کچھ بھی نہیں۔ جمادات میں پتھر رفتہ رفتہ
عقیق و یاقوت و لعل ہوتا ہی کوئلا کاربن کی آمیزش سے ہیرا بنجاتا ہی لیکن میری ہستی
باوجود امداد عناصر و ادراک کانشنس جو اَب دہندلا ہو رہا ہی مبتلا و متالم ہی مکرر مضطر ہی
مسرت کا نام نہیں حالانکہ نزولی بلا پر کانشنس سمجھاتا ہی کہ صبر کی جھولی میں مسرت حقیقی
ہی اور استقلال و سعی کے پردہ میں کامیابی ہی مگر ساکت و صامت جمادات میں صرف
یہی قوت ہی کہ وہ اتفاقی خوشی سے خوش اور ناگہانی و خود خرید مصائب سے متالم ہوں
ایک تو ہستیاں ہیں جو قوموں اور ملکوں کو مائل بہ ترقی و حکومت کرتی ہیں، اور
ایک طرف یہ زندگیاں ہیں جنکا فرض ہی کہ انسانی فرائض سے کنارہ کش ہوکر فضائل
بشری میں دہبہ لگائیں۔ اور میں اس آخری اور تیسری ہستی میں ہوں کچھ نہیں

اسلیے کہ نہیں کرتا۔ صرف کوتاہی اعمال و بدبختی افکار کی وجہ سے اس شعر کا مصداق ہوں۔ ؎

ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا

افسوس کہ مینے اپنی ہستی کو اسقدر ناپاک و نجس کرلیا کہ اسکا اثر دنیا پر پڑتا ہے کیڑے مکوڑوں کی زندگیاں بھی کچھہ اہمیت و وقعت رکھتی ہیں لیکن میرا وجود کچھہ بھی نہیں محض خود غرضی انسان کو مدمغ ریاکار، حاسد بنا دیتی ہے اعمال حسنہ کی اسپرٹ دلسے محو ہوجاتی ہے اور دماغ محض اعتراضات و نکتہ چینی کی گنجایش ہوتی ہے۔ کبر و رعونت سے خدا محفوظ رکھے کاش میں نہایت سچائی سے اس سے انکار کرتا کہ میرا دل آئینہ ہے اور اسکا دل سے اعتراف کرتا کہ دوسری ہستیاں خوبی و خلوص رکھتی ہیں اُف بلاے عظیم۔ اے زمین و آسمان کی چکّی نقش نجس کو پیکر خاک کرو باد فنا کو سپرد کردے۔ اے سیلاب فنا بہالیجا اور دنیا کو میرے اثر سے پاک کر۔ . . . .
ٹپ، ٹپ، ٹپ، آنسو ٹپک پڑے اور سینہ ریش مایوسی سے شعلہ زا آہیں بلند ہوکر کمرہ کی چھت سے ٹکرانے لگیں ایک کتاب دھندلے چراغ کی لَو نے کانپ کانپ کر فنا و بقا کے درمیانی تموج کے مزے اُٹھائے اور مجذوب کے خیالات نے کروٹ بدلنا شروع کی۔

اچھا تو فائدہ۔ استقلال و ہمت آخر بنی چاہیے اب بھی سنبھل جائے میرے کمبل پوش دوست شہاب ثاقب تجھے استغنا ہمت و استقلال کی طلب ہے۔ تیری حالت بھی کیا حالت ہے۔ سر پہ پھٹی ہوئی اور بوسیدہ ترکی ٹوپی۔ جسم میں تار تار بست سالہ شیروانی کاندھے پر ٹمین کا لوٹا پاؤں میں پیونددار پاجامہ، ایک پیر میں پمپ شو تو دوسرے میں فل بوٹ بظاہر مستحخر کی پڑیا مگر بہ باطن فلسفہ و حکمت

تیری اس مسحور کن پوشاک میں شرافت کی مقدس شعاعیں اور انسانیت کی تنویر ہے بیشک تیرے پاس دولت کی کمی نہیں نہ شوق امتیاز کی تو دیوانہ ہی نہیں تیرے ہر لفظ و حکمت اور ہر نصیحت شرح قانون فطرت ہے، تو سب کا دوست ہے اور کام آنیوالا لیکن تو مدد و التجا سے ناواقف بندہ ہے اخبار ہر خبر نفس۔ بیشک یہ ایک مثالی ہستی ہے

ایک خط اٹھا کر مجذوب چونک سا پڑا۔ "خدا اجر دے۔ ہمت و استقلال تیری غلامی میں رہیں تو اُن لوگوں میں ہے جو دنیا میں ہنسکر پاک نکلتے ہیں۔ تجھ میں محبت ہے دیانت و انصاف کے ساتھ خلق عظیم ہے فرائض ذاتی و انسانیت کے ساتھ کوششیں میں سعی و تدبیر کے ساتھ استقلال و ہمت ہے رحم و حیا کے ساتھ۔ مروت ہے امتیاز کے ساتھ خودداری و شجاعت اپنی حدوں میں تیرے اشاروں پہ عمل پیرا ہیں انکسار و فروتنی تیرے نفس کے لیے جزو لاینجزی ہیں۔ تیری زندگی ہی سبق آموز انسانیت ہے میں تجھ تک پہنچتا ہوں۔

ایک شب کو مجذوب یہ بکتے بکتے جاکر سوگیا اور دوسری رات کی صبح کو جب وہ اپنی نیند کا دور ریل پر ختم کرکے بیدار ہوا اور کسیقدر مسافت طے کرکے ایک مختصر سی عمارت میں پہنچا تو وہاں اس کی زندگی کچھ اور ہی تھی۔

ایک ایسے سیلاب حسن و شباب سے بغلگیر ہو رہا تھا جس کی ہمیشہ خندہ نما پیشانی میں خلوص و محبت نے رنگ بھرا تھا۔ اسکے آئینہ دار بلوری سینہ میں مہر و یکسانیت کی دنیا تھی اور اسکے خندہ ہائے مسرت پرور میں وفا و صفا کی زیر و بم کی صدائیں تھیں مجذوب ایک متالم ہستی کا مالک تھا لیکن پاک نفس کے سرور کا اثر اسپر ہو رہا تھا۔ مجذوب بخلاف اپنے مشہور مزاج کے اسوقت کچھ اور تھا اور مزاج پرسی کے جواب میں وہ کہنا چاہتا تھا۔ ؎

انکے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

کل دیوانہ کہو یا دیوانگی کا بھرم رکھنے کو مجذوب گریہ ہو گلوگیر کی صداؤں کے تصور میں تھا اور آج قہقہوں میں گھرا ہوا تھا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گذری ہوگی کہ ایک قہقہہ سے مکان گونجا جسکے بعد یہ آوازیں آنے لگیں آہا واقعی آپ بہت نحیف و کمزور ہیں یہ کمزوری تو قابل رشک ہی۔ دیکھیے میری حالت

خوش بیان متکلم، خوش مزاج اثر پذیر، صاحب اوصاف نیک نوجوان کی لاغری کسی اچھے دنگل کے پہلوان سے بھی زیادہ قابل تاسف تھی جسپر مجذوب نے اظہار تاسف کرتے ہوئے بعض الفاظ میں اپنے گداز بدنی کی مناسبت سے ہمدردی کی اور اس خوش بیان کے ایک ایک جملہ سے جسمیں لطافت کی آمیزش کا کوئی پہلو نہ جانے پاتا تھا مزے لینے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک اور لاغر اندام پہاڑ کے ٹکنے کی اطلاع بائیسکل کی گھنٹی نے دی گو مجذوب اس اہل محبت کو پہلے سے نہ جانتا تھا مگر فوراً سمجھ گیا کہ جناب کو محکمہ تعلیم سے تعلق ہی ایک کوٹ جو ہمہ تن بٹن ہو رہا تھا اس بات کی دلیل تھا کہ طلبہ کو ایک سے سو تک گنتی کی تعلیم ایک جاندار بورڈ سے ملتی ہی اور ہزار تک تعلیم کے لیے تجویز ٹھری ہی کہ نیکر کے پائنچوں اور کوٹ کی آستینوں میں بھی بٹنوں کی آویزش باقی ہی جسے جلد پورا کرنا چاہئیے[1]۔

مثل مشہور ہے کہ دو سے ارادوں میں جان پڑتی ہی ایک ارادہ کی مشکلیں دو آدمیوں ہی کی ہمت میں مزاحمت نہیں پیدا کر سکتیں نہ کہ چار جو اسوقت کمرہ میں موجود تھے۔ چار لاکھ روپیہ لاٹری سے وصول کرکے سیاحت عالم کا ارادہ کر لیا گیا اور خوش بیان دارو دل مہتمم سامان سیاحت قرار پالے۔ چند موٹرس و اسپیشل ٹرینس کی بہم جوئی کی ضرورت رفع کی گئی اور تمام دنیا کا دورہ شروع ہو گیا ممالک کی سیر کے بعد ترکی و پرشیا کی اصلاح کرتے ہوئے پھر سب اسی بنگلہ میں تھے۔ الدری تعجیل

[1] غالباً مسٹر علیم اللہ صاحب انسپکٹر مدارس اولڈ بولسے کے کاغذی بٹن کو بھی زیب فیشن تصور فرماتے

یہ صرف مہتمم سفر اور لاٹری پانے والے صاحب کی کرامت کا نتیجہ تھا۔ افسوس اسکا تھا کہ چاروں لاکھ روپیہ صرف ہوگیا اور یونیورسٹی فنڈ میں کچھ نہ پہونچ سکا کاش مہتمم سفر موٹر کے غیر معمولی شوق میں کسیقدر تخفیف کرتے تو ایسا نہوتا۔ آخر میں اسطرح پر تسکین کر لی گئی کہ عملی ارادوں اور لاٹری کے برآمد ہونے پر آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد صاحب کے قومی دربار کی نذر نہ بھلائی جائیگی[1] اولڈ بوائے بھی اپنا نام بجٹ میں لکھائے تو آیندہ دیوانی اخراجات سے بچ سکتا ہے۔

دوسری شب کو خوش بیان دوست کے یہاں دعوت تھی گویہ وعدہ ہوچکا تھا کہ دسترخوان سے الگ اسکا ذکر نہونا چاہیے مگر دعوتی تکلفات کا شکریہ اس ذکر سے خالی نہیں ہوسکتا۔ کہ میزبان کی شیریں زبانی کے اثر سے دعوت پوری طرح مملو تھی۔ یعنی میٹھی اور سخت میٹھی اشتہا کش غذائیں مہیا ہو جانے سے یہ خوف پیدا ہو گیا تھا کہ مبادی میز پر ابتدا اگر دہی کھانے نہ چن دیے جاویں۔ انتظاماً ایسا ہو سکتا تھا لیکن مہمانوں کی نیت کی میجارٹی نمکین کھانوں پر زیادہ بدسلوکی کرنے کو آمادہ تھی آخر میزبان کی شیریں بیانی نہ اثر کر سکی۔ خیر آیندہ دیکھا جائیگا اور وعدہ کیا جاتا ہے کہ مکرر اس تاثیر کی کوشش رائگاں نہوگی۔

دیوانہ آج ایک اور صاحب[2] صاف و شایاں سلامتی ہستی سے ملکر خوش تھا ان بزرگ نے مجمع احباب میں تنقید و اختلاف راے کا شاید ذکر ہی نہیں سنا مزاج کی سادگی کو اگر ازل میں جو پتلے تیار کیے گئے تھے ان میں سے ایک آپ بھی تھے اور اس سبق کے عامل ع

مجھے تو خوب ہے کوئی کچھ کہے بجا کہیے

---

[1] مسٹر آغا محمد اکرم خاں صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور مسٹر سید نقی الحسن صاحب آئی آے۔ سی۔ سے التجا ہے کہ لاٹری نکلنے پر اولڈ بوائے کے حق کو ملحوظ رکھا جاوے ورنہ عدالت دیوانی ہے۔ (اولڈ بوائے)

آپ کا انداز کلام نہایت متین و سنجیدہ ہے جس سے بڑی مصیبت انکسار کے ساتھ اپنے کو حقیر سمجھانے والوں کو پڑتی ہے جس کی آپ کی متانت و سنجیدگی سے خالی تصدیق ہوجاتی ہے۔ ہمارے میزبان کو شاید تجربہ تھا ورنہ رہا اپنے بڑے پیمانہ کی دعوت کو کم لنگر ضرور حضار سے داد لیتے۔ ختم دعوت پر میزبان کو میلاد و فرزند و ترقی اولاد کی دعا کو سب رخصت ہوئے اور شیریں بیان میزبان کو مشغلہ بیکاری سے دلچسپی لینے کو چھوڑ دیا۔ شاید بہتیرے واقعات پر انہوں نے نظر ثانی بھی کی ہو۔

صبح کو دیوانہ صاحب بالکل اس شعر کے مصداق بنے بیٹھے ہے

شاعر شدنت بر فلاکت کم بود
اے خانہ خراب باز رمال شدی

آپ کے رمل کی بنیاد تجربات و رسلے ذہنی پر منحصر تھی اور رمالی نے صحبتوں کی دلچسپی کو بڑھا دیا تھا غالباً عاشق دوست نے اس رقعہ کے مضمون کو فاش نہ کیا ہوگا جو انہیں نہایت حفاظت کے ساتھ دیا گیا تھا اور نظر فریب مناظر سے ایک صاحب خلقی موانست بڑھانے کے ساتھ ہی قوت ایمانیہ کی ترقی کی فکروں میں ہیں اور غالباً اور اور روزشوں کے ساتھ گویا پھینکنے کی مشق بھی قطع نظر نہ ہوگی گردوپیش سے تصدیق شرط ہے۔

وہ لوگ کیسے نیک بندے ہیں جو قوت ایمانیہ بڑھانے کے لیے ہمہ تن کوشاں ہیں یہ سچ ہے کہ اس سفر میں آگے بڑھنے والے بہت بڑھ گئے اور پیچھے آنے والے شاید انہیں نہ پائیں لیکن آخری منزل پر سب یکساں ہونگے اگر کوششیں جاری رکھیں۔ لیکن مجھے میری شومیت پا شکستہ افراد کی فہرست سے آگے نہ بڑھنے دیگی یہ سوچتا ہوا مجذوب اپنے مستقر پر واپس آیا اور میرزا غالب کی مجسم روح رواں سے دوچار ہوا جنکے تنگ و چست دھاری دار سوٹ پر جو ہڈیوں پر غلاف کا

لطف دیرہا تھا بھبتیوں کی بخیہ گری شروع کر دی افسوس کہ وہ تو شاعرانہ بہانوں سے ہر ادا چلدئے اور سُنا ہی کہ وہاں اس شعر کا مطلب سوچا کرتے ہیں۔ ؎

کاؤ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ

صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا +

اور اب دیوانہ ماہ منیر کے نور ملاقات سے دلچسپی لیا کرتا ہی بالکل تک جس کے دماغ میں طور تجلّی کے لیمپ کی روشنی تھی اور اُس کی قوت آج طلبائے اسکول چاٹ چلے تھے +

نئی شادی

راقم

پُرانے قاعدے سب بٹتے جاتے ہیں دنیٰ	جما رہی ہے نیا رنگ بیسوین صدی
نئے طریق سے ہوتی ہی آج کل شادی	ہے انتخاب کی دولہا دلھن کو آزادی
بیاہ میں بھی نئی روشنی کا ہے جلوہ	کہ اولڈ گرل کا ہی اولڈ بوائے دلدادہ
ہے جستجو کہیں صاحب کی اور کہیں مس کی	بڑی بہار ہے ان شادیوں کے نوٹس کی
ہے لطف جب کہ ہوں سرگرم جستجو طرفین	کہیں تلاش ہو لیڈی کہیں ہو جنٹل مین
یہ آپ خط و کتابت سے طے کریں شرطین	پسند کے لیے فوٹو بھی ساتھ میں بھیجین
کہیں تلاش ہو لیڈی بلند قامت کی	کہیں یہ شرط ہی جانے وہ علم موسیقی
یہ آرزو ہی پیانو بھی وہ بجاتی ہو	زہے نصیب اگر اُس کے ساتھ گاتی ہو
یہ اپنی اپنی خوشی ہے کسی کی کیا چوری	جو دونوں ساتھ کریں پارک کی ہوا خوری

ف ہم اپنے بھائی مسٹر منیر الدین صاحب و حاجی شیخ چاند ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور عبدالرحیم خاں صاحب ہیڈ ماسٹر انجمن اسلامیہ اسکول سے متعجب ہیں کہ ابھی تک اُنھوں نے سُنتے بھی نہیں لیا ہی عبدالرحیم خانصاحب مطمئن رہیں کہ اگر وہ . . . . لے لینگے تو بغدادی اونٹ کے نام سے کبھی نہ شایع کیے جائینگے۔ (اولڈ بوائے)

پرانی باتوں کا اب اس زمانہ میں کیا ذکر ۔۔۔ گئے وہ دن جو کرتے تھے والدین بیاہ
بذات خود یہ لگائیں گے جا کے بات اپنی ۔۔۔ عجیب شان سے لیجائیں گے برات اپنی
نہ روشنی ہو نہ باجا ہو ہے یہ سب کھٹراگ ۔۔۔ چلیگا ساتھ میں دولہا کے صرف اک ہلا گل
بجائے پان کے ہونگے سگار اور سگریٹ ۔۔۔ بجائے سہرے کے دولہا کے سر پہ ہوگی ہیٹ
پہن کے آئیں گے قاضی بھی اک شکاری کوٹ ۔۔۔ نہ وہ عبا نہ وہ سنجاف نہ اسمیں وہ گوٹ
پہن کے آئیں گے قاضی بھی کوٹ اور برجس ۔۔۔ کہ جن کے آنیسے افزوں ہو رونق مجلس
رہی جو مد نظر کل امور کی اصلاح ۔۔۔ یقین ہے کہ بطرز جدید ہوگا نکاح
کہ چاکولیٹ بٹیگی بجائے خرمے کے ۔۔۔ دلھن لگائے گی عینک بجائے سرمے کے
دلھن نہ جائیگی دولہا کے ساتھ اب جسرال ۔۔۔ بیاہ ہوتے ہی بھاگیں گے دونوں نینی تال
امیر جائیں گے منصوری اور شالامار ۔۔۔ غریب کے لیے کافی ہے دامن کہسار
روانہ ہونگے کوئی شملہ کوئی دارجلنگ ۔۔۔ کوئی جہاز میں جا کر منائیں گے وڈنگ

(۴)

اولڈ بوائز اسٹور

اس عنوان پر بہت سے قابل بھائی خامہ فرسائی کر چکے ہیں۔ مجھکو بھی کچھ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ جو کچھ میرے ذاتی تجربہ میں آچکا ہے اسے عرض کردوں میں یہ نہیں عرض کرتا کہ میری رائے بمنزلہ ایک پختہ معزز تجربہ کی رائے سمجھی جاوے نہ میں یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ میں عرض کروں اُس پر خواہ مخواہ ہی عمل کیا جاوے۔ میرا مطلب محض اسقدر ہی کہ میری ناچیز تجربہ میں اسکے متعلق جو کچھ آچکا ہے اُسے اختصار کیساتھ عرض کردوں۔

غالباً بہت سے بھائی واقف ہونگے کہ میں نے ابتدا بستی میں اور پھر علیگڑھ میں کُل ساڑھے تین سال ۱۹۰۵ء تک اعلیٰ پیمانے پر دس ہزار روپیہ کے سرمایہ سے تجارت

کی تھی۔ یہ ایک جنرل مرچنٹ کا کارخانہ تھا جسمیں کپڑے۔ جوتے۔ ٹوپیاں اسٹیشنری وغیرہ وغیرہ کے علاوہ ایک کارخانہ کپڑوں کی سلائی کا بھی تھا۔ اس کارخانہ میں ماسٹر ٹیلر ایک گورنر تھا جسکے ماتحت اور دس درزی مختلف تنخواہوں کے تھے۔

اس سے آپ اندازہ فرماسکتے ہیں کہ میرا تجربہ جنرل مرچنٹ کے کام کے ہر شعبہ کے متعلق جیسا کہ ایک تعلیم یافتہ آدمی کو ساڑھے تین سال کی مدت میں کام کرنے پر حاصل ہوسکتا ہے تھا۔ خرید مال کی ضرورت سے مجھکو بار ہا بمبئی جانے اور ہفتوں قیام کرنیکی نوبت آئی اور وہاں کے تجارت پیشہ لوگوں سے اکثر صحبت رہی۔

میں آپکی اجازت سے اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر ایک جنرل مرچنٹ کی ضروریات پیش نظر رکھکر عرض کرونگا کہ کس کس کام کو کون کون سی باتوں کے لحاظ کی ضرورت ہے۔ شاید انھیں سے کوئی بات آپکی مجوزہ اولڈ بوائز اسٹور کے باب میں کارآمد اور مفید ثابت ہوسکے میں صرف نقصانات کا پہلو مدنظر رکھکر اپنا تجربہ عرض کرونگا۔

میرے نزدیک کسی تجارتی کام میں ہاتھ ڈالنے سے قبل یہ دیکھ لینا اشد ضروری ہے کہ آیا آپکو کام کرنے والے کافی تعداد سے مل سکیں گے یا نہیں۔ ہر تجارتی کام کے لیے خاص قابلیت کے کام کرنیوالوں کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے صفت جو ہر شعبہ کے لیے مشترک صفت کہی جاسکتی ہے دیانت داری ہے۔ دوسری صفت اُس خاص کام کے انجام دینے کی صلاحیت۔ مثلاً۔ اگر آپ جنرل مرچنٹ ہیں تو لازم ہے کہ آپکے منیجر سے لیکر شاپ بوائے اور چپراسی تک ان دونوں اوصاف سے موصوف ہوں۔

مجھکو افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم کو سچا دین دار ملازم نہیں میسر آتا۔ جسکو ہم بغیر باور کرکے اس پر بھروسہ کرتے ہیں کہ وہی تھوڑے روز بعد خائن ثابت ہوتا ہے اور ہم کو کچھ زک اُٹھاکر یہ سبق حاصل ہوتا ہے۔ ہمنے مانا کہ آپکا ملازم متدین ہے مگر جس شعبہ میں وہ کام کررہا ہے اُس خاص کام کی کرنیکی اُسمیں صلاحیت نہیں ہے۔ تو بھی اسکی

دیانتداری رائیگاں جائیگی اور آپکے لیے کبھی مفید ثابت نہو گی۔

اِن امور کو ذہن نشین کر لینے کے بعد سمجھنا چاہیئے کہ ایک جنرل مرچنٹ کی کامیابی کی بنا سلیقہ خریداری اشیا ہے۔ یہی تجارت کا ایک بڑا گُر ہے۔ مال کی قیمت ڈال کر دکان پر رکھنا اور بیچ لینا بمقابلہ اس کے بیحد آسان ہے۔ مال کے دساور سے خرید نے میں حسب ذیل امور کی لحاظ کی ضرورت ہے۔

۱۔ تجارت کی شعبہ کا مال آپ خرید رہے ہیں مثلاً کپڑے۔ یا جوتے یا ٹوپیاں علی ہذا اُس مال میں مختلف مذاق اور مختلف قسموں کے نمونے نظر آئیں۔ آپکے مذاق سلیم پر اس کا مدار ہے کہ آپ اپنے خریداروں کے مذاق کا صحیح اندازہ کر کے مال خرید کریں جو مال آپکے خریدار زیادہ تر پسند کرینگے وہی آپکو لانا چاہیئے۔ یہ بات ہر شخص نہیں کر سکتا۔ دعویٰ کر لینا اور بات ہی۔

۲۔ مال ایسا آئے جو حتی الامکان سوا آپکی دکان کے شہر میں کہیں اور نہ ملے۔ وہ مال نہایت درجہ مرغوب عام اور دلپسند ہونا چاہیئے۔ کہ خریدار کی نظر سب سے پہلے اسی پر پڑے

۳۔ ہر تجارتی منڈی دلالونکی شکارگاہ ہے اور ہر نیا خریدار تاجر اُن کا شکار۔ آپ اگر اپنے کو ان موذیوں کے پنجے سے بچا کر کامیابی کے ساتھ خریداری کر سکتے ہیں تو سمجھیئے گا کہ آپ بھی کوئی تاجر ہوں اور آپ آیندہ کچھ کر لیجائیں گے۔ اگر آپ انکے پھندے میں پھنس گئے تو پھر تجارت کا نام لینا عبث ہی۔

ان عام احتیاطوں سے قطع نظر کر کے اب شعبہ وار چلتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ ہر ہر شعبہ کے زائچے میں کون کون سا خانہ نقصان کا مقصوم کیا گیا ہی۔

کپڑے گرمیوں کے کپڑے زیادہ تر سوتی ہی ہونگے۔ انکی خریداری میں نہ بہت سا روپیہ ہی صرف ہوگا۔ اور نہ ان میں نقصان کا ایسا خوف ہی۔ جاڑوں کے متعلق جو ضروری تدابیر احتیاط ہیں اگر وہی مناسب ترمیم کے ساتھ انکے لیے بھی اختیار

کیجاویں تو کافی سے بھی زیادہ ہونگی۔

جاڑوں کے کپڑوں کی خریداری کے لیے آپکو ضرورت ہے کہ مختلف اقسام کے کپڑوں کے مختلف نمونے جمع کیجئے۔ مثلاً سرج۔ ہوم اسپن وغیرہ وغیرہ مثال کے لیے ایک ہوم اسپن ہی کو لیجئے، ہوم اسپن . . . . مختلف رنگ کے ہر رنگ کا کم سے کم ایک تھان آپ کو رکھنا پڑیگا۔ ایک تھان کے معنی ہیں کئی سو روپیہ۔ پھر قیمت کے مختلف مدارج کے اعتبار سے بھی اسی کپڑے کے کئی ایک میل آپکو رکھنا پڑیں گے۔ اگر آپ یہ چاہیں کہ محض تین چار ہی میل رکھکر دکان چلالیں تو یہ بات ممکن نہوگی۔ ہر خریدار دس بیس قسم کے نمونے سرج کے دیکھیگا تب کہیں اُن میں سے ایک پسند کریگا اگر آپکے پاس صرف تین ہی نمونے موجود ہیں چاہے انمیں سے انکا انتخاب کیسا ہی لاجواب ہو مگر وہ چپکے سے اپنی چھڑی اٹھا کر سلام علیک کہیگا اور پھر اُس کی صورت آپکو کبھی دکھائی تک نہ دیگی۔ اب یہاں پر دقت یہ واقع ہوتی ہے کہ کم سے کم آٹھ دس قسم کے ہوم اسپن جو آپنے منگائے ہیں اگر آپ نہایت ہی خوش قسمت ہیں تو ان میں سے صرف تین قسم کے چلینگے جن کی مانگ کا تار آخر تک نہ ٹوٹیگا اور آپکو اُسی تھانوں کو پندرھویں بیسویں دفعہ منگانا پڑیگا۔ ورنہ معمولی حالت میں آپ ایک ہی قسم کے بکنے کی اُمید رکھئے۔ باقی سات آٹھ قسم کے تھان ویسی ہی پڑے رہ جائیں گے اُنہیں کوئی نہ پوچھیگا۔ جو تھان آپ کا چلرہا ہے اُسکی مانگ ہوگی تب بازار والے بھی اُسے پیدا کرلیں گے اور کوشش کریں گے کہ ایسی کم قیمت بیچکر آپکے خریداروں کو توڑلیں۔ اس لاگ ڈانٹ میں ایک نہایت ہی بیہودہ چھیڑ چھاڑ بازار یونکی طرف سے شروع ہوگی یہانتک کہ وہ فی روپیہ دمڑی کی کوڑی منافع لیکر بیچنے پر تل جائیں گے۔ علی گڑھ کا بازار ایسے مقابلہ کیلیے ہر وقت جان پر کھیل جانیکے لیے تیار ہے۔ جو سات آٹھ قسم کے تھان آپکے نہیں چلے ہیں اُن کو تہ کرکے پرکے سال کے لیے رکھ چھوڑیئے اور نئے مال میں ملاکر بجائے دس قسم کے ہوم اسپن کے اس مرتبہ پندرہ قسم کے ہوم اسپن پبلک کے سامنے پیش کیجئے۔ جتنی پرانی

دکان ہے اتنے ہی زیادہ مختلف اقسام کے ہوم اسپن ایک وقت میں وہ نکال سکے گی۔
مال کا برسال کیلیے اٹھار کھنا اور اسے ہر طور پر آب و تاب میں مثل نئے مال کے قایم رکھنا بڑے
سلیقے کا کام ہے۔ ریشمینی اور ادنی مال کا دشمن کیڑا ہی۔ نفتھلین پر کبھی بھروسہ کیجیے گا ورنہ
دھوکا ہوگا۔ گولیوں کے گرد چھ انچ کے دور میں کیڑا بیشک نہیں لگیگا۔ مگر اس سے زیادہ نہیں
اس کے عوض میں جو دماغ تراش بو اُس میں سے نکلیگی اُس کا معاوضہ کوئی شے نہیں کر سکتی۔
آپ نیم کی پتیوں کو دھوپ میں خشک کیجیے۔ گرد سے انہیں اچھی طرح پاک و صاف کر لیجیے۔ کچی
پتیاں نہ آنے پائیں۔ پھر انکی موٹی موٹی سی تہہ آپ جس تھان میں تہ پہ تہ جمائے جائیں گے
وہاں کیڑے کا گذر ہونا غیر ممکن ہے۔ اور ہمارے ملک کا یہ پُرانا قاعدہ نہایت مفید ہی۔

کپڑا ہو یا جوتا ٹوپی ہو یا کوئی شے تجارت کیساتھ ساتھ ایک سخت وبائے بد چلنی ہے۔
یہ آپکی ذہانت ہی کہ آپ اس سے اپنی جان بچا رہیں۔ وہ کیا ہے۔ قرضہ۔ خاص کر علی گڑھ
کا بازار اس بلائے بد کا مسکن ہے۔ اظہر علی شاکر علی کے کارخانے کا پورا ساڑھے تین ہزار
روپیہ اس بلا کے پیٹ میں ایسا پڑا کہ نہ نکلا نہ کبھی قیامت تک نکلیگا۔ اگر آپ یہ کہیں
کہ ہم قرض نہیں دیتے تو دوسرے الفاظ میں پبلک یہ جواب دیتی ہے کہ ہم مال نہیں خریدتے
چلیئے دکان بند تجارت کا خاتمہ سلام علیک۔ وعلیکم السلام۔ اگر آپ قرض دیتے ہیں تو
تو یاد رکھیئے کہ وعدہ کرنیوالونکی اصطلاح میں "کل" کے معنی ہیں "فردائے قیامت" اور
"پرسوں" کے معنی ہیں "برسوں"۔ بڑے بڑے لوگ بڑے بڑے جنٹلمین۔ بڑے
بڑے رئیس زادے تشریف لائیں گے۔ اور مصرع

پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی

کا مضمون ہوگا۔

کپڑوں کی مد میں تھان بیچتے بیچتے آخر میں پون گز یا سوا گز کا جو بے میل ٹکڑہ بچیگا وہ بھی
نقصان کی مد میں ہوگا۔ مگر یہ نقصان چنداں ناگوار نہو گا۔

جوتے ٹوپیاں میں بھی میل کا وہی حال ہے جو کپڑے میں تھا۔ یہ چیزیں کپڑے سے جلد بے آب ہو جاتی ہیں۔ مال کی قیمت کا مدار محض اُسکی آب و تاب پر ہے۔ آب و تاب گئی اور خریدار کی نظر میں مال نہیں جچتا۔ کچھ کہہ تو سکتا نہیں۔ مگر دل میں یہی کہتا ہے کہ برسال کا رکھا ہوا پرانا مال ہے۔ چلو دوسرا گھر دیکھو۔ مال کی آب جاتی کیونکر ہے۔ فیصدی ساٹھ خریدار ایسے آئیں گے جو ایک ٹوپی یا ایک جوتا خریدینگے مگر کم سے کم دس بیس ٹوپیاں یا دس بیس جوتے پہن پہن کر انکی زیبائش ملاحظہ فرمائیں گے۔ اگر آپ معترض ہوں تو آپ کج خلق ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ خلق دوکانداری کی سب سے پہلی صفت ہے۔ یہ آپکو ہر خریدار یاد دلانیکا حق رکھتا ہی۔ اسے یاد رکھئے۔ اس دیکھ بھال میں اور تو خیر مگر کالر اور ٹائیوں کا تو بھرتا ہی نکل آتا ہے۔ اور سب نقصانات تو تھے ہی اور بہتوں کا رونا رونا باقی ہے۔ شاپ بوائے کے دستبرد۔ چپراسی کی نمک حرامی تو درکنار تنوں میں دو ایک بھلے آدمی آپکے خریداروں میں بھی ایسے ہیں جو دیکھتے ہی دیکھتے آپکی آنکھ میں سے سرمہ چرالیجائیں۔ بھلا فرمائیے تو سہی اس کا آپ کیا علاج کر سکتے ہیں؟ میں اپنا ذاتی تجربہ عرض کروں۔

کئی خریدار مصروف خریداری تھے۔ مال کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ شاپ بوائے اور چپراسی مال دکھا رہا تھا۔ میں وسط میں اپنی کرسی پر تھا اور کچھ حساب کے دیکھ بھال میں مصروف تھا۔ ان خریدار صاحبوں میں ایک صاحب فرمایشی سوٹ ڈاٹے ہوئے بالکل اپ ٹو ڈیٹ شیشے کی الماری کے قریب کرسی بچھوا کر بیٹھے الماری کھولکر مال دیکھ رہے تھے۔ اور شاپ بوائے مال دکھا رہا تھا۔ صاحب بہادر نے سونیکی نب والا سواں فاؤنٹین پن نکالا۔ اور ملاحظہ فرمایا۔ شاپ بوائے سے پانی مانگا۔ میں بھی دیکھ رہا ہوں مگر وہ سمجھتے ہیں کہ میں نہیں دیکھتا۔ اُدہر شاپ بوائے پانی لینے گیا اِدہر قلم صاحب بہادر کی جیب کے اندر پہونچ گیا۔ اور خالی بکس اپنے ٹھکانے پر دہر دیا گیا۔ صاحب بہادر اُٹھے اور کچھ دیر چہل قدمی کر کے چلتے ہوئے صاحب کے تشریف لیجانے سے پیشتر شاپ بوائے نے موقع پا کر قصتہً کہا اور مجھے خالی بکس

لاکر دکھا دیا۔ مگر میری حمیت مقتضی نہوئی کہ اتنے بھلے آدمیوں کے سامنے جسمیں بعض کالج کے
احباب بھی تھے ان صاحب بہادر کی عزت لیجا دے۔ صاحب کے جاتے ہی میں نے اُسی شاپ پر اُن
کو خط لیکر اُنکے پیچھے روانہ کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ جو سوان پن آپ دیکھنے کیلیے لیتے آئے ہیں
اگر آپ اُس کا امتحان لیچکے ہوں تو براہ کرم ہمدست حامل عنایت فرمائیے۔ صاحب نے ڈانٹ بتائی
کہ واہی ہوا ہے؟ کیسا قلم! اب میں نے دوسری راہ اختیار کی۔ اُنکے ایک دوست کے ذریع
سے میں نے عاریتاً قلم منگوا کر خود دیکھ لیا۔ اُنہوں نے اپنے دوست کو عاریتاً دیا تھا اور فرمایا
تھا کہ میں اسے آگرہ سے لایا ہوں۔ دوست نے مجھے دیکھنے کو دیا۔ میں پرایا قلم رکھنے کا مجاز کب تھا
تھا۔ دیکھ کر میں نے واپس بھیجدیا۔ اس واقع کو میرا اسٹاپ بوائے اور میرے کلرک جانتے ہیں۔ ہمارے
کالج کی برادری کان کھڑے نکرے۔ صاحب بہادر کالج کے نہ طالب علم تھے نہ اولڈ بوائے۔
ایسے نمونے کمیاب ہیں۔ مگر دنیا ان سے خالی نہیں ہے۔ یہ بھی نقصان کی ایک مد ہے
جسے پیش نظر رکھنا پڑیگا۔

ٹیلرنگ ڈیپارٹمنٹ کے متعلق بھی کچھ تھوڑا سا عرض کردوں، اگر آپ یہ کام بھی کرتے
ہیں تو واضح رہے کہ پہلی مشکل سیڑھی یہ ہے کہ ہر اسسٹنٹ ٹیلر کم سے کم ایک ماہ تنخواہ آپسے
پیشگی لیگا تب آگے بات کریگا۔ ہفتے میں دو بار بیمار بنکر گھر بیٹھے گا اور محلہ بھر کی سلائی کریگا
آپ کا کام اگر وہ اتنا کردے کہ جو کام وہ اپنے طور پر ایک دن میں کرلیتا آپکی خاطر سے وہ
صرف دو ہی دن میں کرلیجاوے تو وہ درزی بڑا نمک حلال ہے. اس وقت کے علاوہ اگر
آپ خود ہر کپڑے کو اپنے ہاتھ سے نہایت ہی باقاعدہ طور پر کاٹ لینا اور سی لینا نہیں جانتے
ہیں تو درزی سے آپ کبھی نہیں جیت سکتے ہیں۔ ہمیشہ ہر بازی میں آپ ہی کی ہار رہے گی اور
آخر کار تنگ ہوکر آپکو ہاری بولنا پڑیگی۔ آپکا ماسٹر ٹیلر اپنے ماتحت اخوان الشیاطین سے ہمیشہ
گھٹا ہوا رہیگا۔ آپکی سستی اور غفلت کو نظر انداز کریگا اگر وہ ایک پہر سست ہیں تو یہ دس پہر
کاہل وجود بنا رہے گا۔ کپڑوں کی قطع و برید میں جہاں سوا گز کپڑے کی واقعی ضرورت ہے وہاں

اگر صرف ڈیڑھ گز ہی لیے تو اُس کو بے ایمان کہنے کا آپکو کوئی حق نہیں ہے۔ ادھر گھر پر بیکار
بکار کام کرنیوالے درزی اُن بچے ہوئے کپڑوں کی واسکٹیں بنا کر بیچیں گے۔ اگر بے ایمان نہیں نہیں ہیں
تو صفائی سے ٹکڑے جمع کر کے پورے سوٹ کے سوٹ سلے سلائے آپکی جوتیوں کے طفیل سے
بیچ لے سکتے ہیں۔ لائننگ ریل اور بٹن اور بکلس وغیرہ کے لیے تو آپکی دکان نے ٹھیکہ ہی
لے لیا ہے۔ بکرم کہیں ڈھونڈھنے جانا ہی نہیں ہے۔ آگے چلئے۔ شہر کے درزیوں سے لاگ
ڈانٹ شروع ہوئی۔ آپ ایک سوٹ کی سلائی پانچ روپیہ لیتے ہیں تو وہ چار ہی لیں گے۔
یہاں تک میں مضایقہ نہیں جب اُس سے بھی ہارینگے تو آپکے کارخانے کے ماتحت درزیونکو
ایک ایک کر کے توڑنیکی فکر کرینگے۔

اس واہی تباہی جھک جھک سے آپکے سر میں درد ہونے لگا۔ میرے ہاتھ میں درد تو تھا
ہی اور لیجئے اب تو قلم بھی دکھنے لگا۔ سلامٌ علیک

اظہر علی آزاد

”اُس کی یاد“

آج سے پچاس برس بعد

”وہ“ جو سرمست بادۂ نشاط، سونے اور چاندی کے نشہ میں، اپنی آبائے دولت کی
کرشمہ کاریوں میں غرق محویت، زرکار مسند پر بیٹھنے والے باپ دادا کا، مخملی سوزنے پر دراز
ہونے والا وارث، اس قطعہ زمین پر جہاں پہلے، ”نواب“ مرحوم کا عالی شان دیوان خانہ تھا،
آج ”چھوٹے میاں“ کی سر بفلک کوٹھی کھڑی ہے۔ جہاں پیچواں کے مشکیں دھویں؛ اور اگر
کی شمیم عنبریں منڈلایا کرتی تھیں، وہاں آج ”اسپاگ ٹدواگ“ کے بھپکے اور وسکی کے حلقہ
گرداب میں تہذیب مغرب کی برق حیا سوز چمک رہی ہے۔ ازکار رفتہ، مرصع پگڑی، جو مسند
ریاست پر سجا کرتی تھی، اپنی دیرینہ عظمت ملکہ مشرق کے جلوہ گاہ پر نثار کر چکی، اور تو شہ خانہ

شاہی کے خلعت "ییڈم پاپل" کے فراک سوٹ" اور" لاڈیم" کی سواری کے سامنے گرد ہو گئے
"وہ" کہ ابھی نوجوان کہے جانیکے کے قابل ہے، دنیا کی مصنوعیات میں
اتنا غرق ہے کہ سطح آب پر جو سورج اپنی قرمزی شعاعیں ڈال رہا ہے اُسکی روشنی میں کبھی
ہاتھ کی دو انگلیاں بھی نہیں پہنچتیں،...... مگر - - - مگر اس ٹھنڈی اور تاریک دل
کے ایک ذرا سے گوشے میں، ایک نقطہ حرارت، یا ایک شعلۂ حیات ایسی جاگزین ہے جو
نکالے نہیں نکلتی، مٹائے نہیں مٹتی، طوفان حیات کے ظلمتوں میں، وہی ایک حرارت ہی جو اس
گم کردہ نوجوان کو غرق ہونے سے بچا رہی ہے، ایک ستارۂ سعادت ہی جو افق زندگی کی تاریکیوں
میں بھی، اپنی ٹھنڈی شعاعیں اس بھٹکے ہوئے مسافر کے لیئے بچھ رہا ہے، آہ - وہ -
اُس کی یاد - ہے جہاں اس بدبخت ازلی نے اپنی عمر کے چند سال گذارے ہیں -

---

وہ کہ نہ سرمست بادۂ نشاط، نہ خود فراموش کردہ مصنوعات حیات ہے - بانکہ اپنے سادہ
کمرہ میں، ایک لاابالی وضع سے، تنہا ایک میز کے سامنے بیٹھا ہی - جس پر کاغذوں اور کتابوں کا
انبار ہے، رسانیدۂ لطف کے داغ بکھرے پڑے ہیں، اُس کو تنہا نہ کہنا - - -
عظمت گزشتہ کی یادگاریں، سطوت دیرینہ کے زندہ افسانے، شاہراہ حیات کے بہت سے نشان راہ
شہرت کے مینا، دولت کے خراب آباد، عزت کے "نقش براب" درد کے افسانے، دل کی کہانیاں
غرض وہ محشر خیال کا ایک زندہ نمونہ ہے نہ وہ اتنا
بلند ہے کہ خدا کی مخلوق اُس کو مور و ملخ کے ہم رتبہ نظر آئے، نہ وہ اتنا
پست ہے، کہ خلقت کے گرداب معصیت میں پھنس جائے، اُس تنکے کی طرح جو دریا کی دھار سے
جدا ہو کر گذرنے والوں کے پیام محبت، اُسی تک آتے ہیں، اور اُس کے پیغام ہمت تک
جاتے ہیں، مگر اُس کا سکوت مطلق ایک ہی پانی میں اُسکو بہاؤ سے الگ لیے کھڑا ہے،
ایک فقیر کہ جس پر مکھیاں بھنک رہی ہیں - ایک رئیس کہ اس پر سمندر کے موتی، اور خشکی کے

ہیرے نچھاور ہو رہے ہیں جو عزت آموزی میں اسکی سے برابر ہیں، انیس، غالب، وموم، وذوق، کی روحیں اُس سے ملنے آ رہی ہیں، حافظ، وسعدی، وخسرو، کی پیغام محبت اسی تک پہنچ رہے ہیں، مکالے، اور شیلے اور ماہرین، کی دعائیں اُس کا دامن پکڑ رہی ہیں۔ اخبارات اُس کے لیے شہرت کا تاج زریں بنا بنا کر لاتے ہیں، اور وہ حقارت سے اُس کو پھینک دیتا ہے، "غلامان وقت" اُس کیلیے عزت کے تمغے تجویز کرتے ہیں، اور وہ اُن کو ٹھکرا دیتا ہے۔ کہیں اُس کا ایک سرمایہ حیات ہے جس کو اُس نے کلیجے سے لگا رکھا ہے، وہ ایک موج نکہت ہے جو ہر وقت اُس کے اُس دل میں، جہاں کوئی بار نہیں پاتا، طلاطم برپا کرتی ہے، وہ ایک کشش ہے، جس جاذبیت اُس کے دل سے کبھی محو نہیں ہوتی، وہ ایک درد ہے جس کی چسک کبھی نہیں جاتی۔ بجلی کی طرح سے چمکتی ہوئی، لیکن فطرت کے اعلیٰ ہلکے، دھیمے، اور میٹھے نغموں میں جو آواز اُس تک آتی ہے، جو نوائے دعوت وہ سنا کرتا ہے وہ درحقیقت، **اُس کی یاد** ہے جہاں اُس نے اپنی عمر کا اوّلین بہترین حصّہ گذارا ہے!!

وہ کہ جسکو دولت کے ساتھ عزّت، اور عزّت کے ساتھ شہرت، نصیب ہے۔ قوم کا لیڈر کہلاتا ہے "بزرگان ملت" کی صف میں (جہاں بہت سے "غلامان وقت"، وفاداری کا تاج سر پر رکھے، دامن آلودہ کھڑے ہیں،) ممتاز و مفتخر نظر آتا ہے۔ دلوں کو محبت کی کڑیوں میں، اس طرح باندھ رہا ہے جیسے شکار کو صیّاد اپنے فتراک میں، زمانہ کی نگاہوں کا مرکز، زمانہ کی زبانوں کا مرجع، اپنے سوا اُسے کچھ یاد نہیں آتا۔ مگر **اُس کی یاد**، کہ جہاں اُس نے دلوں پر حکومت کرنیکے اصول سیکھے تھے!!

وہ کہ زمانے نے اُس کو ہر مہینہ سیر، آدھ سیر، چاندی کا غلام بنا دیا۔ دماغ، دل، ضمیر، ناطقہ، غیرت، حمیّت، حرّیت، حتیٰ کہ روح، تمام طاقتیں، تمام جذبات، تمام حسیات، اس

ایک ذراسی تھیلی کے ہاتھوں بک چکے جو ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو سرکاری خزانے سے چپراسی لاتا ہی۔ "غرور انسانی" وہ سب سے اعلیٰ جذبہ جو مسند دل پر صدر نشینِ محفلِ خیال ہے۔ مٹ گیا یا جاں بلب ہی، صبح سے شام تک دن کے بارہ گھنٹے، شام سے آدھی رات تک مصیبت اور مشقت کی بوجھل گاڑھی اپنا ویران راستہ طے کرتی ہے۔ اور اُس کا اُتار چڑھاؤ اُس کو کبھی مہلت نہیں دیتا۔ کہ کبھی **وہ** زندہ ہونے کا دعویٰ کر سکے! یا جو اُس کو مردہ پکارتے ہیں اُنکے دعویٰ کی تکذیب کر سکے، اور اُنکو اپنے میں کوئی ذرا سا نشان حیات دکھا سکے۔

یہ غریب جو اپنے کو بھول گیا، اور جس کو سب نے بھلا دیا۔ ایک ذراسی چنگاری کو اب بھی روشن رکھتا ہے جو کلیجہ میں کبھی اُس اپنی پوری حرارت کے ساتھ شعلہ زن ہوتی تھی۔ یعنے **اُس کی یاد**۔ جس نے کبھی اُسکو "درازی" کے وہ سبق دیئے تھے جو آج دہلی ہوئے مکتب کی تختی کے نامعلوم نشانوں سے زیادہ باقی نہیں۔!!

وہ کہ "گورے" ملکوں میں، ہند کے "کانوں" کے چھوڑ کر، برفستانوں میں، کنارِ گنگا کے گرمیوں کو بھلا کر، اپنی مشاغل میں منہمک ہے۔ جس کیلیے بین الاقوامی منافشہ، مشرق، ومغرب کے فساد، ظلمت و ضیاء کے شاعرانہ جھٹکے، ایک سیمیں بدن کی اونچی ایڑی پر قربان کرنیکے قابل ہیں۔ وطن (جو کبھی وطن تھا) نہیں آتا۔ نہیں آنا چاہتا۔ "موم کی پتلیوں" کے بغیر زندگی، ایک اشک شبنم، ایک آواز ماتم، ایک زخم اجل سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ مادر نیچر کا یہ مصنوعی بیٹا، پیرس کے سحر کاریوں، اور لندن کی عشوہ فروشیوں سے فرصت نہیں پاتا۔ ـ مگر ـ **اُس کی یاد**، کہ سمندروں، اور خشکیوں کو طے کرکے اپنا پیام محبت اُس خود فراموش تک پہنچاتی ہے!!

سلطان اقبال کمیسر الہ آبادی۔

یا وہ۔ کہ اُسکو "ذوقِ تماشا" اور "شوقِ تقاضا" دنیا سے باہر لیجاکر ہمالیہ کی گھاٹیوں میں چھوڑ دیتا ہی، اور اُس وقت جبکہ صبح کا دروازہ خاور سے "نگارِ آتشیں رخ" اپنی ترچھی شعاعیں برفستانِ ہمالیہ پر پھینک رہا ہوتا ہی، اور عروسِ دہر کے حسن مشاطہ طلب کے لیے افشاں کی پڑیاں باندھ باندھ کر بکھیر رہا ہوتا ہے، صنوبر کے مست جھومنے والے ڈالیونکے راگ، اُس وادی ایمن پر محیط ہو رہے ہوتے ہیں، جب شبنم کے قطروں میں آسمان کا جاہ و جلال والا سیاح، اپنی روشنی کی رنگیں آمیزش کر رہا ہوتا ہی، اُفق پر، گھرے سیاہ تلپ بادلوں کے زنگاری اور طلائی جھال ہمالیہ کی اونچی چوٹیوں پر لٹک رہی ہوتی ہی، اُس وقت ایک خاموش آواز، ایک روشن تاریکی، ایک مشاہدِ فطرت جو آنکھ کا منت کش نہیں، ایک وہ آواز کہ جو منہ سے نہیں نکلتی، ایک وہ گرفت جو بغیر ہاتھ کے بھی ممکن ہے۔ آہ۔ ایک وہ خیال جو دماغ بغیر بھی پیدا ہو سکتا ہی، اُس آغوش نشین فطرت کو، قلزمِ محبت کے ناپیدا کنار ضیاء میں غوطے دے رہا ہی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر اُس صبح کو، جبکہ وہ سمندر کی روشنی والے مینار کی طرح، عالمِ حیات کی تمام کوششوں کو نفرت سے ٹھکرا رہا ہی، صرف ایک کشش ہی جو نہ جانے کیونکر اُسکے دلمیں گذر جاتی ہی۔ اور وہ، وہی اُس کی یاد ہے، یعنی۔ مادرِ کالج کے **آغوشِ محبت کی یاد!** ؎

جمالِ یار کو کہتے ہو منہ سے ہاں دیکھا!
کلیمِ ہوش، میں آؤ! ابھی کہاں دیکھا!

"خاموش"

؎۔ لسان العصر اقبال،

امتیازی نشان

ایک عرصہ سے ہمارے امتیازی نشان کی بابت طرح طرح کی چمینگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اور بہت سے حضرات نے طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن ابتک کوئی قول فیصل قرار نہیں پایا۔ اعتراضات کی بھرمار نے نہ تو ہمارے سینہ پر اور نہ ہماری انگلیوں میں ایسی جگہ چھوڑی ہی کہ ہم قومی امتیازی نشان پہن سکیں۔ البتہ ٹوپی اور جوتہ باقی ہی۔ لیکن ٹوپی بطور خود امتیازی نشان ہی۔ اور جوتے نے وہ مقام پایا ہی کہ نئی روشنی ہمیشہ ہیں سے ترقی کرکے سینہ اور سر تک پہنچتی ہے۔ لہذا میرے خیالِ ناقص میں جو فضولیات جمع ہوئے ہیں وہ میں پیش کرتا ہوں۔

ہمارے دور افتادہ شیخ نظیر حسین صاحب فاروقی ایک عرصہ سے تجارت کی طرف متوجہ کر رہے ہیں لیکن نقارخانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہی۔ یہ صورت کہ جو میں پیش کرتا ہوں۔ کیا عجب ہے کہ اُن کے خیال کی بھی معاون ہو۔ اور تجارت کی صورت میں آکر ہمکو کچھ فائدہ بھی دے۔

جب انگلیوں میں دوسری انگوٹھیاں۔ اور سینہ پر دوسری بیٹل موقع امتیازی نشان ندیں اور نیز اوور کوٹ سے۔ فراک کوٹ میں۔ اور۔ فراک کوٹ سے۔ ڈائننگ کوٹ میں۔ امتیازی نشان کا تبدیل کرنا۔ دشوار ہو۔ تو ہم امتیازی نشان۔ ایسا کیوں نہ قایم کریں جو۔ ہمارے بدن پر سے جزو لاینفک۔ کی طرح۔ کبھی جُدا نہو۔ جبتک کہ ہم اپنا تمام ملبوس جُدا نہ کردیں۔ وہ یہ کہ ہمارا خاص نشان جو کچھ تجویز ہوا ہی۔ جو انگوٹھی یا بیٹل بھی بتایا جاتا وہ۔ بٹنوں میں بنوایا جاوے۔ اور یہ بٹن مختلف سائز اور مختلف میل کے ہوں۔ یعنی چھوٹے۔ بڑے۔ اور اوور کوٹ سے ویسٹ کوٹ تک میں کام آنیوالے۔ اور پیتل۔ چاندی۔ اور انگلش گولڈ کے ہوں جو ہر حیثیت کے اولڈ بوائے کے کام آسکیں۔ اور یہی بٹن کالج کی وردی میں لازمی کردئیے جاویں۔

انگلینڈ۔ یا جرمن وغیرہ سے۔ بڑی تعداد میں بنوا کر منگائے جائیں۔ تاکہ ارزاں مل سکیں

اور جہاں سے منگائے جاویں وہاں اور نیز یہاں بھی مقرر کرا دیئے جاویں۔ تاکہ تجارت عام نہ ہو بلکہ ہمارے ہی ہاتھ میں رہے اور جو ہمارا اہل ہو وہی اس کو استعمال کر سکے۔

رقیمہ نیاز اسمعیل
از ریلوے اسٹیشن اودیئے پور

ایران اور علی گڑھ

(۱)

حمام

ایرانیوں کی ضروریات زندگی میں حمام بھی داخل ہے۔ ہر ایرانی شہر میں انکی ایک معقول تعداد آبادی کے لحاظ سے ہوا کرتی ہے۔ اکثر مردانہ حمام جدا اور زنانہ جدا ہوتا ہے۔ لیکن جہاں ایسا نہیں ہوتا وہاں مردوں اور عورتوں کے لیے علٰحدہ علٰحدہ دن یا وقت مقرر ہوتے ہیں۔ حمام میں کئی درجہ ہوتے ہیں جن میں سے ہر اندرونی درجہ بیرونی درجہ کے بہ نسبت زیادہ گرم ہوتا ہے، اسی باعث سے لوگ ہر ہر درجہ میں تھوڑی دیر ٹھہرتے جاتے ہیں تاکہ یکایک سردی سے گرمی میں آجانے پر نقصان نہ ہو۔ آخری درجہ کو طے کرنے تک آدمی پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے، سارے مسامات کھل جاتے ہیں۔ حوض گرم پانی اور سرد پانی دونوں کا موجود ہوتا ہے، جن میں ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق نہا سکتا ہے۔ بدن کے ملنے والے بھی خدمت کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اور غسل کے متعلق باقی ہر طرح کی ضروریات موجود ملتی ہیں۔ حمام کے اندر جو چیز ہمارے خیال کے مطابق سخت بے شرمی کی تھی وہ اکثر ایرانیوں کا بغیر کسی لنگ کے محض برہنہ ادھر ادھر پھرنا تھا۔ بدن کے ملنے والے بھی اس کے عادی ہوتے ہیں کہ جسم کا کوئی حصہ اُن کی دست مال سے باقی نہ بچے۔ بوشہر کے حمام میں ایک دن ایک مزے کا واقعہ پیش آیا۔ میں بیٹھا ہوا حجامت بنوا رہا تھا اور حجام

اپنے کام میں مشغول تھا کہ یکایک اُس نے اپنے ایک ساتھی کو آواز دی "حبیب" تیغ من از سر طاقچہ بیار موہائے آغا خیلے سخت اندیشے ہوئے دل میں کہا کہ یا اللہ یہ تیغ کیوں منگاتا ہے کیا سچ مچ میرا سر ہی تراش دیگا۔ (ایران میں حجامت کروانیکو سر تراشیدن کہتے ہیں) لیکن جب وہ لیکر آیا تو صرف ایک اُسترہ تھا معلوم ہوا کہ اُسترہ کا لفظ وہاں کوئی جانتا بھی نہیں۔ اُسترہ کو تیغ ہی کہتے ہیں۔

ایسے حمام میں ایک صاحب ہمکو گچ کے فرش پر نہایت آرام سے سوتے نظر آئے۔ اُس روز تقریباً دو گھنٹے تک ہم کو حمام میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ یہ صاحب برابر اُسی طرح ایک حالت سے آرام کرتے رہے جب ہم حمام سے واپس آیا چاہتے تھے تو اُنھوں نے ذرا کروٹ بدلی۔ چادر کا پلہ مُنہ سے ہٹایا اور ہم کو دیکھکر اُٹھ بیٹھے اُن کے اُٹھنے کے بعد ہمنے پہچانا کہ یہ وہی ایرانی بزرگ ہیں جو جہاز پر ہمارے ہمسفر تھے۔ اپنے تئیں سالار معظم کا مُصاحب خاص بتاتے تھے اور جنھوں نے ہم کو بوشہر میں ہر طرح کی مدد دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ہمکو اُن سے کسی قسم کی ضرورت نہیں ہوئی لیکن ہم اُن سے ملنا ضرور چاہتے تھے۔ جب ہم لوگ سالار معظم سے ملنے گئے تھے تو قلعے میں ان بزرگوں کی شکل دکھائی دی تھی مگر صاحب سلامت کی نوبت نہیں آئی تھی۔ آج ہمکو یہ یہاں اتفاقاً ملگئے تو بات چیت کی گئی اثنائے گفتگو میں ہمنے یہ دیکھا کہ ہم سے ملکر یہ خوش نہیں ہوئے بلکہ اور شرماتے تھے اور کسی بہانہ سے جلد چلدیئے۔ انکے جانیکے بعد ہمنے وہاں کے آدمیوں سے انکی بابت دریافت کیا تو معلوم ہو کہ حضرت والا قلعے کے کسی افسر کے معمولی خدمتگار ہیں۔

بعض عُلماء کی ملاقات

زمانہ قیام بوشہر میں میرا معمول تھا کہ نماز مغرب کی مسجد میں جا کر با جماعت ادا کرتا تھا۔ علاوہ نماز کے پڑھنے کے یہ بھی مقصود تھا کہ علماء کے گروہ سے بھی کچھ روشناسی ہو اور کچھ حالات اُن کے بھی معلوم ہوں۔ مسجد میں آنیوالے ہندوستان کی طرح طبقہ ادنےٰ کے لوگ آیا کرتے تھے۔ علما اپنے اثر کے روز بروز کم ہوتے جانیکے شاکی تھی۔ بعض فقہ و اصول کی تعلیم بھی دیتے تھے تعلیم انگریزی کے زیادہ مخالف نہیں

تھے۔ ہمارے مقاصد کو سنکر اُن حضرات نے پسند کیا اور ایرانی لڑکوں کے یورپ جانیسے ہندستان کے مدرستہ العلوم مسلمانان میں آنیکو ہر طرح ترجیح دیتے تھے۔

روزنامۂ مظفری

بوشہر سے ایک اخبار بھی فارسی زبان میں نکلتا ہی جسکا نام روزنامۂ مظفری ہی۔ ایران میں اخبار کو روزنامۂ مظفری کہتے ہیں۔ اور لفظ اخبار اپنے لغوی معنوں میں مستعمل ہے۔ روزنامۂ مظفری کے ایڈیٹر نذیر الحق صاحب سے بھی ہماری ملاقات ہوئی ہمنے اُن کا دفتر بھی جاکر دیکھا۔ مطبع ایک مختصر سے تنگ ہال میں تھا۔ یہ ہفتہ وار اخبار ہی اور ایران میں جو اب تھوڑے زمانہ سے کچھ بیداری کے آثار نمایاں ہیں اس کا یہ بھی ایک نمونہ ہی۔ ابھی تو بالکل ابتدائی حالت ہی اشاعت بھی محدود ہی۔ لیکن اُمید ہی کہ شاید کبھی قوم زیادہ متوجہ ہو۔ خود ایڈیٹر صاحب خاصے باخبر اور معلومات کے آدمی ہیں حالانکہ انگریزی سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے۔ اُنھوں نے اپنے اخبار کی اشاعت کے بموجب ہمارے وفد کے متعلق اچھے خیالات کو ملک میں پھیلایا۔ اس طرح ہمارے شیراز پہنچنے سے پہلے ہماری آمد آمد کی خبر وہاں پہنچ لی تھی۔

بنک

بوشہر میں پرشین بنک کے نام سے ایک انگریزی بنک بھی ہی۔ اُس کی عمارت بڑی اور شاندار ہی۔ اور وہاں کاروباری لوگونکی ہر وقت آمدرفت سے معلوم ہوتا ہی کہ اس بنک کا اچھا اعتبار ہی اور اس کا کام خوب چلتا ہی۔ یہ اُس بڑے بنک کی شاخ ہے جو شیراز میں ہے۔ ہمنے راہ کے خطرہ کی وجہ سے اپنے زاید روپیہ یہاں جمع کردیا اور وہ ہمکو برابر شیراز میں بلاوقت ملتا رہا۔ اس خدمت کے معاوضہ میں جو ہمکو دینا پڑا وہ ہماری سہولیت کے لحاظ سے بہت تھوڑا تھا۔ اس بنک کے ایک عہدہ دار مرزا محمد جواد صاحب ایرانی کے پاس ہماری سفارش کا خط شیراز سے آچکا تھا۔ اُن بزرگ کے ذریعہ سے ہمکو ہر طرح کی سہولت ہوتی تھی۔

بوشہر سے شیراز کو روانگی

بوشہر میں ہم لوگوں کا قیام صرف تین روز ہوا۔ لیکن واپسی میں مجھکو دو ہفتہ رہنا پڑا اور کسیقدر اور حالات معلوم ہوے جو اپنے موقع پر بیان کئے جائیں گے۔ روانگی شیراز کے متعلق کل ریوٹر کا انتظام ہمارے نئے زیدنی

کے ذریعے سے ہوا ہی۔ خود ہم لوگوں کو کسی طرح کی زحمت نہیں اُٹھانی پڑی۔ سواری کیواسطے قاطر یعنی خچر کرایہ پر لیے گئے اور ہم لوگ ۲۰ اگست کی شام کو روانہ ہوئے۔ بوشہر سے شیراز جانے میں پہلی منزل شیف آتی ہی۔ یہاں پہنچنے کے دو راستہ ہیں۔ ایک خشکی کے ذریعے سے جو سولہ سترہ میل کی مسافت ہے اور دوسرا راستہ سمندر کے ذرا سے ٹکڑے کو عبور کرکے جو گھنٹے دو گھنٹے میں طے ہو جاتا ہی۔ لیکن چونکہ قاطر وغیرہ کا انتظام بوشہر ہی میں کیا جاسکتا ہی اور شیف ایک بالکل غیر آباد مقام ہے اس لیے علی العموم متوسط لوگ خشکی ہی کے راستے سے جاتے ہیں۔ مسٹر اسکوئرا وائس کانسل نے ہمارے ساتھ یہ مزید مراعات کی کہ سرکاری دخانی کشتی ہمارے لیے بھیجدی جس پر نہایت آسانی سے بہ آسائش تمام ہم شیف آگئے۔ یہ ایسا غیر آباد بنجر مقام ہی کہ یہاں پینے کے لیے پانی بھی میسر نہیں آتا۔ اس جگہ ایک مبتذل سا قہوہ خانہ ہی جہاں چاء اور قہوہ نہایت گراں قیمت پر مل سکتا ہی۔ ہمارے قاطرچی جو یہاں پہلے سے موجود تھے آدھی رات کے قریب آگئے پیچھے سب روانہ ہوئے۔

ایران میں سفر کی پہلی رات

شیف کے مقام پر کھاپی کر ہم ابھی بیٹھے تھے کوئی سو گیا تھا کسی کو نیند آیا ہی چاہتی تھی کہ ہمارے قاطرچی نے جو وہاں چروہ دار (یعنی چار آ جانور) کہلاتا ہی "پاشو آغا پاشو" کی پکار مچادی۔ ایسے وقت اُٹھنے میں جسقدر جبر ہوتا ہی وہ ظاہر ہی لیکن کیا کرتے۔ سفر کے شروع کرنے اور ختم کردینے کا اختیار بالکل اس کے ہاتھ میں تھا۔ اور ہونا بھی چاہیئے تھا۔ آخر کار بادل ناخواستہ اُٹھے۔ چروہ دار نے جلدی جلدی سب کا بستر باندھا اور ساتویں رات کا چاند غروب ہونیکے قریب تھا کہ وہ سب کو لیکر چل کھڑا ہوا۔ ہماری جماعت میں سے میر ولایت حسین صاحب اور سید ابو محمد صاحب کجاوہ میں سوار تھے۔ جمیل الزماں صاحب اور میں خچروں پر لدے ہوئے تھے۔ اسباب سے ایک سید صاحب کہ جنکو کربلائے معلی کی زیارت کے اشتیاق نے ملازم کے طور پر چلنے کیلیے آمادہ کردیا تھا وہ اور خچروں پر بار تھا (چروہ دار اور اُس کے دوازدہ سالہ لڑکے ؟)

ایک گدھا تھا جس پر یہ باپ بیٹے باری باری سے سوار ہو لیتے تھے اور اس زندگی کے ایسے
عادی تھے کہ گدھے پر بے تکلف ہاتھ پاؤں لٹکا دیتے اور مزے سے سوتے چلتے تھے
شروع میں نیند مجھ پر بھی غالب تھی اور جھومتا جھومتا چلا جا رہا تھا لیکن ایک آدھ مرتبہ قریب تھا
زمین پر ایسی بُری طرح سر بسجود ہوا کہ آنکھیں کھل گئیں۔ دوسرے مجھکو اپنی سواری سیکھنے کا زمانہ
یاد تھا۔ تین ہی سال پہلے کی بات تھی کہ مکان سے جب کبھی میں گھوڑے پر سوار ہو کر باہر
جاتا تھا تو جانیکے وقت تو ہمارا اور جانور کا ساتھ ہوتا تھا۔ لیکن واپسی میں بیشتر مجھکو تنہا ہی آنا
پڑتا تھا۔ میری معیت کو صحبت ناحق سمجھکر مجھسے اپنا پیچھا چھڑا لیتا اور گھر پر زغند بھرتا پہلے آن
پہنچتا۔ میں جھاڑتا پونچھتا سر جھکائے خراماں خراماں پُشت پیچھے آتا۔ اب بھی میری شہسواری
میں پہلے سے کچھ فرق نہیں آیا تھا لہذا اگر نیند آتی بھی تھی تو میں بہ کوشش اُس کو ٹالتا تھا۔ چنانچہ
اسی غرض کیلیے میں نے بے تال سُر گانا شروع کر دیا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ آفتاب
اُفق مغرب میں پہنچ لیا تھا۔ اُس کی ترچھی کرنیں ترچھی نظر کا کام دے رہی تھیں۔ چاروں طرف
سناٹا تھا۔ سوا ٹاپوں کی آواز اور بعض وقت پہرہ دار کی ٹخ ٹخ کے کوئی صدا بلند نہوتی تھی۔
میرے ہمنشین ساتھی تو سوتے تھے اور سر نشین ساتھی بھی نیم خفتہ سے زیادہ بیدار نہ تھے۔
میں ہی گاتا تھا۔ میں ہی سُنتا تھا۔ اور میں ہی داد دیتا تھا۔ خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ
یہ کیفیت مجھ پر تا دیر رہی۔ یہاں تک کہ میری لوریوں سے شب کی ملکہ کو نیند آگئی اور اُس نے
چہرہ پر نقاب ڈالکر سر سے چادر تان لی اور پہاڑوں کی اوٹ میں جا آرام لیا۔ خواصان انجم کا جمگھٹ
محفل کو خالی پاکر خوب چمکا آپس میں چشمکیں ہوئیں۔ کوئی ٹوٹا کوئی پھوٹا کوئی آیا کوئی گیا۔ سب نے پھر
محفل آسمان کو گرم کرنا چاہا۔ لیکن جن لوگوں نے ابھی چند ساعت پہلے ملکہ کی آن بان دیکھی تھی انکی
نگاہوں میں تو دنیا اندھیری تھی۔ چنانچہ میں نے بھی اپنے ترانہ بند کیے۔ اور اپنے خیالات میں
ایسا محو ہوا کہ جاگتے میں خواب کے مزے لینے لگا۔

شیکف سے چلتے ہی تقریباً میل ڈیڑھ میل پر یہ واقعہ ہوا۔	میں اپنی خواب بیداری

کے مزے سے رہا تھا کہ "السّلام علیکم آغا" کی آواز نے مجکو چونکا دیا پھر دیکھتا ہوں تو دو ایرانی بندوق کاندھے پر رکھے ساتھ ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ پہلے تو میں ڈرا کہ شاید یہ کوئی لٹیرے ہیں۔ لیکن اُنھوں نے خود ہی میرے خوف کو دور کر دیا اور بتایا کہ ہملوگ تفنگچی ہیں۔ مسافروں کی حفاظت کیلیے متعین ہیں۔ یہاں تک تو بہت اچھی بات تھی۔ اس کے بعد اُنھوں نے بخشش طلب کرنی شروع کی۔ میں پہلے اُن سے بحث کرتا رہا لیکن جب وہ نہ مانے تو میں نے اپنا پیچھا چھڑانیکے لیے کجاوہ کی طرف اشارہ کیا کہ ہمارے افسر اُس میں بیٹھے ہوئے ہیں اُن سے جا کر مانگو۔ چنانچہ وہ میر صاحب کے پاس پہنچے۔ میر صاحب جو حقیقت میں سو گئے تھے ؟ اور کچھ ہماری بحث سنکر شاید سوتے بن گئے۔ اس لیے پہلے تو تفنگچی دیر تک چلایا کئے اور اُدھر سے صدائے برنخواست۔ مگر وہ ایسی کچی گولیاں کھیلے نہیں تھے کہ اتنے ہی میں ہار بولدیتے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ وہاں تو مردوں سے شرط بندھی ہوئی ہے اور اُنکی آواز میں صور اسرافیل کا مقابلہ نہیں کرسکتیں تو اُنھوں نے ہاتھ سے جھنجھوڑنا شروع کیا۔ اب سوتے رہنے اور چُپ بیٹھنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ چنانچہ سید محمد ابو محمد صاحب نے جو میر صاحب کے ساتھ تھے اس حربہ سے کام لینا چاہا کہ ہملوگ غیر ملک کے آدمی ہیں تمہاری زبان نہیں سمجھتے۔ اور بڑی دیر تک انکی باتوں کا اوٹ پٹانگ جواب اُردو میں دیتے رہے۔ اس پر وہ بڑے بھنائے اور پدر سگ پدر سوختہ اور جو کچھ جی چاہا کہتے رہے۔ لیکن گالیوں کے میدان میں بھلا ہندوؤں کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔ ایسے دو چار پدر سگ پدر سوختہ کے چھروں سے کیا ہوتا ہے۔ ہمارے میگزین میں تو گالیوں کے بڑے بڑے گولے تک موجود تھے اگرچہ اُن کے استعمال کی ضرورت نہ تھی اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا استعمال میں آتا بھی نہ تھا۔ ہمنے اُلّو۔ گدھا۔ پاجی۔ سور سے شروع کرکے اُلّو کا پٹھا اور سور کے بچہ تک ہی ترقی کی تھی کہ وہ دھیمے پڑ گئے۔ ہماری آواز اُنکی آواز پر قدرتاً بلند ہوتی تھی کیونکہ ہم ڈر رہے تھے لیکن معلوم نہیں اُنھوں نے ہماری گالیوں کا کیا مطلب سمجھا کہ وہ چُپ ہو گئے۔ اب دونوں طرف خاموشی محض تھی۔ اگرچہ میں سمجھ رہا تھا کہ ہوا کا بند ہو کر ایسا

سخت حبس ہو جانا بڑی اندھی کی علامت ہے۔ چنانچہ تھوڑی دیر کی صلاح مشورہ کے بعد اُنھوں نے آکر میرے خچر کی باگ پکڑی اور بولے کہ جبتک تم ہمکو کچھ ندوگے ہم جانے نہ دینگے میرے ساتھی اور کجاوے والے تھوڑا آگے بڑھ گئے تھے۔ میں ڈرا اور میں نے چرو دار کو آواز دی۔ بارے وہ آیا لیکن اُسکی جرات نہ پڑی تھی کہ وہ ہماری حمایت کرے۔ آخر کار مجبوراً میں نے چرو دار سے کہا کہ تم اپنے پاس سے انکو کچھ دیکر راضی کردو۔ ہم منزل پر پہنچکر ہم تمکو واپس دیدیں گے۔ چنانچہ اُس نے دو قران (تخمیناً تیرہ آنہ) انکی نظر کئے اور میری مخلصی کرائی۔ میرے پاس خود بھی اتنی بلکہ اس سے بہت زائد رقم موجود تھی کیونکہ اس وفد کا خزانچی میں ہی تھا۔ لیکن میں ڈرتا تھا کہ اگر اُنھوں نے میری جیب میں سکوں کی آواز سُنی یا کمر بند سے کچھ نکالتے دیکھا تو اُن کے دندان آز کی درازی کی حد نہ رہیگی۔ بلکہ اس قدر قیل وقال اور آخر تک پیسوں کو دانت سے پکڑے رہنے کا سارا مطلب ہی یہی تھا کہ یہ لوگ ہم کو بڑا آری نہ سمجھیں۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ۔ دہن سگ بلقمہ دوختہ بہ۔ ان باتوں کے یاد کرنے سے اب تو خاصہ لطف آتا ہے لیکن اُس وقت ایسا مزہ کرکرا ہوا تھا کہ باقی تمام سفر میں مجھکو آسمان پر نہ شب کی ملکہ نظر آئیں اور نہ خواصان کا انجم کا جھرمٹ دکھائی دیا۔ اور نہ کبھی پھر اپنے ترانہ بھول کر بھی یاد آئے۔

سید جلال الدین حیدر

از لاہور

مائی ڈیر اولڈ بوائے

آپکے صفحات میں میں نے وہ نظم دیکھی جو "نذر ناظر" کے عُنوان سے شایع ہوئی ہے۔ بھائی آفتاب تو پہلے ہی "رنج و راحت" لکھکر مولانا آزاد کے "دربار" میں جگہ پانے کا استحقاق پیدا کرچکے تھے اس نظم کی اشاعت کی وجہ سے آفتاب کیساتھ مجھے بھی اُفق شہرت پر آنا پڑا۔ مگر اس کیوجہ سے

سخت دقتوں کا سامنا ہوا۔ اوّل تو جس شخص سے ملتا ہوں وہ یہی پوچھتا ہے کہ کیوں صاحب نظم تمھاری ہے یا آفتاب کی؟ یہ ایک نظم کے دو مصنف کیسے؟" اب آپ ہی بتلائیے کہ ان بیسویں صدی کے ناخوردوں کو کیونکر سمجھاؤں۔ کہ بھائی میرے پولٹکل اکیانومی کی تعلیم نے اس زمانہ میں تقسیم محنت کے اصول کو عام کر دیا ہے۔ اور مشترک تصنیف عیب کیا معنی فیشن میں داخل ہوتی جاتی ہے۔ ریاض والوں نے تو قسم کھائی ہے کہ جو شخص تنہا کوئی کتاب لکھے اُسے برادری سے خارج کر دو۔ چنانچہ ہمارے ڈاکٹر صاحب نے اسی بنیاد پر آج تک کوئی کتاب بھی نہیں لکھی۔ نہ کوئی برابر کی جوڑ کا ملا نہ کوئی اسکو تصنیف کرسکے یہی فیشن دوسرے مضامین کی تصانیف میں عام ہوتا جاتا ہے مگر کیا کروں کہ ہندوستانی ان نکات کو نہیں سمجھتے۔ "ہیکر اور بورن" نے الجبرا لکھا۔ "ہال اور سٹیونز" نے جیامٹری لکھی "لاک اور لوتس" نے ارتھمیٹک لکھی۔ کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ ہومر کے متعلق آج تک یورپ کے محققین متفق نہیں ہوسکے کہ ایک شخص کی تصنیف ہے یا مختلف زمانہ کے شعرا کی طبع آزمائی سے سبکو چھوڑئیے۔ شاہنامے کے متعلق تو محقق ہے کہ فردوسی اور دقیقی کے مشترکہ تصنیف ہے۔ پھر اگر فاروق اینڈ کو نے ایک نظم ہی لکھ ڈالی تو کون ایسی بدعت قبیحہ کے مرتکب ہوگئے جو لوگ ہر طرف سے اعتراض کرنیکے لیے پلے پڑتے ہیں۔ اور آپ جانئیے کہ وہ موقع بھی کب اہم تھا کہ شام کو الکشن کا نتیجہ معلوم ہوا اور اُسیوقت قدر دانوں کی فرمائش کہ رات ہی بھر میں نظم لکھ لاؤ ورنہ معاملہ پھیکا پڑ جائیگا آج کوئی اور کمیٹی ہوتی ہے تو دیوالہ نکلگیا ہوتا۔ یہ ہمارا ہی پرم تھا جس نے راتوں رات بھائی ناظر کے لیے نظم کی وہ موزوں قبا تیار کر دی کہ آج بھی جس کا جی چاہئے پہنا کر دیکھ لے۔ کیا مجال جو کہیں سے بال برابر کم یا زیادہ ہو۔ بہر حال اپنے ناظرین کو آگاہ کر دیجئے کہ آیندہ سے ایسے بے محل سوال نکریں نیز واحد (ناظر) اور جمع (ناظرین) دونوں کو حکایت نفس متکلم کی طرح ایک ہی صیغے میں گردانوں گا۔

دوسری مصیبت میرے سر یہ آئی کہ ادھر تو نظم چھپی اُدھر آپ کا کارڈ باوجود اس کے کہ میں علی گڑھ میں موجود تھا، پوسٹ آفس انسپکٹر کی طرح خدا جانے کن کن ڈاکخانوں کی سیر کرتا ہوا

زبانِ حال سے صوبہ جات متحدہ کے حدود اور گورمنٹ کی انتظامی خوبیاں بیان کرتا ہوا خلاف توقع ناخواندہ میہمان کی طرح آن وارد ہوا۔ اور یہ فرمائش بھی جڑ دی کہ اپنا اور کلام بھیجو۔ میں آپ کو کیونکر سمجھاؤں کہ مدت ہوئی کہ وہ کمپنی ایکٹ کمپنی ہائے کے واقعات کے موجب سرکاری محاسب کی معرفت ضبطی میں آگئی۔ سیہ داروں نے اپنا اپنا سرمایہ واپس لیکر "مُسلم یونیورسٹی" کے چندے میں دے ڈالا۔ جو بچا "ہمدرد فنڈ" میں لگا دیا۔ یہ ایک نظم میرے اور آفتاب کے حصہ کی رہگئی تھی جسے آپنے اُڑا لی۔ اب دوسری نظم کہاں سے لاؤں جو آپ کے سامنے سُرخ روئی حاصل کروں آفتاب خدا جانے ایک عرصہ سے کہاں روپوش ہیں سُنا ہی کہ آجکل بنی نوع انسان کے بہترین حصہ یعنی طبقۂ اناث کے متعلق کوئی تازہ تصنیف فرمانے والے ہیں۔ خدا جانے سچ ہی یا جھوٹ میں ایک مہینے سے کچھ زاید ہوئے ہیں کہ باوجود اس کے کہ کالج میں تعطیل ہوگئی یا طلبہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ "پی بارک" سے لیکر "منٹو سرکل" تک تمام کا بکیں خالی پڑی ہیں "ڈڈ کریڈٹ" کی طرح۔ چوں مد بحساب اندر "بنگال آشرم" میں پڑا ہوا ہوں۔ بیکاری کی وجہ سے زیادہ طبیعت گھبرائی ہی تو قلعہ والی سڑک پر ٹہل ٹہل کر یہ صدا لگاتا ہوں یقین ہی کہ بھائی شوکت اگر کبھی روئی سوت سے چھوٹکر علی گڑہ وارد ہو جاتے ہونگے یا صاحبزادہ صاحب موکلوں کے حملوں سے پناہ گزین ہو کر بیٹھتے ہونگے تو ضرور سُنتے ہونگے۔ والسلام

فقیر کی صدا

گر قوم کی خدمت کرتا ہے — احسان تو کس پر دھرتا ہے
کیوں غیروں کا دم بھرتا ہے — کیوں خوف کے مارے مرتا ہے
اس ہاٹ کا یہ ہی پڑتا ہے — کچھ گانٹھ کا دے تب ترتا ہے

اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

اب دُنیا کا وہ رنگ نہیں — وہ طرز صلح و جنگ نہیں
اغیار کا تو پاسنگ نہیں — کیا تجکو شرم و ننگ نہیں
گو تاج نہیں اورنگ نہیں — پھر مُلک خدا کا تنگ نہیں

اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہی
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

جو موقع پاکر کھوئے گا — وہ اشکوں سے منہ دھوئیگا
جو سوئیگا وہ روئے گا — اور کاٹیگا جو بوئے گا
تو غافل کبتک سوئے گا — جو ہونا ہوگا ہوئے گا

اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہی
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہی

جو عمریں مفت گنوائیگا — وہ آخر کو پچھتائے گا
کچھ بیٹھے ہاتھ نہ آئیگا — جو ڈھونڈے گا وہ پائیگا
تو کبتک دیر لگائے گا — یہ وقت بھی آخر جائیگا

اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہی
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہی

محمد فاروق

رسالہ اُولڈ بوائے کے گزشتہ دو سال کے پرچے بجز ۱ جلد ۱ کے ہمارے دفتر میں موجود ہیں چاکہ اکثر ناظرین جو اسکے شایق ہیں یا جدید خریدار ہوتے ہیں وہ گزشتہ جلدوں کی بھی خواہش کرتے ہیں ہمنے اُنکی آسانی کے لیے جلدیں تیار کرائی ہیں اور صرف دو روپیہ فی جلد قیمت پر دیتے ہیں۔ باقی پرچے جو متفرق طور سے خریدے جائینگے ان کی قیمت ۵ پانچ آنے ہے۔ مینجر رسالے سے درخواست فرمائیے۔

سردار سیاحان عالم

سیاحان عالم میں شیخ ابن بطوطہ کا جو درجہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ذیل میں ہم شیخ کی مختصر لائف درج کرتے ہیں جو ہمارے دوست سید محمد خاں صاحب کی لکھی ہوئی ہی۔ آج کل مسلمانوں کی حالت جسقدر پست ہو رہی ہے اور جن مصائب و آلام کا اُنھیں سامنا کرنا پڑتا ہے اُسے ہر شخص محسوس کر رہا ہے۔ ہماری دانست میں اسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمانان عالم ایکدوسرے کے حالات سے بالکل ناواقف ہیں اور اُن کی تمام تر معلومات کا دار و مدار صرف اُن تحریرات پر ہی جو یورپ سے وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہیں۔ حال میں جنگ بلقان کے خلاف اُمید نتائج کافی شہادت اس امر کی دیتے ہیں کہ ہم ہندوستانی خاص اُس سلطنت کے متعلق جس کا تعلق خلافت کے ساتھ تسلیم کیا جاتا ہے کسقدر ناکافی معلومات رکھتے ہیں۔ اسیطرح جنگ طرابلس کی ابتدا ہونے سے پہلے بہت ہی کم ایسے لوگ تھے جنھیں یہ خیال بھی رہا ہو گا کہ اٹلی کسی زمانے میں اس پر قبضہ کرنے کی خواہشمند ہی اور نہ ہمکو صحیح طور پر یہی معلوم تھا کہ وہاں کس قسم کے لوگ آباد ہیں اور اُنکے وسائل کیا ہیں ہم قوی اُمید کرتے ہیں کہ ان تجربات کے بعد مسلمانان ہند عموماً اور ہمارے کالج کے طلبہ خصوصاً جو اسلام کی سچی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں ہوشیار ہو جائینگے اور تمام اُمور پر اس بات کو مقدم سمجھیں گے کہ بلاد اسلامیہ کا سفر کر کے مسلمانوں کی صحیح حالت کا اندازہ کریں اور غیر اقوام سے اُنکا مقابلہ کر کے غور کریں کہ وہ کون سے وجوہ ہیں جو اُنھیں اُبھرنے نہیں دیتے۔

شیخ ابن بطوطہ اور ایسے ہزاروں سیاح ازمنہ متوسط میں گزرے ہیں جنھوں نے صرف سیر و سیاحت میں اپنی زندگی گزار دی ہی اور اُس زمانے میں جبکہ نہ ریل تھی نہ جہاز پاپیادہ مختلف ممالک کے سفر کئے مختلف اقوام سے ملکر اُن کے حالات دریافت کئے اور اس جہان فانی سے گزرتے وقت آیندہ نسلوں کے لیے معلومات کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑ گئے جس سے آجتک لوگ مستفیض ہو رہے ہیں۔ ہم اپنے نوجوان طالب علموں سے

درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان مثالوں کو ہمیشہ اپنا نصب العین بنائیں گے اور اپنے آبا و اجداد کی پیروی کرنیکی کوشش کرینگے۔

ایڈیٹر

سیاحان عالم میں اس وقت تک کوئی سیاح خواہ مشرقی خواہ مغربی ایسا نہیں گذرا جو برائے نام بھی اُس سردار یا ملک السیاحان کا مقابلہ کرسکے جس کا نام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد ابراہیم المعروف بہ ابن بطوطہ تھا۔

اس اولوالعزم سیاح نے ۷۲۵ھ ہجری المقدس مطابق ۱۳۲۵ء میں اپنے وطن طنجہ یا طنجیہ کو اولاً بارادہ حج بیت اللہ خیرباد کہا۔ لیکن جسقدر سفر کرتا گیا اُسی قدر سیر و سیاحت کی اشتہا ترقی کرتی گئی یہاں تک کہ وہ زائد از تیس سال مسلسل سفر میں رہا اور کم از کم اسی ہزار میل کی مصائب سے بھری مسافت طے کرنیکے بعد آرام کیا۔

شیخ نے ملک شام کی سیر کی قسطنطنیہ اور روس میں سفر کیا۔ شمسی تحقیقات کے سلسلے میں بہت دور تک شمال کی جانب چلا گیا۔ اُس کے بعد افریقیہ کے ساحل کے قریب سے گذرتا ہوا ممباسہ اور زنجبار پہونچا۔ چارمرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا اور خشکی کی راہ سے ہندوستان پہونچا جہاں کی عنان حکومت اُسوقت محمد تغلق کے ہاتھ میں تھی۔ یہ خیالات کا دیوانہ بادشاہ شیخ سے ملکر بہت محظوظ ہوا اور اُسکو دہلی کا قاضی بنادیا۔ دہلی سے شیخ ایک سفارت پر چین روانہ ہوا اور راستے میں سیلون و جاوا و سماترا کی سیر کرتا ہوا گیا اور بعد وطن پہونچنے کے بھی جب تسکین نہ ہوئی تو دوبارہ روانہ ہوکر خطرات اور مصائب سے بھرا ہوا سفر وسط افریقیہ کا کیا۔

جس زمانے میں شیخ کی سیاحت شروع ہوئی اُسوقت اسلام کا جھنڈا کل دریافت شدہ دنیا پر لہرا رہا تھا۔ ایشیا میں فارس۔ عرب اور ہندوستان پر مسلمان قابض اور حاکم تھے اور اسلام چین کی جانب تیزی سے بڑھ رہا تھا کل دریافت شدہ افریقیہ سلاطین اسلام کے زیر حکومت تھا۔ جہاں روشن دماغ عرب نجوی ذکیمیاگر جدید سائنس کی بنیاد رکھ رہے تھے۔ یورپ بھی اسلام کا لوہا مانتے ہوئے تھا

جنگ صلیب کی سر توڑ شکست ابھی اسکی آنکھوں کے سامنے ایک مہیب شکل میں پھر رہی تھی اور ترکی سپاہ اس کا شکار کرنیکے لیے ایک شکاری باز کیطرح منڈلا رہی تھی۔ جنوبی روس تو اسوقت بھی ایک مسلمان اُزبک خاں کے قبضے میں تھا اور پوپ اور اٹلی کی کل ریاستیں اسکو مڈیٹرینین کے قبضے سے باز رکھنے کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کر رہی تھیں۔

شیخ ابن بطوطہ طنجہ سے روانہ ہو کر طرابلس۔ قاہرہ۔ اسکندریہ وغیرہ ہوتا ہوا یروشلم پہونچا اور بیت المقدس کی زیارت کرتا ہوا اور دیگر اولیاء اللہ کی قبروں پر فاتحہ پڑھتا ہوا اپنے دلی مقصد کے حصول کے لیے جانب بیت اللہ چلا اور راہ میں منجملہ اور مقدس مقامات کے مشہد علی کرم اللہ وجہہ پر بھی حاضر ہوا۔ شیخ کا بیان ہے کہ اس جگہ کا باغ کرامتوں کے لیے مشہور ہے منجملہ اور کرامات کے ایک لیل المحیا ہے۔ ماہ رجب کی ستر ہویں تاریخ درماندگان و اپاہج دنیا کے ہر چہار جانب سے آکر جمع ہوتے ہیں اور شام کے بعد مزار مبارک کے قریب بٹھائے جاتے ہیں جہاں وہ قران مجید پڑھتے ہیں دعائیں مانگتے اور سربسجود ہوتے ہیں اور راتوں رات وہ سب تندرست ہو جاتے ہیں اگرچہ یہ کرامت شیخ نے بچشم خود نہیں دیکھی۔ لیکن اکثر ایسے بزرگوں نے اس کی تائید کی جن کی صداقت پر شیخ کو کامل یقین تھا اور جن کے بیان کو مثل اپنے مشاہدہ کے خیال کرتا ہے۔ بعد الفراغ حج بیت اللہ شیخ فارس کو روانہ ہوا اور شیراز۔ اصفہان وغیرہ ہوتا ہوا بغداد کو واپس آیا۔ یہاں سے شیخ نے دوبارہ حج کا ارادہ کیا اور اس بار تین سال تک مکہ معظمہ میں مقیم رہا۔ اور پھر وہاں سے عدن ہوتا ہوا افریقہ کے مشرقی ساحل پر پہونچا اور ممباسہ اور زنجبار کی سیر کی منجملہ اور دلچسپ حالات کے جو شیخ نے لکھے ہیں شہر زبید کی بھی ایک کرامت بیان کی ہے۔ شیخ لکھتا ہے "یہاں سے میں شہر زبید کو گیا ...... اسکے گرد و نواح میں ایک گاؤں ہے جہاں الولی الصالح احمد بن الجلیل الیمنی کی قبر ہے زبید کے طبیبوں نے مجھے ان کی ایک کرامت سنائی ہے جو یہ ہے۔ زیدیہ فرقے کے طبیب اور رئیس شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے شیخ حجرے کے باہر بیٹھے تھے وہ لوگ بھی سلام کر کے جا بیٹھے شیخ اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔ باتوں باتوں میں تقدیر کا مسئلہ چھڑ گیا۔ زیدیہ

فرقے کے لوگ کہتے تھے کہ تقدیر کچھ نہیں ہے اور ہر شخص اپنے افعال پر خود قادر ہے شیخ نے کہا
کہ اگر یہی بات ہے تو جس جگہ بیٹھے ہو وہاں سے اٹھ بیٹھو سب نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر کوئی
نہ اُٹھ سکا۔ شیخ نے اُن لوگوں کو اسی حالت میں چھوڑ دیا اور خود حجرے کے اندر چلے گئے وہ لوگ
اسیطرح دیر تک دھوپ کی گرمی میں بیٹھے جلتے رہے اور آہ وزاری کرتے رہے جب وہ اپنے
خیال سے تائب ہوئے تو شیخ نے اُنکا ہاتھ پکڑ کر اُٹھا دیا اور تنبیہ کی"

ساحل افریقہ سے روانہ ہو کر شیخ بحیرہ یمن کو روانہ ہوا اور غوطہ خوروں کو موتی نکالتے
ہوئے دیکھا جس کا حال نہایت دلچسپ پیرایہ میں شیخ نے لکھا ہے۔ وہاں سے یامہ وغیرہ ہوتا ہوا
۷۳۳ھ ہجری مطابق ۱۳۳۲ء میں مکہ معظمہ پہونچا اور سہ بارہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوا حج
کے بعد شیخ نے ہندوستان کی طرف مراجعت کا ارادہ کیا لیکن کشتی میسر نہ آنیکی وجہ سے قصد کو
ملتوی کرنا پڑا اور عیذاب کی راہ سے ہوتا ہوا جہاں شدید مصائب کا سامنا ہوا قاہرہ پہونچا اور
چند روز آرام کر کے ملک شام کو روانہ ہوا اور اُس کے بعد روس کی جانب قدم بڑھایا اس
سفر میں پھر شدید مصائب پیش آئے اور ڈوبتے ڈوبتے بچا۔ بالآخر سلطان محمد اُذبک خاں کی
عملداری میں جو دریائے والگا کے کنارے پر تھا پہونچا۔ شیخ نے یہاں دیکھا کہ پردہ کی بالکل
رسم نہ تھی اور خواتین کی بیحد عزت کیجاتی تھی یہاں پر رمضان المبارک میں پہونچا اور شیخ کو یہاں
کی کوتاہ راتوں سے بیحد تعجب ہوا وہ تہجد کی نماز ادا نہ کر پاتا تھا کہ دن نکل آتا تھا۔ یہاں بادشاہ
کے ہمراہ شیخ نے استرخاں کا سفر کیا۔ بادشاہ کی ایک عیسائی ملکہ جو قسطنطنیہ کی ایک شاہزادی تھی
اپنے وطن جا رہی تھی۔ شیخ بھی اُس کے ہمرکاب قسطنطنیہ آیا قسطنطنیہ کے بادشاہ یعنی ملکہ کے باپ
اینڈرا نیکس اول نے شیخ کی بیحد خاطر و مدارات کی اور اُس کے سفر کے حالات نہایت
دلچسپی سے سُنے قسطنطنیہ کے حالات شیخ نے نہایت پرلطف طریقے سے لکھے ہیں۔ عیسائی
گرجاؤں اور کلیساؤں کے گھنٹوں کی آواز شیخ کو بہت بُری معلوم ہوتی تھی بیچارے شیخ کو کیا
خبر تھی کہ ایک صدی کے بعد یہ عالیشان شہر اُسی کے بھائیوں کے قبضے میں ہوگا۔ اور یہاں

بیخ وقتہ اذان گونجا کرتی۔

قسطنطنیہ سے شیخ نے ہندوستان کا عزم کیا اور ایک قافلہ میں شامل ہوگیا جو براہ خشکی بلخ و درہ کابل ہوکر ہندوستان کو آتا تھا اور ہندوکش ہوتا ہوا بعد شدید مصائب کے ۷۳۴ھ مطابق ۱۳۳۳ء میں ملک پنجاب پہونچا۔ شیخ اس پہاڑ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرتا ہے کہ جو غلام کہ مغل فاتح ہندوستان سے گرفتار کرکے لیجاتے تھے وہ شدت سردی سے اس پہاڑ پر فوت ہوجاتے تھے محمد تغلق شاہ ہندوستان نے شیخ کی نہایت خاطر و تواضع کی اور بارہ ہزار روپیہ سالانہ پر انکو دھلی کا قاضی مقرر کیا۔ شیخ دھلی میں آٹھ سال تک مقیم رہا اور منجملہ اور باتوں کے یہاں کے جوگیوں کے حرکات سے بیحد متحیر ہوا۔ شیخ لکھتا ہی

"ایک دفعہ میں بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا کہ دو جوگی آئے۔ بادشاہ اُنسے نہایت اخلاق سے پیش آیا اور میری طرف اشارا کرکے کہا کہ یہ مسافر ہے اسے کوئی عجیب کرتب دکھاؤ۔ اس پر ان میں سے ایک جوگی شش گوشہ شکل بنگیا اور ہمارے سروں پر پھیل گیا۔ دوسرے جوگی نے ایک صندل کے ٹکڑے کو زمین پر مارا وہ ٹکڑا بھی اسیطرح کی ایک شکل بنگیا اور ہوا میں معلق ہوگیا"۔ چونکہ ایک جگہ شیخ کو زیادہ عرصہ تک رہنا ناگوار تھا وہ ایک سفارت پر ۷۴۳ھ مطابق ۱۳۴۲ء میں چین روانہ ہوا۔ لیکن اثنار راہ میں سخت مصائب کا مقابلہ ہوا اور کالیکٹ سے روانہ ہوتے ہی وہ کشتی جس میں بادشاہ چین کے واسطے تحفے تحائف رکھے تھے ڈوب گئی۔ دھلی جانا مناسب نہ خیال کرکے شیخ جزیرہ مالادیپ کو چلا گیا یہاں ایک سال قیام کیا اور یہاں کا قاضی مقرر ہوا۔ اسکے بعد سیلون کو مراجعت کی۔ یہاں حضرت آدمؑ کا نقش قدم دیکھا اور نہایت دشوار گذار راستے سے چڑھکر یہاں کے پہاڑوں کا ملاحظہ کیا۔

سیلون سے روانہ ہوکر وہ جنوبی ہندوستان آیا اور تدیورا میں مقیم ہوکر چٹگانگ گیا اور وہاں سے چین کو روانہ ہوا۔ راستے میں چند روز سماترا میں قیام کیا۔ چین میں چنگیز خاں کی اولاد میں سے ایک بادشاہ حکمراں تھا شیخ کو یہاں کی دستکاری اور صنعت دیکھکر حیرت ہوئی۔ اور اُنکی چینی مٹی کے کام کو بہت پسند کیا۔ اُن کی مصوری سے بھی شیخ نہایت متعجب ہوا۔

شیخ لکھتا ہے "مجھے اور میرے ہمراہیوں کو شہر میں آئے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی

کہ دیکھا کہ ہماری سب کی تصویریں کوچوں اور بازاروں میں لگی ہوئی ہیں جو مسافر آتا ہے اُس کی تصویر اسیطرح فوراً کھینچ لیجاتی ہے۔"

چین سے شیخ نے وطن کی جانب مراجعت کی اور عرب ہوتا ہوا اور حج بیت اللہ چوتھی بار کرتا ہوا ۷۵۶ھ مطابق ۱۳۵۴ء میں وطن پہونچ گیا۔ اور اصل لطف حب الوطن از ملک سلیمان خوشتر کا اُٹھایا۔ شعر

خزین از پائے رہ پیما بسے سرگشتگی دیدم
سر شوریدہ بر بالین آسائش رسید اینجا

باوجود اُس مردانہ اور سخت زندگی کے جیسی کہ شیخ کی رہی بعد واپسی وطن کے بھی شیخ بیس سال اور زندہ رہا اور تہتر سال کی عمر میں اس جہان فانی کو خیرباد کہکر چلدیا۔ اسوقت تک ایسا کوئی دوسرا شخص نہیں ہوا جو اُس سے زیادہ حق سردار یا ملک السیاحان کہلائے جانیکا رکھتا ہو۔

سعید محمد خان - ایڈ

ایک خط

ذیل میں ہم مسٹر محفوظ کے ایک خط کا اقتباس درج کرتے ہین جو شوکت علی صاحب کے نام تھا اس کا مطالعہ اولڈ بوائز کے لیے دلچسپی سے خالی نہو گا۔ ایڈیٹر

جناب من۔ تسلیم

آپکا خط نمبری ۳۵ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۱۲ء مع روداد جلسہ سال حال کل شام کو ملا اور آج صبح لفافہ وی پی۔ کا بھی وصول پایا چندہ مطلوبہ بھیجدیا۔

یہ سنکر اطمینان ہوا کہ اب ایسوسی ایشن کا کام اچھا چلیگا۔ جتنے اولڈ بوائز مجھے ملیں گے اُنکی فہرست وقتاً فوقتاً انشاء اللہ میں بھیجتا رہونگا۔ مگر اس وقت دو اسامیوں کا نام تبلاتا ہوں

جن پر سخت وارنٹ جاری کرنے کی ضرورت ہے۔ اوّل سید صالح حسین صاحب ساکن محلہ دیہیاون
شہر چھپرہ۔ یہ حضرت سن وسال میں ماشاء اللہ اچھے خاصے ہیں مگر تھوڑے ہی دن پہلے کورٹ آف
وارڈس میں نابالغ تھے مگر اب بپر نابالغیت کے حافظے سے نکلکر جوان ہوئے ہیں اور کچھ ہی عرصہ
ہوا کہ گھر میں سہاگن دولہن صاحبہ آئیں اور سُنا جاتا ہے کہ عمرش دراز باد ایک بچہ بھی ہوا ہے مگر
میرے کرمفرما دوست بالکل ہی "جوان صالح" اسم بامسمیٰ صوم وصلوٰہ کے پابند ہیں۔ علیگڈہ میں چند
سال ہوئے بی اے میں پڑھتے تھے مگر مجھ سے فرماتے ہیں کہ علیگڈہ ایسی جگہ کی آب و ہوا
اُن کی صحت کے لیے مضر ثابت ہوئی اور چھپرہ کی مفید۔ یہاں کے ایک بڑے رئیس گھر کے
صاحبزادہ ہیں اور اب خود مختار بھی ہیں۔ اگر اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے ممبر نہوں تو اُنکو ضرور ممبر
بنایا جائے۔ اور ماہوار چندہ کی رقم کی تعداد سے جو وہ از خود دینے پر راضی ہوں مجھے مطلع کیا
جائے تاکہ میں اپنی واقفیت سے موازنہ کردوں۔

دوسرے صاحب اُن سے بھی بزرگ ہیں۔ اُنہوں نے علیگڈہ میں صرف بی اے میں پڑھا
ہی نہیں ہے بلکہ وہاں سے دو تین سال ہوئے بی اے پاس بھی کیا ہے۔ مگر اپنے کو "علیگ"
لکھنے اور کہنے سے ذرا پرہیز کرتے ہیں۔ اس میں اُن کی کوئی پولٹیکل مصلحت معلوم ہوتی ہے۔
کیونکہ اُن کا کوئی فعل حکمت عملی اور تدبر سے خالی نہیں ہوتا۔ اور وہ ذخیرۂ معلومات بھی ہیں۔
کوئی مسئلہ خصوصاً جسکو حساب اور تعداد سے تعلق ہو ایسا نہیں ہوتا جس میں ہملوگ اُنکو انسائکلو
پیڈیا یا قاموس کی طرح نہ ڈہونڈھتے ہوں اور خدا کے فضل سے جسامت اور وزن میں بھی
انسائکلوپیڈیا (مگر گزشتہ اولڈ ایڈیشن) سے کچھ زیادہ ہی ہونگے جب سے انسائیکلوپیڈیا کا
نیا گیارہواں ایڈیشن شائع ہوا ہے (جس میں علاوہ اور خصوصیتوں کے سب سے بڑی تعریف
یہ ہے کہ "انڈین پیپر" پر چھاپنے سے اُس کا وزن بہت کم ہوگیا ہے) اُس وقت سے
آپ بھی ہمہ تن اپنا وزن گھٹانے کی فکر میں رہتے ہیں آپ بے دودہ اور شکر کے چاء پیتے ہیں
اور ناشتہ میں بسکٹ نہیں چہوتے۔ اور مجھ سے ایک روز فرمانے لگے کہ آج کل وزن کم کرنے

کے لیے چھ میل ٹہلتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت "موٹل"! یہ تو فرمایئے کہ اسقدر جبتہ لیکر آپ کس سمت کو روزانہ چھ میل جاتے ہیں۔ اُنہوں نے برجستہ کہا کہ اپنے سائبان میں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کسقدر لانبا سائبان عوج بن عنق کے لیٹنے کا ہے جہاں اسقدر سیر و تفریح کی گنجایش ہی مگر میں عرض کرچکا ہوں کہ حساب اور شمار کرنے میں وہ طاق ہیں۔ اُس تین چار در کے سائبان کی لمبائی کو اپنے چکروں کے تعداد سے ضرب دیکر چھ میل فوراً پورے کر دیئے۔ اسی وزن گھٹانے کے لیے کچہری کا کام بھی آجکل بڑی محنت اور مشقت سے کرتے ہیں۔ آپ چھپرہ میں ڈپٹی کلکٹر ہیں۔ بڑے دبیز دبیز رجسٹروں پر ڈھائی تین گھنٹے تک روزانہ بہت کوشش کے ساتھ دستخط کرتے ہیں اور اگر پیشکار سے ذرا بھی غفلت اور تساہلی ہو جاتی ہی تو بہت محنت اور جانفشانی سے اُسکو ڈانٹتے ہیں میں نے اتفاق سے ایک روز اُنکو بہت زور سے ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے دیکھا۔ میرے پوچھنے پر بولے کہ "دیکھو میں کسقدر محنت کرتا ہوں"! الغرض اپنے محنت کی دھن میں اور وزن گھٹانے کے تردد میں میرے مکرم دوست مولوی احمد حسین صاحب (عرف در کالج "مولانا") نہ اولڈ بوائے خریدتے اور نہ اپنے ایسوسی ایشن کی طرف پوری توجہ فرما سکتے ہیں۔

دسمبر تک ممبری کا چندہ دیچکا۔ آیندہ جنوری سے بحساب دو روپیہ آٹھ آنے (عہ۲) ماہوار طلب کیا کیجیے۔

آپکا مخلص سید محفوظ

مسٹر غلام پنجتن کی ایک غزل ہمکو دستیاب ہوئی ہی جو ۱۹۰۸ء میں کالج کے مشاعرہ میں پڑھی گئی تھی۔ طرح کا مصرع تو یہ تھا ع آہ ہو گی تو بے اثر ہو گی۔ مگر غزل جو ہم درج کرتے ہیں

وہ بھی طرحی ہے۔

غزل

وہ اگر موت کے آثار بنے بیٹھے ہیں	ہم بھی دروازے پہ دیوار بنے بیٹھے ہیں
حکم غیروں ہی کا چلتا ہے وہی حاکم ہیں	آپ تو نام کے سرکار بنے بیٹھے ہیں
وہی زہاد نکالے ہوئے میخانے کے	مجلس وعظ میں دیندار بنے بیٹھے ہیں
بتکدے میں نظر آیا ہمیں محراب حرم	کشتۂ ابروئے خمدار بنے بیٹھے ہیں
تم دریار پہ غیروں کو نہ چھیڑ و شمشاد	کاٹ کھائینگے سگ یار بنے بیٹھے ہیں

اس مشاعرہ کے سکرٹری صغیر علی صاحب بی اے تھے جو اب اندور کالج میں پروفیسر ہیں۔ شرکاء مشاعرہ میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ قمر احمد صاحب قمر۔ عبد الباقی صاحب باقی۔ محمد فاروق صاحب دیوانہ۔ عابد حسین صاحب فریدی۔ منظور احمد خاں صاحب۔ ان میں سے آخر الذکر صاحب تو شعر کہتے تھے وہ کالج میں برسر ہو گئے اور عبد الباقی صاحب لکھنؤ کی امین آباد پارک میں بہ صیغہ تجارت مامور ہیں۔ قمر احمد صاحب خدا جانے کہاں ہیں البتہ کبھی کبھی اخبار مشرق کے ذریعہ سے حسب قاعدہ مستمرہ گورنمنٹ اور پبلک کو کسی نہ کسی نئی بات کیطرف متوجہ کرتے رہتے ہیں۔ لبقیہ دو صاحب ہنوز طالب علمی کے شکنجہ سے آزاد نہیں ہوئے ہیں۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ شرکاء مشاعرہ میں سے اگر کسی صاحب کے پاس طرحی غزلیں موجود ہونگی تو ہمیں بھیجکر ممنون فرمائیں گے۔

مولوی امداد امام صاحب آثر عظیم آبادی کے نام سے کون شخص واقف نہیں ہو گا۔ آپ کی اولاد ظاہری (مسٹر علی امام صاحب اور مسٹر حسن امام صاحب) اور اولاد معنوی دونوں نے آپکی زندگی میں اتنی شہرت حاصل کرلی ہے جو محتاج بیان نہیں۔ یوں تو آپکے اشعار مختلف پرچوں اور رسالوں کے ذریعہ سے شائع ہوتے رہتے ہیں اور پبلک کو آپکے مذاق سخن سے کافی

واقفیت ہے۔ مگر ذیل میں ہم ایک غزل کے چند اشعار درج کرتے ہیں جو تفنن طبع کے طور پر ایک بنگالی بھاشا کی زبان سے ادا کئے گئے ہیں۔ ناظرین پڑھتے وقت صحیح بنگالی تلفظ کا خیال رکھینگے

غزل

درکھت (درخت) کے نیچے بیٹھ کے کولکی (حقہ نارگیلی) چوپتے ہیں + اظہور میاں مولوی ہیں اور بی اے ہیں

او باپ رسے جو گورمی اس دیش میں گرتا + یاں اپونکھا (اظہار پنکھا) دن رات کلی لوگ گئے ہیں

کیا واک کرے خاک کوئی (گرمی) ایسا سٹرک پر + جو گرد ہے کس طرح یہاں لوگ جئے ہیں

ہم بونده لوگ آئے ہیں یاں کولکتہ سے + آنے کو تو آیا ہوں مگر جان دیئے ہیں

ہم لوڑنا (بندہ، کلکتہ) سکتے نہیں تو لوار دتو بر سے + کاغوز میں البتہ بہت شور کئے ہیں

جب سے کہ چھٹا شوم (لڑنا، شیام) نگر ہے۔ رسے تبسیج الدین (تلوار، اے رمز الدین) + ہم کھون جگرا دنپا (کاغذ یعنی اخبار، خون اپنا) دن رات پئے ہیں

ہم سے ایک صاحب دریافت فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل وجوہ میں سے مسٹر راس مسعود کی وجہ تسمیہ کونسی ہے۔

(۱) سر سید علیہ الرحمۃ کے نام کے شروع میں ہمیشہ لفظ "سر" کا استعمال ہوتا رہا ہے اور سر کو عربی میں راس کہتے ہیں لہذا یہ لفظ آپکے نام کے شروع میں بھی ملحق کر دیا گیا۔

(۲) راس، ہندی میں برج اور لگن یعنی طالع کو بھی کہتے ہیں اور مسعود کے معنی ہیں، نیک پس اس نام سے آپ کا نیک طالع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۳) کوئی بات جو موافق مقصد ہوتی ہے اُسے اُردو میں کہتے ہیں کہ فلاں بات راس آئی یعنی سازگار ہوئی۔ اور مسعود کے بھی یہی معنی ہیں۔ اس طرح پر آپکے نام کے ہر دو جز کے ایک ہی معنی ہیں اور آپ گویا مسعود در مسعود یعنی مسعود اسکوئر ہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے ناظرین میں سے جو صاحب وجہ تحقیق پر فائز ہوں راس مسعود صاحب کی وجہ تسمیہ بیان فرما کر سائل کی تشفی فرمائینگے۔

ریویو

عقلیت اور اسلام

ظریف محمد صاحب جو اب بہ ترکیب مقلوب اپنے کو محمد ظریف لکھتے ہیں ہمارے کالج کے پرانے طالب علم ہیں۔ زمانہ طالب علمی ہی میں اپنے فلسفیانہ مذاق کی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ گریجوئٹ ہونے کے بعد کچھ دنوں اسی کالج میں پروفیسر رہے اور آجکل کلکتہ میں گورنمنٹ ریکارڈ آفس میں ملازم ہیں۔ حال میں ہمارے کرمفرما نے ایک کتاب موسوم بہ "عقلیت اور اسلام" لکھی ہے جس کی ایک کاپی اسوقت ہماری پیش نظر ہے، اس کتاب میں لایق مصنف نے تمام مذہبی عقائد کو توہمات قرار دیکر اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کی ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مذہب کے قیود سے آزاد ہو جائیں۔ اگرچہ کتاب میں کسی جگہ یہ دعویٰ ثابت نہیں کیا گیا ہے اور نہ مصنف کی جانب سے صاف لفظوں میں اس تصنیف کا یہ موضوع ہی قرار دیا گیا ہے مگر زمانہ سلف کے ملاحدہ اور معتزلہ کے حالات جس تمہید کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں اس کا مقصد صرف یہی ایک معلوم ہوتا ہے۔ یہ امر کہ مذہب کی پابندی مسلمانوں کے لیے ضروری اور مفید ہے یا غیر ضروری اور مضر ہے ایک طویل بحث چاہتی ہے جس پر شاید آیندہ ہم کچھ لکھ سکیں۔ اس وقت صرف اسقدر بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جو طرز تحریر ظریف صاحب نے اختیار کیا ہے وہ خود اُن کے موضوع کے مخالف ہے اور جو مثالیں اُنھوں نے پیش کی ہیں اُن میں خود توہمات کا شائبہ پایا جاتا ہے جو کسی فلسفی کے نزدیک ہرگز قابل ستائش نہیں۔ کیا اکبر کا عقائد اسلام سے منحرف ہونا اور سورج کی پرستش کرنا اور جہانگیر کا محض علما، اسلام کی ضد میں سوّر کو اپنے دربار میں رکھنا اس بات کا ثبوت نہیں دیتا کہ یہ لوگ نفس کے گمراہ کئے ہوئے تھے۔ اور اگر اعتزال کا یہی معیار ہے تو ہمیں

ظریف صاحب کے فلسفیانہ مذاق کی صحت میں بھی شبہ ہے ؎

اگر الحاد ہمین ہست کہ داری تو ظریف

ولے گر در پس امروز بود فردا ئے

کتاب کی ابتدا خدا اور حشر و نشر وغیرہ کے انکار سے کی گئی ہے اور خاتمہ علی گڑھ کالج کے قیام و بقا کی دعا پر ہے۔ اس پر ہمیں ایک قصہ یاد آیا۔ دو صوفیوں میں کسی بات پر ناراضگی ہوگئی ایک نے دوسرے کو بد دعا دی کہ تیری اولاد شراب خوار ہوگی۔ دوسرے نے جواب دیا کہ ہاں ہوگی تو مگر مرتے مرتے سب سیف زبان ہو جائینگے۔ کتاب کا خاتمہ دیکھکر ہمکو یقین ہوا کہ ظریف صاحب کو ابھی اپنے کالج سے وہی تعلق باقی ہے جو بیاں کے ایک اولڈ بوائے کو ہونا چاہئے اور کیا عجب ہے کہ اسی تعلق سے وہ راہ اعتزال سے پھر جادۂ اعتدال (اسلام) کی طرف رجوع کریں۔ آمین۔ آخر میں ہم اس تصنیف کے متعلق اپنے عنایت فرما سے صرف اسقدر اور کہدینا چاہتے ہیں کہ

دولت بہ غلط نبود از سعی پشیمان شو

کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو

تطبیق مذہب و سائنس

یہ کتاب امریکہ کے مشہور مصنف آرلینڈ ڈی جے سمتھ کی تصنیف ہے جس میں فاضل مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ جس طرح سائنس کے تمام مسائل ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہیں اسیطرح تمام مذہبی مسائل بھی ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ تمام مذہبی عقائد کی اگر جانچ کیجائے تو انکی بنیاد صرف تین اعتقادات پر پائی جاتی ہے۔ (۱) سزا و جزا (۲) بقائے روح۔ (۳) ذات واجب الوجود

یہ تینوں مسائل نظر تعمق سے دیکھنے کے بعد صرف ایک اعتقاد پر مبنی معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ "انسان کو اپنے افعال کے نتائج بھگتنا لازمی ہیں" اور یہ سائنس کا وہی مسئلہ ہے کہ "ہر سبب کے لیے نتیجے کا پیدا ہونا لازمی ہے" جس پر تمام فلسفیانہ خیالات کی بنیاد ہے۔ اس طور پر جو شخص سائنس اور مذہب کے تمام مسائل کو غور سے مطالعہ کریگا تو اُس پر ثابت ہو جائیگا کہ مذہب اور سائنس دونوں کی بنیاد ایک ہی اصول پر رکھی گئی ہے، فرق صرف اسقدر ہے کہ ایک "روحانی افعال" سے بحث کرتا ہے اور دوسرا طبعی افعال سے جو ظاہری تباین ہمکو مذہبی اور فلسفیانہ مسائل میں نظر آتا ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ دونوں کے موضوع جداگانہ ہیں ورنہ "دونوں کے احکام باہم موافق ہیں۔ دونوں ایک ہی اصول کی تفسیریں ہیں اور وہ اصول یہ ہے کہ اسباب کے نتائج ضرور ہوتے ہیں اور ہر نتیجہ ایک واقعہ ماقبل کا معاوضہ ہوتا ہے"

ہماری رائے میں یہ کتاب اگرچہ کسی خاص مذہب سے تعلق نہیں رکھتی اور عام مسائل سے بحث کرتی ہے، لیکن اس کی اہمیت ہماری نظروں میں بہت زیادہ اسلیے ہے کہ اُسے دیکھکر ہمکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فی زماننا مذہب کو جو سائنس کے حملے کا خوف پیدا ہو رہا ہے اُس کی کسقدر اہلیت ہے اور اُس کی مدافعت کی کیا صورتیں ممکن ہیں۔ جو اصحاب علم کلام سے مذاق رکھتے ہوں وہ ضرور اسے پڑھیں۔ اس کتاب کا ترجمہ منشی محمد عبداللہ صاحب نے کیا ہے اور خادم التعلیم پریس میں چھپی ہے شرکت ادبیہ امرتسر سے ساڑھے تین آنے (۳؍) میں ملسکتی ہے۔

اولڈ بوائز

غلام مولیٰ صاحب نے کلکتہ کے اولڈ بوائز کے جو حالات لکھے تھے اُس کا طرز بیان بالکل انوکھا اور بہت ہی دلکش تھا اسے دیکھکر ہمارے بارہ بنکی کے وقائع نگار کے دل میں بھی

ولولہ پیدا ہوا طرز تحریر اور زور قلم سے ہم پہلے ہی سے آشنا تھے ۱۹۰۴ء کے خطابات جن اصحاب کی نظر سے گذرے ہونگے وہ بخوبی جانتے ہونگے کہ آپ میں کہاں تک لوگوں کی پر مذاق تصویر کھینچنے کا خداداد ملکہ ہے۔ بھوق کلب کی تاریخ اولڈ بوائے میں آپ ہی کی روانی قلم کا نتیجہ تھی۔ اس تاریخ بارہ بنکی نے آپکے نتائج طبع میں ایک اور اضافہ کر دیا۔ ہم بھائی بھوق کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر وہ "اولڈ بوائے" میں اسی طرح وقتاً فوقتاً مضمون لکھتے رہے تو اُنکے سوانح نگار کی مشکلات بہ آسانی اس دفتر سے حل ہوسکیں گے اور کیا عجب کہ ہم خود ہی کچھ دنوں کے بعد اُنکی سوانح نگاری کی خدمت کو انجام دیکر اُنکے رنج و افکار کو رفع کر سکیں۔

شوکت علی صاحب نے غلام مولیٰ صاحب سے مضمون لکھنے کی فرمایش کی تھی جس کے جواب میں آپ نے حسب ذیل رباعی بھیجی ہے جس کا حق تصنیف غالباً میرزا غالب مرحوم سے آپ نے اپنے نام منتقل کرا لیا تھا ؎

شوکت کی ڈپٹ سے کانپ جاتا ہے دل — سمجھا ہے مجھے عبث ادیب کامل
مضمون لکھنے کی کرتے ہیں فرمایش — گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل

ہمیں چوتھے مصرعہ کے حصہ اولیٰ سے اختلاف ہے۔

گزشتہ مہینے میں ہمیں کئی ایک اولڈ بوائز کی شادیوں کی خبریں موصول ہوئیں جن میں محمد یحییٰ صاحب تنہا (وائس پریسیڈنٹ بھیا سوسائٹی) سے لیکر بشیر احمد صاحب (چھوٹے میاں بشیر۔ اٹاوہ) تک ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ شامل ہیں مسٹر آفتاب عمر، عزیز الدین صاحب بلگرامی کلب عباس صاحب۔ ہم ان تمام احباب کو مبارکباد دیتے ہیں اور محمد یحییٰ صاحب کی توجہ خصوصیت کیساتھ دو اُمور کی جانب مبذول کرنا چاہتے ہیں۔ اول یہ کہ آفتاب عمر صاحب اس موقعے پر بھی اپنی چھیڑ سے باز نہ رہے اور دوسرے یہ کہ اب تنہائی کا لطف جاتا رہا لہذا

تخلص بدل دینا چاہئے۔

بھائی آفتاب عمر صاحب کی شادی کے موقعے پر محمد ابو بکر خاں صاحب رئیس وادون نے حسب ذیل تاریخ لکھی تھی۔

این نکاح عظیم و پر شوکت بادبر اقربا در نعمت
ہاتف غیب بہر تاریخش گفت معیار گلشن راحت

ہمیں یقین واثق ہے کہ رنج اضطراب کے بعد اس راحت سکون کی بھائی آفتاب دل سے قدر کرینگے۔

دہلی دربار کے موقعے پر عمدہ خدمات انجام دینے کے صلے میں مسٹر عبداللطیف لاہور کے اسسٹنٹ انجنیر مقرر ہوئے ہیں۔ رڑکی کالج سے حال ہی میں آپ نے اسسٹنٹ انجنیری کا امتحان پاس کیا ہے۔

کامریڈ جو مسلمانون کا اخبار مگر ہندوستان کی آب و ہوا میں اُس کی نشو و نما ہوئی ہے۔ لہذا یہ قاعدہ تناسخ کلکتہ سے چولا بدلکر دہلی میں اُس نے دوبارہ جنم لیا ہے۔ ذکر الرحمن صاحب نے اس تقریب میں ایک دعوت بھی دی جس میں مسٹر محمد علی کا تعارف دہلی کے احباب سے کرایا گیا۔

دہلی آنیکے بعد مسٹر محمد علی نے جو خدمات انجام دیئے ہیں وہ ہر پہلو سے قابل ستائش ہیں۔ جنگ بلقان کے مجروحین اور شہدا کے ورثا کی امداد کے لیے جو چندہ کامریڈ کے ذریعہ سے اتبک ہوا ہے اُس کا تخمینہ ایک لاکھ سے اوپر کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر انصاری صاحب کے

علمی مشن کے سب سے بڑے معاون آپ بھی ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں مسٹر محمد علی کے ہاتھ سے اس سے بھی زیادہ اہم اور مفید قومی کام انجام پائیں۔

سید آلِ رضا صاحب سب جج برار کے خدمات ریزیڈنسی حیدرآباد کو منتقل ہوئے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ ریزیڈنسی اس مفید اضافہ کی دل سے قدر کرے گی۔

سید خورشید نقی صاحب بہاری، ایم اے اور صنعتی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ولایت تشریف لے گئے ہیں۔

شاہ عترت حسین صاحب نے بنارس میں ایک کمپنی مسلم بون کمپنی بنارس، کے نام سے قایم کی ہے جس کے وہ سکرٹری اور مشیر قانون بھی ہیں۔ جو اولڈ بوائز تجارت کا مذاق رکھتے ہوں وہ شاہ صاحب سے بنارس کے پتہ پر خط و کتابت کریں۔

مسٹر خواجہ غلام الثقلین صاحب آخر کار اس مرتبہ صوبجات متحدہ کی کونسل میں منتخب ہوی گئے اور یہ بہترین انتخاب ہے جو حلقۂ آگرہ دیرینہ کی جانب سے کیا جاسکتا تھا۔ روہیلکھنڈ سے مسٹر سید رضا علی صاحب اور الہ آباد سے مسٹر سید عبد الرؤف صاحب کا انتخاب بھی ہمارے لیے کچھ کم مسرت بخش نہیں ہے۔ ہم ان تینوں دوستوں کو مبارک باد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ کونسل کے اندر قومی خدمات میں مادر کالج کے بہترین فرزند ثابت ہونگے۔

سر سید، مسٹر محمود، نواب محسن الملک بہادر اور انور پاشا کی تصویریں دفتر اولڈ بوائے سے طلب فرمائیے۔

کالج کی خبریں

آٹھ سال کے بعد خواجہ غلام الثقلین صاحب کے دل میں ایک بار پھر کالج کی یاد تازہ ہوئی اور اُنھوں نے مناسب سمجھا کہ جو کچھ نئے تجربے اُنھیں بلاد اسلامیہ کے سفر سے حاصل ہوئے ہیں اُس سے موجودہ طلبہ کی واقفیت میں اضافہ فرمائیں۔ ۷، اکتوبر کو شب کے آٹھ بجے اُن کی زیر صدارت ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جلسے کی غرض تو صرف یہ بتائی گئی تھی کہ شوکت علی صاحب اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی ذہن میں کچھ الاپینگے یعنی تقریر فرمائیں گے مگر خواجہ صاحب کے لئے یہ محدود دائرہ کہاں کافی ہو سکتا تھا چنانچہ اُنھوں نے بہ حیثیت پریسیڈنٹ کے جو تقریر کی اُس میں ہندوستان سے لیکر مراکو تک تمام اسلامی دنیا کی موجودہ حالت اور اُن کے مستقبل سے بحث کر ڈالی، طلبہ نے اس تمام تقریر کو نہایت دلچسپی کے ساتھ سُنا اور کمروں کو واپس جاتے ہوئے معلومات کا عمدہ ذخیرہ ساتھ لیتے گئے یقین ہے کہ وہ رائگاں نجانے دینگے۔

مسٹر شوکت علی صاحب بھی اپنے مقصد میں ناکامیاب نہیں رہے۔ اُن کی اس اپیل پر کہ موجودہ طلبہ اُن اولڈ بوائز کا پتہ تبلائیں جن کے نام ابھی درج رجسٹر نہیں ہوئے ہیں، ہم نے صبحکو دیکھا تھا کہ سی آئی، ڈی کا پورا اسٹاف صبحکو اُن کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا جس میں کالج کے فورتھ ایر سے لیکر ظہور وارڈ کے بچوں تک ہر درجے اور ہر عمر کے طالب علم شامل تھے۔ اور اُن تمام مجرموں کے سراغ بتا رہے تھے جو ،، اولڈ بوائز ایسوسی ایشن ،، کی گورنمنٹ کا سالانہ ٹیکس ادا نہیں کرتے۔ ہم اُن حضرات کو آگاہ کئے دیتے ہیں کہ شوکت صاحب عنقریب اُن سے کل زر بقایہ مع کسیقدر جرمانے کے وصول کرنے والے ہیں، اپنی اپنی جیبوں سے ہوشیار ہو جائیں۔

۲۴ر اکتوبر کو آنریری سکرٹری صاحب کالج کے دفتر میں سنڈیکیٹ کا جلسہ ہوا۔ مقصد مختلف صیغوں کے سکرٹریوں کا انتخاب تھا۔ مگر بوجوہ چند در چند معاملات تصفیہ نہ پا سکے۔

اکتوبر کے مہینے میں کئی ایک ہاکی کے باہمی میچ ہوئے ان میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ میچ تھا جس میں کالج کی الیون اور اسٹاف کا مقابلہ تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شاگردوں نے اُستادوں سے بازی جیت لی۔ کیا خوب!

ہم اس قسم کے میچوں کو بہت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جن سے باہمی تعلقات پر عمدہ اثر پڑتا ہے۔

۶ر نومبر کی شب کو اسٹریچی ہال میں ایک جلسہ اس غرض سے منعقد کیا گیا کہ جنگ بلقان کے معاملہ میں ترکوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا جائے اور مجروحین و پس ماندگان شہدائے جنگ کی امداد کے لیے چندہ جمع کیا جائے۔ اس جلسہ کے صدر پرنسپل صاحب تھے۔ خاص چندے جن کا اعلان اس موقع پر کیا گیا وہ حسب ذیل تھے۔ آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب عـــہ نواب مزمل اللہ خاں بہادر اعـــہ نواب محمد اسحٰق خاں صاحب صما ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب صہ پرنسپل صاحب ـــہ ان اصحاب کے علاوہ تمام پروفیسروں اور اسسٹنٹ پروفیسروں نے حسب حیثیت چندے دیئے طلبا کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ پچھلے سال جنگ طرابلس شروع ہونے کے موقع پر پلاؤ زردہ اور فیرنی چھوڑ دینے سے جو رقم بچتی رہی وہ تاقیام جنگ برابر ٹرکش ریلیف فنڈ میں بھیجدیا جایا کرے اس کے علاوہ نقد چندہ جمع کرنیکے لیے ایک کمیٹی مرتب کی گئی جس میں کالج کے تقریباً تمام سینیر طلباء شامل کئے گئے۔

۸ر نومبر کی شام کو تمام طلبا دعا کی غرض سے مسجد میں جمع ہوئے جس وقت اُن کے سامنے

اسلام کی موجودہ مشکلات اور ترکوں کے مصائب بیان کئے گئے تو اُس وقت ہم نہیں کہہ سکتے لڑکوں کی کیا کیفیت ہوئی۔ کوئی طالب علم ایسا نہ تھا جو چیخیں مار کر نہ رو رہا ہو۔ سب سے زیادہ قابل رحم حالت اسکول کے چھوٹے بچوں کی تھی، وہ اگرچہ تمام معاملات کو پوری طور پر نہیں سمجھ سکتے تھے مگر یہ جانتے تھے کہ ہمکو کسی سخت ناگہانی مصیبت کا سامنا ہے۔ یہ دیکھکر کہ اُن کے بھائی جو اُن سے زیادہ سمجھ اور زیادہ عمر رکھتے ہیں جن سے وہ اپنی دلجوئی اور تشفی کی امید رکھ سکتے تھے خود بیقرار ہو رہے ہیں، اُن کے دل اور بھی پاش پاش ہوئے جاتے تھے ایسے وقت میں جب کہ لوگوں کے دل اسقدر قابو سے باہر ہوں خیال ہو سکتا تھا کہ وہ کوئی کام کی بات نہ کر سکیں گے مگر اُنھوں نے اپنے کو بخوبی سنبھالا اور اپنے فرض کو خوب سمجھا۔ تمام طلبہ نے متفق الرائے ہو کر کہا کہ ایسی حالت میں ہمپر فرض ہے کہ ہم اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد کریں۔ اگرچہ ہم ترکوں کے ساتھ اس وقت میدان جنگ میں جاکر جہاد بالسیف نہیں کر سکتے مگر اس مبارک فرض کو یہاں ادا کرنے سے ہم ہرگز قاصر نہیں ہیں۔ چنانچہ طلبہ نے یہ عہد کیا کہ تا قیام جنگ تمام اُن چیزوں سے احتراز کرینگے جو آرایش اور نمایش میں داخل ہیں۔ اسکے علاوہ روزمرہ کے کھانے میں ایک وقت گوشت نہ کھائیں گے اور اس طور پر جو کچھ بچت ہوگی وہ ترکوں کی امداد کے لئے بھیجتے رہیں گے۔ اس کے بعد طلبہ نے سونے کی انگوٹھیاں رسٹ واچ۔ زنجیریں اور اس قسم کی جسقدر نمایش کی چیزیں اُن کے پاس موجود تھیں اپنے سے جدا کر دیں جو اشیا اس طرح اکٹھا ہوئیں اُن کی تخمیناً صمار روپیہ قیمت ہوگی، اسکول کے طلبہ نے روزمرہ ناشتہ کی کل قیمت اس فنڈ میں دیدی، ماہوار بچت جو ڈائنگ ہال سے ہوگی اُس کا تخمینہ ڈھائی ہزار (۲۵۰۰) روپیہ تک کیا جاتا ہے۔

ہم اپنے بھائیوں کو اس ایثار پر مبارک باد دیتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ وہ اپنی آیندہ زندگی میں اسی قسم کے ایثار کو زیادہ وسعت دینے کی کوشش کرینگے۔

ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری کے متعلق شروع جنگ سے یہ خبر سننے میں آئی تھی کہ

وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے ایک ہی مشن مرتب کرکے ٹرکی جانیوالے ہیں۔ اسی درمیان میں آن کا خیال کافی چندہ نہ فراہم ہونے کی وجہ سے کسیقدر بدل چلا تھا، مگر یکایک ہم کو معلوم ہوا کہ وہ علیگڈہ تشریف لانیوالے ہیں اور اپنے مشن کے اغراض کو طلبہ اور کارکنان کالج کے سامنے بیان کرینگے۔

۵ار نومبر ڈاکٹر صاحب موصوف کے آنکی تاریخ مقرر تھی مگر چند وجوہ سے وہ ۱۶ر نومبر کی شام کو تشریف لائے۔ اسٹریچی ہال میں بہ صدارت پرنسپل صاحب جلسہ منعقد کیا گیا جسمیں ڈاکٹر صاحب نے اپنے طبی مشن کی ضرورت اور ضروریات بالتفصیل بیان کی اور طلبہ سے یہ درخواست کی کہ وہ عید کے موقعے پر جب اپنے اپنے مکانوں پر جائیں تو اس مشن کی اعانت کے لئے سعی کریں۔

ڈاکٹر انصاری صاحب کے اس صدائے من انصاری الی اللہ پر کالج کے تمام طلبہ نے نحن انصار اللہ کہا اور عملاً ثابت کردکھایا۔ چنانچہ بالاتفاق یہ طے پایا کہ جسقدر روپیہ ابتک جمع ہوا ہے اور جو کچھ آیندہ اُن کا چندہ ہوگا وہ سب اس مد میں دیدیا جائے اس کے علاوہ طلبا نے وعدہ کیا ہے کہ اور جس قدر چندہ وہ عید کے موقع پر یا بڑے دن کی تعطیلوں میں جمع کرسکیں گے وہ سب اس کارخیر میں دینگے۔

خداوند کریم ڈاکٹر صاحب کے اس نیک ارادے کو پورا کرے۔ اور انھیں جزائے خیر عطا کرے۔ اللھم انصر من نصر الدین محمد "

ڈاکٹر انصاری صاحب کے ساتھ جانیوالوں میں ایک خاصی تعداد ہمارے کالج کے تربیت یافتہ اصحاب کی ہے، کون شخص ہوگا جو عبدالرحمن صاحب سندھی کے نام سے ناواقف ہوگا کالج میں ماشاء اللہ جب تک رہے بہت ہی ہر دلعزیز رہے یونین میں وائس پریسیڈنٹ بھی رہ چکے ہیں۔ پچھلے سال "کامریڈ" کے منیجر تھے اور بذریعہ فوٹو کے قسطنطنیہ تک روشناس

بھی ہو سکے ہیں۔ حال ہیں کانفرنس آفس کے منصرم تھے۔ اپنے تمام کام اور آیندہ کی توقعات سے دست بردار ہوکر طبی مشن کیساتھ ٹرکی جارہے ہیں۔

ٹرکی جانے والوں میں دوسرا نام خلیق الزماں صاحب کا ہے۔ اس وقت فورتھ ایر کلاس میں پڑھتے تھے اور فٹ بال ٹیم کے کپتان تھے۔ کالج میں ہر خورد و کلاں ان سے واقف ہے اور اسم بامسمی کہے جاتے ہیں چشم بدور ظاہری وجاہت میں بھی ترکوں سے بہت مشابہ ہیں اور سرکیشیا اور اناطولیہ کے ترکی رسالے کے بہت دلدادہ ہیں اسلامی خدمت کے جوش میں ایک سال کے لیئے اپنی تعلیم ملتوی کرکے مشن کے ساتھ روانگی کی تیاریاں کر رہے ہیں

تیسرے منظور علی صاحب ہیں۔ جو اس سال میٹریکولیشن کے امتحان میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اقبال کا ترانہ اتنا عمدہ پڑہتے ہیں کہ گراموفون کمپنی کو بھی اس کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس وقت جس کا جی چاہے ان کی آواز ریکارڈ میں سن سکتا ہے۔ اخوت اسلامی کے جذبہ کی یہ کیفیت ہے کہ پچھلے سال جنگ طرابلس کے چندہ کے موقعہ پر اپنا ٹرنک تک دے ڈالا تھا۔ ٹرکی جانیکا ارادہ کرنے والوں میں ان کا درجہ سب پر بالا ہے جس وقت جنگ بلقان شروع ہوئی تھی اسیوقت کالج سے نام کٹا کر تیاریوں میں مصروف تھے۔ طبی مشن جانیکی خبر سنکر ٹہیر گئے اور اب انشاءاللہ ہمراہ جائیں گے۔

چوتھے صاحب ضیاءاللہ مخمور ہیں۔ فورتھ ایر کے طالب علم ہیں اور قد و قامت اور جثہ میں ترکوں سے بھی دو انگل نکلتے ہوئے ہیں۔

گریجویٹ طلبہ میں سے علاوہ عبدالرحمن صاحب سندہی کے عبدالعزیز صاحب انصاری ٹرکی کا قصد رکھتے ہیں۔ میور سنٹرل کالج کے گریجویٹ ہیں اور ہمارے کالج میں ایم اے اور لا کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

علاوہ ان اصحاب کے ہمنے سنا ہے کہ چند اور اصحاب جانیکا قصد رکھتے ہیں جن کے متعلق ہم آیندہ اشاعت میں غالباً صحیح خبر درج کرسکیں۔

ان اصحاب کو ان کی ہمتوں پر مبارکباد دینا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ دارالخلافہ میں پہونچکر وہ اپنے کالج کا نام روشن کرینگے۔ ہماری دعائیں اُن کے ساتھ ہیں ؎

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا مے روی ؎

یونین کلب کے سالانہ تقریری مقابلہ کے نتائج حسب ذیل رہے:۔

درجہ	انگریزی	اُردو
فرسٹ ایر	عبدالعزیز صاحب	محمد اصغر صاحب انصاری
سکنڈ ایر	خواجہ عبدالحکیم صاحب	محمد صادق صاحب
تھرڈ ایر	حافظ مشتاق احمد صاحب	سید محمد رضا صاحب
فورتھ ایر	غلام حسین صاحب	عبدالرحیم خاں ممتاز
اکس ٹمپور (فی البدیہہ)	امیر احمد خاں صاحب	محمد اصغر صاحب

یہ بات قابل لحاظ ہے کہ یونین کے مقرروں میں اس وقت جونیر کلاسیں سینیر کلاسوں سے فوقیت رکھتی ہیں۔

ایم اے او کالج ڈبیٹنگ سوسائٹی کے پریسیڈنٹ ہیڈ ماسٹر صاحب اسکول اور وائس پریسیڈنٹ مسٹر نور محمد سندھی ہیں، جن کی کوشش سے اسکول کے طلبا کے لیے یہ سوسائٹی قائم کیگئی ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ سید محمد وزیر الدین صاحب سابق سکرٹری کے ریپورٹ کو اُنکے ساتھی ممبروں نے اطمینان بخش تصور کیا ہے۔ فی الواقع کسی کارکن کی خدمت کا اعتراف بھی اس کی جانکاہیوں کی بہترین داد ہے مسٹر وزیر سے ہمیں اُمید ہے کہ وہ اپنے آیندہ دور زندگی میں قوم اور کالج کے اچھے خادم ثابت ہونگے۔

رجسٹرڈ نمبر ایل (۵۲۶)

اولڈ بوائے

جلد ۳ — بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۲ء و جنوری سنہ ۱۹۱۳ء — نمبر ۴-۵

(ایڈیٹر)

مسٹر شوکت علی بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام مولوی رشید احمد صاحب انصاری

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا

حسب ایمائے مولوی سید منظر علی صاحب دفتر اولڈ بوائے سے شائع ہوا

اولڈبوائے

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

۱ جملہ سابق طلبا مدرستہ العلوم مسلمانان علیگڈہ کے دلوں میں اُن کے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُسکے حالات سے اُنکو باخبر کرنا اور اُسکی ترقی کیلئے ہر طرح کوشاں رہنا۔

۲ اولڈبوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا، اور اُنکو ترقی دینا اور اُنکے حالات سے ایکدوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

۳ اولڈبوائز ایسوسی ایشن اور کالج کی مالی مدد کے لیے سابق طلبا رکو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمتگذاروں میں خود اُس کے فرزندوں کی خدمات کافی وتسلی بخش ہوں۔

۴ جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کیطرف توجہ دلانا تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُنپر ہمارے کالج کے قائم کرنیسے کیاہی

حسب ذیل قواعد کے پابندی کی درخواست کیجاتی ہی

(۱) جملہ خط کتابت دربارہ ترسیل زر وتبدیل پتہ بنیجر "اولڈبوائے" علیگڈہ آنا چاہیئے۔

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ "اڈیٹر اولڈبائے" علیگڈہ آنا چاہئیں۔

اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات ورسائل بھی۔

منتظمان "اولڈبوائے" ہر وقت مشورہ ورفع شکایات کے لیے تیار ہیں اور شکر گذاری کے ساتھہ اُنپر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر ومنیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اولڈ بوائے

اڈریس ٹرسٹیان

بحضور آنریبل سر جیمیس اسکارجی میسٹن صاحب بہادر آئی۔سی۔ایس۔کے۔سی۔ایس۔آئی
لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ اگرہ و اودھ و پیٹرن مدرستہ العلوم علیگڈھ۔

حضور والا

ہم ٹرسٹیان مدرستہ العلوم علیگڈہ کمال ادب کے ساتھ حضور والا اور لیڈی
مسٹن صاحبہ کی خدمت بابرکت میں نہایت گرم جوشی اور خلوص کے ساتھ خیر مقدم عرض
کرتے ہیں اور اپنے گرانبار عہدہ پر متمکن ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضور والا اور
لیڈی میسٹن صاحبہ نے مسلمانان ہند کے اس تعلیمی مرکز کو اپنی تشریف آوری سے جو
افتخار اور اعزاز عطا فرمایا اور ہماری عزت افزائی فرمائی ہم اُس کو نہایت خلوص اور سچائی

سے کے ساتھ حضور والا اور لیڈی میسٹن صاحبہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

حضور والا اس کالج کے کارناموں اور تاریخ کا تذکرہ کرنا ایک فعل عبث ہے کیونکہ حضور والا اُس سے پورے طور پر واقف ہیں۔ اگرچہ بحیثیت پیٹرن مدرستہ العلوم حضور والا اس وقت پہلی مرتبہ تشریف فرما ہوئے ہیں لیکن مسلمانوں کی تعلیم سے عموماً اور اس درسگاہ کی بہبود سے خصوصاً جو دلچسپی حضور والا کو ہے اُس سے ہم لوگ آگاہ ہیں اور اُس کی بدولت مستقبل کے لیے بجائے تاریک اور مشکوک ہونے کے امید افزا تمنائیں اور آرزوئیں پیدا ہو گئی ہیں۔ حضور والا کا ہمارے صوبہ کا افسر اعلیٰ ہونا اُن گیاب برکات کے حصول کی کافی ضمانت ہے جن کو ہم نے ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے نام اور رعب و داب کے ساتھ وابستہ کرنے کی تعلیم پائی ہے۔ فوری اور آخری نتائج کے لحاظ سے ان برکات میں سے کسی کا مقابلہ تعلیم کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔ جو کہ علیگڈھ اور اس کی تحریک کا مقصد گزشتہ چالیس سال سے رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم اس زمانہ میں تعلیم کو اہمیت دیتی ہے، لیکن اس کی قدر و قیمت ایسی قوم کے لیے جو عملاً سب کچھ کھو بیٹھی ہے اور اُس کو دستوری حکومت کی ماتحتی اور ترقی یافتہ اور مقابلہ کرنے والی قوموں کے درمیان سب کچھ از سر نو حاصل کرنا ہے، اندازہ اور قیاس سے بھی بہت زیادہ ہے۔ ہم سر سید احمد خاں بہادر مرحوم کے بے حد مرہون منت ہیں کہ اُنھوں نے ہمارے مرض کی صحیح تشخیص کی اور بالکل ٹھیک نسخہ تجویز کیا۔ اُنھوں نے اپنی قوم کو یہ خاص نصیحت کی کہ مسلمان اپنی ریح اور کیرکٹر کو اُن جھوٹے اور غلط خیالات کی زنجیروں سے آزاد کرلیں جو مذہبی توہمات سوشل تعصب اور دوسرے حیلوں کی صورت سے تمام سچے جذبات اور عظیم الشان خوبیوں کی جڑ کاٹتے ہیں اور ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم کی ترقی اور شائستگی میں مانع ہیں۔ یہ مقصد اعلیٰ حقیقی اسلامی تعلیمات، یورپین سائنس و لٹریچر، تہذیب اور زندگی کے عملی طریقوں کی جانب رجوع کرنے سے حاصل ہو سکتا

تھا۔ اسلیے کہ ان سے خصلت انسانی اور سوشل مرتقاء کے صحیح اصول نمایاں ہوتے ہیں اور
ان ہی کے ذریعہ سے نونہالان قوم کا کیرکٹر درست ہوتا اور دل و دماغ تر و تازہ ہوتا ہے
وہی (سر سید) پہلا شخص تھا جس نے اسکو محسوس کیا اور ہمکو اُس اعلیٰ برکت سے آگاہ کیا
جو ہمکو اس لاجواب اور بیش بہا موقعہ پر یعنی مہربان برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ اُس تعلیم اور
صرف تعلیم ہی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لیے وہ اپنی ذات اور ذہانت کی تمام
قوتوں سے آخر دم تک حکام برطانیہ کے ساتھ وفادارانہ اور دوستانہ تعلقات قایم رکھنے
کے لیے ترغیب اور تحریص دیتے رہے اور ہماری قومی سرگرمی اور وسائل کے بہترین حصہ
کو اُس بڑی تعلیمی اسکیم میں مصروف رکھا جو علیگڈھ کے نام سے موسوم ہے اور جس نے جدید
ہندوستان کی تاریخ میں نہایت نمایاں حصہ لیا ہے۔ اس لیے اس ملک میں ہمارا مقدر
زیادہ تر اس کی ترقی اور حیثیت سے وابستہ ہے جو کہ ہماری قوم کی سب سے زبردست تعلیمی
جد و جہد کا نمونہ ہے اور جو اپنی بنا کے وقت سے قومی ترقی حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں
کے دل و دماغ میں نئی زندگی اور روشنی پہونچا رہا ہے۔ اس نے اُن کے روبرو وسیع
اور حقیقی معنوں میں تعلیم کا آئیڈیل پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ترقی کی یقینی شاہراہیں اور اُمید
کے نئے دروازے کھول دیے ہیں۔ دماغی تربیت، کیرکٹر کی مضبوطی اطوار کی درستگی اور
علوم کی اشاعت وہ خاص مقاصد ہیں جو ہر وقت ہمارے پیش نظر ہیں اور جن کو حاصل کرنیکی
ہم ہمیشہ کوشش کرتے ہیں۔ جن حضرات نے اس کالج کے کام کی ترقی پر نظر کی ہے وہ
واقف ہیں کہ ہم ان امور کے حاصل کرنیکے لیے اپنی کوششوں میں کس حد تک کامیاب ہوئے
ہیں۔ لیکن اپنی رائے اور اندازہ میں ہم اُس منزل سے ابھی بہت دور ہیں جو ہماری پیش نظر
ہے اور خداوند عالم کے فضل سے کسی نہ کسی دن اُس منزل تک پہونچنے کی اُمید رکھتے ہیں۔
لیکن ان سب کا انحصار اُس پروگرام کی تکمیل اور کامیابی پر ہے جو اس کالج کے بانی
اعظم نے ترتیب دیا تھا اور جو گزشتہ ۴۰ سال سے ہماری کوششوں کی رہنمائی کر رہا ہے۔

حضور والا! ہر ایک انسٹیٹیوشن کی زندگی اور دوران ترقی میں ایک نازک وقت آتا ہے جس کی بھلائی یا برائی پر اُس کی آیندہ تقدیر منحصر ہوتی ہے یہی نازک وقت آجکل اس کالج کے لیے درپیش ہے اور ہم ٹرسٹیوں کو اُن مسائل سے، جو ایسی ہی پیچیدہ ہیں جیسے کہ وہ اپنے نتائج کے لحاظ سے اہم ہیں مقابلہ درپیش ہے ایسے ہی موقع پر ہمارا فرض منصبی اور ہمارا نہایت محفوظ راستہ یہ ہے کہ ہم اُس بانی اعظم کے اصولوں کو مضبوطی اور بغیر خطرہ کے قایم رکھیں جس کی دانشمندی اور پیش بینی، موقع اور آزمایش پر کارآمد ثابت ہوئی ہے اسلیے وہ ہماری تمام دقتوں اور آزمایشوں میں ہمارے رہنما کا کام دے گی۔

حضور والا! اس پر کاربند ہونے کے لیے ہم ہر ایک موقع پر اپنی پوری قابلیت صرف کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ علیگڈہ کی تحریک کے اصلی اصولوں کا قایم رکھنا ہماری مقدس امانت ہے جس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض عین ہے لیکن ہم اپنی دقتوں کی وسعت اور ترتیب کو اور اس موقع کے واقعات کو خفیف نہیں سمجھتے ہیں۔ ایک ایسا بھی زمانہ تھا جبکہ علیگڈہ کی تحریک کے اصول مرتب کیے گئے تھے اور وہ ہمدردانہ آب و ہوا میں سرسبز ہوئے تھے جو کہ ہر سمت سے اُن کو میسر آتی تھی لیکن وہ ہوا اب بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور نئی اسپرٹ اور نئی قوتیں پیدا ہو رہی ہیں جو ہمارے ٹریڈیشن اور آئیڈیل کے قیام میں بہت زیادہ دقتیں پیدا کر رہی ہیں۔ لیکن ہم موجودہ حالت کو اُس تبدیلی کے زمانہ میں جس میں کہ ہم اور باقی ماندہ ہندوستان حیرت انگیز تیزی کے ساتھ گورنمنٹ برطانیہ کی برکات کی بدولت ایک عظیم الشان اور اعلیٰ درجہ کا مستقبل حاصل کرنے کے لیے گذر رہا ہے، محض عارضی تصور کرتے ہیں۔ اور اس موقعہ پر ہم نہایت عاجزی کے ساتھ خداوند کریم سے دعا کرتے ہیں کہ ہم اپنی امانتداری کے محاسبہ میں پورے اُتریں جس کو ہم اس ملک میں اپنی قوم کی نہایت بیش بہا دولت تصور کرتے ہیں ان مسائل کے علاوہ جن کو ہم نے مجملاً عرض کیا ہے وہ معاملہ جس پر ہماری خاص توجہ مبذول ہے اور ہمکو بے حد پریشان کر رہا ہے یہ ہے کہ ہماری قوم کے روز

افزوں نوجوان اپنے قومی کالج میں داخل ہونا چاہتے ہیں اور ہم اس خواہش کے پورا کرنیکے قابل نہیں ہیں۔ اسٹاف کی کمی اور رہایش کی گنجایش نہ ہونے کے باعث اس سال ہمکو ... درخواستیں خارج کرنا پڑیں۔ نہ صرف اس درسگاہ کے بلکہ ساری قوم کے مستقبل کیلئے ہم اسکو نہایت مایوسانہ علامت تصور کرتے ہیں کیونکہ اولاً تو مختلف حصص ہندوستان کے بہت سے ہونہار نوجوان اُس تعلیم اور تربیت کے برکات سے محروم رہتے ہیں جو کہ صرف یہیں حاصل ہوسکتی ہے اور جس کے ذریعہ سے نئی زندگی اور روشنی ہماری قوم کے دور اوفتادہ حصوں میں پہونچتی ہے دوسرے ہم اپنے اُن قدیم دوستوں کی ہمدردی اور امداد سے محروم ہوتے جاتے ہیں جو اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے ہر سال داخل نہ کئے جانے پر مایوس ہوکر ہم سے ناراض ہوتے جاتے ہیں۔ اس وقت کا صرف یہ دفعیہ ہے کہ رہایش کا دائرہ وسیع کیا جاوے۔ جہاں تک ہمارے وسائل آمدنی اور حالات اجازت دینگے ہماری خاص کوشش، بہت سے کالجوں کو یہاں کھولنے اور اُن کے لیے کافی اسٹاف وغیرہ مہیا کرنے کے لیے ہوگی۔ ان ہی طریقوں پر ہمارے کام کی آیندہ توسیع ہوگی۔ اب وقت آپہونچا ہے اور ہم اس سمت بسم اللہ کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن ان سب باتوں کے لیے کافی سرمایہ کی حاجت ہے جو ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے۔

حضور والا! ہم اس موقعہ پر مسلم یونیورسٹی کا مسئلہ چھیڑنا نہیں چاہتے ہیں کیونکہ یہ مسئلہ ابھی گورنمنٹ آف انڈیا کی زیر تجویز ہے۔ قوم کے قائم مقام آیندہ مہینے میں اس سارے مسئلہ پر غور کرینگے اور اُس کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا کی خدمت میں آخری فیصلہ کے لیے اُسے پیش کرینگے۔ اس مسئلہ کا آخری نتیجہ اور فیصلہ خواہ کچھ ہی کیوں نہو لیکن بحیثیت ٹرسٹیان مدرستہ العلوم ہملوگوں کا راستہ صاف ہے۔

ہر ایک صورت میں اپنی قومی تعلیم کی اسکیم کی توسیع اور تکمیل اُس کی مناسب حد تک کیجاوے گی اور یہ کالج حقیقی معنوں میں ایک مکمل درجہ کی قومی مرکزی درسگاہ

بنا دیا جائیگا۔ اور یہ نہایت جلد کیا جاوے گا ورنہ اس کا منشا، فوت ہو جائیگا اور قوم کو جو اعتماد ہے وہ جاتا رہے گا۔ اس لئے ہم اپنے تمام سرپرستوں، محسنوں، اور بہی خواہوں سے اس عظیم الشان کام میں امداد کی خواہش کرتے ہیں، اُمید کرتے ہیں اور مستحق ہیں۔ علاوہ اپنے پریسیڈنٹ جناب نواب صاحب بہادر اور دوسرے چیدہ چیدہ ٹرسٹیان مدرستہ العلوم و دیگر معطیان کے جن کی ہتھیلی اپنے کالج کے امداد کے لیے ہر وقت فیاضانہ طور پر کھلی رہتی ہے ہم اپنے چند خاص محسنوں اور سرپرستوں کا تذکرہ اس موقع پر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں جن کی فیاضی اور باموقع قیمتی امداد کے بغیر کالج کا اس رتبہ پر پہونچنا جو آج اُسکو حاصل ہے قطعی ناممکن تہا۔ اُن کی شاہانہ اور فیاضانہ مسلسل امداد سے ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہم اُس سب کی تکمیل کرلیں گے جو ہمکو کرنا باقی ہے اور اپنے پروگرام کی منزل مقصود تک پہونچ جائینگے۔ منجملہ بہت سے معاونین کالج کے حسب ذیل معاونین کا درجہ نہایت ممتاز ہے اور ہم اُن کے خاص طور پر ممنون ہیں۔

(۱) برٹش گورنمنٹ، لوکل و امپریل دونوں۔

(۲) ہِز ہائنس مرحوم و موجودہ حضور نظام والی حیدرآباد دکن۔

(۳) ہزمجسٹی امیر افغانستان۔

(۴) ہِز ہائنس مرحوم و موجودہ والی رامپور۔

(۵) ہزہائنس بیگم صاحبہ بہوپال۔

(۶) ہزہائنس آغاخان بمبئی

(۷) ہزہائنس مہاراجہ گوالیار۔

(۸) ریاست پٹیالہ۔

(۹) ریاست بہاولپور۔

(۱۰) ریاست خیرپور۔

حضور والا! اگر اجازت ہو تو ہم اپنی ایک اشد ضرورت کو حضور والا کے روبرو پیش کریں اور یہ آراضی کے حاصل کرنے کا سوال ہے جس کی ہمکو کالج کے تھوڑے فاصلہ پر اسکول اور بورڈنگ کی عمارتوں کے لیے سخت ضرورت ہے اور ہم اتنی آراضی لینا چاہتے ہیں کہ ہماری آیندہ توسیع اور پھیلاؤ کے لیے کافی ہو۔ اس کا موقع تجویز کرلیا گیا ہے اور ہمکو اُمید ہے کہ حضور والا بھی اسکو پسند فرمائینگے۔

ہمکو یقین ہے کہ حضور والا یہ سنکر خوش ہونگے کہ علی گڈھ، ہماری تعلیمی پروگرام کی ایک دوسری تحریک یعنی تعلیم نسواں کا مرکز بنتا جاتا ہے چند سال ہوئے کہ مسلمانوں کی لڑکیوں کی تعلیم کی غرض سے یہاں پر ایک "مدرسہ نسواں" قائم کیا گیا تھا جس کے لیے اب ایک وسیع عمارت تیار ہو رہی جہمیں ۵۰ لڑکیوں کے رہنے کی جگہ ہوگی۔ یہ اسکول رزیڈنشیل سسٹم کے اصولوں پر ہوگا اور ایک یورپین لیڈی سپرنٹنڈنٹ کی زیر نگرانی رہیگا۔ اس اسکول کی عام نگرانی ٹرسٹیان مدرستہ العلوم کے ہاتھ میں ہے اور اس کا معمولی انتظام ایک باختیار جماعت کے متعلق ہے جس کے ممبر وہ حضرات ہیں جنہوں نے اس کام کی اشاعت میں عملی حصہ لیا ہے اس کے سکرٹری شیخ عبداللہ صاحب بی اے ایل ایل بی ہیں جو کہ مدرستہ العلوم کے ٹرسٹی ہیں اور جنہوں نے نہایت سرگرمی سے اس کے قائم ہونیکے خیال کے زمانہ سے کوشش کی ہے اور اسکول کی کامیابی کا زیادہ حصہ شیخ صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ کی ذات سے وابستہ ہے۔ اس تحریک کو ابتدا ہی سے ہماری روشن خیال اور فیاض طبع ہرہائنس بیگم صاحبہ بھوپال کی امداد اور سرپرستی حاصل ہوگئی ہے جو اپنی صنف کی فلاح اور تعلیم میں نہایت عمیق دلچسپی لیتی ہیں۔ اس مقام پر ہم یہ بھی اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ ریاستہائے بہاولپور، خیرپور اور ٹونک نے بھی اس اسکول کی امداد فیاضانہ طور پر فرمائی ہے۔

آخر میں حضور والا اور لیڈی میسٹن صاحبہ نے جو تکلیف آج صبح کو کالج ملاحظہ فرمانے کے لیے گشت کرنے میں برداشت فرمائی اور ہماری معروضات کو تلطف آمیز توجہ اور دلچسپی

کے ساتھ سینے میں ظاہر فرمائی ہے اُس کا ہم مکرر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

آپ کا زمانہ حکومت اس صوبہ کے باشندگان کے حق میں عموماً اور ہماری اس درگاہ کے حق میں خصوصاً باعث نزول برکات ہو ہم اُمید کرتے ہیں کہ حضور والا کو جب کبھی اپنے اعلیٰ فرائض سے کچھ موقع ملیگا تو اس کالج میں رونق افروز ہو کر ہم ٹرسٹیوں کی دوبارہ عزت افزائی فرمائیں گے۔

ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم علیگڈھ

مورخہ ۴ دسمبر سنہ ۱۹۱۲ء

اڈریس کا جواب

یور ہائنس (نواب صاحب والی رامپور) نوابان، راجہ صاحب (راجہ صاحب محمود آباد) و دیگر حاضرین جلسہ! اپنے تئیں علیگڈھ میں پاکر مجکو کچھ معمولی مسرت نہیں ہوئی ہے۔ صوبہ متحدہ میں اپنے کام کے جس حصہ پر میں دوسرے سے زیادہ دلچسپی کے ساتھ نظر ڈالتا ہوں وہ سچی تعلیم کی ترقی ہے۔ اور یہاں یعنی اس مدرسۃ العلوم علیگڈھ میں تعلیم کا ایسا عظیم الشان اور نتیجہ خیز تجربہ ہمارے سامنے ہے جس کی صحیح نظیر ہندوستان میں کوئی بھی موجود نہیں ہے اسلیے کئے سال کے بعد علیگڈھ میں دوبارہ آنے سے مجکو بے حد مسرت حاصل ہوئی ہے پچھلی مرتبہ جب میں یہاں آیا تھا تو مسٹر بیک کا انتقال ہوئے تھوڑے ہی دن گذرے تھے جنکی یاد آپ میں سے بہت سے حضرات کے دلوں میں محبت کے ساتھ اب تک موجود ہے اور جو اپنے پیچھے ایسی سرگرمی اور شوق چھوڑ گئے ہیں جس پر کوئی ابتک سبقت نہیں لیجا سکا لیکن اس وقت طلبا کی تعداد کم تھی خاص عمارتوں میں سے بعض ناممل پڑی ہوئی تھیں اور

کالج کے صحن میں چونہ اور اینٹوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور اسکیموں کی تکمیل میں ٹرسٹی سرگرم تھے۔ آج مجکو اُن اسکیموں میں سے اکثر مکمل نظر آتی ہیں۔ اُس زمانہ میں ہم کو خیال بھی نہ تہا کہ اتنا زیادہ متمول اور شاندار کالج نظر آویگا۔ اسیلیے فطرتاً ہمارا دل ان متبرک محسنوں اور سرگرم کام کرنے والوں کی طرف رجوع ہوتا ہے جن کی فیاضی اور جانفشانی کی بدولت یہ نتائج تکمیل کو پہونچے ہیں۔ اپنے اڈریس میں آپ حضرات نے بعض معاونین کا شکر گذاری کے ساتھہ تذکرہ کیا ہے اور آپکے خیال میں بعض فدائیوں کی بھی یاد ہے جنہوں نے اپنا وقت، کوششیں اور دل اس کالج کے حقیقی کام میں صرف کر دیئے۔ اُن حضرات میں سے سب سے اوّل درجہ کے ہمارے قدیم دوست نواب مشتاق حسین صاحب ہیں۔ اُنہوں نے اس کالج کی ترقی کے لیے یکسو ہوکر اس قدر کام کیا کہ تندرستی ضائع ہونے لگی جسکے باعث وہ اس کام سے دست کش ہو گئے۔ اور مجکو یہ دیکھکر بے حد مسرت ہوئی کہ آج وہ یہاں ہملوگوں میں آنیکے قابل ہو گئے۔ اور اب میں اُس سرگرم جنٹلمین کی نسبت چند الفاظ شکریہ کے ساتھہ کہنا چاہتا ہوں جس نے نواب مشتاق حسین صاحب کا کام اپنے ذمہ لے لیا اور جب تک کہ مستقل سکرٹری نہ آجائے اس کام کو انجام دیرہا ہے ہمکو معلوم ہے کہ سکرٹری کے کام کے لیے نواب فضل اللہ خاں صاحب کو کسقدر کم وقت فرصت کا ملسکتا ہے۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ سب حضرات اُنکی اس وطن دوستی کی قدر کرینگے کہ اسوقت آپ کی معاونت کے لیے اُنہوں نے پیش قدمی کی۔

اگر مسرت یہاں پر افزوں ہوسکتی ہے تو وہ آپ کی اُس دلی خیر مقدم سے ہوئی ہے جو آپ نے پیش کی ہے۔ مجکو اُس اعزاز کا بہت احساس ہے جو آپ نے مجھ سے ملنے کی خاطر بہت سی دقتوں کو برداشت کر کے اور دور دراز مسافت سے آنے کی تکالیف گوارا فرماکر ظاہر کیا ہے۔ آپکے پریسیڈنٹ میرے قدیم دوست نواب صاحب بہاسو باوجود اُس تکلیف کے جو طویل سفر سے آپکو ہوئی ہے اتنی دور یعنی جیپور سے تشریف لائے

ہیں میرے نیک دوست راجہ صاحب محمود آباد نے اس دن کے لیے اپنی ساری افکار
کو جو اُنکو درپیش رہتی ہیں بالاے طاق رکھدیا۔ اور بہت سے دیگر حضرات نے، جن کو میں
ٹرسٹیوں کے زمرہ میں دیکھتا ہوں اس جلسہ میں شرکت کی غرض سے کچھ کم ایثار نہیں کیا ہے
میں نہایت سرگرمی کے ساتھ آپ کی اس نوازش کی قدر کرتا ہوں اور میری ذات خاص
کے متعلق جو بہت سے خوشگوار باتیں بیان فرمائی ہیں اُن کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں میں
اُمید کرتا ہوں کہ یہ مسرت دوگونہ ہو گی اگر مجکو بحیثیت پٹرن اپنے استحقاق کے ادا کرنے
اور جب کبھی بھی ممکن ہو کالج دیکھنے کا موقع ملے اور میں آپکو مفید امداد دیسکوں۔ میں غیر
ضروری دست اندازی کی کوئی خواہش نہیں رکھتا ہوں لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ لوکل
گورنمنٹ اور اس کالج کی منتظم جماعت میں اگر گذشتہ زمانہ سے زیادہ قریب تر ارتباط ہو تو
وہ ہم دونوں کے حق میں مفید ہوگا۔

جو اڈریس کہ یور ہائنیس نے اس وقت پڑھا ہے ایک قابل تعریف دستاویز ہے
اس میں اُن اصولوں کا تذکرہ ہے جن پر کہ اس کے بانی نے تعلیم کی اسکیموں کو قائم کیا
ہے اس میں اُن دقتوں کا بھی ذکر ہے جو اُن اسکیموں پر کاربند ہونے میں آپکو پیش آئی
ہیں اس میں وہ اصول تسلیم کئے گئے ہیں اور آپکے ان ارادوں کا تذکرہ ہے جو دقتوں کو
حل کر سکتے ہیں۔ پھر کالج کے انتظامات اور بعض مسائل کا بیان ہے جو آپکو درپیش ہیں حضرات
مجکو معلوم نہیں کہ آپکے اڈریس کے کون سے حصہ سے کی (یعنی آئندہ تجاویز کی خوبی کی
یا موجودہ حالت کی)، جو آپ نے بیان کی ہے میں زیادہ تعریف کروں لیکن آپ خواہ زمانہ
گذشتہ کا حال بیان کریں یا موجودہ کا مجکو دلی قدر دانی کے ساتھ دو اصول نظر آتے ہیں جن پر
کہ یہ کالج قائم کیا گیا ہے اور جن پر کہ یہ کاربند ہے اوّل برٹش گورنمنٹ کی وفاداری دوسرے
...... آزادانہ تعلیم سے اسلام کی ترقی۔ اگر آپ ان اصولوں پر کاربند رہینگے تو آپ کی
دقتیں کافور ہوجاینگی۔ آپکے اڈریس کے جواب دینے میں مضامین کی ترتیب کو میں تبدیل کر دونگا

اولاً آپ کی انتظامی مسائل کا تذکرہ کرونگا اور پھر اُن وسیع مسائل پر گفتگو کرونگا جو آپکے اور میرے دل کو پریشان کر رہے ہیں۔

آج کالج میں چکر لگانے سے نہ صرف ایک دلچسپ صبح کا وقت گذرا بلکہ جن انتظامی مسائل کا آپنے اڈریس میں تذکرہ کیا ہے اُن کے متعلق بہت سی مفید معلومات حاصل ہوگئیں۔ اُن میں سے اشد ضروری جگہ کا سوال ہے۔ اس معاملہ میں صریح ضرورت کالجیٹ اسکول کو دوسرے مقام پر ہٹانے اور کالج سے اُسکو بالکل علیٰحدہ کردینے کی ہے۔ اسکول کے طلبا کا کالج کے طلبا سے خلا ملا دونوں کے حق میں خراب ہے اور مجکو یہ سُنکر مسرت ہوئی کہ نئے اسکول کے لیے جدید نقشے مرتب ہورہے ہیں۔ میں نے آپکے مجوزہ جگہ کو دیکھا ہی اور مجکو وہ نہایت موزوں معلوم ہوتی ہے اگرچہ گراں قیمت ضرور ہے۔ اس نئے اسکول کے لیے سنہ ۱۹۰۶ء میں ۲۰ ہزار روپیہ کی سرکاری امداد ملی تھی اور گورنمنٹ آف انڈیا کی فیاضی کی بدولت میں آپکو ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ اور دینے کو تیار ہوں جبکہ ضروری اراضی حاصل کرلیجاوے اور نقشے اور تخمینے طے ہوجاویں تعمیر میں معقول کفایت شعاری، اور معقول ساز و سامان، اور لائق و کافی اشاف کی ضرورت کا مجکو اُمید ہے کہ آپ لوگ ضرور خیال رکھینگے۔ بہرحال اسکول کی علیٰحدگی، توسیع کا پہلا قدم ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ اس کالج کو (آپ ہی کے الفاظ کا حوالہ دیتا ہوں) ہر مرکزی قومی درسگاہ اُس کے حقیقی معنوں میں ہونا چاہیئے"، میرے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ ہندوستان کے ہر ایک حصہ کے مسلمان طالب علموں کے لیے تعلیم کا انتظام آپ اس کالج میں کرنا چاہتے ہیں اور بعض دوسرے ریمارک سے مجکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اُس پالسی کو نظر انداز کردیا یا اُس میں ترمیم کردی جو آپ نے سنہ ۱۹۰۹ء میں قایم کی تھی کہ ہندوستان کے دیگر صوبوں میں بھی اسلامی کالج قایم کئے جاویں جن میں بی اے اور بی ایس سی تک کی تعلیم ہو اور علیگڈھ میں پوسٹ گرایجوائٹس کی تعلیم کا انتظام ہو چونکہ یہ مسئلہ مجوزہ مسلم یونیورسٹی

کے مسائل سے تعلق رکھتا ہے اسلیے میں اُس پر اور گفتگو نہیں کرونگا بہرحال یہ واقع ہو رہا ہے
کہ تمام ہندوستان اور نیز دیگر ممالک سے بھی طلبا جوق جوق چلے آرہے ہیں۔ درحقیقت جو داخل
ہونا چاہتے اُن سب کو داخل کرلینا آپکے لیے ناممکن ہے چونکہ طلبا کی تعداد، اچھی تعلیم اور
انتظام صفائی کے موافق نہوگی۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت بھی آپ کلاسوں میں ۵۴ سے
زیادہ نہیں رکھ سکتے ہیں اور یہ وہ تعداد ہے جو بالکل موزوں طور پر آپ سنہ ۱۹۰۹ء میں مقرر
کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ صورت معاملہ یہ ہے کہ آپ طلبا کی تعداد میں توسیع کرنا اور کلاسوں کو
محدود کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے نزدیک بجز اسکے کوئی چارہ کار نہیں جیسا کہ آپ نے
تذکرہ کیا ہے کہ ایک دوسرا کالج قایم کیا جاوے۔ اس اُمید افزا نتیجہ سے بہت سے اہم
اور عظیم الشان سوالات پیدا ہوتے ہیں جن پر تفصیل کے ساتھ آپ سے ملکر غور کرونگا، ہوقت
آپسے یہ بیان کرنا قبل از وقت ہے کہ آپ اُس فیاضانہ دلچسپی اور مستعد امداد کی اُمید رکھئے
جو اس صوبہ کی گورنمنٹ جب کبھی کوئی موزوں اور مفید تجویز اُن کے روبرو پیش کی گئی، آپکو
دیتی رہی ہے۔ آپکے اڈریس میں چند ایسی معمولی باتیں ہیں اور چند تفصیلی معاملات ہیں جو کالج
کے معاینہ کے وقت میرے ذہن میں آئے تھے اُن پر جب کبھی مجکو موقع ملگیا ٹرسٹیوں
سے پرائیویٹ طور پر گفتگو کرونگا۔ جواب کے اس حصہ کو اپنی سچی مسرت کا اظہار کرکے میں ختم
کرونگا کہ آپ تعلیم نسواں کے مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لے رہے ہیں۔ مجکو یقین ہے کہ تھوڑے
زمانہ کے بعد آپ اپنے کالج کی کوششوں کو اپنی قوم کی فلاح کے لیے ناممکن پائیں گے
جب تک کہ آپ اپنی قوم کے اُس حصہ کو زیادہ تعلیمی اور طبی امداد دیکر اس کمی کو پورا نکرینگے
جو حصہ کہ آئندہ کی ماں بننے والا ہے۔

حضرات! اب میں کچھ اور معاملات کی طرف آتا ہوں جو آج میرے علی گڈہ آنے
کا زیادہ تر باعث ہوئے ہیں۔ پہلے میرا ارادہ یہ تھا کہ چند روز بعد صوبہ کے اس حصہ کا
جب باقاعدہ دورہ کروں تو اُسوقت فرصت سے کالج کو دیکھوں۔ لیکن ستمبر گذشتہ

سے جب سے میں نے اپنے عہدہ کا چارج لیا ہے میں کالج کے دوستوں اور نکتہ چینوں
دونوں سے اس کی نسبت بہت کچھ سنتا رہا ہوں، علی الخصوص عمیق جذبات کی اُس رَو
کے متعلق جو آج کل اسلامی دنیا پر طاری ہے جو کچھ میں نے سُنا اس سے کالج کے پیٹرن
اور مسلمانان ہند کے دلی دوست ہونے کی حیثیت سے میرے لیے سوائے اسکے کوئی
چارۂ کار باقی نہ رہا کہ بلا تاخیر مزید یہاں پہونچوں اور آپ صاحبوں سے (جو اس صوبہ میں
اسلامی خیالات کے قایم مقام ہیں) مشورہ کروں اور جو مدد اور مشورہ مجھ سے ممکن ہے
وہ آپکو دوں۔ میں سر سید اعظم سے واقف ہوں اور اُن کا احترام کرتا ہوں جو ایک شریف
نفس اور دور بیں وطن دوست تھے جن کی روح یہاں ہمارے درمیان موجود ہے۔
اپنے اوائل ایام میں مجھے اُن کے بہت سے ذاتی دوستوں اور منتخب رفقا مثلاً
واجب الاحترام مولوی زین العابدین صاحب سے تعارف اور بہت کچھ نیاز حاصل تھا جن کو
آرام کی نیند سوتے ہوئے بہت عرصہ ہوگیا۔ میں نے علیگڈھ کے سینکڑوں طالب علموں
کو دیکھا اور اُن کے ساتھ کام کیا ہے۔ میں نے بارہا ان لوگوں سے غور طلب مشورے
کیے ہیں جو علیگڈھ کو عزیز رکھتے ہیں، اور جنکو اندیشہ ہے کہ اسکی حالت پورے طور پر اطمینان
کے قابل نہیں ہے۔ اس طرح میں یہ دعوے کرسکتا ہوں کہ مجھے نہ صرف گزشتہ ایام کے دانا
لوگوں کی اُمیدوں اور مقاصد کا بلکہ اس اثر کا بھی براہ راست کچھ علم حاصل ہے جو آپ کا
کالج آپ کی قوم کے اخلاق اور زندگی پر ڈال رہا ہے۔ اور اس علم کی وجہ سے محبت
اور اندیشہ دونوں ساتھ ساتھ پیدا ہوئے ہیں، محبت تو ان اصول کیوجہ سے جو سر سید
احمد نے آپکو ورثہ میں چھوڑے، اور اندیشہ ان خطرات کی وجہ سے جو ان اصول کی مخالفت
کرتے ہیں۔ میں ان خطرات کو دیکھ رہا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ میں آپکے کالج کا مربی
نہیں ہونگا بلکہ بدخواہ ہونگا اور آپکی قوم کا دوست نہیں ہونگا بلکہ چھپا دشمن ہونگا، اگر
میں آپکو یہ صاف صاف نہ بتاؤں کہ میری رائے میں خطرات کہاں کہاں مخفی ہیں اور

میری دانست میں ان کا علاج کیا ہے، آپ میرا مشورہ مانیں یا نہ مانیں یہ آپ کا کام ہے میں آپ کی ذمہ داریاں اپنے اوپر نہیں لے سکتا میرا امداد پیش کرنا بے غرضانہ اور مخلصانہ ہے

ٹرسٹی صاحبان! تمام وہ لوگ جو اسلام سے واقف ہیں وہ آج مسلمانوں کے رنج دلی سے بھی واقف ہیں۔ اس موقع پر اس رنج کے اسباب پر بحث کرنا میرے لیے غلطی ہوگا، آپ نے قابل تعریف تحمل کو کام میں لاکر اپنے اڈریس میں اس کے ذکر سے احتراز کیا ہے۔ مگر آپ مجھے اسقدر کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ اسلام کی مصائب کو بے پروائی کے ساتھ نہیں دیکھ رہی ہے مسلمان ایک پر افتخار قوم ہیں۔ ان کو قرون وسطیٰ کی اس عظیم الشان سلطنت پر فخر ہے جو عرب کے ریگستان کی ایک چھوٹی سی وادی سے پیدا ہو کر اتنی بڑھی کہ خود روما کی نہایت قوی طاقت سے مبارزہ طلب ہوئی۔ وہ اس تمدن اور ادب پر فخر کرتے ہیں جو عرب نے دنیا کو بخشا تھا۔ وہ قرطبہ اور دمشق اور قاہرہ کی قدیم شان وشوکت پر ناز کرسکتے ہیں۔ ان کو خلیج زرین شاخ کے خوبصورت شہر پر بھی ناز ہے جو انہوں نے ساڑھے چارصدی قبل بازنطینی سلاطین سے چھینا تھا اور جو اسوقت سے برابر اسلامی اقتدار اور اسکے مذہب کا مرکز چلا آتا ہے۔ ہم اہل برطانیہ کو جو خود ایک پرفخر تاریخ رکھتے ہیں اسلام کے افتخار کے ساتھ برابر کی دلچسپی ہے اور اس وقت جب کہ آپ کے افتخار کو مصائب نے چھپا لیا ہے۔ ہماری ہمدردی خاموش مگر خلوص کے ساتھ آپ کے ہمراہ ہے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اپنی نظران چمکدار شعاعوں کی جانب پھیریں جو گزشتہ چند ماہ کی تاریکی کے اندر سے نمایاں ہو رہی ہیں باوجود خوفناک نقصانات کے، لباس کی کمی کے خوراک کے فقدان کے، مرض کی تباہی کے ذرا ترکوں کی صابرانہ بہادری کو دیکھئے۔ غور کیجئے کہ وہ لڑتے ہیں تو کس پائدار جانبازی سے، بڑھتے ہیں اور پیچھے ہٹتے ہیں تو کس بنظیر استقلال سے کام لیتے ہیں۔

ٹائمز کے ایک نامہ نگار نے جو ناظم پاشا کے ہمراہ تھا حسب ذیل تعریف کی ہے جو میں

آپ کو پڑھکر سناتا ہوں۔ لولی برغاض کی عظیم الشان جنگ کا حال بیان کرتے ہوئے وہ یہ لکھتا ہی۔

"جبکہ ترکونکی فوج نے پوزیشن کی طرف حرکت کرنا شروع کیا تو اس سے مجھکو بیحد دلچسپی حاصل ہوئی شکستہ قطاریں مثل موجوں کے چلی آتی تھیں۔ وہ نہایت لاپرواہی کیساتھ حرکت کرتے ہوئے اپنی پوزیشن تک پہنچ گئے اور وہاں فیر کرنیکے لیے ایک لائن بنالی۔ جابجا آدمی گرتے جاتے تھے، لیکن نہ وہاں کسی قسم کی پریشانی تھی اور نہ اُس کی کوئی روک تھی۔ یہ ایک باقاعدہ موت کا سامنا تھا۔ دوپہر کو ایک بجے پرطغوت شوکت نے اپنی توپوں کو ہٹا لیا اور جس قوت کو اُس نے دوسرے حملہ کے لیے جمع کیا تھا منتشر کر دیا۔ دس منٹ کے اندر ساری توپیں بجز اُن کے جو پوزیشن پر چھوڑ دی گئی تھیں صاف ہو گئیں جو نہایت دلاوری سے کام میں لائی جا رہی تھیں پھر اُس ڈویزن نے پیچھے کو ہٹنا شروع کیا۔ یہ معلوم ہوا کہ بلغاری اُس کے پیچھے تو اُمید دار ہی نہ تھے۔ اپنے محفوظ مقامات سے بلغاری توپوں نے ترکوں کے مجمع پر آتش باری نہایت خوفناک طریقہ سے شروع کر دی جنگ کے افسوسناک مناظر میں سے میں نے ترکوں کی فوج کی واپسی سے بہتر کوئی منظر نہیں دیکھا ہی جس طرح کہ لوگ کسی کام کے لیے اطمینان سے چلتے پھرتے ہیں اسی طرح اس خطرناک مصیبت کے دوران میں وہ اطمینان کیساتھ چل رہے تھے۔ واپسی میں مجمع کی کشمکش نہ تھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ زمین ہزاروں آدمیوں سے پُر ہو گئی ہی۔ لیکن وہ لوگ دور تک پھیلے ہوئے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں کی بارش کی، جو اُن کے پیچھے ہو رہی تھی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ آہستگی، استقلال اور ہمیشہ قایم رہنے والی شان کے ساتھ فوج واپس ہوئی اور ہم بھی اُن کے ہمراہ واپس آگئے ہم پیغام رسانی کے مقام سے بہت دور تھے جہاں سے کہ اُن کی شجاعت کی داستان دُہرائی جا سکتی ہی۔"

کچھ شبہ نہیں ہی کہ جو قوم ایسی سپاہ پیدا کرے جس کی نسبت یہ کچھ لکھا جائے وہ ایک

ایک ایسی قوم ہی جو اب بھی فخر کر سکتی ہی اور جو دانشمندانہ اور روشن خیالانہ رہبری کے ماتحت اب بھی ایک شاندار مستقبل اپنے سامنے رکھتی ہی۔

اسلام کے موجودہ آفات میں مسلمانانِ ہند کے لیے ایک دوسرا اور عمیق تر پیغام ہی۔ یہی وہ پیغام ہی کہ جس پر دل سے توجہ کرنے کی میں آپ سے خواہش کرتا ہوں۔ اگر ایران کی بدنصیبیوں اور ترکی کے مصیبتوں نے ہمیں کوئی سبق دیا ہی تو وہ یہ ہی کہ کوئی قوم اقتدار، پر روایات پر، گزشتہ عظمت کی یادگاروں پر زندہ نہیں رہ سکتی۔ موجودہ زندگی کا خوفناک مقابلہ ان سبکو جھٹککر ایک طرف کر دیتا ہی، اور کامیابی کا سہرا صرف قوت اور قابلیت کے سر رہتا ہی، قوت بھی وہ جو اخلاقی اور مادی دونوں قسموں کی ہو اور قابلیت وہ جسمیں دل اور جسم دونوں شامل ہوں صرف یہی اوصاف اسلام کو محفوظ رکھ سکتی ہیں، اور اسلام کا پہلا فرض رنج و غم کو چھوڑکر اور اپنے زخمی فخر کو بھول کر اُن اوصاف کو حاصل کرنا ہی۔ ہر سچے مسلمان کا کام ہی کہ رونے جھینکنے یا بڑھ بڑھکر باتیں بنانے اور غیر مؤثر کاغذی لعن طعن کرنے سے احتراز کرے؛ بلکہ اُن کو چاہیے کہ مردانہ وار کام کریں، اپنی صفوں کو درست کریں، نقصان رساں اختلافات کو چھوڑیں، فضول خرچیوں سے دست بردار ہوں، اور سب سے بڑھکر یہ کہ موجودہ نسل کی کمزوری سے نوجوانوں کو متاثر ہونے سے روکیں اور بہ نسبت اُن کے اجداد کے ان میں فرض کا روشن تر احساس پیدا کریں اور زندگی میں انکو بہتر موقع دیں۔

جیسا کہ آپکے اڈریس میں بجا طور پر بیان ہوا ہی مسلمانانِ ہند کا موقع بے نظیر ہی۔ تاج انگلستان کے ماتحت آپ بیرونی حملوں سے مامون ہیں۔ اسلام کے رستہ پر گام زن ہونیکے لیے آپ کو کسی تباہ کن انقلاب کی ضرورت نہیں ہی۔ رستہ کھلا ہوا ہی اور ہمت افزائی کا ہاتھ آپکے شانہ پر ہی۔ آپکے زمانہ میں ممکن ہی کہ ترقی کی رفتار سست ہو، لیکن آپ کم از کم اپنی اولاد کے لیے راستہ صاف کر سکتے ہیں اور اُن کو ایک گونہ اُس شرمندگی سے محفوظ رکھ سکتے ہیں جو آپ کو برداشت کرنی پڑی ہی۔ لہذا امر یہ ہی جو میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے اس

عظیم الشان کالج کے ذریعہ سے انجام دیں۔ اور اب میں یہ بتاؤنگا کہ آپ یہ کس طرح کرسکتے ہیں۔ جو کچھ میں کہنے والا ہوں اگر وہ سب آپکو پسند نہو تو آپ مجھے معاف کریں۔ میں آپکے ایک خوشامدی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک دوست کے طور پر آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔

سب سے پہلے میں (حاضر و غائب) ٹرسٹی صاحبان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ نوخیز نسل کے سامنے ہم آہنگی کی مثال پیش کریں۔ میں سنتا رہا ہوں کہ پولٹیکل خیالات کی حیثیت سے مسلمانوں میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان میں بہت سخت اختلاف ہے۔ لیکن اگر غور سے تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے صرف دو فریق ہیں، ایک کہن سال اور دوسرا جوان عمر۔ یہ ایک ناپائدار اور غیر مستقل امتیاز ہے۔ ہم میں سے جو اس وقت بوڑھے ہیں وہ کبھی خود جوان تھے۔ جو جوان ہیں (افسوس) وہ جلد تر بوڑھے ہو جائینگے، وقت ہمارے اختلاف کی بہت کم پروا کرے گا۔ تاہم میں ان اختلافات کی تحقیر کرنا نہیں چاہتا۔ نئے خیالات کے ہیجان سے جوان دلوں میں اپنے بزرگوں کی قدامت پرستی کے خلاف خیالات موجزن ہوتے ہیں۔ بزرگوں کو جوانوں کی غیر معتدل اور (جیسا کہ وہ اکثر خیال کرتے ہیں) سطحی ہمدردیوں پر شبہ رہتا ہے اور انکو وہ ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن ان معاملات میں مختلف پالیسیوں کی کہیں بھی اور علی الخصوص اس کالج کے انتظام میں اس کے مطابق گنجائش نہیں ہے۔ آپ میں سے سن رسیدہ اصحاب کو اپنے کم عمر رفقا کی سرگرم جوش کی ضرورت ہے اور آپ میں سے جو نوجوان ہیں اُن کو اپنے سے معمر لوگوں کی دانشمندی اور تجزیہ کی حاجت ہے۔ میں معمر لوگوں سے التجا کرتا ہوں کہ وہ دوسروں کی قوتوں کی صبر کے ساتھ رہنمائی درہنمونی کریں، میں نوجوانوں سے التجا کرتا ہوں کہ وہ تحمل و بردباری سے کام لیں، اپنے الفاظ کو تولیں اور بزرگوں کا وہ احترام کریں جس کی ہر مذہب تعلیم دیتا ہے۔ اپنے اختلافات کو عزت کے ساتھ رفع کرو، ایک دوسرے کا احترام قائم رکھو اور طلبا سے معاملہ کرنے میں اتحاد سے کام لو، تاکہ

بے ادبی اور بدلحاظی کی روح معدوم ہو جو طلبا کی نئی زندگیوں کے لیے سخت خطرناک ہے اتفاق کے ذریعہ سے آپ کھڑے رہ سکیں گے، اور نفاق سے آپ جلد یا بہ دیر ضرور گر جائینگے، اور کیا علیگڈھ کا زوال وہ قیمت ہے جو آپ اپنے اختلافات کے عوض ادا کرینگے

دوسرے جیسا کہ آپ علیگڈھ کی بہبودی کے لئے امید رکھتے ہیں۔ میں آپ سے خواہش کرتا ہوں کہ آپ اُس رہنما اصول کو یاد رکھیں جس پر طلبا اور اُن کے اساتذہ کے مابین تعلقات مبنی ہیں۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ متعلم کو اپنے معلم کے متعلق کس قسم کے فرض کی آپ کا مذہب تعلیم کرتا ہے۔ جب تک یہ فرض انجام نہ دیا جائے تعلیم کا اکثر حصہ بے سود رہیگا اس لیے میں کامل یقین کے ساتھ آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ کالج اسٹاف کے اختیارات کی حمایت کریں۔ آپ یا تو ان پر کامل اعتماد کریں یا بالکل نہ کریں۔ اگر آپ کو انپر اعتماد نہیں ہے تو میں چاہتا ہوں کہ مجھے یہ تبلائیں اور اس کی وجوہ کی جانب سے مجھے مطمئن کریں۔ اگر آپکو ان پر اعتماد ہے تو ان پر کامل اعتماد کیجئے۔ کیونکہ صرف اس صورت میں آپ وہ دو باتیں حاصل کر سکتے ہیں جن کے بغیر آپکی محنت بے کار ہوگی۔ ایک طرف تو آپ اپنے پروفیسروں سے کامل توجہ کے ساتھ کام کرنے کی توقع نہیں کر سکتے اگر وہ پبلک کے حملوں کا نشانہ بنیں یا یہ سمجھیں کہ آپکی حمایت ان کی پشت پر نہیں ہے۔ تعلیم کے معاملہ میں ہمدردی ہی سب کچھ ہے۔ اور اگر آپ فیاضانہ اعتماد کا اظہار نہ کریں تو اس کے عوض میں آپ ہمدردی کی توقع نہیں کر سکتے دوسری طرف آپکو طلبا کے دلوں کو انکے اُستادوں کی جانب پوری طرح مائل رکھنا چاہیئے۔ اگر یہ منظور ہے کہ طلبا اپنا کام بیدلی کے ساتھ نہ کریں تو اُن کو اپنے اُستادوں کو بجائے والدین اور ان کے فیضیاوں کو ناطق سمجھنا چاہیئے۔ اس لیے میں ڈسپلن کی اہمیت کی جانب آپکو زور سے متوجہ کرتا ہوں وہ ڈسپلن جو ذاتی لحاظات یا غلط جذبات سے مقید نہو۔ مجھے مسٹر ٹول سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے انکو ڈسپلن کے متعلق کامل اختیارات دے رکھے ہیں۔ اس لحاظ سے میں

آپ کی کامل دانشمندی کی جسقدر تعریف کروں کم ہے۔ انکے سلب اختیارات کی ترغیب کو رد کیئے۔ انہیں مطلق العنان کیجئے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ ایک فیاض مطلق العنان افسر ثابت ہونگے۔ بے قدری اور بے ضرورت مداخلت سے گریز کیجئے کیونکہ اس سے اسٹاف کے جذبات کو صدمہ پہونچتا ہے اور اس عظیم الشان کام سے ان کی ہمدردی کم ہوتی ہے جس میں آپ سب شریک ہیں۔

آخر میں میں آپ سے طلبا کی جانب سے اپیل کرتا ہوں۔ اور آپسے درخواست کرتا ہوں کہ دلاوری کے ساتھ ایسے ہر ایک امر کا مقابلہ کیجئے۔ جو اُن کو اُن کے کام سے باز رکھے یا حارج ہو۔ جسمانی اور دماغی ترقی اُن کا کام ہے اور یہ آپ کا فرض ہے کہ اُنکے جسم کو قابل علاج امراض سے اور اُن کے دماغ کو پریشانی سے محفوظ رکھیں۔ کالج میں اُن کی زندگی کا ہر ایک لمحہ نہایت قیمتی ہے اور ہر گھنٹہ جو جسمانی علالت یا دماغی پریشانی میں ضائع ہو وہ اُن کی ترقی میں رکاوٹ اور آیندہ زندگی میں نقصان کا موجب ہے، ہمیشہ اُن کی جسمانی تندرستی کا خیال رکھئے حفظان صحت کے متعلق اعلیٰ قسم کے مشورے حاصل کیجئے۔ دیکھئے کہ اُنکی غذا عمدہ ہے، لباس معقول ہے، اُن میں خودداری اور صفائی کی عادت پیدا کیجئے، ہر وقت اُن کی دماغی صحت کا بھی خیال رکھئے جہاں تک آپکے امکان میں ہو جوش اور پریشانی کو کالج میں نہ آنے دیجئے۔ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ طلبا پالٹیکس سے بالکل علحدہ رکھے جائیں، کیونکہ سمجھدار نوجوان دماغ باہر کے زیر بحث مسائل پر توجہ کرنے سے باز نہیں رکھا جاسکتا۔ لیکن پالٹیکس اور بحث ومباحثہ کو اُنکے موزوں مقام پر رکھنا چاہیئے یعنی لیطو ہیز کی گفتگو اور ڈبیٹنگ سوسائٹی کے وہ مضامین رہیں۔ لیکن اُنکو اس حد تک نہ پڑھنے دیجئے کہ زندگی کے اس نازک زمانہ میں اُن کا دماغ پریشان ہوجائے اور اُن میں جوش پیدا ہوجائے۔ آہ وزاری میں راتیں گزارنے اور دن کو روزے رکھنے کے جو مذہبًا ضروری نہیں ہیں روایتیں سننے

کا براہ نوازش مجھے موقع نہ دیجئے۔ اگر اُن تیز مزاج اور فیاض طبع لڑکوں کو آپ لوگ مفید اور قوی آدمی بنانا چاہتے ہیں تو اُن کے جسم کی پرورش اور دماغ کی تربیت کرنا چاہیئے جب جسم و دماغ کی پرورش ہو جائیگی تو تکالیف برداشت کرنے اور ایثار نفسی کا مادہ خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ اگر قبل از وقت آپ اُن میں قومی زندگی پیدا کر دیں تو آپ اُن لوگوں کو جو آپکی سپردگی میں دیئے گئے ہیں نہایت ظالمانہ مضرت پہونچاتے ہیں۔

حضرات! میں ختم کر چکا۔ میں نے سر سید اعظمؒ کے مقرر کردہ آیڈیل اور کالج کے متعلق جس کے آپ امانت دار ہیں وفاداری کرنے کے لیے دو حقوق پیش کئے ہیں اول میں نے آپ سے یہ التجا کی ہے کہ آپ لوگوں کو اتحاد اور اعتماد آپس میں رکھنا چاہیئے اور تعلیمی اسٹاف کو آپ سے ہمدردانہ اعانت ملنی چاہیئے اور طلبا کو اپنی زندگی کے بہترین ایام، سکون قلب اور صحت جسمانی کے ساتھ گذارنے کی پوری آزادی ملنا چاہیئے ہندوستان میں اسلام کا مستقبل زیادہ تر آپ ہی کی جماعت پر بہ نسبت کسی دوسری جماعت کے منحصر ہے۔ اس کالج کو صحیح راستہ پر چلائیں تو آپکی قوم کے اثر اور قوت کو ترقی ہوگی اور اگر اسکو تنزل ہو گیا تو جدید ہندوستان میں ایک نہایت شریفانہ تعلیمی تجربہ کو آپ ضائع کر دینگے اور ہمیشہ کے لیے آپکی قوم کی بدنامی ہوگی۔ ان دونوں باتوں میں سے کونسی ہونی چاہیئے؟ آج ہم سب ٹرسٹیان، پروفیسرز، طلبا، استاد، شاگرد یہاں موجود ہیں۔ اس وقت میں آپ سب سے اپیل کرتا ہوں کہ یہ مسئلہ آپ ہی کے ہاتھ ہے۔ اور آپ ہی کے ہاتھ میں اسکو چھوڑتا ہوں اور مجکو یقین کامل ہے کہ دانشمندی اور راستی غالب رہیگی۔

خواجہ غلام الثقلین صاحب کا سفرنامہ ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ منیجر

تقریر آفتاب احمد خاں صاحب

یور آنر، یور لیڈی شپ، یور ہائینس، لیڈیز و جنٹلمین۔

مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم کی جانب سے میں حضور والا کا شکریہ اُس تلطف آمیز جواب کا ادا کروں جو حضور والا نے ہمارے ناچیز اڈریس کا مرحمت فرمایا ہے۔ یور لیڈی شپ کا شکریہ ادا کروں کہ آپ نے اس جلسہ کا اعزاز بڑھانیکے لیئے آپ نے یہاں پر قدم رنجہ فرماکر اپنی خاص نوازش ہمارے حال پر ظاہر فرمائی۔ اور ہز ہائنس کا شکریہ ادا کروں کہ آج صبح کو یہاں تشریف فرما ہوئے اور اڈریس پڑھنے کی تکلیف گوارا فرمائی۔ درحقیقت یہ ایک اُمید افزا او مسرت بخش علامت اس زمانہ کی ہے کہ ہمارے شہزادے والیان ملک اور اُمراء اپنی قوم کی خدمت کرنیکے لیے ہم لوگوں میں بطور ساتھی کام کرنے والے کے اپنی اصلی جگہ حاصل کرنیکے لیئے آمادہ ہو رہے ہیں، اس معاملہ میں یور ہائنس اور راجہ صاحب محمود آباد کا نام نامی جنھوں نے ہمارے دل میں ایک خاص جگہ پیدا کرلی ہے شکریہ کے ساتھ ہمیشہ یاد رہیگا۔

حضور والا! یہ امر ہماری قوت سے باہر ہے کہ ہم حضور والا کی اس فصیح و بلیغ اور قابل یادگار تقریر کی ستایش اور اُس کا شکریہ موزوں الفاظ میں کریں۔ حضور والا نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اُس کے سُننے کے بعد میں صرف اسقدر کہہ سکتا ہوں کہ حضور والا ہمارے پیٹرن اس کے حقیقی اور نہایت وسیع معنوں میں ہیں۔

حضور والا کی یہ تقریر ہماری تاریخ میں ایک قابل یادگار تقریر رہیگی۔ ہمدردی معاونت نصیحت اور رہنمائی کا جو پیام ہمکو دیا گیا ہے ہم اُس کا خیر مقدم کرتے

ہیں کیونکہ وہ اُمید اور تحریص سے لبریز ہے۔ ہمکو یقین کامل ہے کہ حضور والا کا نام ایک روز ہماری اس درسگاہ کے اُن محسنوں کی فہرست کو مزین کریگا جن کا وہ یوم قیام سے بے حد مرہون منت ہے اور حضور والا کی یاد اس چہار دیواری میں مثل اسٹریچی، کالوں اور لاٹرش صاحبان کے معزز ناموں کے قایم رہیگی۔ اس تحریک کی بنا جس سے کہ یہ کالج عالم وجود میں آیا ہے اس یقین پر ہے کہ عظیم الشان مسئلہ ہند کو حل کرنیکے لیے قادر مطلق نے برٹش حکومت ہندوستان میں قایم کی ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی مادری سرزمین کی حالت درست کرنے میں نمایاں حصہ لینے کا عظیم الشان موقع حاصل ہے۔ اس شریفانہ کام کے لیے تیار کرنا اس درسگاہ کا خاص مقصد ہے۔ اور یہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جس سے کہ ہمیشہ فراخدل اور بلند نظر ممبران قوم فاتح کی ہمدردی اور دلچسپی اپنی طرف مبذول کرتے ہیں۔ اس کالج کی کامیابی میں اس کے انگریز دوستوں اور سرپرستوں نے جو قابل یادگار حصہ لیا ہے اُس کا تذکرہ اس موقعہ پر کرنا فضول ہے کیونکہ اس سے سب واقف ہیں۔ اور بہت سے عام موقعوں پر ہم اس کا اعتراف کرچکے ہیں صرف اسقدر بتادینا کافی ہے کہ علیگڈھ اور اُس کے مشہور ٹریڈیشن زیادہ تر آپسیں (انگریزوں اور مسلمانوں) کے اتحاد سے کام کرنے اور آئیڈیل کی یکسانیت کا نتیجہ ہے جو کہ زمانہ گزشتہ میں ہماری تحریک کی نمایاں صورت رہی ہے اور ہم نہایت سرگرمی کے ساتھ اُسکو آیندہ بھی قایم رکھنا چاہتے ہیں حضور والا کے فیاضانہ اور بابرکت دورحکومت میں یہ ایڈیل ضرور پھلے پھولیگی۔ حضور والا نے اس وقت جو تلطف اور محبت آمیز تقریر فرمائی اُس کا دوبارہ شکریہ ادا کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

ہز آنر کی تقریر پر مسلم اخبارات کی عمدہ رائیں

البشیر اٹاوہ

ہز آنر نے مسلمانوں کے مصائب پر نہ صرف ہمدردی ظاہر کی ہے بلکہ مسلمانوں کے دوست اور کالج کے پیٹرن ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کی قوم کو اور بالخصوص محمڈن کالج کے ٹرسٹیوں کو نیک نیتی اور دلسوزی کے ساتھ چند مشورے بھی دیئے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ہز آنر صرف ہمدردی ظاہر کر کے اپنی اسپیچ کو ختم کر دیتے تو ایک دوست اور پیٹرن کا حق ادا نکرتے۔ ہم ہز آنر ... کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ لیکن ... اگر ہم ہز آنر کی اسپیچ پر تنقید نکریں ... تو ہم ہز آنر کی ہمدردی کا سچا شکریہ ادا کرنیکے فرض سے قاصر رہینگے ... قاعدہ ہے کہ کسی شخص کی مصیبت میں اُس کے دوست احباب اور بزرگ اُس کے پاس آکر اُس کی دلدہی کرتے ہیں ... اور سمجھاتے ہیں کہ گریہ وزاری کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ فاقہ کرنے سے تندرستی خراب ہو گی ... حضور سر جیمس میسٹن صاحب بہادر نے مسلمانوں کے ساتھ جو ہمدردی فرمائی اور جو کچھ نصیحت کی وہ نہایت دلسوزی اور ہمدردی اور رسم زمانہ کے موافق تھی ... ہم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ہز آنر کی اسپیچ کو بڑے معنی میں خیال نہ کرتا ہو ... مسلمانوں میں جسقدر سنجیدہ اصحاب ہیں سب کی یہ خواہش ہے کہ ہمکو کسی وقت اعتدال کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے ... خوشی یا غم کی خبر سُنکر فوری جوش کے اظہار کو ہم مسلمانوں کے وقار اور شان کے خلاف خیال کرتے ہیں ... جب خود ہماری یہ رائے ہے اور ہز آنر نے جو کچھ ... فرمایا اُس کا لب لباب بھی یہی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ... ہز آنر کے خیالات کی نسبت بدگمانی کریں۔ البتہ ... ہم ہز آنر کی اسپیچ کے آخری حصہ کے متعلق

اپنے خیالات مختصر الفاظ میں ظاہر کر دینا چاہتے ہیں۔ ہز آنرز کا یہ ارشاد کہ ۔۔۔ آوارگی میں راتیں گزارنے، اور دن میں روزہ رکھنے کی جو مذہباً ضروری نہیں ہیں روایتیں سُننے کا براہ مہربانی مجھے موقع نہ دیجئے، مذکورہ بالا فقرہ نے نصیحت کی حد سے گذر کر کسیقدر تحکمانہ لہجہ اختیار کرلیا ہے ۔۔۔ عام آدمیوں اور بالخصوص طلبا پر ، درد انگیز واقعات اور قومی مصائب کے حالات یہ کیفیت طاری کرتے ہیں جس کا روکنا ٹرسٹیوں کے اختیار سے باہر ہے۔ ۔۔۔ ایسی حالت میں یہی نصیحت اگر کسی اور طریقے سے کیجاتی تو ہمارے نزدیک موثر اور زیادہ مفید ہوتی۔ اسٹاف کے اختیارات اور اُن پر بھروسہ کرنے کی نسبت ہز آنرز نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہمارے نزدیک زیادہ مناسب ہوتا کہ پہلے ہز آنرز ٹرسٹیوں سے اس مسئلہ کے متعلق زبانی گفتگو کر کے کافی معلومات حاصل کر لیتے اُس کے بعد تقریر فرماتے۔

مسلم گزٹ لکھنؤ

.... ہز آنرز کی اس نصیحت کا ہمکو دل سے ممنون ہونا چاہیئے.... رونے جھینکنے اور فضول شور وغل سے بھی ہمکو احتراز کرنا چاہیئے، کیونکہ ہمارا فرض کام کرنا ہے اور کام کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ہمکو تمام ذاتی اختلافات فراموش کر دینے چاہئیں۔ ہمکو ایک دوسرے پر لعن طعن کرنے سے باز آنا چاہیئے۔ ہمکو سمجھ لینا چاہیئے کہ سب کا مقصد ایک ہے یعنی اسلام کی شان کا بلند کرنا اور زمانۂ حال کے مطابق قوت اور قابلیت حاصل کرنا جس کے بغیر ہم زندگی کی گھڑ دوڑ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔.....

مشرق گورکھپور

...... طلبا کی نسبت جو معنی خیز نصیحت ہز آنرز نے فرمائی ہے وہ اصولاً قابل تسلیم ہے مگر ہماری رائے میں ہز آنرز بالقابہ کو اس معاملہ میں تھوڑی سی غلط فہمی ہوئی یا کالج کے پرانے لوگوں میں سے کسی صاحب نے ہز آنرز کو غلط طور پر اس جوش و خروش کا مطلب سمجھایا۔ ۔ ۔ طلبا کا یہ ایثار کسی پولیٹیکل اور سیاسی ضرورت سے نہیں ہے بلکہ اسلامی اخوت اور اسلامی دردکیوجہ سے ۔ ۔ ۔ ہے۔ ۔ ۔

ہماری مذہبی تعلیم اور ہماری اخوت دینی کے احکام ہیں ان کے ساتھ مغربی تعلیم کی آزادخیالی کا احساس ان سب نے ملکر کالج کے طلبا کو اگر اس ایثار پر مجبور کیا اور وہ از خود رفتہ ہو گئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ . . . . پس ہز آنر بالقابہ کو طلبا، کالج کے ایثار نفس اور اخوت قومی کے جذبات کی قدر فرمانی چاہیئے۔ اور وہ ضرور قدر کرتے اگر آج نواب محسن الملک بہادر زندہ ہوتے اور ہز آنر کی تقریر کے بعد وہ ہز آنر کو سمجھا دیتے کہ طلباء کا یہ جوش و خروش سیاسیات سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا۔ ہز آنر کو ہم دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتے صاف صاف عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے یہ مذہبی جذبات سائنس اور فلسفے کے زمانے میں بھی نہیں دب سکتے اور جو اخوت پیغمبر اسلام نے پیدا کر دی ہے وہ ہمیشہ ترقی کرتی رہے گی۔ مگر ہز آنر نے جس محبت اور جس درد سے طلبا کو نصیحت کی ہے۔ اُس کی قدر ہمکو کرنی چاہیئے اور طلبا کو اپنی تعلیم کا معیار سامنے رکھنا چاہیئے . . . .

کامریڈ دہلی

. . . . . . پوری تقریر میں مسلمانوں کی تعلیم کے ساتھ جس سچی ہمدردی کا اظہار ہوا ہے اور اس معاملہ میں مسلمان کارکنوں کے ساتھ جس بے تکلف شراکت کی خواہش ظاہر کی گئی ہے اُس کے متعلق رایوں کا اختلاف نہیں ہو سکتا . . . . سر جیمس مسٹن کی تقریر میں جوش نہیں ہے بلکہ زور ہے . . . . . علیگڈھ کے بعض معاملات کے متعلق اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرنے میں اور اُس کی ترقی چاہنے والوں کو اُن خطرات سے آگاہ کرنے میں جو آیندہ نظر آتے ہیں، سر جیمس مسٹن نے بہت ہی عاقلانہ الفاظ استعمال کئے ہیں . . . . لیکن علیگڈہ کی مشکلات کے بعض پہلو ایسے ہیں جن کا کوئی حوالہ ہز آنر کی اس جامع تقریر میں نہیں ہے اور ہمیں اُمید بلکہ یقین ہے کہ صرف ناواقفیت کیوجہ سے یہ امور نظر انداز ہو گئے . . . . علیگڈہ کے متعلق صحیح رائے قائم کرنیکے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کی قومیت کو تازہ کرنیکے لیے یہ انسب سمجھا کہ چند

یورپین پروفیسروں سے مدد لی جاوے۔ مگر ساتھ ہی بہت واضح طور پر یہ طے کر دیا کہ تمام ٹرسٹی مسلمان ہوں اور سوا مسلمان کے کوئی اور اُنکی تعلیمی پالیسی میں معتد الیہ نہیں قرار پا سکتا تعلیم کا مقصد انسان کو کامل بنانا ہے اور کمال کا مفہوم مختلف جماعتوں کے مذہبی تخیلات اور آداب معاشرت کے لحاظ سے مختلف ہے۔ اس بات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سر سید احمد خاں جو گورنمنٹ اور مشن کالج کے طریقۂ تعلیم اور منشا تعلیم کی طرف سے مطمئن نہیں تھے، ایسے انتظام کو پسند نہیں کرتے جس کی وجہ سے علیگڈہ کا معیار کمال اُن لوگوں کے نقطۂ خیال کے مطابق ہوتا جنکے مذہبی تخیلات اور آداب معاشرت ہندوستان کے مسلمانوں سے مختلف ہے۔ اسی لحاظ سے اگر علی گڈہ کی تعلیمی پالیسی مطلق العنانی کی محکوم ہو سکتی ہے تو سوا مسلمان کے کسی اور کو اختیار کامل دینے کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے طے ہو جاتا ہے لیکن ایکبار کسی مطلق العنان مسلمان یا جمہور اسلام کی رائے سے اس پالیسی کے طے ہو جانے کے بعد نہ صرف یہ جائز ہو گا بلکہ بعض اوقات ضروری ہو گا کہ اُسپر عمل درآمد تمام ذرائع سے کیا جائے خواہ وہ ذرائع اسلامی ہوں یا غیر قومی۔ ...

ذیل کا ساقی نامہ جناب مولٰنا بینظیر شاہ صاحب کی تصنیف ہے۔ آپ جناب مولانا حاجی سید وارث علی شاہ صاحب قدس سرہ کے منتخب مریدوں سے ہیں۔ نظم میں آپکو حضرت امیر مینائی مرحوم سے تلمذ حاصل ہے۔ زبان اور طرز بیان دونوں کے لحاظ سے آپ کا کلام ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ خصوصاً مثنویاں جو خاص خاص عنوان پر لکھی گئی ہیں لاجواب ہیں۔ بیان کی سادگی اور زبان کی سلاست کے لحاظ سے

میر حسن مرحوم کی مثنوی لاجواب سمجھی جاتی ہے۔ آپکے یہاں زبان کی روانی تو وہی ہے
مگر طرز بیان میں خاص نزاکت ملحوظ ہے جو منشی صاحب کے تلمذ کے خصوصیات میں سے
ہے۔ صرف اسی ساقی نامہ میں ابر سیاہ اور چمن میں بگلوں کی سفید قطار کی جتنی تشبیہیں
دیگئی ہیں اُن سے آپکی جودت طبع اور نازک خیالی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مگر سب سے
بڑی خصوصیت جو آپ میں ہے وہ یہ کہ آپ ہمارے کالج کے اولڈ بوائے ہیں۔
ہمیں اُمید ہے کہ مسٹر عبد الحق صاحب خاص طور سے اس مثنوی کی داد دیں گے

اڈیٹر

کہاں ہے تو اے ساقی جم وقار — کہ نو روز ہے اور فصل بہار
شباب آفریں می پلا شیب میں — ہزاروں ہنر بھر دے اک عیب میں
صباحِ ربیع و لبِ جوئے بار — یہ خنکی یہ سبزہ یہ ابر بہار
غضب! بھینی بھینی گلوں کی مہک — ستم! ہلکی ہلکی ہوا کی سنک
کھلی مہر خم غنچے کھلنے لگے — گل و بلبل آپس میں ملنے لگے
اُٹھا جام باہیں تو گردن میں ڈال — گلے مل مرے دل کی حسرت نکال
تبسم کناں راح اطہر پلا — نیاز تن و دل روح کو تو پلا
سلامت رہے نوجوانی تری — یہ بزم طرب گل فشانی مری
کہاں پھر یہ دن اور ذوق شراب — کہ سیلاب باراں ہے جوش شباب
او بلکہ یہ می غم سے بہ جائے گی — کسی کی رہی ہے نہ رہ جائیگی
گیا دورِ غم توبہ کرنا گئی — بہار آئی ساقی بہار آگئی
کھٹکتا ہے اس وقت خار ملال — پلا پھول دل سے یہ کانٹا نکال
جلال خزاں مل گیا خاک میں — چلی دختِ رز سایۂ تاک میں
زمان گل و کامرانی ہے یہ — نہو مے، تو کیا زندگانی ہے یہ

مری آہِ دل کا یہ چھایا اثر
بنا ہوسنی ابر دودِ جگر

گھٹا اودی اودی یہ کیا چھا گئی
بہارِ چمن رنگ پر آ گئی

پروں کو اِدھر مور تولے ہوئے
گھٹائیں اُدھر بال کھولے ہوئے

وہ کوئل غضب سے لے بجاتی ہوئی
پپیہوں سے تانیں لڑاتی ہوئی

سناتا ہے دیپک کے سُر کی کہاں
تو کہہ "الصلا" اور کہہ دے یہاں

اُٹھی رس بھری بانسری کی صدا
تو اُٹھ کر صراحی کا قلقل سُنا

بڑھا جھومتا، کوہ ہے فیل ابر
ہے رندوں پہ اب تنگ میدانِ صبر

فلک پر سیہ مست چھایا سحاب
اُٹھی خم سے یا موجِ دودِ شراب

ہوا، دوش پر شال ڈالے ہوئے
گھٹاؤں کے آنچل سنبھالے ہوئے

دوپٹہ رنگا ابر نے کاسنی
اُڑی پھرتی ہے آج تردامنی

اُڑا اُلکرے ہو ہو کے دامانِ صبر
ہے زاہد کی عصمت کی چادر پہ ابر

تھے خلوت میں جو سجدہ گاہِ کرام
ہوا پر اُڑے وہ مصلے تمام

ہوائے مئی خوش نے بھڑکائی آگ
گئے اُڑ کے افلاک پر خم کے جھاگ

گھٹائیں وہ بگلوں کی ہر سو قطار
کہ ظلمت میں آبِ حیات آشکار

سیاہی میں یہ اُجلی اُجلی لکیر
رواں دامنِ کوہ میں جوئے شیر

لئے ہاتھ میں تیغِ عریاں گھٹا
چلی کاٹنے فوجِ غم کا گلا

نکالے ہوئے مانگ ابرِ کبود
دکھاتا ہے زلفوں کی اپنے نمود

اُٹھا ہے یہ رندوں کا دودِ فغاں
ہلاتی ہے چادر گھٹا "الاماں"

یہ اُڑ اُڑ کے نامِ مغاں کر گئے
کہ مینا کے پینے فلک پر گئے

سراپردۂ چرخ ابرِ بہار
یہ چھالا ہے مقیش کی آبدار

یہ طوفانِ بادہ اُٹھا خاک پر
لٹا دی گئی اُڑ کے افلاک پر

یہ کہسار میں راہ چھوٹی ہوئی — شرک سنگ مرمر کی کوٹی ہوئی
وہ قلب رندان کے ناسور کی — کفِ ابر میں تپی کافور کی
گھٹاؤں کے جوڑے ہوا سے لڑے — یہ موباف موتی بھرے کھل پڑے
زمین و فلک پر ہے مستی کا شور — گرجتے ہیں بادل کے چلاتے ہیں مور
گھٹا ایسی گھنگھور چھائی ہوئی — کہ میخانہ ساری خدائی ہوئی
یہ فصل بہار اور ایام دے — کہ ہر بزم ہے رشک کاؤس کے
وہ روح رواں دے تو اس ابر میں — کرے وجد جمشید بھی قبر میں
رواں ہر گلی میں ہوئی موج آب — بہی میکدے میں بھی جوئے شراب
طرب آشنا ہو غم بے کراں — لبِ طمے ہو کشتی کی صورت رواں
ادھر ابر ادھر ہر جواں مست ہے — زمین مست ہے آسماں مست ہے
جو بیہوش گرتے ہیں مست شراب — تو حوریں چھڑکتی ہیں مونھ پر گلاب
زمین و فلک میں تھی کچھ چھیڑ چھاڑ — پڑے بیچ میں بدلیوں کے پہاڑ
کبھی گدگدا کر ہوا رہ گئی — کبھی مسکرا کر گھٹا رہ گئی
ہنسی برق کی جاں فزا ہو گئی — گلوں کی ادا بھی ہوا ہو گئی
ہے چقماق کو پنبۂ تر سے لاگ — نکلتی ہے یا سنگ موسی سے آگ
ہیں دست و گریباں شرار اور آب — فقل ان ھذا لشئ عجاب
کچھ ایسی ہی ٹھنڈی ہوائیں چلیں — گلیم اوڑھ کر جو گھٹائیں چلیں
فلک پر گرجتا ہے ابر مطیر — زمین پر نہ کیوں رند گائیں کبیر
ادھر بجلیاں توڑے ہنس کر سحاب — ادھر شیشۂ رنگ ذوق شراب
کبھی ابر گریاں کبھی خندہ زن — ہے دیوانہ کا سوانگ چرخ کہن
برستا ہے رہ رہ کے ابر بہار — تو بادہ سے پچکاریاں بھر کے مار

پلے اتنی مے ساقی شوخ و شنگ
کہ ہو میکدہ کی زمین لالہ رنگ

بغل میں سبو ہاتھ میں سنگ ہے
ہے رندوں میں ہولی عجب رنگ سے

وہ زاہد جنہیں دختِ رز سے ہے لاگ
لنگوٹے پہ اب کھیلتے ہیں وہ پھاگ

مئے شعلہ رنگ آگئی جوش پر
نکل آئی شیشہ پری توڑ کر

سبو بوڑھے ہیں غمزے دکھانے لگے
کہ ڈھل ڈھل کے جوبن پہ آنے لگے

نکل آئی پردہ سے بنتِ عنب
صراحی کی گردن اٹھے خاک اب

رچے رنگ مے میں شرابی تمام
گلابی ہوئی ہے گلابی تمام

خمِ مے یکایک ابلنے لگے
صراحی سے شعلے نکلنے لگے

منایا ہے رندوں نے یہ جشنِ عام
کہ ہر بزم میں رقص کرتا ہے جام

ترے دم سے اے ساقیِ جم تبار
وہی انجمن ہے وہی نوبہار

پرانی روش پر ہے تازہ چمن
نئے جوش پر ہے شرابِ کہن

بہار آئی اک دھوم سی مچ گئی
عروسِ چمن رنگ میں رچ گئی

طیورِ سحر خیز شیریں نوا
نسیمِ دل آویز عشرت فزا

اٹھی موجِ مے بن کے بادِ سحر
روش پر گری شاخِ گل جھوم کر

وہ شوخی نسیمِ خوش آہنگ میں
کہ ہر نقشِ گل کھنچ گیا رنگ میں

گزرتی ہے جو پتیوں سے ہوا
نکلتی ہے کیسی سریلی صدا

جو گاتے ہیں مرغانِ شیریں زباں
بجاتے ہیں برگِ شجر تالیاں

عنادل جو ہوتے ہیں نغمہ سرا
انہیں آس دیتی ہے موجِ صبا

ہوا نشہ میں سنسناتی ہوئی
بہکتی ہوئی لڑکھڑاتی ہوئی

کبھی نغمہ زن طائرانِ سحر
کبھی گنگناتے ہیں برگِ شجر

ہوا سے یہ لالے کی اٹھکھیلیاں
کہ اٹھتی ہے موجِ مے ارغواں

یہ جوش بہار اور یہ کالی
پلا بھر کے مے ساغر نور میں
یہ مقبول ہو بادہ نوشی مری
اُٹھا دے یہ پردہ محبت کا جوش
بہی ندیاں نشہ میں نور کی

سلامت رہے تیری دریا دلی
جگہ دے مجھے چشم مخمور میں
کرے زہد حلقہ بگوشی مری
کہ دامان رحمت ہو خود عیب پوش
اندھیرے میں سوجھی بہت دور کی

جدا میرے لب سے لب خم نہو
بہکنے میں بھی راستہ گم نہو

اولڈ بوائے اسٹور

اولڈ بوائے کئی ماہ کے انتظار کے بعد اپنی باقاعدہ بے قاعدگی کے ساتھ وصول ہوا۔ اسٹوریج کے متعلق مضامین دیکھکر معلوم ہوا کہ پھر باسی کڑہی میں اُبال آیا ہے۔

میں نے جو اسکیم مرتب کر کے پیش کی تہی میرے خیال میں وہ ایسی تہی کہ اگر کوئی معمولی سمجھ کا آدمی بہی ذرا دلچسپی سے کام لیکر اس پر عمل کرتا تو کوئی صورت نقصان کی نہ تہی۔ اولڈ بوائز اور موجودہ طلبا سب کو اس بات کا کافی تجربہ ہے کہ لباس کی تیاری کتابوں اور دیگر سامان کی فراہمی میں انہیں کسقدر زحمت گوارا کرنا پڑی ہے۔ تجارت کا یہ کہلا راز ہے کہ جب مانگ پوری کردی جائے تو کوئی اندیشہ نقصان کا نہیں ہوتا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے انکی مانگ نہیں ہے۔

میں نے اپنی اسکیم میں یہ عرض کیا تہا کہ جس طرح علم و تہذیب کے لیے علیگڈہ

سرچشمہ مانا جاتا ہے اسی طرح تجارت (جس سے میری مراد مسلمانوں کی تجارت ہے) کا مرکز بھی یہی ہونا چاہیئے۔

میرے خیال میں قطع نظر آرام و مالی فائدہ کے یہ ایک بڑا فائدہ اس سے حاصل ہو سکتا ہے کہ جن نوجوانوں کا رجحان طبع تعلیم کی طرف نہو انہیں کوئی ہنر یا پیشہ سکھانے کا یہ عمدہ ذریعہ ہوگا۔ اگر ہمت و استقلال سے کام لیا جائے تو یہ ممکن ہے کہ آئندہ برقی قوت سے کام لیکر تمام بورڈنگ کی روشنی و پنکھوں کا انتظام کیا جا سکے اور اسکے ساتھ ایک ورکشاپ بھی قایم کر دیا جائے۔ جہاں الکٹرسٹی کی عملی تعلیم دیجا سکے۔ اسمیں شک نہیں کہ اس وقت تو یہ خیال دیوانے کی بڑ معلوم ہوگا لیکن جیسا اوپر عرض کیا گیا ہے ہمت و استقلال سے کام لینے پر یہ امر دشوار نہیں ہے۔

میں نے اپنی اسکیم میں عرض کیا تہا کہ فروخت حصص میں جہانتک ہو سکے سہولت خریداروں کے لیے رکہی جائے۔ میں اس تجویز سے بالکل متفق ہوں کہ عــــــــ کا سرمایہ ہوجانے پر کام شروع کر دیا جائے۔

اگر یہ جوش سوڈا واٹر کا سا جوش نہیں ہے اور درحقیقت اس بارہ میں کوشش کرنا مقصود ہے تو بسم اللہ کہکر کہڑے ہو جائے۔ کوئی صاحب اس کام پر آمادہ ہو جائیں اور فروخت حصص کا بندوبست کریں۔ بورڈ آف ڈایرکٹرس منتخب ہو اور کام شروع کر دیا جائے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اور اب پہر عرض کرتا ہوں کہ اگر میں کسی کام کے قابل سمجہا جاؤں تو میں نہایت خوشی سے ایک دو ماہ کے لیے رخصت لیکر اس کام کو چلا کر دکہا سکتا ہوں۔

اگر اب بھی کوئی پس و پیش ہے اور زیادہ اطمینان کرنے کی خواہش ہے تو میری رائے میں ایک کمیٹی ابتدائی تجاویز پر غور کرنے کے لیے قائم کی جائے جس میں اصحاب ذیل ضرور شریک ہوں۔

(۱) میر ولایت حسین صاحب بی اے۔

(۲) شوکت علی خاں صاحب

(۳) محمد علی خاں صاحب

(۴) برادر شاہی عمارت والہ۔

(۵) سید لائق حسین صاحب۔

اگر ایک وقت میں سب صاحبوں کا ایک جا جمع ہونا ممکن ہو تو براہ کرم مجھے ان حضرات کے نام سے مطلع فرمایئے جو اس سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ یا ایسے حضرات براہ کرم خود اپنی تجاویز سے مجھے ممنون فرمائیں۔ اور اسکے متعلق ابتدائی امور خط و کتابت سے طے کر کے اولڈ بوائے میں شائع کر دونگا۔ شاہی عمارت والا

ہماری بہبود کے وسائل

ذیل میں ہم آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب کی اُس تقریر کو درج کرتے ہیں جو اُنھوں نے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے موقعے پر بہ مقام لکھنؤ کی تھی۔ یہ تقریر تین حصوں پر منقسم ہے جن میں سے حصہ اول ہم اس پرچہ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ خالص اسلامی تمدن کے انحطاط کے جو وجوہ خواجہ صاحب نے بیان فرمائے ہیں ہمیں اُنسے لفظاً بلفظ اتفاق ہے ہم تمام مسلمانوں کو خواجہ صاحب کے اس فقرہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ ہمکو سادہ تمدن کی ضرورت ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اپنے جسم اور طاقت کی حفاظت کے لیے جائز اور نہایت ضروری خرچ کے سوا باقی سب

فضول حرکتیاں چھوڑ دیں"۔ ہمکو اپنے کالج کے تعلیم یافتہ اصحاب سے خصوصیت کے ساتھ یہ امید ہے کہ وہ ان الفاظ کو اپنا دستور العمل بنانے میں دوسروں پر سبقت لیجائینگے۔ ایڈیٹر

یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکٰفرین (ترجمہ) اے مسلمانوں تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے (تو کوئی پرواہ نہیں) آگے جا کر ایک زمانہ آئیگا کہ خدا ایک قوم کو اٹھائے گا۔ جو خدا سے محبت رکھیگی اور خدا اُنسے محبت رکھیگا یہ لوگ مومنوں کے لیے منکسر مزاج اور منکروں کے لیے سخت ہونگے۔

حضرات! ہر قوم میں بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جنکی دانشمندی اور لیاقت کی تعریف صرف اُنکی قوم اور ملک تک محدود نہیں ہوتی بلکہ جہاں جہاں اُنکا کلام یا اُن کے خیالات پھیلتے ہیں سب لوگ اُنکے سامنے ادب سے سر جھکاتے ہیں۔ انھیں چیدہ اور خاص آدمیوں میں شیراز کا وہ بزرگ اور مسلمانوں کا وہ شاندار منشی او معلم اخلاق شاعر گزرا ہے جو سعدی کے نام سے ایشیا کے علم ادب وشاعری اور فلسفۂ علمی میں ہمیشہ ممتاز رہیگا ہز ہائنس سر آغا خاں جو اس وقت موجود ہیں اگرچہ ہمارے لیے موجب فخر ہیں لیکن اُنکے لیے بھی یہ امر فخر کا باعث ہے کہ وہ سعدی کے ہموطن ہیں۔ اُس نے بیان کیا ہے کہ بلقان کے علاقہ میں اُنسے اور ایک عابد سے ملاقات ہوئی عابد سے اُنہوں نے فرمایش کی کہ ایسی نصیحت کیجئے اور ایسا اصول بتلائیے کہ طبیعت سے جہالت دور ہو ؎

در خاک بیلقان برسیدم بعابدے
گفتم مرا بہ تربیت از جہل پاک کن،

اس کا جواب اُس عابد نے کسقدر پاکیزہ دیا ہے ؎

گفتا برو چو خاک تحمل کن اے فقیہ | یا ہرچہ خواندہ ہمہ در زیر خاک کن

ناتربیت یافتہ اور وحشی انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ اُس کے جذبات اُس پر حاکم ہوتے ہیں اور جس طرف اُسکو چاہتے ہیں لیجاتے ہیں۔ اُس کی خواہشیں دم بدم بدلتی رہتی ہیں اور اُسکو یہ یاد نہیں رہتا (یا اسقدر دور اندیشی اُس میں نہیں ہوتی کہ سمجھ سکے) کہ اب میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اور جس جذبہ کو پورا کر رہا ہوں اُس کی وجہ سے کل ایک سخت نقصان میں مبتلا ہونگا۔ اور اُس سے اور بھی زیادہ ضروری کام نہ کر سکونگا۔ ایسے ہی لوگوں کی شان میں کلام الہی میں آیا ہے لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (اعراف) اُنکے دل ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ اُن کی آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں۔ اُنکے کان ہیں مگر سنتے نہیں۔ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر۔ دیکھنے میں وہی خواہشیں وہی ضرورتیں وہی اُمنگیں وہی حاجتیں وحشیوں میں ہیں جو مہذب آدمیوں میں ہیں بلکہ حیوان میں بھی وہی ہیں اور نہ صرف دیکھنے میں بلکہ حقیقتاً نیچر نے بعینہ وہی باتیں دونوں میں رکھی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ حیوان یا وحشی یا ناتربیت یافتہ انسان ان خواہشوں کو مغلوب کرکے اُن کو اپنے لیے ایک مفید آلہ نہیں بنا سکتا۔ مہذب آدمی انہیں خواہشوں کو دبا کر اُنسے بڑے بڑے نتائج پیدا کرتا ہے۔ بلقان جہاں اب بلند نظری کیوجہ سے گھمسان کا رن پڑ رہا ہے اور درندہ صفت انسان شہنشاہ امن و امان مسیح ابن مریم علی نبینا و علیہ السلام کے نام سے اُس ملک کو مذبح بنا رہے ہیں۔ اسی بلقان کے اصلی یا فرضی عابد نے یہ رمز بتایا ہے کہ تربیت نفس بغیر تحمل یا غم کھانے کے حاصل نہیں ہوتی اس تمہید کو میں اس لیے بیان کرتا ہوں کہ آپکو بہت زیادہ تحمل اور بردباری کی اور خیالات سابقہ کو برکنار رکھنے کی ضرورت ہوگی تب آپ میری اس تقریر کو سن سکینگے کیونکہ میں اپنی باتیں سہل طور پر کہنا چاہتا ہوں نہ کہ رمز و اشارہ میں اور چونکہ میرے خیالات کسی خاص فرقہ کے تابع نہونگے اسلیے ممکن ہے کہ اکثر لوگ اُنکو پسند نکریں

جو جماعتیں خلاف طبع یا سابقہ خیالات کے برخلاف امور سننے سے گریز کرتی ہیں وہ ایک نامبارک سڑک پر چل رہی ہیں اور جو جماعتیں ہر قسم کی نکتہ چینی سُننے کے لیے تیار ہیں وہ مبارک رستے پر ہیں ؎

گفتا بروچو خاک تحمل کن اے فقیہ
یا ہرچہ خواندۂ ہمہ در زیر خاک کن

حضرات! مسلمانوں کی بہبود کے وسائل بتاتے بتاتے لوگ تھک گئے اور کہتے کہتے باتوں کا اثر بھی جاتا رہا۔ مگر میں اس تقریر میں ایک خاص بات پر زور دونگا اور دوسرے مسائل اور وسائل کو صرف ضمنی طور پر آخر میں بتاؤنگا تاکہ دیگر مسائل کی اہمیت کو بھی لوگ فراموش نکریں۔

اسلام ایک نظام تمدنی وروحانی ہے جس کی بنیاد ازلی و ابدی قوانین اور حکیمانہ اصولوں پر ہے اُس میں روحانیت ہے اُس میں خاص عقائد ہیں نیز اُس میں صفائی یا پاکیزگی کے جزوی احکام معاملات کے قوانین عبادات کے طریقے میل جول اور ملاقات کے قواعد ہیں۔ اس میں چند باتیں ایسی لابدی ہیں جن کے انکار سے آدمی مسلمان نہیں رہتا۔ بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں اختلاف اور آزادی رائے کی گنجایش ہے باوجود بے حد اختلافات کے اُس میں ایک جزو مشترک ایسا ہے جس سے آدمی فوراً پہچانا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ اُس جزو مشترک کا کمزور ہونا اسلام کی کمزوری ہے اور اُس شناخت کا جاتا رہنا سب سے بڑی اسلامی تباہی اور قومی شکست ہے۔

آنحضرت (علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام) نے جب عربوں کو اسلام کی تلقین شروع کی تو باوجودیکہ قوم عرب اور حجاز کے بعض مقامات میں تہذیب وتمدن کی کچھ علامات موجود تھے اور عرب کے بعض قبائل میں قوت اور زندگی کے آثار پائے جاتے تھے لیکن واقعاً اسقدر لاکھوں باتیں سکھانے کی آپکو ضرورت تھی اور اتنی باتیں سکھائی گئیں

کہ اُن پر غور کرنے اور اُن پر احاطہ کرنے سے لائق سے لائق انسان کا دماغ متحیر اور عقل خیرہ ہو جاتی ہے۔ اسکے متعلق مجھے ایک مخالف نکتہ چین پروفیسر مال گو ہتہ کا قول یاد آتا ہے جس نے ایک جگہ لکھا ہے کہ صرف آیت ذیل کی بابت اگر مجکو یقین ہو کہ بغیر تعلیم و اثرات انسانی سکے یہ تخیلات جو اس آیت میں شامل ہیں محمد (روحی فداہ) نے نکالے ہیں تو میں اُنکو روئے زمین کا سب سے بڑا انسان ماننے پر تیار ہوں۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق۔ اقراء وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم۔

اس اولین آیت قرآن کی متعلق اس پروفیسر کا استعجاب بالکل بجا ہے۔ کسقدر کلیات اس میں ہیں۔ قرأت۔ اسم۔ رب۔ خلق۔ خلق الانسان اور خود انسان۔ انسانی ترقی ابتدائی کیڑے کی حالت سے یعنی خلق الانسان من علق۔ خدا کے اخلاقی کمال یعنی رب اکرم کا تصور پھر علم اور قلم اور تعلیم بالقلم کا خیال اور تعلیم الانسان کا تصور ما علیم (جو جانتا ہے) اور مالم یعلم (جو نہیں جانتا) اس کا امتیاز۔

مگر میرا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ آنحضرت کی تعلیم ایسی وسیع ہے کہ بہت سے بڑے بڑے دماغ اُس کے پوری طور پر سمجھنے اور قدر کرنے اور سمجھانے کے قابل بغیر توفیقات الہی اور ملکہ فطری کے نہیں ہو سکتے قوم بنانیکے جو اصول ہمارے رسول نے اپنی زندگی میں سمجھائے ہیں صرف انھیں کو سمجھانے اور بتانے کے لیے بڑے سے بڑے مدبرین اپنی زندگی وقف کر سکتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ معمولی انسان ہو، بادشاہ ہو، نبی ہو اپنے کاموں میں بغیر استعمال وسائل کوئی عملی نتیجہ نہیں دکھا سکتا۔ آنحضرت کو انسانی وسائل کی ضرورت تھی اور جو وسائل آپکے سامنے تھے اُنکی لیاقت اور درک اور مادہ قابل کے مطابق اس فخر رسل نے کام لیا اور جس میں جو ملکہ مخفی تھا اُسکی تکمیل کی۔

خاص خاص مصلحت سے کچھ لوگ کچھ ہی ظاہر کریں۔ مگر اثر صحبت اور فیض رسالت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ وہ اثر جو ایسا زبردست تھا کہ بداخبیث آدمیوں پر بھی پڑا اور نیکوکاروں پر بھی۔ نہایت درجہ مقناطیسی بلکہ روحانی اثر تھا۔ اُس کی ایک ادنیٰ مثال میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

عرب میں کاتب بہت کم تھے لکھنے کے ماہر ایسے ہی کمیاب تھے جیسے کہ آجکل بے تار کی تار برقی جاننے والے ہندوستان میں بہت کم ہیں۔ اسلیے جو شخص اچھا بُرا ملجاتا بلا لحاظ اُسکی ایمانی یا روحانی حالت کے کاتب وحی کا کام اُس سے لیا جاتا تھا کیونکہ بسا اوقات معتبر صحابہ یا اہلبیت جو کتابت کا کام جانتے تھے ضروریات کیوجہ سے باہر جانے پر مجبور تھے۔ چنانچہ ایک شخص جس کا نام شاید حکم ابن عاص تھا کتابت وحی پر مقرر تھا۔ وحی (جو مثل ایک چشمۂ فیض اور ایک روحانی سلسلہ مثل بے تار بجلی کے خالق اور مخلوق کے درمیان ہے) رسالتمآب پر آرہی تھی۔ آیت ذیل حضرت پر نازل ہوئی لقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین۔ کاتب برابر لکھتا جاتا تھا جب آیت ختم ہوئی اور آپ اگلی آیت بتانیوالے تھے تو یکایک کاتب کی زبان سے نکلا فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ آپ نے فرمایا کہ درست ہی اسی طرح وحی آئی ہے اسی کو لکھ لو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر مرتد ہوگیا اور بھاگ گیا اور کافروں سے جاملا اور کہا کرتا تھا کہ (نعوذ باللہ) محمدؐ نے تو خود میرا کلام قرآن میں لکھدیا ہے۔ وحی وغیرہ سب ڈھکوسلہ ہے۔ یہ قصہ بالکل معتبر ہے اور جو لوگ علم باطنی اور قدرت الٰہی کے گوناگون ظہورات کے قائل نہیں وہ مجبور ہیں کہ ایسا ہی خیال کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ نور کا زبردست چمکارہ اس شخص کے قلب پر پڑا اور اُچٹ کر یہ آیت قلب رسالتمآب سے اُس شخص کے قلب پر گری اور وہ چلا اُٹھا۔ مادہ قابل نرکھتا تھا۔ تنگ خیال اور ظاہر بیں اور شاید بدکاریوں کیوجہ سے سیاہ قلب بھی تھا اس رمز کو نہ سمجھ سکا اور صحبت رسالتمآب سے مستفیض نہو سکا۔ میں نے یہ مثال اس غرض سے

دی کہ بہ قدر استعداد ہر شخص پر اثر ہوتا ہے۔ اب یہ اُس کی قابلیت یا حالات پر ہے کہ وہ اُس سے فائدہ اُٹھائے یا نہ اُٹھائے۔ ابوجہل پر رسالت مآب کا اثر ضرور پڑتا اور پڑا۔ مگر اُس کے دل میں تاریکی کی کرنیں (اگو میں برخلاف سائنس کے ایسا استعارہ استعمال کرسکوں) اسقدر غالب تھیں کہ اُنکی وجہ سے نور کی کرنیں اچٹ گئیں بہت سے آدمی آپکے فوق العادۃ حسن خلق سے۔ بہت سے جناب کی تدبیر مملکت سے بعض ملکۂ الہیت و روحانیت سے مستفید ہوئے اور مجبور ہو کر قائل ہوئے۔ صرف الہیت کے دو پہلوؤں کو مولنا حالی نے اپنی ایک رباعی میں لیا ہے۔ لیکن اس مضمون کو وسعت دیکر تمام عالم کے علوم و حکم پر منطبق کر سکتے ہیں ؎

زہاد کو تو نے محو تمجید کیا ‌ ‌ ‌ عشاق کو مست لذت دید کیا
باقی نہ رہا خدا کا ساجھی کوئی ‌ ‌ ‌ توحید کو آ کے تو نے توحید کیا

قوم بنانے کیلیے جن چیزوں کی ضرورت تھی اُن میں ایک چیز معاشرت کی سادگی تھی اور ذاتی خواہشوں کو مجموعی خواہشوں کے تابع کرلینا ہی چیز ہے جس نے پچھلے بارہ سال میں کئی قوموں کو بے حد سربرآوردہ کردیا ہے اس اصول پر عمل کرنا رسالتمآب نے بدرجۂ اتم لوگوں کو سمجھایا۔ اگرچہ نومسلموں نے آخر زمانہ میں اپنی خواہشوں کو خواہش رسالتمآب کے ماتحت کرنے میں پس و پیش کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے رسالتمآب کو ریاست مدینہ کی نہایت مختصر آمدنی اور محدود خزانے میں سے پرانے اور اصلی مسلمانوں سے دو چند وظیفہ دیکر نومسلموں کو راضی کرنا پڑا۔ مگر فخر رسلؐ نے مسلمانوں کے کسی خام طبقے کو بھی دائرہ اسلام سے نکلنے نہ دیا۔ اے کاش ہمارے مختلف فرقے بھی اس امر کو سمجھ لیں۔ الغرض آنحضرت نے اسلامی تمدن کے شیرازہ کو قایم رکھنے کی غرض سے سب گروہوں کی خواہشات کو معتدل فرمایا اور آخر زمانے میں بھی کوئی ایسی صاف ہدایت نہیں فرمائی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ آپکے بعد دنیاوی اقتدار و حکومت قطعی طور پر کس شخص یا خاندان کے ہاتھ

میں آسے اگرچہ منجملہ اکابر عرب کے اکثر صنا وید قریش اپنے اقتدارات کو عارضی طور پر آنحضرت کے ماتحت کرنے پر راضی تھے۔ لیکن بہت بڑی کثرت رائے اس طرف تھی کہ ہمیشہ کے لیے خاندان بنی ہاشم۔ خواہ اولاد رسول کی ابدی حکومت میں رہنا اور گمنام ماتحتوں کی سی زندگی بسر کرنا مناسب نہیں۔ لیکن حسن اتفاق سے معاملات کی باگ چند ایسے پُر مغز مدبروں کے ہاتھ میں آگئی تھی جنہوں نے ایک طرف عرب کو متفق رکھا اور دوسری طرف انکی توجہ غیر ممالک کی تسخیر کی طرف پھیر دی۔ تیسری اور سب سے زبردست بات یہ تھی کہ تمدن کی جو رفتار رسالتمآب نے قائم کی تھی انہوں نے اُسی کو برقرار رکھا بلکہ ترقی دی۔ خاصکر حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی جن کا زمانہ خلافت در اصل آنحضرت کے انتقال سے سمجھنا چاہیئے۔ آنحضرت کی اس تمدنی اور دینی رجحان پر قایم رہنے کے زبردست طرفدار تھے کہ عرب اور مسلمانوں میں سادگی باقی رہے اور فتوحات کی کثرت اور دولت کی بہتات اور بلند نظریوں کے بڑھنے سے عیش وعشرت اور حب زر کی مہلک خرابیاں اُنہیں نہ آجائیں اسلامی سادگی اور تمدن کے قیام کی خواہش ہی ایک بڑا جذبہ ایسا تھا جس کی وجہ سے رئیس اہلبیت اور برادر رسول نے بھی اکثر معاملات میں اس سادہ خلافت کی تائید کی جس نے اگرچہ خاندان رسول کو رعایا کا درجہ دیدیا۔ لیکن اُس نے مسلمانوں کو بھی خالص امرائی حکومت کے محکوم ہونے سے بہت کچھ بچالیا۔ اسی مضبوط نظم ونسق اور سادگی اور چند سالہ اتفاق کا یہ ثمرہ ہوا کہ اسلامی تمدن نصف ایشیا، و افریقہ پر بارہ برس کے عرصہ میں چھاگیا اور تقریباً سب قومیں جو اُس کے تحت میں آئیں اسلام میں داخل ہوگئیں اسلام کی روحانی حقیقت اور برکات سمجھنے کے لیے یہ قومیں تو کیا خود آنحضرت کے ساتھیوں میں شاید بارہ حضرات ہی بمشکل ملینگے اور بارہ تیرہ برس میں وہ اسلام کی حقیقت کو کیا سمجھتے جبکہ تیرہ سو برس کے بعد بھی اسلامی حقیقت کو اُن قوموں نے بخوبی نہیں سمجھا۔

بہرحال اسلام کی مشین نہایت زور سے چل رہی تھی کہ یکایک تمدنی حیثیت سے

اسکو ایک خوفناک صدمہ پہونچا اور وہ یہ تھا کہ حکومت ایک ایسے مضبوط قبیلے کے ہاتھ
میں آگئی جس کے برلے نام سردار اور خلیفہ کیسے ہی نیک نفس تھے مگر اُس قبیلے کے رُوسا
آنحضرت صلعم کی دینی اور تمدنی تحریکات کے آخر عمر تک علانیہ خلاف رہے تھے اور وہ
بدرجۂ مجبوری اسلام لائے تھے۔ یہ قبیلہ زبردست تھا اُس نے یکایک نصف دنیا کی ایک
بڑی اور منتظم سلطنت پر قبضہ کرلیا اور وہ اس وسیع رقبہ پر اس سرے سے اُس سرے
تک محیط ہوگئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اکابر قریش وعرب نے خاندان رسالت کی حکومت قبول
کرنے سے آنحضرت صلعم کے انتقال کے بعد گویا انکار کردیا تھا۔ مگر حکومت کے افسر ایسے
لوگ تھے جو آنحضرتؐ کی تحریک کے تمدنی پہلو اور قوم سازی کے اصولوں کو بخوبی
سمجھے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں عدالت اور معاشرت میں سادگی
پر عمل کیا اور لوگوں سے کرایا۔ اور محض دولت کو حقارت سے دیکھا اور رئیس اہلبیت کو
اپنے شائستہ طرز عمل سے اپنا بہت کچھ حامی کرلیا۔ جس حکومت کی کل عمرؓ جیسے منتظم اور مدبر
اور علیؓ جیسے صاحب علوم باطنی کے ہاتھ میں تھی وہ دیکھتے دیکھتے چند سال کے اندر مروان
ابن حکم کے ہاتھ میں آگئی۔ بدنظمیوں اور رشوت وظلم کا بازار گرم ہوگیا۔ اگرچہ انصاف یہ ہی
کہ بعد میں جو حالت ہوئی اُس وقت اس کے پاسنگ بھی سختی نہ تھی۔ مگر لوگ اتنے ظلم کے
بھی عادی نہ تھے اس وقت سے مسلمانوں میں علانیہ پھوٹ پڑنی شروع ہوئی رئیس اہلبیت
کی ہمدردی بھی جو اس شرط کے ساتھ تھی کہ سادگی کا طریقہ جاری رہے اور دولت سے
لوگ مست نہوں اس حکومت سے جاتی رہی۔ حضرت عثمانؓ کے افسوسناک واقعہ کے بعد
جو ۴۰ برس کی عمر میں عمداً کرایا گیا تاکہ بستر مرگ پر اُن کی موت واقع ہوجانے سے حکومت
بآسانی ابن عم رسول تک نہ جاسکے۔ اب اسلامی تمدن اور سادگی کے مخالفوں اور آزاد
خیالی اور عیش وعشرت کے طالبوں اور دنیاوی زندگی کو آخرت پر مقدم سمجھنے والوں کو
جن کی تعداد ہر زمانے میں بہت خاصی تھی۔ مگر وہ مصلحت وقت سے دبے ہوئے تھے

ایک کافی بہانہ ہاتھ آیا پچھلے بارہ سال میں جو دولت وحکومت اُن کے ہاتھ آئی تھی اس سے اُنہوں نے قوی دل ہو کر خاندان رسالت کے افسر کا نہایت سختی سے مقابلہ کیا۔ کیونکہ یہ روسائے قبیلہ مساوات کے عمل سے بہت مخالف ہو رہے تھے۔ عوام الناس اور نومسلم روپیہ کے خرچ اور غلط بیانیوں سے اُن مرکزوں میں جو مدینہ منورہ سے دور تھے موافق کر لیے گئے اور اسلام کی یک جہتی۔ اتفاق اور روحانی اور مادی قوا کے مجتمع کرنے کا جو موقع ملا تھا وہ ہمیشہ کے لیے غارت کر دیا گیا۔ اور جو آخری امیدیں باقی تھیں اور جن لوگوں سے باقی تھیں وہ دشت کربلا کے پرخون میدان میں ایسے ظلم وستم و بی ادبی اور ناخدا ترسی کے واقعات کے ساتھ گم کر دی گئیں کہ اُن واقعات کو دیکھتے (اگرچہ یہ بدعات صرف ظاہری مسلمانوں نے کیں) اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ پر دائمی دھبہ لگ گیا۔ عام مسلمان بھی اس بات سے بے خبر نہیں ہیں کہ یہ دھبہ ہے اور اسی کو مٹانیکے لیے محرم میں شہدائے کربلا کی عظمت زندہ رکھنے کی کوشش کیجاتی ہے۔

آجکل کے فقہی اختلافات کی رو سے حسینؑ ابن علی اور اُن کے ہمراہی نہ سُنّی تھے نہ شیعہ۔ بلکہ سب کے مقتدا تھے۔ اُنکے قاتل بھی نہ سنّی تھے نہ شیعہ۔ لیکن یہ واقعہ ہرگز نہوتا اگر دونوں کے اسلاف اور اکابر فرزند رسول کی مدد کرتے۔ لہٰذا ہیں کسی گروہ یا فرقہ کو مستثنیٰ کرنیکے لیے تیار نہیں ہوں روحانی نکبت اس واقعہ کی سب تک پہونچ رہی ہے آرام طلبی کو سب نے ترجیح دی ہے اس واقعہ ہائلہ کربلا کے اثر سے آل سفیان تو چار ہی سال میں تباہ ہو گئے اور یزید کے نوجوان پسر نے اس آتشی شعلوں کی حکومت کو دور ہی سے سلام کیا۔ مگر اب آل مروان کا دخل ہوا۔ انصافاً تاریخ کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ اگرچہ عبدالملک ابن مروان (جس کے ہاتھ معرکۂ کربلا کے خون بلکہ مشورۃً تک سے پاک تھے) ایسی اسلامی سادگی قایم نہ کر سکا جو ابتدا میں تھی اور خود وہ کافی عدالت پر عمل کر سکا۔ مگر اُس نے نظم ونسق کو مکمل ابتدائی نمونوں پر بہت کچھ قائم کیا اور اُس کی اولاد میں سے بعض

دیگر فرمانرواؤں نے ہی مروان کے نام کو چمکایا چنانچہ عمر ابن عبدالعزیز اسلامی سادگی کو قائم کرنے کی دھن میں ختم کر دیئے گئے لیکن چونکہ بنی مروان بنی امیہ میں سے تھے اور بنی امیہ کی ایک سربرآوردہ شاخ پیغمبر عربی کے نواسوں کا خون علی الاعلان بہا چکی تھی اس لیے عام میلان اس خاندان کے خلاف ہی رہا۔ بنی ہاشم کے چند ہوشیار لوگوں نے اس مخالفانہ جوش سے فائدہ اٹھا کر دولت عباسیہ قائم کی مگر عجم کے سازشی دماغ اور خراسان کے تازہ دم وحشیوں کی مدد سے۔ اس حکومت میں نہ خلافت ابتدائی کی سادگی و عدالت تھی اور نہ آل رسول کا کامل تقویٰ اور روحانیت پائی جاتی تھی۔ نہ اس حکومت میں بنی امیہ کے بعض خلفا کا سا انتظام و جبروت تھا اور نہ وہ خالص عربی حکومت قائم رہی تھی۔ چند پشتوں تک تو اس کا دبدبہ عم رسول کی اولاد ہونے کی وجہ سے بظاہر قائم رہا۔ مگر عربی سادگی جا چکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت اوّل عجم کے ہاتھ میں پھر کردوں اور ترکوں کے ہاتھ میں آگئی جو غلام تھے۔ اس زمانہ میں رشوت اور ظلم اور عیش و عشرت کا دورہ تھا۔ اسلامی تمدن اُس وقت سے آج تک برائے نام رہا۔ اس زمانہ سے صرف ناول پڑھنے والے یا الف لیلہ کی داستانوں کو معراج تہذیب کا زمانہ سمجھنے والے خوش ہو سکتے ہیں۔ اسی زمانہ میں یہ بدعت جاری ہوئی کہ علاوہ سلطنت کے جرائم کے مذہبی عقائد کی وجہ سے لوگوں کو سخت سزائیں ملنے لگیں جس کا چسکا آج تک بھی ہم سے نہیں گیا۔ انجمن اتحاد ترقی نے اس میں اب اصلاح کی تھی۔ اس زمانہ کی ایک خاص علامت یہ تھی کہ مسائل فقہ تو کجا عقائد تک بادشاہوں اور خاندانوں کی مصالح کے موافق بدلے جانے لگے۔ وہ قریش جو سوا سو سال پہلے آل رسول کی اطاعت سے اسوجہ سے ناخوش تھے کہ قریشی نسل کسی سے کم نہیں ہے اور وہی حکومت کی سزاوار ہے غلاموں کی محکوم ہوگئی اور اسلامی مرکز حکومت غلاموں اور خواجہ سراؤں کی سازشوں کے ماتحت مدت تک رہا

جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ طوائف الملوکی کا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ بہت سے خاندان کھڑے ہوگئے جو حکومت کے دعویدار تھے۔ مغلوں اور چنگیز خانیوں کو عروج ہوا۔ اس پریشان بلند نظری نے عربی مرکزیت کو ہمیشہ کے لیے فنا کردیا۔ یہ حالت اس وجہ سے ہوئی کہ اب مسلمان پہلے جیسے نہیں رہے تھے اور عم رسول کی اولاد کی وقعت اُن میں بس اسقدر باقی تھی کہ اُن کا نام مٹانا پسند نہیں کرتے تھے۔ ورنہ ماموں کے بعد ہی سے یہ حالت ہوگئی تھی کہ ؎

وہ دل ہیں قوی اور نہ وہ بازو ہیں توانا
بس کوچ کا اب سمجھو کہ آپہونچا زمانا

غرضکہ اسلامی سادہ تمدن کے نہ ہونے کی وجہ سے پچھلے تیرہ سو برس کے اندر مسلمانوں کی ظاہری حکومت تو جگہ جگہ رہی۔ مگر واقعی اسلامی حکومت کہیں نہ رہی۔ اس کے تاریخی وجوہات و اسباب کا اگر میں کھوج لگاؤں تو پوری ایک کتاب ہوجائیگی مگر یہ سب واقعات ایک قصے کی شرح ہیں۔ غالباً یہ مشہور روایت اکثر تفسیروں میں اور غالباً روح المعانی علامہ الوسی میں بھی ہے۔ جنگ احد کا قصہ معروف ہے مسلمانوں کی یہ حالت آنحضرت نے ملاحظہ فرمائی کہ وہ مال غنیمت دیکھکر بیتاب ہوگئے اور خلاف حکم رسول لوٹ میں مصروف ہوگئے اور جس گھاٹی سے دشمن کے حملہ کرنے کا اندیشہ تھا اُسکو چھوڑ دیا۔ کفار قریش نے پشت کی جانب سے حملہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان گھبرا گئے اور ہرچند کہ ثابت قدم نہ رہ سکے اور اُنکو سخت شکست ہوئی مگر دشمن محض اپنی حماقت سے یا مسلمانوں کے مقدر کی خوبی سے مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے رہ گئے تاہم باوجود بھاگ جانے اور شکست پانے کے اسلام سے کوئی شخص یا کوئی جماعت منحرف نہیں ہوئی۔ عالم رویا میں رسالتمآب کے سامنے امت محمدی کی تمام حالت مستقبلہ لائی گئی۔ آپ نے بعد ملاحظہ کے فرمایا کہ میں اس سے

تو مطمئن ہوا کہ میری اُمت شرک اور بت پرستی کی طرف نہ لوٹیگی۔ مگر دنیا کی محبت اُس پر غالب رہیگی۔

یہ مسلمانوں کی تیرہ سو سال کی تاریخ کا خلاصہ ہے اُنہوں نے یہ سبق تو بیشک سیکھ لیا ہے کہ خدا ایک ہے۔ مگر دنیا کی آسودگی اور طمطراق کی خواہش نے اعلیٰ اصول اور اعلیٰ منتہائے خیال کو اُن کے دلوں سے فراموش کر دیا ہے۔ انجام یہ ہوا کہ ظاہری شان و شوکت بھی آہستہ آہستہ اُنسے رخصت ہونے لگی اور رخصت ہو رہی ہے۔ جس چیز کی خاطر اُنہوں نے قرآنی تعلیم اسلامی اخوت و ہمدردی کو چھوڑا وہ چیز بھی ہاتھ سے گئی اور یہ بھی

ہم سے خود دنیا ہی پیہائی نہ حالی ورنہ ہاں
دین تک دنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم

پس اس سوال کے جواب میں کہ مسلمانوں کو سب سے زیادہ کس چیز کی ضرورت ہے میں کہونگا کہ سادہ تمدن کی ضرورت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے جسم اور طاقت کیلئے جائز اور نہایت ضروری خرچ کے سوا باقی سب فضولیات چھوڑ دیں اور اس کی وجوہات میں نہایت کثرت سے بتا سکتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے۔

(۱) جب سے ہم نے سادہ تمدن چھوڑا ہے اُس وقت سے ہم برابر گرتے چلے آتے ہیں اور جب کبھی خیر و برکت نے رجوع کیا تو یہ سادہ تمدن کی عارضی واپسی سے ہوا ہے۔

(۲) ہمارے خرچیلے اور شاندار تمدن نے ہماری قوم کے اکثر اکابر علما، مدبرین سلطنت اور واعظین کو دوسروں کے سامنے دست سوال پھیلانے پر مجبور کر رکھا ہے۔ خرچ لازم ہے وہ آئے کہاں سے۔ وہ جھوٹ سے۔ دھوکے سے۔ پبلک کے غلط جذبات کی خوشامد سے، بادشاہ اور امرا کی ناجائز حمایت سے اور خلائق کے حقوق کو تلف کرنے سے حاصل ہوا اور حاصل ہوتا ہے۔

(۳) اسلامی حکومتوں کی تباہی اسی خرچیلے نظام تمدن سے ہوئی۔ رشوت ستانی اور

دولت سے اپنا گھر بھرنے اور فرنگستان کی غلط اور بیجا تقلید نے ہمکو اس قابل نہ رکھا کہ بغیر بے ایمانی کے ہم عزت سے بسر کرسکیں اسی وجہ سے مصر ٹرکی اور ایران تباہ ہوئے ہیں اس موضوع پر اگر کوئی شخص چاہے تو ایک کتاب لکھہ سکتا ہے۔

(۴) ایشیا میں نمایشی تمدن ہم نے ایران سے سیکھا۔ اس تمدن کی وجہ سے اسلام سے پہلے ہی اہل ایران ظلم و ستم اور بدکاری کا شکار بنے ہوئے تھے۔ جو خراب حالت ایران کی اب ہے اس سے زیادہ خراب حالت اسلام کے حملے سے پہلے ہوچکی تھی۔ اس تمدن نے ایران کے جاہ و جلال میں ظاہری ترقی کردی تھی مگر درپردہ ملک ایسا کمزور اور خراب ہوگیا تہا کہ عرب کی چند فوجوں نے اتنی بڑی اور اسقدر قدیم اور عظیم الشان سلطنت کو اس طرح اُلٹ دیا جیسا کہ اسلام سے ہزار سال پہلے سکندر اعظم کے چند ہزار سپاہیوں نے اُلٹ دیا تھا۔

(۵) اس نمایشی تمدن کی تائید میں فرنگستان کی مثال پیش کیجاتی ہے۔ مگر یہ مثال کئی وجہ سے غلط ہے۔ اوّل اسلیے کہ فرنگستان کا تمدن سرد ملکوں کا تمدن ہے جہاں خرچ زیادہ رکھنا لازم ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں کا موّل اور ہمارا موّل ایک سانس میں بیان کرنیکے قابل نہیں ہے۔ وہاں اوسط آمدنی ہم سے دہ چند ہے۔ نیویارک یا لنڈن کے کروڑپتی سوداگر ہمارے تمام ملک کو جس میں تیس کروڑ باشندے ہیں خرید سکتے ہیں تیسری بات یہ ہے کہ یورپ کا اکثر خرچ آمدنی بڑہانیکے لیے ہوتا ہے اور ہمارا اکثر خرچ ہماری آمدنی کم کرنے کے لیے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ یورپ کی سب باتیں قابل تقلید نہیں ہیں۔ وہاں بھی ذی فہم آدمی وہاں کی سب چیزوں کو اچھا نہیں کہتے۔ برخلاف اسکے وہاں کے مصلحین ان سب خرابیوں کو محسوس کر رہے ہیں جو اس تمدن کی جڑ میں ایک خوفناک گڑھا کھود رہی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ کسی ترقی یافتہ قوم کے عیوب بھی ہُنر معلوم ہوا کرتے ہیں مگر دانشمند اہل ملک کا کام ہے کہ وہ عوام کو اُن عیوب سے بچانے کی فکر کرتے رہیں

مثلاً جاپان ایک نہایت ترقی یافتہ قوم ہے اور چند برسوں میں اُس نے حیرت انگیز تمدنی ترقی کی ہے لیکن وہاں سود کا لین دین کثرت سے ہے کیا ایسے مسلمان ملینگے جو اس باب میں جاپان کی تقلید گوارا کرسکیں۔ پس تقلید جس چیز کی ہو عقل سلیم کے مطابق ہونی چاہیئے

(۶) خود مسلمانوں میں نمود اور ظاہر پرستی کا مرض مدت سے آیا ہوا ہے۔ عجم کی تقلید اور زوال سلطنت کے دور نے جس میں بہت سے فواحش جاری تھے اس میں کافی اضافہ کردیا ہے۔ اس حالت میں اُن کو ایک سادہ تمدن کے سکھانے کی ضرورت ہے۔ نہ کہ پیچیدہ اور پُرشکوہ زندگی کی جس کے وہ پہلے ہی سے دلدادہ ہورہے ہیں۔

حضرات اسی نمائشی تمدن اور تہذیب کے غلط معیار نے قاہرہ، طہران اور اسلامبول پر قبضہ کررکھا ہے اور وہ مسلمانوں کی رہی سہی دولت کو برباد کرتا جاتا ہے۔ ذرائع معاش کی توسیع بغیر سرمایہ ممکن نہیں۔ سرمایہ نمائش میں صرف ہوجاتا ہے۔ کچھ پس انداز نہیں ہوتا تجارت، زراعت، صنعت وحرفت کے کارخانے کھولنا، غربا کی تعلیم کے لیے مدارس جاری کرنا کیسے ہو، اگر بے غرتی سے روپیہ حاصل کرکے اُس کو فواحش میں صرف کرنا ہی مقبول ہے تو اس سے اسلام پر الزام آتا ہے جس نے ابتدا سے دولت، طاقت اور لیاقت سب کو بطور امانت اپنے اور خلائق کی بہبود کے لیے خرچ کرنے کی ہدایت کی تھی۔

الغرض آرام طلبی اور عیش اور نمائش کی زندگی سے ایک قلم نفرت کرنے کی ضرورت ہے مگر جب سادہ معاشرت کی عزت آپکے دلوں میں پیدا نہ ہوگی اور جھوٹ کا غلبہ رہے گا اُس وقت تک یہ نہیں ہوسکتا۔ مثلاً زید میں اتنی استطاعت نہیں کہ وہ ریل کے دوسرے درجے یا انٹر میں سفر کرسکے۔ اُس کے دوست آشنا بھی عموماً جانتے ہیں کہ وہ زیادہ کرایہ دیتا ہے تو اپنے عزیزوں پر بار ہوتا ہے۔ یا اُن کی حق تلفی کرتا ہے۔ یا مقروض ہوتا ہے یا ضروری قومی کاموں میں روپیہ خرچ نہیں کرسکتا۔ باوجود اس کے لوگ زید کی عزت اُس کے درجۂ سفر یا کپڑوں سے کرینگے۔ مگر سچی اور اصلی قوموں میں ایسا نہیں

ہوتا، اسی غلط مسابقت اور ایک دوسرے سے مصائب میں بڑھ جانے کی خواہش نے
وہ حالت کردی ہے جسکی تصویر مولانا حالی نے اس شعر میں کھینچی ہے۔

صورتیں تو نے بدل دیں مسخ کر دیں سیرتیں
آبرو تو نے ڈبودی کھو دیا تو نے وقار

مسلمانوں کے پولیٹکل زوال کی ابتدا روپیہ کی خواہش تھی جبکہ آنحضرت کی رحلت سو بیس
پچیس سال کے اندر رشوتوں کے ذریعہ سے بڑے بڑے گورنر ٹوٹنے لگے اور موجودہ
زوال بھی اسی حب جاہ اور حب زر اور آرام طلبی سے ہوا۔ کہیں اسمٰعیل پاشا رسابق خدیو
مصر) کی فضول خرچی نے ایسے ملک کو عملاً رہن کر دیا جس کا رقبہ پندرہ لاکھ میل مربع
ہے کہیں مظفر الدین شاہ مرحوم کے اسراف نے ملک کو قرضہ کا زیربار کرکے اُسکے لیے
قبر کھود دی اور موجودہ ایرانی نسل کی آرام طلبی اور حب زر کی خواہش نے بہترین جذبات
سے بدترین کام لیئے۔ کہیں سلطان عبد العزیز خاں مرحوم کے بے حد اخراجات نے
انقلاب کی بنیاد ڈالی اور فضول خرچ اور رشوت خوار عمال اور حکام نے عہد حمیدی میں
اور اس زمانہ میں وہ کام کئے جنکو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اسلام کی سادگی
سے انحراف فرانس کی غلط تقلید اور یورپ کی جھوٹی شاگردی سے صرف چار ملک باقی
تھے جن کا گودا اب کھایا جاچکا ہے صرف اوپر کا خول باقی ہے۔

ان سب خرابیوں کے دور کرنے کے لیے اگر آپ مجھ سے سوال کرینگے تو میں
مکرر یہی کہونگا کہ سادہ تمدن اختیار کرو کیونکہ اپنی ضرورتوں کو ہم جسقدر مختصر کرینگے اُسیقدر
ہم میں حریت اور اولوالعزمی زیادہ ہوگی اور خوشامد کم ہوگی۔ تھوڑے روپیہ سے بہت
کام لے سکینگے اپنی ضرورتوں سے سرمایہ بچا کر اُسکو ایسے کاموں میں لگا سکینگے جن سے
ہم دین و دنیا میں ممتاز ہوں اور اطمینان قلب حاصل کرسکیں۔ نفس امارہ کو زیر کرنیکے
لیے یہ بہترین صلاح ہے جو دی جاسکتی ہے، اُسوقت ہم ان النفس لامارۃ بالسوٓء

الا ما رحم ربی میں سے استثنا، مارحم ربی میں داخل ہو سکیں گے اور اپنے تئیں بہادر اور شجاع کہہ سکیں گے اور سمجھ سکیں گے۔

عنان باز پیچان زنفس حرام
بہ مردی ز رستم گزشتند وسام

(باقی آیندہ)

تنقید

اتالیق

اس نام کا ایک رسالہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی طرف سے کچھ عرصہ ہوتا ہی شائع کیا گیا ہے۔ موضوع اس کا خورد سال بچوں کی تعلیم ہے اور مصنف اس کے سید مخدوم عالم صاحب مارہروی ہیں۔ ہماری رائے میں ابتک جتنی کتابیں زبان اردو میں بچوں کی تعلیم کے لیے رائج ہیں اُن میں سے کسی کو "اتالیق" پر فوقیت حاصل نہیں ہی اسلام کے ابتدائی عقائد بچوں کے فرائض، بزرگان دین کے بچپن کے حالات اور چند اخلاقی قصے اور نظمیں ایسی سہل اور سلیس عبارت میں لکھی گئی ہیں جنکو از بر کر لینے میں بچوں کو بالکل وقت نہیں ہوسکتی اور اُسکے ساتھ ہی اس کا بھی التزام کیا گیا ہے کہ اُنکی دلچسپی یکساں قایم رہے۔ فاضل مصنف کو اس کے صلہ میں کانفرنس کی طرف سے مبلغ ۵۰ انعام کے بھی دیئے گئے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ کتاب بہت مقبول ہوگی قیمت اس رسالے کی چار آنہ ہے اور کانفرنس آفس سے دستیاب ہوسکتا ہے۔

جواب شکوہ

حضرت اقبال کا "شکوہ" عرصہ ہوا، شائع ہو چکا ہے اور ہمارے ناظرین بہ خوبی اُس سے واقف ہونگے۔ حال میں اُنکی دوسری نظم "جواب شکوہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ پہلی نظم میں بندوں کی طرف سے خدا کی شکایت کی گئی تھی، دوسری نظم میں خدا کی طرف سے بندوں کو مخاطب کیا ہے، چاہیئے تھا کہ نقش ثانی نقش اوّل سے بہتر ہوتا۔ مگر جواب شکوہ بالکل اسکے برعکس ہے۔ ڈاکٹر اقبال کی شاعری اسی لحاظ سے کہ اُس میں اسلامی جذبات کی جھلک پائی جاتی ہے ہندوستان میں بہت زیادہ مقبول ہو رہی ہے اور اس وجہ سے ہمارے نزدیک اُسے صحیح تنقید کی ضرورت ہے۔ ایک زمانہ میں جب حضرت اقبال کی شہرت کی ابتدا تھی تو اُردو کے بعض مضمون نگاروں نے اس طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کی تھی اور ہم نے اُس زمانہ میں دیکھا تھا کہ اقبال نے زبان اور محاوروں کے صحت استعمال میں عمدہ ترقی کی تھی۔ ولایت سے واپس آنیکے بعد جتنی نظمیں اُنھوں نے لکھی ہیں اُن پر علی العموم کسی قسم کی تنقید نہیں ہوئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ رفتہ رفتہ حضرت اقبال کی شاعری زبان اُردو کے قیود سے آزاد ہو کر "بے زبانی" کے مدارج کو طے کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

جب کبھی ہم اپنے کسی پنجابی دوست سے اقبال کی شاعری کے اس نقص کے متعلق کچھ کہتے ہیں تو وہ بے دھڑک کہہ اُٹھتا ہے کہ "آپ للہ زبان اُردو کو اسقدر پابندیوں میں تو نہ جکڑیئے کہ ہم ادائے مطلب سے بھی قاصر رہیں"۔ اسکا جواب تو صرف اتنا کافی ہے کہ "للہ اُسے اتنا آزاد بھی نکر دیجئے کہ زبان اُردو کی خصوصیات اور خوبیاں بھی جاتی رہیں۔"

بالفعل اس اصولی بحث سے علیحدہ ہو کر صرف "جواب شکوہ" کے ہم اُن اشعار کی

طرف متوجہ ہوتے ہیں جنکی وجہ سے ہم نے یہ چند سطور لکھے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

بند دوم

جب مئے درد سے ہو خلقت شاعر مدہوش، آنکھ جب خون کے اشکوں سے بنے لالہ فروش
کشور دل میں ہوں خاموش خیالوں کے خروش چرخ سے سوئے زمیں شعر کو لاتا ہے سروش

قید دستور سے بالا ہے مگر دل میرا

فرش سے شعر ہوا عرش پہ نازل میرا

جس عرق ریزی اور کوشش سے آتنی فارسی ترکیبیں اکٹھا کرکے یہ بند پورا کیا گیا ہے اس کا مقابلہ جسوقت اُس معنی سے کیا جاتا ہے جو کوشش و کاوش کے بعد پیدا ہوتا ہے تو شعر فصاحت و بلاغت دونوں کے مدارج سے کہیں آگے چیستان و معما کے درجوں کو طے کرتا ہوا مہملیت کی حدتک پہنچ جاتا ہے اور کوہ کندن اور کاہ برآوردن سے زیادہ وقعت نہیں کہتا تیسرے مصرعہ میں "خاموش خیالوں کے خروش" شاید انگریزی صنعت آلی ٹرشن پیدا کرنیکے لیے لکھا گیا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ "خیال" کی صفت "خاموش" محض زائد ہے اور "خموشی" اور "خروش" کا اجتماع محال ہے۔ اور اگر خروش بہ معنی ہجوم ہے تو غلط ہے۔ چوتھے مصرع کا ربط مصرعہائے اولیٰ و بعد سے بالکل مفقود ہے۔ ٹیپ کے بند میں "دل" کو "قید دستور سے" آزاد بنایا ہے۔ حالانکہ "دستور" کے قیود سے ہر ایک کا دل آزاد ہوتا ہے کچھ حضرت اقبال ہی پر منحصر نہیں ہے۔ دستور کی پابندی خارجی اُمور میں برتی جاتی ہے نہ کہ قلبی اُمور میں۔ مثلاً یہ کہ ڈاکٹر اقبال کی یہ نظم دستور شاعری کے قیود سے آزاد ہے۔

بند نہم

کہیں تہذیب کی پوجا کہیں تعلیم کی ہے + قوم دنیا میں یہی احمد بے میم کی ہے

معلوم نہیں ڈاکٹر اقبال "احمد بے میم" سے کیا مراد لیتے ہیں۔ اگر "احد" یعنی خدا مقصود ہے تو قوم کی اضافت اس کی طرف بے معنی ہوئی جاتی ہے۔ اور اگر رسول خدا ؐ مراد ہیں

تو "بے میم" محض برائے بیت رہ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس موقع پر یہ فقرہ استعمال کیا گیا ہے وہ اُس کا اصلی موقع نہیں۔ اور اس وجہ سے بالکل بے جوڑ معلوم ہوتا ہے۔

بند دہم

کشورِ ہند میں کلیہ ناکام کا بت ؛ عربستان میں شفاخانہ اسلام کا بت
اور لندن میں عبادت کدہ عام کا بت ؛ لیگ والوں نے تراشا ہے بڑی نام کا بت

بادہ آشام نئے۔ بادہ نیا خُم بھی نئے
یعنی کعبہ بھی نیا۔ بت بھی نئے تم بھی نئے

یہ وہ باتیں ہیں جو خدا اپنے بندوں کو۔ مخاطب کر کے کہہ رہا ہے۔ اس کے متعلق صرف یہ گزارش ہے کہ اُس کی شان بے نیازی والو ہیت سے۔ یہ بہت گری ہوئی ہیں۔ مولویت کو علیحدہ رکھکر بھی اگر دیکھا جائے تو یہ بات سخت ناموزوں معلوم ہوتی ہے کہ اللہ میاں صرف اتنے لیے خفا ہیں کہ تم یونیورسٹی کے لیے کیوں بیکار کوشش کر رہے ہو یا جدہ میں شفاخانہ یا لنڈن میں مسجد کی تعمیر کے کیوں پیچھے پڑے ہو۔ حکمائے قدیم میں اکثر فلاسفر اس بات کے قائل تھے کہ خدا مدرک کلیات ہے اور جزئیات کا اُسے بالکل علم نہیں اس اعتقاد کی بنیاد غور کرنے سے یہی معلوم ہوتی ہے کہ اُن کے نزدیک ادراک جزئیات سے اُس کی شان ارفع ہے۔ تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس نکتہ پر نظر نہیں رکھا۔ ادراک کا مسئلہ تو خیر بحث طلب ہے مگر اتنا تو ہر ایک اس بند کو پڑھکر محسوس کر سکتا ہے کہ اُن امور کو جو عارضی طور پر آج کل معرض بحث میں آ رہے ہیں جنہیں غالباً ڈاکٹر اقبال کی رائے دوسروں کی رایوں سے مختلف ہے، خدائے عز و جل کی خفگی کی وجہ قرار دینا شاعر کی تنگ نظری پر دلالت کرتا ہے۔ "کلیہ" کیساتھ "ناکام" کی تخصیص اور "لیگ" کے ذکر نے مذاق کو اور بھی پست کر دیا ہے۔ حائمہ کا شعر ہے۔

بول اس نام کا ہر قوم میں بالا کر دے۔ الخ۔

واضح ہو کہ بول بالا ہونا یا کرنا ایک فعل مرکب ہے۔ اور مرکب امتزاجی سے ایسے محاورات میں الفاظ کو متفرق کر کے بولنا یا لکھنا ناجائز ہے۔

ان چند اشعار کے علاوہ جو ہمنے بطور نمونہ کے یہاں لکھے ہیں۔ اس نظم میں اور بھی ایسی کمزوریاں ہیں جو خاص توجہ کی محتاج ہیں۔

(۱) جا و بیجا ہر شئے کو شراب سے تشبیہ دینا۔ مثلاً۔ مئے درد۔ مئے فریاد۔ مئے ذوق تن آسانی

(۲) بلا ضرورت فارسی ترکیبوں اور دور از کار استعارات کا استعمال جیسے۔

ع نازش موسم گل لالۂ صحرائی۔

ع نسخۂ فطرت مسلم تھا حیا سے نمناک۔

ع اُس کے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا۔

ع گل برانداز ہے خونِ شہدا کی لالی۔

ع نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفان ہوگا۔

(۳) شروع سے لیکر آخر تک پوری نظم کا مذاق بہت ہی پست ہے خصوصاً اس لحاظ سے کہ اُس میں خدا کی طرف سے بندوں کو مخاطب کیا ہے۔

م۔ ف۔

اولڈ بوائز

(+)

ہمیں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ نواب سربلند جنگ بہادر نے حیدر آباد سے وظیفہ مقرر کرنے کے بعد الہ آباد میں بیرسٹری شروع کی ہے۔ یہیں سے وہ حیدر آباد گئے تھے۔ نواب صاحب ہمارے کالج کے سب سے پرانے طالب علموں میں ہیں اور گو انھیں ہمارے

ایسوسی ایشن میں فضل تقدیم حاصل نہیں لیکن ہم اُمید کرتے ہیں کہ وہ اس جانب بھی توجہ فرمائینگے ۔

———— •(٭)• ————

مسٹر محمد نصیر صاحب بی اے (علیگ) گریجویٹ ہونے کے بعد سے اٹک اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے سیکنڈ ماسٹر (اور کبھی قایم مقام ہیڈ ماسٹر) رہے ہیں ۔اب ہمارے ناظرین کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ وہ اپنے وطن پنجاب میں منصفی کے لیے نامزد ہو گئے ہیں ۔ہمیں اُنکی ذات سے اُمید ہے کہ وہ جہاں رہیں گے قومی خدمت کو اپنا شعار بنائیں گے ۔ہمارے لیے یہ بھی کچھ کم مسرت انگیز امر نہیں ہے کہ مسٹر نصیر کے خدمات کا جائزہ مسٹر مہدی حسن لیں گے جو ہمارے کالج کے گریجویٹ ہیں اور جو الہ آباد میں تعلیمی خدمات کے متعلق ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں ۔

———— •(٭)• ————

مسٹر عبدالرحیم بی اے جو ہمارے کالج میں ایم اے (عربی) کی تعلیم حاصل کر رہے تھے فیض عام ہائی اسکول میرٹھ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے ہیں ۔

———— •(٭)• ————

مسٹر صابر علیخاں شروانی ۔ایم ۔اے ایل ایل بی وغیرہ کانپور کے پروبیشنری ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے ہیں اور خبر ہے کہ اب اُن میں اور مسٹر سید مسعود الحسن میں خوب گاڑھی چھنتی ہے ۔یقین ہے کہ اس خوشی میں مسٹر شروانی ہمیں اور کالج کو فراموش نہ کرینگے اور ہمارے قرضہ کی پہلی قسط جہاں تک جلد ہو سکے گا روانہ کردیں گے ۔ نہیں تو ہم ہیں اور عدالت اولڈ بوائز ،،

———— (٭) ————

اس سال مرتبہ سالِ نو کے خطابات میں ہمیں بہتین اولڈ بوائز کے نام بھی نظر

آ گئے ہیں۔ ان میں ایک تو ہمارے کالج کے اولین طلبا کی یادگار مولوی محمد سعود حسین صاحب جوڈیشل ممبر ریاست ٹونک ہیں اور دوسرے مقبول حسین صاحب قدوائی وزیر مال ریاست کشمیر اور خوشی محمد خاں ناظر گورنر کشمیر ہیں۔ میر صاحب کو خان بہادری کا خطاب ملا ہے اور باقی دو صاحبوں کو خان صاحبی کے خطابات سے عزت دی گئی ہے۔ ہم اس موقعے پر اپنے ان عزیز دوستوں کو مبارک باد دیتے ہیں لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ خطابات ان کے درجہ سے بہت نیچے ہیں۔

ہمارے دوست صاحبزادہ شمشاد احمد خاں صاحب خلف الصدق صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب ولایت سے بیرسٹری اور بی۔اے کے امتحانات پاس کر کے واپس تشریف لے آئے ہیں۔ ہم مسٹر شمشاد کا خیر مقدم کرتے ہوئے اُنسے یہ اُمید رکھتے ہیں کہ وہ اپنے نامور والد کے نقش قدم پر چلکر کالج اور قوم کے لیے مفید ثابت ہونگے۔

مسٹر سید محمد رضی صاحب کو قدرتی طور پر تعلیم و تعلم سے شوق ہے اُنھوں نے حال ہی میں پریکٹیکل ٹرانسلیشن سیریز کے دو حصے ترتیب دیکر ملک کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اور ابھی کئی حصے باقی ہیں کتاب کی ترتیب میں ہمارے مکرم دوست نے علاوہ زبان کے خیال کے یہ لحاظ بھی رکھا ہے کہ بچوں کو اخلاقی سبق؛ جن کی ملک کو بے حد ضرورت ہے ان کتابوں کے ذریعہ سے حاصل ہوسکیں۔ ان کتابوں کی قیمت ۸؍ ہے اور اخبار ذوالقرنین بدایوں کے دفتر سے دستیاب ہوتی ہیں۔

ترکی افسر کا دہوکہ

بھائی شمشاد ولایت سے بیرسٹری اور بی اے کے امتحانات پاس کر کے واپس آگئے اور تازہ ولایت ہونیکے سبب دلچسپ قصے حکایتوں اور روایتوں کا بالکل نیا چالان ساتھ لیتے آئے ہیں منجملہ اُنکے ایک ہم یہاں درج کرتے ہیں جس سے یقین ہے ہر ایک کو دلچسپی ہوگی۔

راست دروغ برگردن راوی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالرحمن صاحب بجنوری جو آجکل یورپ میں تعلیم پا رہے ہیں قسطنطنیہ بغرض سیر و تفریح گئے ہوئے تھے۔ اسی زمانے میں بلقان کی جنگ شروع ہو گئی۔ بدقسمتی یا خوش قسمتی سے آپکی صورت بالکل ایک ترکی افسر کے مشابہ تھی واپسی کے وقت ایک یونانی جاسوس نے اپنی گورمنٹ کو اطلاع دی کہ فلاں جہاز پر فلاں ترکی افسر جنینہ کی فوجوں کو لڑانے کے لیے جا رہا ہے اُسے راستہ ہی میں گرفتار کر لینا چاہیے بندرگاہ بیسا (ملک یونان) سے گزرتے وقت جہاز روک لیا گیا۔ یونانی فوج کے افسر نے کیبن میں پہونچکر عبدالرحمن صاحب کو فوجی سلام دیا اور ساتھ ہی یہ خبر سنائی کہ آپ اسوقت سے یونانی گورمنٹ کے قیدی ہیں۔ ہمارے دوست نے ہر چند کوشش کی کہ اپنی بریت کے ثبوت دیں مگر ایک کارگر نہ ہوا۔ بالآخر انگریزی سفیر کو اطلاع دی اور باوجود اسکے کہ سفیر مذکور نے اپنی تشفی کرنیکے بعد تصدیق بھی کی پھر بھی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ بہرحال شاہی قیدی کی حیثیت سے ایک ہوٹل میں ٹہرائے گئے جو صرف ہمارے مشتبہ ترکی افسر کے قیام کے لیے بالکل خالی کرا لیا گیا تھا اور جس کے ہر چہار طرف فوجی پہرہ تھا۔ دوسرے روز جب برطانیہ کے صیغہ خارجہ کی طرف سے یونانی حکومت کے خیال سے اشتباہ کا پردہ اُٹھایا گیا تو ہمارے دوست کو رہائی دی گئی اور جرمانہ میں ایک اسپیشل ٹرین پر سوار کر کے اگلے بندرگاہ تک پہونچا دیئے گئے جہاں اُنھیں اپنا جہاز ملگیا۔ اور اسطرح بھائی بجنوری کی دو دن کی ترکی فوج کی افسری کا خاتمہ ہوا ؎

رشک آتا ہے کہ وہ شخص ہمیں کیوں نہ ہوئے
نظام الدین سقائی کے بعد دنیا کی تاریخ میں یہ دوسرا واقعہ ہے۔ یقین ہے کہ مورخین اس کو معتبر سمجھکر اپنے صفحات ضرور نوٹ کرینگے۔

کون اولڈبوائے ہوگا جو سرفراز خاں صاحب سے ناواقف ہوگا۔ آپ کی بیماری ہر کم شان ماشاء اللہ انتظام امور کالج کے ساتھ اس طرح وابستہ ہے جس طرح گھڑی کے ساتھ لنگر یا عمارت کے ساتھ سنگ بنیاد خصوصاً جب سے محکمہ تعمیرات کا چارج آپ نے لیا ہے اُس وقت سے العاد ثلثہ میں چشم بد دور خاصی ترقی ہوگئی ہے۔ مگر سب سے بڑی ترقی جو ہم سب کے لیے مسرت بخش ہے وہ یہ کہ ایک روز بھائی سرفراز سے ہم ملنے کے لئے گئے تو غیر معمولی طور پر کچھ گھبرائے ہوئے۔ کچھ خوش اور کچھ شرمائے ہوئے بیٹھے تھے۔ بہ اصرار تمام دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپکے یہاں فرزند ارجمند تولد ہوا ہے۔ ہم تمام اولڈبوائز کی طرف سے اپنے ہر دلعزیز جوائنٹ سکرٹری کو مبارک باد دیتے ہیں۔

جو لوگ خدا کی خدمت کرتے ہیں خدا انکو ضرور اجر عظیم دیتا ہے۔ ہمارے عزیز مسٹر محمد علی اس وقت سرتاپا قومی خدمت میں منہمک ہیں۔ پھر دیکھیے کہ اُن کا اور اُن کے اعزہ کا گھر بھی خصوصیت کے ساتھ مورد رحمت ہو رہا ہے۔ رامپور کے خطوط سے ہمکو معلوم ہوا کہ علی التواتر اس گھر پر سوا بھر نور برستا رہا۔ سب سے پہلے اُن کے بڑے بھائی اور ہمارے کالج کے اولڈبوائے مسٹر ذوالفقار خاں کے یہاں لڑکی تولد ہوئی۔ چند دنوں کے بعد مسٹر محمد علی کے یہاں چوتھی لڑکی پیدا ہوئی اور ابھی اس نور کا اُجالا دھیما بھی نہیں پڑا تھا کہ اُن کے بھائی مسٹر فاروق علی کے یہاں بھی نور برسا۔ ہم اس برگزیدہ خاندان کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اس موقع پر یہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر محمد علی

جس زمانے میں ہمارے اسکول میں تعلیم پاتے تھے تو اُنہوں نے بارہا یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ خدا مجھے سات لڑکیاں دے۔ قیاس کہتا ہے کہ دعا ضرور قبول ہوئی اور بھائی محمد علی نے ایمان بالغیب کے اصول پر ساتوں نام بھی پیشگی تجویز کر لیے ہیں۔ اس لڑکی کا نام گلنار بانو ہے۔

ایک اور خبر ہے جس سے ہمارے ناظرین کو تعجب اور خوشی دونوں ہوگی۔ مسٹر محمد یعقوب اطلاع دیتے ہیں اور مسٹر مسعود الحسن اور آنریبل مسٹر علی رضا تصدیق فرماتے ہیں کہ بالآخر مسٹر ابوالحسن (بیرسٹر ایٹ لا مراد آباد) کی واقعی شادی ہوگئی۔ ہمکو ہرگز یقین نہ ہوتا۔ مگر کیا کریں کہ اس مرتبہ راوی معتبر اور گواہ ثقہ ہیں۔ ہم اپنے عزیز دوست کو سچے دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔

ہمیں اطلاع ملی ہے کہ پروفیسر عبدالمجید صاحب قریشی کے یہاں بھی لڑکا پیدا ہوا ہے۔ آل قریش میں یہ مزید اضافہ ہمارے لیے بہمہ وجوہ مسرت بخش ہے مگر معلوم نہیں ہمارے کرم فرمانے کس مصلحت کی بنیاد پر ہم سے یہ خبر پوشیدہ رکھی۔ ہم اُن کے اطمینان کے لیے یہ لکھ دینا چاہتے ہیں کہ ایسی خوشی کے موقعوں پر ہم جو کبھی کبھی ڈنر یا مٹھائی کی فرمائش کر دیتے ہیں اُس سے صرف اظہار نیازمندی مقصود ہوتا ہے ورنہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن نے ہنوز اس قسم کا کوئی ٹکس نہیں تجویز کیا ہے۔

روداد جلسہ سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

منعقدہ ۱۰ر جنوری ۱۹۱۳ء

صاحبان ذیل نے میٹنگ میں شرکت فرمائی۔

(۱) خانصاحب میر ولایت حسین صاحب (۲) مسٹر سید عبدالباقی صاحب۔
(۳) مسٹر عبدالمجید صاحب خواجہ (۴) مسٹر عبدالحکیم صاحب وکیل۔
(۵) مسٹر محمد سرفراز خانصاحب جائنٹ سکرٹری (۶) مسٹر شوکت علی صاحب سکرٹری

صاحبان ذیل کی تحریری رائیں موصول ہوئیں۔

(۱) سید رضا علی صاحب۔ بستی۔ (۲) ڈاکٹر محمد ضیاء الدین احمد صاحب علیگڈھ
(۳) مولوی سید طفیل احمد صاحب منگلور (۴) مسٹر سعید محمد خاں صاحب۔ ایٹہ

بہ تحریک مسٹر محمد سرفراز خاں صاحب بہ تائید مسٹر شوکت علی صاحب وجملہ حاضرین کے اتفاق سے خاں صاحب میر ولایت حسین صاحب صدر انجمن جلسہ مقرر ہوئے آنریری سکرٹری نے روداد جلسہ گزشتہ منعقدہ ۲۹ر ستمبر ۱۹۱۲ء حاضرین جلسہ کو پڑھکر سنائے اور تمام حاضرین موصوف نے اسکو منظور کیا۔

مد اول متعلق لاج۔

بالاتفاق طے پایا کہ سکرٹری ایسوسی ایشن کو مبلغ نو ہزار روپیہ علاوہ اس چھ ہزار روپیہ کے جو ۱۹۰۸ء میں منظور ہو چکا ہے لاج کے تعمیر کے واسطے خرچ کرنیکی کیلئے وہ جنرل میٹنگ میں پیش کر کے اجازت حاصل کرے۔

مد دوم۔ متعلق ڈایرکٹری۔

اسکی نسبت بہت بحث و مباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ مولوی سید طفیل احمد صاحب کو لکھا جائے کہ وہ حصہ اول ڈائرکٹری کو مطبع سے جسمیں ڈائرکٹری طبع ہو رہی ہے تکمیل کرا کر معہ اُسکے کل حساب اور کل جلدوں کے جسقدر چھپوائی گئیں ہیں دفتر ایسوسی ایشن میں بھیجدیں جب اس حصہ کی سب جلدیں آجائیں اُس وقت اس حصہ کی چھپائی کا بل بیباق کر دیا جائے اور مولوی طفیل احمد صاحب سے حصہ دوم کے چھپوانیکے متعلق خط و کتابت کیجائے۔ اور اسمیں جو نرخ چھپائی کا قرار پایا ہے اُسمیں میر ولایت حسین کی رائے بھی لیجائے

مد سوم۔ متعلق جلسہ سالانہ و ڈنر۔

اسکے متعلق بالاتفاق یہ طے پایا کہ تاریخ جلسہ سالانہ و ڈنر ۲۲، و ۲۳، مارچ سنہ ۱۳ء جسمیں ایسٹر کی تعطیل ہوگی مقرر کیجائیں۔

مد چہارم۔ متعلق قواعد ایسوسی ایشن۔

بالاتفاق قرار پایا کہ موجودہ قواعد ایسوسی ایشن میں جو بعض ایسی دفعات ہیں جو صاف و واضح نہیں ہیں اُن کے درست کرنیکے واسطے ایک سب کمیٹی جسمیں حسب ذیل ممبر ہوں مقرر کیجائے۔ تاکہ وہ قواعد کے دفعات مذکور کی توجہ اور غور کے بعد ترمیم کرے اور اُس ترمیم کو ممبران کے روبرو جلسہ سالانہ میں پیش کرے۔

ممبران سب کمیٹی مذکور

(۱) صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب (۲) مسٹر محمد علی صاحب بی اے (آکسن)

(۳) مسٹر محمد یعقوب صاحب وکیل

اس کے بعد کارروائی جلسہ ختم ہوئی اور پریسیڈنٹ صاحب کا شکریہ ادا کرنیکے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

رجسٹرڈ نمبر اے (۵۵۱)

اولڈ بوائے

جلد ۳ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۳ء نمبر ۶

اڈیٹر
مسٹر شوکت علی بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام جناب مولوی رشید احمد صاحب انصاری

مطبوعہ احمدی پریس واقع علی گڈہ

حسب ایما سے مولوی منظر علی صاحب دفتر اولڈ بوائے علیگڈہ سے شایع ہوا

اولڈبوائے

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

(۱) جملہ سابق طلبا مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈہ کے دلوں میں اُنکے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا اُس کے حالات سے اُن کو باخبر کرنا اور اس کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا۔ اولڈبوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا اوراس۔

(۲) اولڈبوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا اوراس کو ترقی دینا اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

(۳) اُولڈبوائز ایسوسی ایشن اور کالج کی مالی مدد کے لیے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادرِ مہربان کے خدمتگذاروں میں خود اُس کے فرزندوں کی خدمات کافی اور تسلی بخش ہوں

(۴) جملہ اولڈبوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کرسکیں جو قوم نے اُن پر ہمارے کالج کے قائم کردینے سے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

(۱) جملہ خط کتابت دربارہ ترسیل زر و تبدیل پتہ منیجر اولڈبوائے" علیگڈہ سے ہونی چاہیئے

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ اڈیٹر اولڈبوائے علیگڈہ ہونا چاہیئے اسیطرح ریویو کے لئے کتابیں اور تبادلہ کے لئے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان اولڈبوائے ہر وقت مفید مشورہ و رفع شکایات کے لیے تیار ہیں اور شکر گزاری کے ساتھ اُن پر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر و منیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اولڈ بوائے

ہمارے بہبود کے وسائل

میں نے اس اعتراض کو بجا اس واسطے کہا ہے کہ جب تک میرے پورے خیالات معلوم نہ ہوں ضرور یہ کہا جائے گا کہ یہ رائے ناقص ہے مگر میں جہاں زندگی کی سادگی پر زور دیتا ہوں وہاں صفائی اور پاکیزگی کو بھی لازم سمجھتا ہوں جو اسلام کا جزو اور عبادت کا وہ ضروری حصہ ہے جس کے بغیر عبادت کرنا ممکن نہیں ہے بلکہ میرے خیال میں اصلی سادگی ہی کے ساتھ پاکیزگی ہو سکتی ہے اور زندگی کی ظاہری پاکیزگی سادگی ہی کی وجہ سے ترقی کر سکتی ہے۔ بہت سے بڑے بڑے طمطراق والے لوگ بائبل کے محاورہ کے مطابق چونے قلعی کی لپی ہوئی قبریں ہیں جن میں خراب نعشیں بھری ہوئی ہیں۔

دوسری چیز جو ہمکو یورپ سے لینی چاہئے وہ ہر کام میں نظم و نسق ہے یورپ سے اسلئے کہ اس کا سبق ہم نے سب سے اوّل فراموش کر دیا۔ اصل یہ ہے کہ یہ نظم و نسق ہمیشہ صحیح

دماغ اور مستعد قلب کا نتیجہ ہوتا ہے اور کسی چیز میں محض نمایش سے نظم و نسق نہیں ہو سکتا۔
نظم و نسق سے اسی کام کو جس کو پانچ آدمی نہایت بے ترتیبی سے اور بُری طرح کر سکتے ہیں
ایک یا دو آدمی بہ اطمینان انجام دے سکتے ہیں۔ اسی سادگی اور نظم و نسق سے یورپ میں
مزدوری پیشہ انجمنیں اور غریب آدمی وہ کام کر سکتے ہیں جو ہماری بڑی بڑی سلطنتیں نہیں کر سکتی
ہیں اسی نظم و نسق کا نہ ہونا اور سادگی کا فقدان اس بات کا باعث ہے کہ کسی فوج کا تو کیا
آپ آریہ سماج کا مقابلہ باوجود کثرت تعداد۔ افراط ثروت۔ لیاقت علمی کی بہتات اور روایات
واعتبار کی زیادتی کے نہیں کر سکتے۔ حالانکہ آپ ہندوستان میں جتنے کروڑ ہیں وہ اُتنے
لاکھ بھی نہیں ہیں۔ آپ کی بڑی تعلیم گاہیں جسقدر خرچ میں جتنے آدمی پیدا کرتی ہیں اصول
کفایت و نظم و نسق پر عمل کرنے سے اُسقدر خرچ میں اُس سے دہ چند فوائد مترتب ہو سکتے
ہیں اگر تاریخ پر آپ غور کرینگے تو جو قومیں اور جو اشخاص بڑھے ہیں اُنھوں نے انھیں دو
اصولوں پر عمل کرنے سے فوقیت حاصل کی ہے ان دونوں اصولوں یعنی سادگی اور نظم و
نسق کی بنیاد زمانۂ رسالتمآب میں ڈالی گئی تھی۔ اُن پر جسقدر عرصہ تک عملدرآمد رہا ہماری قوم
زبردست رہی ملاحظہ کیجئے تاریخ خلافت کے ابتدائی زمانہ کی۔ عبدالملک ابن مروان کے عہد
کی۔ تیمور کے زمانہ کی۔ نادر کے زمانہ کی۔ سکندر لودی اور شیر شاہ کے زمانہ کی اور سالارجنگ
اوّل کے زمانہ کی۔ دوسری طرف ملاحظہ کیجئے نظم کی ابتری و فضولخرچی آل سفیان و
بنی عباس اور آخر کے سلاطین ایران کی۔ اورنگ زیب کے بعد مغلیہ خاندان کی اور
خاندان شجاع الدولہ کے بعد سعادت علیخاں کے دور کی۔

اسلام کا ثلث حصہ قواعد عبادات سے متعلق ہے اور ثلث نظم و نسق سے عبادت
بھی بندوں کو خالق سے ملانے کا جتنا ذریعہ ہے اُسیقدر اُنکو باہم منسلک کرنے اور انسانی
یک جہتی پیدا کرنے کا آلہ قرار دیگئی ہے۔ حج۔ زکوٰۃ۔ نماز جماعت۔ نماز جمعہ۔ روزہ، فطرہ
اور کفارہ صیام یہ سب ہمکو منتظم کرنے کے ذریعے بھی ہیں اور ہمارا تعلق خدا سے پیدا

کر نیکے وسیلے بھی ہیں۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ یہ حکم جس طرح ایثار علی النفس اور امداد باہمی
کا سبق سکھاتا ہے اسی طرح وہ خدا ترسی اور جذبات کو دبانے کی ہدایت صاف صاف کرتا ہے۔
اسلام کا باقی تیسرا حصہ معبود کی عظمت و حقیقت و معرفت الٰہی کے حصول۔ فطرت کے مطالعہ
قدرت سے سبق سیکھنے اور علوم کو حاصل کرنے کی اور اُنسے تعلق پیدا کرنے کی ترغیب سے بھرا
ہوا ہے۔ نیز وہ خاصان خدا سے ہدایت حاصل کرنے اور اُنسے تعلق پیدا کرنے کی ہدایت کرتا ہے

علاوہ نظم و نسق کے جو واقعی طور سے اسلام کی حقیقت میں نمایاں ہے ایک اور چیز ہے جو
اسلام کی حقانیت اور حقیقت میں پنہاں ہے اور وہ مطالعہ فطرت اور قدرت کے علوم و حکم کا
حاصل کرنا ہے۔ کما قال عزوجل هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ
لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ۔ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ
يَعْلَمُونَ۔ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ۔ إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ
لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ۔ أُولٰئِكَ
مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ جو لوگ خدا سے ملاقات کا یقین نہیں کرتے اور جو لوگ
قدرت کے نشانات سے غافل ہیں اس آیت میں اُن سب کا ماوی جہنم بنایا گیا ہے۔ افسوس
ہے کہ باوجود مولانا حالی کی دلفریب اور مبالغہ آمیز نظم کے دعاوی اور مولانا شبلی قبلہ کی پختہ اور
مورخانہ نثر کے تفاخر کے مسلمانوں نے سائنس کی طرف کسی زمانہ میں بجز علم طب کے کوئی توجہ
نہیں کی۔ خاصکر پچھلے چار سو سال میں تو وہ طفل مکتب سے بھی بدتر رہ گئے ہیں۔ اسی وجہ سے
اُن کا ہر متنفس بادشاہ سے لیکر گدا تک دوسروں کا محتاج ہے۔ ہم لوگ نہ عمدہ اور کارآمد سامان
اپنی حفاظت کا بنا سکتے ہیں نہ علمی طریقہ سے زراعت کرسکتے ہیں نہ جہاز رانی اور جہاز سازی کا
فن جانتے ہیں۔ نہ سامان آسائش مہیا کرسکتے ہیں۔ نہ دولت بڑھا سکتے ہیں۔ نہ دولت پیدا
کرسکتے ہیں۔ کچھ لوگ آپس میں اوپر سے اوپر کچھ اوچک لیتے ہیں اسی کو دولت پیدا کرنا اور
جلب منفعت سمجھتے ہیں۔ نہریں بنانے یا پولیس کو قواعد سکھانے یا محاسبی کے قواعد ترتیب

دینے کے لیے جو قومیں آدمی نہ رکھتی ہوں وہ بھلا منتظم قوموں کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں یہ جو کچھ ٹوٹی پھوٹی حیثیت نظر آ رہی ہے وہ بھی اس وجہ سے ہے کہ گروہ غالب کے حکما اور عقلا مناسب نہیں سمجھتے کہ خود غرضی اور جوع الارض کا مرض جو اُن پر طاری ہے وہ ایک دم کھل جائے۔ وہ آہستہ آہستہ زمین کو نگلنا اور ہضم کرنا چاہتے ہیں ورنہ کورو پانڈوں کی سی اٹھارہ کروڑ فوج اور رستم اور ہرکیولیز کی سی شجاعت بھی کچھ نہیں کر سکتی۔ پس یورپ سے صرف سائنس سیکھنا لازم ہے جس میں اُنہوں نے بے حد ترقی کی ہے۔ اور یورپ کی مثال سے فائدہ اُٹھا کر نظم و نسق جو اسلام کی جان ہے سیکھنا چاہیئے۔ وہ علوم اور سائنس جن کا حاصل کرنا لازم ہے تعداد میں بیشمار ہیں۔ مثلاً علم برق اور اُس کی شاخیں۔ علم کیمیا اور اُس کی شاخیں۔ علم طبقات الارض۔ علم معدنیات۔ علم فلاحت۔ ریاضیات اور اُس کی بیشمار شاخیں۔ علم جر ثقیل وغیرہ بہت سے علوم جو جدید مجوزہ یونیورسٹیوں کی فہرست میں زیب دہ صفحات ہیں پھر علم اقتصاد ہے۔ مختلف سائنس جو معاش میں مفید ہیں اور جن کی تعداد اگر ستر فرض کر لیجائے تو ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں بمشکل ستر آدمی ایسے ملیں گے جو ان علوم میں سے کسی ایک علم کے ماہر کہے جا سکیں پھر ان ستر میں سے اکثر ایسے ہونگے جو اصول علمی کے متعلق تو بہت وضاحت اور فصاحت سے باتیں کرینگے مگر نظری مسائل کو عملیات اور تجربات پر منطبق کرنے والا اُن میں شاید ایک شخص بھی پورا نہ اُترے۔ پس جہانتک ممکن ہو جان توڑ کر وہ علوم حاصل کرنے چاہئیں جن کا سیکھنا معاش کے لیے ضروری ہے۔

ابتک جو تقریریں میں نے کی اُس سے آپ کو تھوڑی سی کیفیت اُس دماغی افلاس کی معلوم ہوئی ہوگی جو مدت سے ہم پر طاری ہے۔ جو تجویزیں میں نے عرض کیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم یورپ سے طریقۂ نظم و نسق سیکھیں جو واقعی اسلام کا جزو ہے اور اصلی اسلامی سادگی پر قائم ہوں اور کثرت سے مفید علوم سیکھیں جن سے بہت سے آدمی آزادانہ معاش پیدا کر سکیں اس پروگرام میں اصلاح تمدن۔ اصلاح اخلاق۔ اصلاح و ترقی ذرائع معاش۔ تربیت دماغی

سب کچھ شامل ہے لیکن غور سے دیکھئے تو اہی اصل اسلام سے ہم دور رہینگے۔ اب سے آٹھ۔ نو برس پہلے ہیں خود جس غلطی میں مبتلا تھا اور جس غلطی میں ایران اور ٹرکی کے گویا کل آدمی اور ہندوستان کے کل سوچنے والے اور قومی کام کرنے والے شامل ہیں چاہیئے کہ اس غلطی سے ہم دور رہیں۔ وہ غلطی یہ ہے کہ عام طور پر مسلمان اسلامی ترقی یا قومی ترقی محض ظاہری شان وشوکت اور پولٹیکل اعزاز وغلبہ کو سمجھتے ہیں اگر ہم نے جدید علوم بھی حاصل کر لیے۔ نظم ونسق اور تمدن کو بھی سمجھ لیا۔ سادگی معاشرت کی وجہ سے دولت بھی مفید کاموں میں صرف کرنے لگے تب بھی ہم مسلمان نہونگے اور یہ ترقی اسلامی ترقی نہوگی۔ یہ اسباب جو میں نے عرض کئے بطور مواد اور مصالح کے ہیں۔ اصل چیز اور ہی ہے۔

مثلاً ہم کالج کی عمارت بنانا چاہتے ہیں۔ اگر اینٹیں بھی موجود ہیں چونا بھی۔ پتھر بھی مزدور بھی زمین بھی ہے۔ نقشۂ عمارت بھی ہے۔ مگر ایک چیز نہیں ہے یعنی کرۂ ہوائی جو سب چیزوں کے گرد ہے اور جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں تو لاکھوں عقلا لاکھوں سال میں بھی ایک چھوٹی سی عمارت نہ بنا سکیں گے۔ برخلاف اس کے اگر گرد کا کرہ ہوائی موجود ہے اور تھوڑا سا مصالح اور چند معمار مہیا ہیں تو مختصر سی زمین پر چند روز میں ایک مکان کی بنیاد ڈالی جاسکتی ہے اور چند ماہ میں اس بنیاد پر ایک شاندار عمارت کھڑی ہوسکتی ہے ہم مسلمانوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں جو نمایاں حرکتیں ترقی کے لیے پچھلے چند سال میں کی ہیں انہیں ایک بہت بڑی اور اہم غلطی تھی اور وہ ایسی مہلک غلطی ہے کہ مسلمان جب کبھی وہ غلطی کرینگے بری طرح پچھاڑ کھاکر گرینگے۔ وہ غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عمل کے لیے کسی اسلامی کرۂ ہوائی کو فضول سمجھا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ توفیق الٰہی شامل ہوئی نہ پکے مسلمان اس پر متفق ہوئے نہ اجانب مرعوب ہوئے نہ شیرازۂ اسلام مضبوط ہوا مسلمانوں نے چند سطحی سبق جو سیکھے تھے انکو رٹنا شروع کیا وہ یریدالآخرہ کی جگہ یریدالدنیا پر پڑگئے۔ نہ اس لئے کہ دنیا آخرت کا مزرعہ ہے بلکہ اسلیے کہ دنیا ہی سب کچھ ہے۔ حضرات یہ حالت قائم نہیں رہ سکتی اور

قائم رہنی نہیں چاہیئے اور موجودہ علامات سے پایا جاتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ حالت قائم نہیں رہیگی۔ مگر شرط یہ ہے کہ کچھ کوشش کرنے والے ہر جگہ اس غرض کے لیے کھڑے ہوجائیں۔ اُس وقت بموجب کلام الٰہی وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا توفیق الٰہی ہمارے شامل حال ہوگی اور ایک دن میں نہیں مگر ایک دو نسل کے اندر تینوں طاقتیں یعنی عوام کی مادی طاقت، خواص کی عقلی طاقت اور روحانی طاقت متفق ہوجائے گی جیساکہ کچھ مدت تک صدر اسلام تھا۔ مگر جب تک کہ موجودہ حالت کی طرح دین اور دنیا دونوں چیزیں جُدا جُدا سمجھی جاتی ہیں اُس وقت تک کوئی کروٹ درست نہیں بیٹھیگی۔

اس اسلامی ماحول کو پیدا کرنیکے لئے چند شرطیں ہیں۔ اس کے لیے نہ زیادہ دھوم دھام کی ضرورت نہ غلط جوش کا اظہار مفید ہے۔ نہ اپنی غلط تعریفوں اور اغیار کی غلط ہجوؤں کی شراب سے بدمست ہونے یا بدمست کرنیکی حاجت ہے۔ نہ یورپ کی تقلید کی رو سے دورویا سپنسر کی شاگردی درکار ہے۔ بلکہ اس یقین کی ضرورت ہے کہ واقعی اسلام خدا کا دین ہے اور قرآن اس کی کتاب ہے اور ایک دن آنیوالا ہے جبکہ یہ دین اپنی اعلیٰ قوت سے تمام عالم پر حاوی ہوگا۔ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ (ترجمہ) وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اس دین کو سب دینوں پر غالب کردے۔ اگرچہ یہ بات مشرکوں اور مخالفوں کو ناگوار گزرے لہذا میں نہایت زور اور اصرار کے ساتھ عرض کرونگا کہ سچا مسلمان ہونیکے لیے اور شرطیں جو کچھ بھی ہوں۔ لیکن یہ بات نہایت ضروری ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں بلا تردد پکا اور واثق یقین اس بات کا ہو کہ ایک دن تمام دنیا مذہب اسلام کے دائرہ میں ہوگی اور اگر کبھی ایسا بھی ہو کہ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد چند سو رہ جائے یا ان کے پاس ایک چپہ بھی زمین نہ رہے تب بھی بمصداق کَانَ وَعْدُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا (خدا کا وعدہ پورا ہوگا)۔ اور بموجب قول الٰہی تَمَّتْ کَلِمَةُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (تمہارے پروردگار کی

بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہوگی، اسلام ہی دنیا کا آخری اور زبردست مذہب ہوگا اور آندہی کے سخت جھونکے بظاہر کتنا ہی غبار اڑائیں لیکن اس مذہب راسخ کے ستون کو ایک لمحہ کے لیے نہیں ہلا سکتے۔ اسلام کتنا ہی غریب اور کمزور ہو جائے۔ مگر اس سے زیادہ ضعیف نہیں ہو سکتا جبکہ متعدد مسلمان مع رسالت مآب کے کئی سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے اور روحانیت اور صداقت ہم میں سے کتنی ہی کم ہو جائے لیکن اس نازک وقت سے کم نہیں ہو سکتی جبکہ فرزند رسول نے سنہ ۶۱ھ میں بار بار ندا دی کہ آیا کوئی فریاد رس ہے جو ہماری فریاد کو پہونچے۔ مگر بجز ان چند نفوس کے جو سب کٹ گئے کسی نے فریاد نہ سنی۔ پولٹیکل حیثیت سے ہماری کشتی کیسے ہی گرداب میں آپڑے مگر یہ حالت اس سے بدتر نہیں ہو سکتی جبکہ ہلاکو کے لشکر نے بظاہر صفحۂ ہستی سے مسلمانی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ جو لوگ اس امید افزا زمانہ کے قائل نہیں ہیں مجھے خوف ہے کہ وہ ایسے مسلمان ہیں جیسے یورپ کے دو ثلث تعلیم یافتہ مسیحی دین عیسوی کو بطور فیشن کے قبول کرتے ہیں۔ لیکن ان کے دل میں کوئی یقین اس کی تعلیم پر نہیں ہے۔

اس زمانہ تک قدرت کا ہاتھ اور اسلام کی روحانی حقیت آہستہ آہستہ ہمکو اپنے ساتھ لیجا رہی ہے چنانچہ جہاں جہاں اسلام بظاہر ضعیف و منکوب معلوم ہوتا ہے اور جس نسبت سے اس میں ظاہری ضعف و نکبت آتی گئی ہے اسی قدر دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی تعداد روز افزوں ترقی کرتی گئی ہے اور کرتی جاتی ہے اور یہ ترقی مختلف ممالک کی اوسط ترقی مردم شماری سے بہت زیادہ ہے۔ میرے اندازہ اور خیال میں اب سے دو سو برس قبل ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ۸ فیصدی سے زیادہ نہوگی اب کسی طرح ۲۲ فیصدی سے کم نہیں ہیں۔ کم سے کم یہی رفتار ترقی کی چین میں اور اس سے بھی زیادہ تیز رفتار افریقہ میں رہی ہے مسلمانوں کا نمو اور تعداد کی افزونی صرف وسطے اور مغربی ایشیا میں رکی ہوئی ہے کیونکہ وہاں قدرت کو ان کے پولٹیکل نقصان

کی تلافی کی ضرورت نہ تھی اور نہ غیر مسلم قومیں تھیں جو اسلام میں داخل ہوسکیتں اور وہاں یوں بھی سیکڑوں سال سے مسلمان گھٹتے چلے آتے ہیں۔ اگر یہی رفتار اسلامی ترقی کی جاری رہی تو جس طرح ماہران علم اقتصاد فرانس مسلسل زوال مردم شماری سے یہ پیشین گوئی کرتے ہیں کہ فرانس ایک دن نہایت کمزور ریاست رہجائیگا۔ اس سے بھی زیادہ وثوق کے ساتھ میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ دن قریب ہو جبکہ اسلامی جذبہ دنیا کی سب سے بڑی قوت ہو جائے گا اور دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو اس کے آگے سر جھکانا پڑے گا سے

نہ ہرکہ وزد زما برود رہ خزانہ نشست

قادر مطلق کا حساب کتاب اور اس کے مصالح کا جاننا ہمارے اختیار سے باہر ہو۔ لیکن دو آیات ہمارے سامنے ہیں۔ ایک میں نے اسی تقریر کے شروع میں پڑہی ہے اور ایک مضمون کے اس سلسلے کے ابتدا میں ہم اس پیشین گوئی کا ظہور واقعات سے دیکھ رہتے ہیں مسلمانوں کی یہ روز افزوں تعداد ہمکو ایک اور زبردست سبق پڑہاتی ہو۔ وہ یہ ہے کہ مصلحت الٰہی اس امر کو مقدم نہیں سمجھتی کہ سُنّی شیعہ اہل حدیث اور معتزلہ میں سے کوئی خاص فرقہ ممتاز رہے بلکہ یہ تعداد سب فرقوں کی بڑہ رہی ہے یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑہنے والے اور آنحضرت کی دینی عظمت کو دل سے ماننے والے بلا امتیاز فرق بڑہ رہے ہیں پس ہمکو بھی بحیثیت مسلمان کے ہر فرقہ کی ترقی کو خوشی اور فراخ دلی کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے اور دنیا کے بیشمار افتادہ مگر قابل زراعت اضلاع جو ہندوستان چین اور افریقہ میں اشاعت اسلام کے لیے پڑے ہوئے ان میں نہایت خوشی کے ساتھ تخم اسلام کی کاشت کریں اور ہر فرقہ کو خوشی سے اجازت دیں کہ باہم صلح و آشتی رکھکر اور بغیر آپس میں تصادم کئے مسیحی فرقوں کے مشنوں کو نمونہ قرار دیکر اپنے اپنے طریقے سے قائلان توحید کی تعداد بڑہائیں۔ اگر اب بھی ہم جزوی عداوت کو اپنا اصلی مقصد بناتے رہے اور اسلام کی خدمت مقدم نہ سمجھی تو دین تو باقی رہیگا جیسا کہ خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ آیندہ زمانے میں ایک قوم

کو پیدا کرے گا جو خدا سے محبت رکھیگی) لیکن ہمکو شرم اور غیرت کیوجہ سے خدا اور رسول کو مُنہ دکھانے کا موقع نہو گا اور یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ ہمارے دماغ میں نہ قوت تدبر وسیاست ہے نہ ملکۂ روحانی بلکہ تعصب و نفسانیت کے گندے کیڑے ہمارے دماغ کا بڑا عنصر بن گئے ہیں

اشاعت اسلام کے متعلق میں نے ایک مفصل اسکیم مدینۂ طیبہ میں بنائی ہے اور میں نے آہستہ آہستہ مختلف فرقوں کے اکابر سے اس کے متعلق گفتگو کی ہے۔ اس کا مختصر اشارہ میں اپنی بعض تقریروں میں کرچکا ہوں مگر اس مسئلہ کو بالفعل نہیں چھوڑتا ہوں اور علوم مغرب حاصل کرنے کی تجویز جو اس سلسلہ میں بعد سادگی معاشرت ونظم ونسق بطرز مغرب کے میں نے بتائی تھی اُس کے ایک پہلو پر یہاں نظر ڈالنی لازم ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دنیوی ترقی کی اسکیم بھی جب تک کہ اُسکو عین دین سمجھکر نہ کیا جائے کامیاب نہیں ہو سکتی ہم یہاں کہ ہمارا مذہب سکھاتا ہی اس پست زندگی کے لیے اپنی کوششوں کو منحصر رکھنا اسلام سے بعید ہی قُل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا۔ الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔

اب مجکو آخر میں یہ کہنا ہی کہ مغربی علمی سائنس جو مسلمانوں کو حاصل کرنی چاہئیں اُن کو بہ احسن وجوہ وہی لوگ حاصل کرسکتے ہیں جو اپنی زندگی اس کام کے لیے وقف کردیں وہ دو قسم کے لوگ ہوسکتے ہیں ایک وہ جو معاش سے فارغ البال ہیں۔ دوسرے وہ جنکی معاش کا بندوبست آپکو کرنا چاہیے۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہرحال بہت کم ہوگی قوم میں نئے علوم اور نئے خیالات صرف اُن ایک فی صدی یا پانچ فی ہزار آدمیوں سے جو تعلیم کے ذریعہ سے معاش پیدا کرتے ہیں یا معاش پیدا کرنا چاہتے ہیں کافی طور پر نہیں پھیل سکتے اور نہ ان لوگوں کو جو ملازمت یا وکالت کرتے ہیں علمی کام اور مطالعہ کی فرصت ملتی ہے۔ یہ علمی اور رسائنٹفک تکمیل یونیورسٹی کے چند فیلو کرسکتے ہیں لیکن ان فیلوز کا یہ کام ہونا چاہیئے کہ وہ بذریعہ اپنی تحریر وتصنیف ولکچروں کے اپنی زبان کو مالامال کریں اور

ہر قسم کے علوم و حکم کا ذریعہ اس میں مہیا کریں جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں اسلام و حکمت بفحوائے یعلمہم الکتاب والحکمۃ مرادف ہیں اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے الحکمۃ ضالۃ المومن پس علم و حکم کو پھیلانا اسی وقت ممکن ہے جبکہ وہ اپنی زبان میں ہوں میں آپ سے نہایت عاجزی سے کہونگا کہ جلدی نہ کیجئے اور اس تجویز کی تضحیک اُردو یونیورسٹی نام رکھکر قبل از وقت نہ کیجئے سوچئے سمجھئے اور صبر کیجئے۔

اب میں اپنی تقریر کو ختم کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نہ دینی پہلو سے اور نہ کسی اور پہلو سے ہم مسلمانوں کی حالت سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں پاتا ہماری قوم میں اس گئے گزرے زمانہ میں ایسے پکے مسلمان اور سچے ثابت قدم انسان موجود ہیں جیسے ہمارے محترم نواب وقار الملک بہادر ہیں وہ ایسے ہیں جنکی مثال میرے ناقص اندازہ میں نہ موجودہ ٹرکی۔ نہ ایران نہ مصر اور نہ مراکو مہیا کرسکتا ہے اور جن کے اصلی جذبات (جب تک خارجی اثرات سے رنگین نہوتے ہوں) واقعی قومی خیالات کا جوہر ہوتے ہیں ہمکو فخر ہے کہ قوم میں ایسا سردار موجود ہے اور ہماری دعا ہے کہ وہ کافی طاقت اور صحت کے ساتھ ابھی قومی معاملات پر حاوی رہیں۔ اُن کی تعریف میں وہ اشعار صادق آتے ہیں جو مولانا حالی نے اُنسے بھی بڑھکر انسان سرسید مرحوم کی شان میں فرمائے تھے۔ لیکن جہاں سرسید بلحاظ دماغی قابلیت اور موجد خیالات ہونے کے بے حد بلند تھے وہاں جو خاموش اور اسلامی چنگاری اُن کے جانشین کے قلب میں سلگتی رہی ویسی ہندوستان کے کسی اسلامی لیڈر میں نہیں ؎

عزیز وحق کی رحمت ہے یہ پیر ناتواں ہم میں
پھر ایسا پیر ہے ہم میں نہ کوئی نوجواں ہم میں
ہزاروں ہونگے ہم میں بیکلر اور ماسٹر پیدا
مگر اے دوستو! یہ صورتیں پیدا کہاں ہم میں

میں اُن کو معصوم نہیں سمجھتا میں نے سنا ہے کہ اُنکے وقت میں ایک قومی تعلیم گاہ میں اخراجات ضرورت سے زیادہ بڑھ گئے ہیں اور قدرتی طور پر دیگر اثرات سے بھی وہ اور زیادہ متاثر ہوتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم اُن کی اعلیٰ کیرکٹری کو پرانی وضعداری اور خلوص اور اسلامی سادگی کا نمونہ سمجھکر اپنے لئے قابل تقلید نہ سمجھیں میں نے اُن کا ذکر خاص طور پر اس وجہ سے کیا ہے کہ اُنھوں نے ایک مفید شاہراہ کی طرف حال میں ہمکو ہدایت کی ہے اور اگر خدانخواستہ ہم ناکام ہو جائیں کہ حسب دلخواہ اسلامی دارالعلوم نہ بنا سکیں تو کچھ عنصر اُس کے تجویزیں سے اور کچھ فخر قوم میجر سید حسن صاحب کی پریسیڈنشل تقریر سے ملا کر ہم ایک پائدار اور مفید چیز بنا سکیں گے علوم اور سائنس کو سیکھنے اور سمجھنے اور سمجھانے میں در اصل ہم نے جب سے اعلیٰ انگریزی تعلیم شروع کی ہے یعنی ۱۸۸۲ء سے جو کوشش کی ہے وہ اسقدر کم ہے جس کے بیان کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اگر ہم کو سَو حصہ کوشش کرنی لازم تھی تو اُس میں سے ایک حصہ کوشش ہم نے کی ہے۔ یہ بڑا میدان کام کرنے کے لیے باقی ہے اور اُس میں مسلمانوں میں سوائے مرحوم شمس العلما منشی ذکاءاللہ کے کسی نے کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا۔ کتب علمیہ کے ترجمے میں میرے علم میں اس زمانہ میں مسٹر واحد علی جنھوں نے بکل کا ترجمہ کیا ہے اور مولوی خواجہ غلام الحسنین کا پاکیزہ ترجمہ ہربرٹ اسپنسر کی تعلیم کا اور دلی کے ایک ہندو بک ڈپو امیر چند کی چند مختصر کتابیں سائنس کے مختلف علوم کی بابت اور مسیحیوں کے رسالہ ترقی لاہور کے مفید تاریخی اور علمی تصانیف بس یہی پچھلے دس سال کا ذخیرہ ہیں۔

چونکہ وقت بہت تنگ ہو گیا ہے میں اپنی تقریر کا خلاصہ آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

(۱) مسلمانوں کی ترقی اس طریقے پر چلنے سے ہوئی تھی جو سادگی معاشرت اور عدل و مساوات کا اور منتظم ہونے کا رسالتمآب نے بنایا تھا۔ مگر حب اغراض اور زرطلبی نے

اُس نظام کو بگاڑ دیا اُس وقت سے برابر زوال ہے۔ مناسب ہے کہ ہم سادگی معاشرت کی طرف لوٹیں اور نظم و نسق جو اسلام کی جان ہے اور یورپ میں جس کے مکمل نمونے ہیں اُن کو سیکھیں۔

(۲) علوم اور سائنس غیر زبانوں میں بھی حاصل کرنا لازم ہے اور اپنی زبان میں بھی۔

(۳) باوجود ان سب باتوں کے لازم ہے کہ محض دنیادی ترقی کو اپنا نصب العین قرار ندیں بلکہ اس یقین کے ساتھ کام کریں کہ اسلام قطعاً دنیا کا آخری دین ہونیوالا ہے اور خدا کا وعدہ پورا ہوگا اپنے باہمی اختلافات اور جھگڑوں کو چھوڑ کر ہم سب کو لازم ہے کہ جہاں موقع مناسب ہو توحید و اسلام کی اشاعت کریں۔

(۴) اسلام کا جزو حقیقی آیندہ کی امید ہے۔ پس ہمکو امید و یقین کے ساتھ کام کرنا چاہیئے

"گلے میں خراش"

کامریڈ افس کے کسی شخص سے "اولڈ بوائے" کے لیے مضامین کی اُمید کرنا سراسر ناانصافی ہے۔ اور اس اُمید کو روشنائی کا سیاہ تاب تحکمانہ لباس پہنا کر اس غریب پر کیچ مارنا اسقدر نار وا طرز عمل ہے جس کی فریاد کرنے کے لیے "اولڈ بوائے" کے صفحات کافی سے بہت کم ہیں۔ کاغذ کا ذرا سا پیلا پیلا ٹکڑا اس دہماکے سے میز پر پڑتا ہے کہ دماغی اعصاب میں تہلکہ مچا دیتا ہے۔ باوجودیکہ فوراً ہی کوٹ کے اندر والی جیب میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اُسکی تحریر بخت نصر کے مشہور دعوت کی اُس تحریر کی طرح جو دیوار پر اپنا

ہیبت ناک پیغام سُنا رہی تھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی۔ افس کے چوبی فرش کے نیچے ۶ گھوڑوں کی طاقت والا انجن کامریڈ کے ورق چھاپ چھاپ کر پھینک رہا ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ لکھوں کیا! ؎

واقعاتِ دل لکھوں چھوٹا سا اک ناول لکھوں
مدحتِ کاکل لکھوں افسانۂ محفل لکھوں!!

سب سے پہلے چاہتا ہوں کہ اُولڈ بوائے پر ہاتھ صاف کروں۔ اور اُولڈ بوائے کی پالیسی کے عنوان سے کچھ صفحے کالے کر ڈالوں ...... ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے ......
اور داستان امیر حمزہ کا پہلا طلسم شکست ہو جاتا ہے!

اب سوچتا ہوں کہ کامریڈ افس پر قلم فرسائی کرنی چاہئے......... اس دفعہ "بھیا محفوظ" ہفتخوان رستم کو ایک ہی آواز میں فنا کر دیتے ہیں۔ "بڑے بھیا" کی "ملائی دودھ، مکھن، شکر، والی روغنی آواز اور بسا اوقات خود" وہ ریش سفید شیخ" جس میں ابھی کہیں کہیں سیاہی کی چند کرنیں باقی ہیں اور جو سچ تو یہ ہے کہ بعض اوقات ہم لوگوں کو سخت مرعوب کر لیتی ہے کواڑوں کے حلقہ ہائے چوبی میں جو ابھی تک اینٹ کے منت کش نہیں ہیں جیسے ایک تصویر فریم میں لگی ہو۔ نظر آتی ہے۔" اولڈ بوائے اور اڈیٹر اولڈ بوائے کے احکام تقریری سب "نقش و نگار طاق نسیاں" ہو جاتے ہیں ...... پھر اُچھل پڑتا ہوں کہ آہا! امتیازی نشان پر کچھ گہر افشانی فرمانی چاہئے.........
کہ بھائی غلام حسین داہنا ہاتھ پتلون کے جیب میں اور بائیں سے اپنی مختصر سی مونچھ اور وہ بھی زیادہ مختصر نوک کو (جس کے بڑھانے کے لیے وہ ہر شخص سے مجرب اور مستند نسخے مانگا کرتے ہیں) گھمانے کی کوشش فرماتے ہوئے داخل ہوتے ہیں اور وہیں سے "ذرا دیا سلائی دینا" یا "ذرا بات سُننا" "پھینک" مارتے ہیں۔ "پھنک" تلفظ ذرا غور طلب ہے۔ جو خاص بھائی غلام حسین کا پیٹینٹ ہے اور میں بھی بہت سی ناکامیاب

کوششوں کے بعد اب بہ مشکل اُسکو صحیح ادا کرنے میں کامیاب ہونے لگا ہوں) غرضیکہ اُولڈبوائے کا امتیازی نشان، بھی ایک ڈبیہ دیا سلائی یا ایک بات کی" قیمت میں فروخت ہو جاتا ہے

× × × × × × × × × × × × × × × × ہاتھ جھاڑ کر کرسی سے اُٹھتا ہوں اور جلدی جلدی فاتحہ پڑھکر بڑے بھائی سے اس اہم معاملہ میں مشورہ کرنے جاتا ہوں کہ "کیا لکھوں"۔ وہ نہایت مفید مشورہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "بھیا ذرا یہ خط لکھدو۔ لکھدو گے نا ؟" وہ "ملائی دودھ مکھن اور شکر" والے الفاظ پوری اشتہا کے ساتھ کہا نے ہوتے ہیں اور ایک خط کے لکھتے لکھتے (جس کے متعدد بچے نہایت سرعت سے پیدا ہوتے جاتے ہیں) شام ہو جاتی ہے۔

چراغ جلے جو سب سے ضروری کام ہمارے گھر میں کہا جاتا ہے وہ دسترخوان کا بچھایا جانا اور چند منٹ کے بعد پوری رسم کے ساتھ اُس کا اٹھالیا جانا ہوتا ہے۔ جس کے بعد بیشتر بھائی غلام حسین کے فلسفیانہ مسائل میدان مباحثہ میں پھینکے جانے لگے ہیں۔ کبھی یہ مشغلہ بیحد دلچسپ ہو جاتا ہے جب کہ سب اڈیٹر کامریڈ مسئلہ ازدواج کے فلسفیانہ پہلو پر ہم سے ابجھنے لگتے ہیں اور نکاح کے جواز و عدم جواز پر متعدد نظایر پیش کر کے اُس خاص وقت اور خاص دماغی کیفیت کے مطابق ایک "تھیوری" میدان میں لاتے ہیں کبھی کامریڈ کی یہ فوج "مینورس" کرنے کے لیے چاندنی چوک پر رعب جمانے نکلتی ہے۔ یہاں ہمارا کیمپ اکثر "بھیا ذکر رد" کے بالاخانہ پر ہوتا ہے۔ جو کالج کے مشاہیر میں سے ہیں۔ اور جو اپرنسپل کے سالانہ خطابات سے محروم نہیں رہے ہیں۔ خصوصاً وہ مختصر خطابات جو "گندم" سے شروع ہوتا ہے اور "فروش" پر ختم ہو جاتا ہے۔ "بھیا ذکرد" کے یہاں چند خاص "انسٹیٹیوشن" ہیں جو درحقیقت اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہر تندرست اولڈ بوائے کے دلچسپی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ اوّل تو ممکن نہیں کہ ہمارے پہنچتے ہی چاء۔ انڈا۔ اور خوش قسمتی سے جاڑوں کا موسم ہے تو بادام

نہ منگائے جاتے ہوں۔ اور اگر ہم اشارہ کردیں تو نیچے کبابی کے دوکان سے چند کباب بھی
کچھ حسن اتفاق ہی کہ ہم لوگ ہمیشہ اُس وقت وہاں پہنچتے ہیں جبکہ کچہری سے واپس آکر وہ بھیا ذکرو
چاء کے لیے حکم دیتے ہوتے ہیں۔ بہرحال، یہ محض اتفاق حسنہ ہے۔ ہماری نیک نیتی پر اُس کا
کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔

دوسرا زبردست انسٹی ٹیوشن غذائے روحانی ہے جو ہر سنیچر کی شام کو، بہ پاس خاطر احباب،
مفت تقسیم ہوتی ہے۔ تاکہ غلط فہمی نہ ہو، صاف الفاظ میں بتا دینا ضروری ہے کہ ہر سنیچر کو بعد مغرب
اگر گرمی ہے تو بالائے بام ورنہ کمرہ میں قوالی کا ہونا اور دنیا میں قیامت کا آنا دونوں یکساں
برحق ہیں۔ اس موقعہ پر ہم حقیقت ناشناس لوگوں کو بھی آداب محفل کی پابندی لازمی ہوتی
ہے۔ اس عالم تصوف میں حقہ پان آنے نہیں پاتا۔ اتنی رعایت ہمارے ساتھ کی جاتی ہے کہ
جس طرح دہلی کی جامع مسجد میں ناسلم جوتوں پر برائے نام رومال لپیٹ کر جاسکتا ہے۔ اسیطرح
ہم بھی اس محفل میں دوزانو بٹھائے جانیکے بجائے جس طرح چاہیں بیٹھنے دیئے جاتے ہیں
شرط صرف یہ ہے کہ بہت پاؤں نہ پھیلائیں۔ . . . . . چنانچہ ہم لوگوں کو اس محفل خیر سے
بہت کم مستفیض ہونے کا موقع ملتا ہے!

تیسرا ایک اور ضروری انسٹی ٹیوشن ہے کہ اتوار کو دوپہر کے وقت، گرمی ہو یا جاڑا امیر باد[illegible] علی
کی داستان ضرور ہوتی ہے۔ "بھیا ذکرو" کی پبلک لائف کے یہ تین انسٹی ٹیوشن (جن میں سب سے
زیادہ اہم پہلا انسٹی ٹیوشن ہے) نہایت ہی ضروری اجزا ہیں۔ بھائی ذکرو کی لائبریری ہمیشہ
نہایت باقاعدہ رہتی ہے اور ہر الماری میں ہمیشہ مضبوط تالے رہتے ہیں جن کی کنجیاں عرصہ
ہوا کہ گم ہوگئی ہیں۔ اس لئے وہ ہمیشہ کسی کتاب کے عاریتاً دینے سے معذور رہتے ہیں اور
ایسی حالت میں انھیں خود بھی بہت افسوس ہوتا ہے۔ لیکن مجبوری اور پھر وہ بھی تالے کنجی کے
مجبوری! نہ اُن کے اختیار کی بات ہے نہ ہمارے بس کا معاملہ!

ان تمام مصروفیتوں کے بعد کوئی لکھے کیا؟ "امتیازی نشان" نہایت دلچسپ عنوان ہے اس پر کبھی کچھ لکھنے کی کوشش کرونگا۔ لیکن اس قدر کہے بغیر نہیں جاتا کہ

حاجی بہ رہ کعبہ و من طالب دیدار
او خانہ ہمی جوید و من صاحب خانہ

اولڈ بوائز کے لئے اس صحت شرافت سے بہتر کیا امتیازی نشان ہو سکتا ہے جو مادر کالج اپنے ہاتھوں سے اسکو پہنا دیتی ہے۔ جامہ زیبی اور فیشن کی ادائیں پیرس اور لندن کے ٹھیکہ داروں کے اختراع کرنے کے لیے چھوڑ دیجئے۔ ہمارا سب سے بڑا امتیازی نشان، اخلاق حسنہ اور پاسِ اخوت مقرر کیا گیا ہے۔ اسکو پیدا کیجئے پھر آپکے پہچاننے میں کبھی غلطی نہو گی۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپکا اخلاق کسی نمایندہ کا حاجت مند ہے۔

مدعیان امتیاز! اخلاق حسنہ ستارہ بنکر پیشانی پر چمکا یا کرتا ہے اور آپکی ہزاروں انگشتریاں جوہریوں کے سینکڑوں دوکانیں اس کے سامنے گرد ہو جاتی ہیں ؎

نہیں ہے وابستہ زیر گردوں کمال شان سکندری پر
تمام ساماں ہے تیرے سینے میں تو بھی آئینہ ساز ہو جا!

وہ اولڈ بوائے جنہوں نے اخلاق واخوت کے سبق بُھلا دیئے ہیں اُنکے لیے شاید کوئی نشان امتیاز مفید ہو سکے۔ لیکن جو شخص کالج کا فرزند سعید ہے اُس کی پوزیشن کو (خواہ وہ دس روپیہ ماہوار کا کلرک ہو) کسی اشتہار کی حاجت نہیں۔ اور یقین تو پُرانی بوسیدہ تیلیوں پر نیا غلاف چڑھا کر اپنے آپکو دھوکہ دینا محض بے نتیجہ حرکت ہے ؎

لیلی اگر نہیں ہے تو محمل بھی کچھ نہیں

اسلئے ان بھائیوں سے جنکو امتیازی نشان کی دھن ہے میں عرض کرتا ہوں کہ ؎

کہ این راہ تو میروی بترکستان است!

یہ چھوٹی چھوٹی غیر ضروری ایجادیں اُسوقت غیر مناسب ہوں جبکہ ہمارے لئے دنیا کا کوئی

اس سے زیادہ مفید مشغلہ باقی نہ رہے۔ اور ابھی تو خونئی نسل کالج میں پیدا ہو رہی ہے اسکی فکر کیجئے۔ اندیشہ ہے کہ وہ مصنوعی نشانات کے احسانمند ہو کر بھی مشکل سے پہچانے جاوینگے!!

مفصل آیندہ   "خاموش"

کیوں جناب! "گلے میں خراش" اور نفس مضمون میں کیا علاقہ تھا جو یہ عنوان قائم کیا گیا۔ البتہ اس بات کی داد ہم بھی دیتے ہیں کہ مضمون نہ لکھنے کے لیے خوب بہانے پیدا کئے گئے ہیں اور اگر اس بکواس سے "گلے میں خراش" پیدا ہو گیا ہو تو بالفعل آپ معذور سمجھے جاتے ہیں مگر واضح رہے کہ پرچہ پہونچتے ہی فوراً سے پیشتر آپ "خاموشی کو گویائی" سے بدل دیں ورنہ ڈنر کے موقع پر سمجھ لیا جائیگا۔

"اولڈ بوائے"

غلام آں کلماتم کہ آتش افروزد
نہ آب سرد زند در سخن بر آتش تیز

ستمبر سنہ ۱۹۱۲ء کے پرچہ میں ایک مضمون "علیگ لقبی" کی سرخی کا "اولڈ بوائے" میں شائع

ہوا تھا لیکن افسوس ہے کہ یہ پرچہ بہت عرصے کے بعد مجھے ملا۔

مجھے یہ دیکھکر کہ محض اس چار حرفی لفظ کی حدت نے ہمارے "اولڈ بوائے" کے "ایک معزز نامہ نگار" کے ٹمپریچر کو اسقدر بڑھا دیا کہ اُن کی "آنکھوں میں یہ دیکھکر خون اُتر آتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غصہ کا پارہ تمام ڈگریاں طے کرکے دل کے تھرمامیٹر کو توڑ ڈالتا ہے" اُنکے ساتھ دلی ہمدردی ہے لیکن اُس کے ساتھ ہی میں بھی اُنکی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ؎

بیا کہ نوبت صلح است دوستی و صفاء
کہ با تو نیست مرا جنگ و ماجرا حافظ

پیارے کالج میں نو برس تک تعلیم پانیکا شرف تو مجھے بدقسمتی سے حاصل نہوا لیکن نصف مدت تک میں نے بھی اس کالج کی روٹیاں توڑی ہیں۔ اگر ڈہنگ ہال کی روٹیوں کے کچے کنارے توڑنے والوں کی فہرست برسر صاحب مرتب کریں گے تو مجھے اُمید قوی ہے جہاں بڑے بڑے لوگوں کے نام نامی جنھوں نے نو نو برس تک اس خدمت کو نہایت محنت اور جانفشانی سے انجام دیا ہے درج فہرست کرینگے تو میری اس ناچیز خدمت کا بھی ضرور لحاظ رکھینگے اور اس خاکسار کا نام بھی کم از کم آخر فہرست میں تو ضرور ہی لکھ دینگے لیکن افسوس صرف اتنا ہے کہ یہ زمانہ مسٹر کارنا۔ اور مسٹر ریس ہی کے اکھاڑے میں ختم ہوا۔ اسکول کے پانچویں درجے میں داخل ہوا تھا اور نائنتہ کلاس سے یہ کہتا ہوا رخصت ہوگیا ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اولڈ بوائے کے "معزز نامہ نگار" کی طرح سے میں نے بھی آجتک نہ زمانۂ قیام کالج میں اور نہ اُس کے بعد کبھی اپنے نام کے سامنے اس لفظ کو لکھا اور نہ کوئی صاحب یہ خیال کریں کہ اگر ابتک ایسا نہیں کیا ہے تو اب یہ ارادہ ہوگا لیکن اگر کوئی شخص مجاز اپنے نام کے بعد میں یہ لفظ

لکھتا ہے یا لکھے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اُسے دیکھ کر کسی کو خود بخود وحشت کیوں پیدا ہو اور وہ آپے سے باہر کیوں ہو جائے اور اُس بیچارے کی نسبت خام خیالیاں کیوں ہونے لگیں کہ اُس نے یہ لفظ اپنی وجاہت اور عزت یا اپنا وقار و ہیبت قایم کرنے کے لیے لکھا ہے۔

ممکن ہے کہ میں غلطی پر ہوں لیکن میری رائے میں ہر شخص کو جس نے اس کالج کی کچھ دنوں بھی ہوا کھائی ہے ضرور اپنے نام کے سامنے (علیگ) کا لفظ لکھنا چاہیے، "علیگ" کسی کی نظروں میں محض لغو کیوں نہو لیکن میری نگاہوں میں امتیازی ہے جو پکارتا ہے کہ اے وہ بھائیو جو مادر مشفقہ کی گود میں کھیل رہے ہو اور نیز اے وہ بھائیو جو اُسی پیاری ماں کے ہاتھوں پروان چڑھے ہو آؤ اور مجھے دیکھو میں بھی اُسی باغ کا ایک درخت ہوں اُسی درخت کی ایک چھوٹی سی شاخ ہوں اور اُسی گلشن کا ایک طائر ہوں جس پھول کا تم رس لے رہے ہو اُسی کلی نے مجھے بھی رس دیا ہے اگر مجھ میں کوئی اچھائی دیکھو تو اُسے جلد حاصل کرو اور اگر کوئی برائی نظر آئے تو میرے اُس عیب کو بہت جلد مٹاؤ کیونکہ وہ صرف میرے ہی لئے باعث ننگ نہیں ہے بلکہ اُس سارے کنبے کے لیے موجب عار ہے جس کا تم میں سے ہر ایک رکن ہے۔ وہ نصیحت جو وہ مادر مشفقہ ہمکو شبانہ روز اُٹھتے بیٹھتے کرتی ہے وہ یہی تھی اور وہ یہی ہے کہ اے بچو! اے ماں جائیو! خبردار! خبردار! کبھی ایک دوسرے سے لڑنا نہیں سب بھائی مل جلکر کھیلنا اور ایک دوسرے سے ھل ملکر رہنا میں نے تم سب کو خون کی بوندوں پالا ہے اور تم سب میری نظروں میں پیارے ہو ؎

آنچنان مہر توام در دل و جان جائے گرفت ٭ کہ گرم سر برود مہر تو از جان نرود

میں نہیں چاہتی کہ تم میں سے کسی کا رونگٹا میلا ہو یا بال بیکا ہو" اس ساری تعلیم کا خلاصہ یہ شعر ہے ؎

سر و زر و دل و جانم فدائے آن محبوب ٭ کہ حق صحبت مہر و وفا نگہدارد

اُسکا مطلب صرف یہی نہیں تھا کہ تم اُسے سُن لو اور اس کان سنو اُس کان اُڑا دو بلکہ غایت اصلی یہ تھی کہ اُس تعلیم پر کاربند ہو اور اُس نصیحت پر عمل کرو۔

میں نہیں سمجھتا کہ "معز زمانہ نگار" کے مزاج کو لفظ علیگ کیوں برہم کر دیتا ہے اور کیوں "غصہ کا پارہ تمام ڈگریاں طے کر کے دل کے تھرما میٹر کو توڑ ڈالتا ہے" وہ اپنی طبیعت کو ایسی تپ محرقہ میں مبتلا

کیوں ہونے دیں جو یاں پڑے ہے۔ تھرمامیٹر ٹوٹنے اور پھر کسی ولایتی فرم کو نئے "دل کے تھرمامیٹر" کا آرڈر دینے کی زحمت اُٹھانا پڑے۔ اگر ڈاکٹر شفاعت اللہ صاحب کے سفوف اسہال میں اب انسداد تپ کی تاثیر باقی نہیں رہی تو ڈاکٹر عظیم الدین یا ڈاکٹر ریاست اللہ سے کونین کی گولیاں نہیں لے لیتے وہ تو اُن کی جیب میں ہر وقت پڑی رہتی ہیں۔ پرہیزی رقعہ لکھا لیں گو چارج دینا ہوگا مگر بلا سے "ہم آنکھوں میں خون" تو نہ "اُتر آئے گا"۔

خدا جانے لفظ علیگ سے اُن کے دل میں لقب کا خیال کیوں پیدا ہوا۔ علیگ لقب تو کسی حالت میں ہو ہی نہیں سکتا۔ لقب تو وہ چیز ہے کہ جس سے مدح یا ذم ظاہر ہو تعجب ہے کہ اولڈ بوائے کا "ایک معزز نامہ نگار" جو نو برس سے اب تک علی گڈھ کالج میں تعلیم پا رہا ہو لقب اور کلمۂ امتیاز میں دھوکا کھائے۔ بوم۔ بوجہ۔ بو محک۔ بنا۔ جبنا۔ ڈاسنی وغیرہ وغیرہ یہ البتہ ایسے الفاظ ہیں جو القاب کے خانے میں رکھے جا سکتے ہیں۔ ہر لقب اپنے ممدوح کی پکار پکار کر تعریف کر رہا ہے۔ کیا کوئی دانا بینا حیوانِ ناطق روئے زمین پر ان پیارے بھائیوں کو علیگ کہنے سے انکار کر سکتا ہے لیکن ہر علیگ کو اس پیارے لقب سے نہیں پکار سکتا ہے۔

اگر یہ خیال ہو کہ علیگ بیل والا اور کینٹ کے مقابلہ میں ہے تو یہ صاف ظاہر ہے کہ کوئی ذوی العقول تاوقتیکہ ہمارے کالج کو یونی ورسٹی نہ ملجاتی ہرگز ہرگز محض اُن لوگوں کی برابری کرنے کے لیے اس لفظ کو اپنے نام میں زاید کر کے لہو لگا کر شہیدوں میں نام نہ لکھاتا۔ اور اگر بقول شخصے کوئی پانچویں درجہ کا طالب علم جاہل شخص انٹرنس پاس کالج میں پڑھنے والے طالب علم صاحب سے علیگ کی دُم لگا کر یہ توقع رکھتا ہے کہ

کہ وہ اُس کی عزت کریں توکم از کم وہ تعلیم یافتہ گریجویٹ جن کو ہمارے "معزز نامہ نگار" نے خود اجازت دی ہے اور جن کے واسطے فتوے جو از نافذ کیا ہے کبھی اس کے استعمال کی ہمت نہ کرتے۔

کم از کم مجھے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کیوں " اس لقب کو اس قدر محدود ضرور کر دینا چاہیئے کہ بی۔ اے۔ اور اُس سے اونچے درجے کے لوگ ہی صرف لکھ سکیں " اوّل تو میں اسے لقب ہی نہیں کہتا اور پھر یہ " محدود" کرنے کا لطیفہ اُس سے بھی زیادہ مزیدار ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ " معزز نامہ نگار" نے بھائی قمر (علیگ) کے " عاشق کُشں الہ آباد یونی ورسٹی کے بھتیرے قتیلوں" کو کس مصلحت سے اس دائرہ سے نکال دیا۔ کیا یہ منشاء ہے کہ اُن بیچاروں کی برگشتہ طالعی انہیں اس خاص جلسہ میں بھی نہ شریک ہونے دے اور اُن بیچاروں کو یہ موقع بھی نہ دیا جائے کہ کم از کم اس نسبتی نام ہی سے وہ اپنے دل کو ٹھنڈا کر لیں۔ یہ کس ملک اور کس ملّت کا آئین ہے کہ ہونہار اور قابل اولاد تو اپنے ماں باپ کا نام بتائے اور جو نا قابل ہیں یا کسی آفت ارضی یا سماوی کی وجہ سے اپنے اور بھائیوں کے جیسے مراتب و مناصب نہیں حاصل کر سکے ہیں اُن کو یہ بھی اجازت نہ دی جائے کہ وہ اپنے ماں باپ کا پتہ دے سکیں اگر یہی اصول صحیح ہے تو میرے نزدیک سب سے پہلی چیز قابل تبدیل جو ہے وہ خود لفظ مُسلم یا مسلمان کے نام ہیں۔ کیونکہ حقیقتاً مسلمان سو میں ایک بھی نہ ملے گا البتہ، بدنام کنندۂ نکو نامے چند، ہزاروں نظر آئیں گے لہذا تاوقتیکہ وہ عالم و عامل احکام شرع نہ ہو لیں ان کے نام مسٹر وائیلڈ یا بابو گوبردھن پرشاد وغیرہ ہونا چاہیئے تاکہ توہین اسلام تو نہ ہو۔

" معزز نامہ نگار" نے جن لوگوں کو علیگ کے دایرے سے خارج

کیا ہی اُن کی تعداد ماشاء اللہ اس وقت اسلام کے گروہ میں کچھ ایسی ویسی نہیں اچھی خاصی ہے۔ اگر ہم اُن کو بائی کاٹ کردیں اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنائیں تو اُن کا تو ایک طرح سے کچھ نہ بگڑے گا ہمارے ہی ہر طرح سے ہاتھ جائے گی۔ اگر قوم کی کثیر تعداد بُری ہے تو معدودے چند اگر انٹرنس پاس یا کالج میں پڑھنے والے جو الشَّاذُ کَالْمَعْدُوْمِ کے اصول کے موضوع ہو سکتے ہیں نکلے بھی تو کیا! قوم کا نام چلانے والی خواہ اچھی خواہ بُری ہی تعداد کثیر رہی لہذا جب قوم ہی ذلیل ہے تو اگر کوئی شخص۔ ایم۔ اے ہونے کے بعد بھی بسبب اجازت "معزز نامہ نگار" "علیگ کی دم" اپنے نام کے پیچھے کیوں نہ لگائے

پھر بھی اگر اللہ میاں کے کسی پوتے پرپوتے کیسا منے جانا ہو تو وہ خواہ **ہندوستان کے موسٹ انلائٹنڈ** گروہ ہی کیوں نہ ہو لیکن علیگ صاحب کو بغیر "ڈیم نیٹو" یا "ڈیم کالا آدمی" کا خطاب جو شاید کسی عطائے خطاب کے جلسہ میں وہ نہیں حاصل کرسکے تھے دیئے ہوئے نہ چھوڑیگا۔ اگر اُس کی زبان نے حسن اتفاق اور علیگ صاحب کی خوش قسمتی سے کوتاہی کی تو دل تو ہرگز ہرگز اس مسئلہ خاص میں فروگذاشت نہ کرے گا۔ کیا یہ عزت علیگ کے امتیازی نشان سے حاصل ہوئی؟

نہیں بلکہ اُسی قوم کی مبتذل حالت کی وجہ سے ہمارے ماسٹر آف آرٹ کو یہ الفاظ سننا پڑے۔

"ہمارا معزز نامہ نگار" خود مقر ہے کہ "علیگ کی تعلیم کا خلاصہ ہے اتحاد۔ ملنساری۔ خوش اخلاقی ہمدردی۔ . . . . کوشاں رہنا،، لیکن یہ

سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا اس خلاصہ کی تاویل و تفسیر
یہی ہے کہ اگر کسی غریب بھائی میں بدنصیبی سے کوئی کمزوری ہے تو بجائے اس کے کہ ہمدردانہ کوششوں
سے ہم اُس کی درستی میں کوشاں ہوں اخباری دنیا میں ہم اُس پر تبرے بازیاں کرنے لگیں اور
اُسکے حق میں ناطق فیصلہ کردیں کہ ایسا لفظ بھی جو اُسے ہماری پارٹی میں شریک کرتا ہو اور ہماری
خاص توجہ اُس پر مبذول کرنے کا مستوجب ہو وہ بیچارہ نہ استعمال کر سکے۔ اس سے تو یہ
صاف صاف عیاں ہے کہ صرف وہ لوگ جو بی۔ اے یا ایم۔ اے کی ڈگریاں اس کالج
سے حاصل کر چکے ہیں وہی اس قابل ہیں کہ ہم سے اُن سے ارتباط قایم رہے قطع نظر اسکے کہ
اُن میں بھی اخلاقی کمزوریاں کیوں نہوں، لیکن جو اس سے محروم ہیں وہ ہماری اخوت سے بھی
محروم ہیں یا اگر وہ ڈگری نہیں حاصل کر سکا ہے تو کم از کم کوئی معزز عہدہ ہی گورنمنٹ میں
حاصل کرے جس سے ہماری پارٹی میں داخل ہوسکے۔ جو صاحب نو برس کی تعلیم کے بعد
اخوت کے مسلہ کو یہ سمجھتے ہیں تو میں تو بھی کہونگا کہ "بھائی خوب سمجھے!"

مجھے جہاں تک یاد ہے ہمارے کالج کی یہ تعلیم آج تک کبھی نہیں ہوئی کہ اخوت کا لفظ
صرف ڈگری یافتہ یا معزز عہدہ پانیوالوں کے دائرہ تک محدود ہے۔ میری خیال میں سرسید محسن الملک
اور وقار الملک ایسے فدائیان قوم کے "نونہالو! عزیزو!" کے مصداق صرف وہی نہ تھے
اور نہ ہیں جنھوں نے ڈگریاں پائی ہیں یا جو معزز عہدوں پر ممتاز ہیں اسکول کے ابتدائی درجہ
سے لیکر کالج کے اونچے سے اونچے درجہ تک کا طالب علم اس لفظ سے مراد ہوتا ہے۔

پھر ایک فقرہ "معزز نامہ نگار" کا اور سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر "پانچویں درجے کے طلبا اور
جاہل لوگ . . . علیگ کے دم لگا کر یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہم اُن کی عزت کریں" لیکن ہم
جب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ محض "پانچویں درجہ کے طلبا ہیں" اور "جاہل لوگ" ہیں اس کے
ہرگز شایاں نہیں کہ ہم اُنکی عزت کریں اور اس وجہ سے ہم اُنکی مطلق عزت نہیں کرتے

بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ ہم اُن کی بے عزتی کے درپے ہوتے ہیں تو پھر "علیگ کی دُم" دیکھکر ہمیں دوران سر کیوں پیدا ہوتا ہے اور رگوں میں خون کیوں جوش مارنے لگتا ہے۔ مجھے نہایت مسرت ہوئی اگر یہی فقرہ کچھ ترمیم الفاظ کے ساتھ بلغاریہ اور اطالیہ کے لوگوں کے مقابلہ میں محض حمیت اسلام ظاہر کرنیکے لیے استعمال ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ ایک بیچارے اُس بھائی کے حق میں جو محض اپنی ناقابلیت یا کسی کمزوری کیوجہ سے ہم سے جدا ہے لیکن کوشاں ہے کہ کسی طرح ہم سے ملے یہ زہر اُگلا جائے اور اُس کے اس خیال پر نفرین کیجائے لیکن اُن لوگوں کے اقوال و افعال پر جو ہمارے لیے قاطع اعمار ہیں اور در پردہ یا علانیہ بیخ کن ہیں، چشم ما روشن دلِ ما شاد کہا جائے۔

اگر اسی خیال کی اشاعت کی تو مجھے اندیشہ ہے کہ جس دن ہمارا "معزز نامہ نگار" الہ آباد یونیورسٹی کی کوئی ڈگری حاصل کرنے کے لیے یونیورسٹی ہال میں قدم رکھیگا تو جسوقت سنٹرل ہند کالج کے پیچھے اتنی تالیاں پٹیں گے کہ ہال گونج جائیگا "اس معزز" ڈگری پانیوالے کو دو ایک مبارکبادی پھٹ پھٹ بھی مشکل سے سنائیں دیں گی۔

جسوقت میں ہمارے بھائیوں کے سامنے امتیازی نشان سوچنے کا مسئلہ درپیش ہے میں اپنی بھی ایک حقیر رائے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ بوجوہات متذکرہ بالا یہ مناسب ہوتا کہ جس کسیکو ہماری مادر مشفقہ کی گودوں میں کھیلنا اور رہنا نصیب ہوا ہے اُس کو یہ اجازت دی جائے کہ وہ اپنے نام کے سامنے (علیگ) ضرور لکھے تاکہ جہاں ہم اِس لفظ کو دیکھیں ہماری رگوں میں محبت کا خون جوش مارنے لگے اور بجائے اس کے کہ ہماری آنکھوں میں یہ دیکھکر خون اُتر آئے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور کلیجہ ہاتھوں بڑھ جائے کہ اُسی حلقہ کا ایک یہ بھی ہے۔ ہم اسکو اعزازی لقب ہرگز نہ سمجھیں بلکہ امتیازی نشان جانیں۔ ع

گرت ہوست کہ معشوق نگسلد پیوند ‏ نگاہ دار سر رشتہ تا نگہدارد

میں معزز اڈیٹر کو کوئی دہمکی دینے کی جرأت تو کر نہیں سکتا لیکن یہ ضرور استدعا ہی کہ اگر وہ کسی وجہ سے اس مضمون کو درج نہ کرسکیں تو اسے مجھے واپس کردیں تاکہ کسی اور بندۂ خدا سے منت وسماجت کرکے اسے شائع کرادوں۔ اگرچہ ؎

حدیث دوست نہ گویم مگر بحضرت دوست
کہ آشنا سخن آشنا نگہدارد

میں نہیں چاہتا کہ اپنے "معزز نامہ نگار" کی طرح سے اس شعر کا مصداق بنوں ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہو
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

لیکن اب ایسی صورت میں کہ اُنکے مضمون کا جواب ختم کررہا ہوں لہذا ضرورت اسی کی ہے کہ اُن کے قابلانہ مضمون کی طرح میرا ناچیز مضمون بھی لاوارث نہ ہے۔ والسلام

س۔م۔ع

ذیل میں ہم مولانا صفی کی وہ نظم قومی درج کرتے ہیں جو اُنھوں نے جلسۂ کانفرنس میں بمقام لکھنؤ پڑھی تھی۔ اس نظم کے جذبات اور جس خوبی کے ساتھ وہ ادا کئے گئے ہیں محتاج بیان نہیں

"اڈیٹر"

نظم

مولنا صفی لکھنوی

زندہ ہیں اگر زندہ دنیا کو ہلا دینگے
مشرق کا سرا اُٹھکر مغرب سے ملا دینگے

دہارتے ہیں زمانہ کے بجلی کا خزانہ ہے
بہتے ہوئے پانی میں ہم آگ لگا دینگے

ہم سینۂ ہستی میں انگارہ ہیں انگارہ
شعلے بھڑک اُٹھینگے جھونکے جو ہوا دینگے

ہم کون ہیں؟ ہم کیا ہیں؟ ہم کچھ بھی نہیں لیکن
وقت آنے دو وقت آنے پر تمکو بتا دینگے

فاران پہ گرجے تھے برسے ہیں جہاں بھر میں
گھر گھر کے جو کہیں گرجے پھر ہوش اڑا دینگے

دنیا کے سمندر میں ہم جزر بھی ہیں مد بھی
دیکھو جو ہمیں رو کا طوفان اٹھا دینگے

مرجھائی ہوئی کھیتی اب ہم ہیں تو کیا ڈر ہے
چھینٹے ہیں رحمت کے پھر نشو و نما دینگے

جڑ ہمنے پکڑلی ہے کلے نئے پھوٹینگے
گر خاک میں بھی ہمکو اک بار ملا دینگے

ایران ہو یا ٹرکی دونوں کو مٹا دیکھیں
کیا صفحۂ ہستی سے اسلام مٹا دینگے

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دینگے

گونجینگی پہاڑوں میں تکبیر کی آوازیں
یہ صور جہاں ہونگا مُردوں کو جلا دینگے

اے جذبۂ اسلامی جس دل میں نہ تو ہوگا
یہ نظم صفی پڑھکر ہم اسکو سنا دینگے

سر تھیوڈور ماریسن اور اولڈ بوائز کلکتہ

کلکتہ اولڈ بوائز نے ایک ایٹ ہوم پارٹی سر تھیوڈور ماریسن کو جو آجکل روائل کمیشن میں یہاں آئے ہوئے ہیں آج (۱۸ فروری) شام کو پیلیٹی کے مشہور و معروف اسٹور روم میں دی کالج ٹرسٹیز میں سے آنریبل جسٹس شرف الدین۔ آنریبل جسٹس سید حسن امام تشریف لائے آنریبل جسٹس عبدالرحیم نے معذرت کا خط بھجوایا کیونکہ اُن کی دعوت دوسری جگہ پہلے سے تھی اور خان بہادر مرزا شجاعت علی بیگ کلکتہ سے باہر تشریف لے گئے ہیں اسلئے شریک ہو نسکے

اس پارٹی میں صرف اولڈ بوائز اور ٹرسٹیان علیگڈھ مدعو تھے وقت پارٹی پانچ بجے مقرر کیا گیا تھا اگرچہ سر تھیوڈور نے فرمایا تھا کہ ممکن ہے وُہ اس سے قبل یا اس کے بعد

تشریف لائیں کیونکہ وہ اجلاس کمیشن کے تشریف لائینگے۔ مگر وہ وقت سے پہلے ہی تشریف لے آئے۔

قریباً سب اولڈ بوائز کلکتہ ساڑھے پانچ بوے چھ تک آ گئے۔ ذیل میں اُن اولڈ بوائز کے نام درج ہیں جو موجود تھے۔ سارے وقت گفتگو بالکل اولڈ بوائز علی گڈہ کی پہلی موجود اور آیندہ حالت اور مجوزہ یونیورسٹی کے متعلق رہی۔ سر تھیوڈور نے ایک طویل گفتگو یونیورسٹی اور اُس کی اسکیم کے متعلق کی اگرچہ ہم لوگ بعض جگہ سر تھیوڈور کی رائے سے اتفاق نہیں کرتے تھے مگر گفتگو بہت دلچسپ معنی خیز اور ہمدردانہ تھی۔

سر تھیوڈور ایک ایک اولڈ بوائے سے الگ الگ ملے اور اُس کے حالات پوچھتے رہے اُن کا اخلاق ہم سے بہت مخلصانہ تھا لوگوں کی زندگی اور حالات میں اُنکو بہت دلچسپی تھی

بعد چاء وغیرہ کے ہمارے برادر محمد لطیف صاحب نے اولڈ بوائز کلکتہ کی طرف سے ایک چھوٹی سی مگر جامع اسپیچ دی جس میں انہوں نے سر تھیوڈور کے تشریف لانے پر اظہار مسرت کیا اور اُن کے اخلاق اور عام برتاؤ کو بیان کیا جو وہ زمانہ کالج میں اپنے شاگردوں اور سب طلبا کے ساتھ کیا کرتے تھے اُن کو صاحب اولاد ہونیکی مبارکبادی اور مسز موریسن کو ہم سب کی طرف سے سلام کہنے کی درخوہست کی اُس چھوٹی سی انجمن کا بھی ذکر کیا جو اُن کے زمانہ پرنسپل شپ میں مسز موریسن کے یہاں ہوا کرتی تھی اُن کے زمانے پرنسپل شپ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایک وہ وقت تھا جبکہ ہم اُستاد شاگرد مثل عزیزوں کے رہتے تھے یا اُنکے جانیکے بعدہی وہ وقت آیا جب کالج کا ناگوار واقعہ ہوا اور گورنمنٹ بدظن ہوئی اور ایسا گمان ہے کہ اب بھی گورنمنٹ مجسں نگاہ رکھتی ہے اثنا گفتگو میں اسلام اور مسلمانوں پر آئی ہوئی موجودہ مصیبت کا ذکر کیا۔ کہ کس طرح دنیا کی زبردست قومیں اسلام کو پامال کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ آخر میں ٹرسٹیوں کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرکے اسپیچ ختم کی۔

اس کا جواب سر تھیوڈور ماریسن نے نہایت دوستانہ الفاظ میں دیا اُنھوں نے بیان کیا کہ جب مجکو معلوم ہوا کہ میں کمیشن کے ساتھ ہندوستان جا رہا ہوں تو سب سے پہلے مجکو یہ خیال آیا کہ میں کالج۔ اولڈ بوائز اور بہت سے شاگردوں سے ملونگا۔ اُنھوں نے یہ بھی فرمایا کہ لیڈی موریسن اکثر تم سب کا ذکر کیا کرتی ہیں اور بہت دفعہ تو نام لے لیکر پوچھا کرتی ہیں وہ ضرور تم سب کو پوچھینگی اور میں تمہارا پیغام اُنسے کہونگا۔ وہ ضرور ہندوستان آتیں مگر بچے کے سبب نہ آسکیں اور مجکو ہی آنا ہوا موجودہ اسلامی مصیبت کا ذکر کرتے ہوئے اُنھوں نے کئی بار اپنی ہمدردی اور تاسف کا اظہار کیا اور فرمایا کہ مجکو بہت ہمدردی ہے اگرچہ بڑی سلطنتوں کا اصول دوسرا معلوم ہوتا ہے اثنائے گفتگو میں اُنھوں نے فرمایا کہ اُستاد کو ہمیشہ یہ آرزو ہوا کرتی ہے کہ اپنے شاگردوں کو خوش حال اور خوش دیکھے مجھے تم سب کو دیکھکر بہت خوشی ہوئی اور یقین ہوتا ہے کہ اولڈ بوائز اکثر خوش ہونگے جہاں ہونگے۔

جلسہ قریبًا سات بجے شام تک رہا اور سر تھیوڈور بہراور پُرانے طلبا کی نسبت دریافت کرتے رہے بمسرت سے سُنا کہ ہمارے ہر دل عزیز بھائی محمد علی خود اور اُن کا اخبار کومریڈ قوم کے پیارے ہیں اور شوکت بھیا نے پنشن لیکر رامپور میں روئی دبانے کی مشین کھولی ہے اور ساتھ ہی کالج میں قومی کام بھی کرتے ہیں۔

غرض وہ تھوڑا وقت بہت ہی پر لطف گذرا اور بعینہ یہی تھا کہ ہم سب کالج میں بیٹھے ہیں سر تھیوڈور ایک ایک سے مصافحہ کرتے اور الوداع کہتے ہوئے تشریف لیگئے۔

فہرست اولڈ بوائز حاضرین جلسہ

(۱) محمد ظریف صاحب ایم اے۔

(۲) ڈاکٹر آیات اللہ صاحب ایم، بی، سی، ایم، اڈمبرگ

(۳) سید امجد حسین صاحب

(۴) نوابزادہ معین الدین میرزا

(۵) نوابزادہ محی الدین "

(۶) جعفر کلامی

(۷) اعجاز حسین صاحب

(۸) سرفراز حسین خانصاحب } ہمارے برادر کی اہلیہ کا ابھی انتقال ہوگیا ہے غم غلط کرنے چند روز کو آئے ہوئے ہیں)

(۹) آغا فریدوں صاحب

(۱۰) نوابزادہ نادر علی میرزا

(۱۱) نوابزادہ سید فرخ میرزا

(۱۲) مسعود حسین صاحب

(۱۳) نوابزادہ سید عباس میرزا

(۱۴) بابو شام لال سیل

(۱۵) راقم

اولڈ بوائز میں ہمارے خاموش بھائی غلام حیدر صاحب اور بہاؤ الدین صاحب شریک جلسہ نہیں ہوئے۔

غلام حیدر تو ایک خانگی ضرورت کی سبب الہ آباد گئے ہوئے ہیں اور بہاؤ الدین صاحب تشریف لائے مگر جب ہم سب واپس جارہے تھے۔ اگرچہ اُنھوں نے پہلے سے عذر کیا تھا اُنکو آنے میں دیر ہوگی (مگر نہ اسقدر کہ بعد ختم جلسہ)

سر تھیوڈور کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ وہ اولڈ بوائز سے ملنے کے بہت خواہشمند ہیں امید ہے ہمارے برادران اگر ممکن ہو تو اُنسے ضرور ملینگے۔

راقم بشیر مرزا دہلوی

مقام کلکتہ ۱۰ر فروری ۱۹۱۳ء

شکایت نامہ

ذیل میں ہم اپنے ایک کرم فرما کی تحریر چھاپتے ہیں جو اڈیٹر کے پاس بطور شکایت کے بھیجی گئی ہے۔ ہم اپنے ایسے کھرے اور سچے دوستوں کی دل سے قدر کرتے ہیں اور ان شکایتوں کو چھپانا ایمان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اگر "عذر گناہ بدتر از گناہ" کا مقولہ صادق نہ آتا تو ہم اس موقعے پر کچھ معذرت بھی کرتے اور اگر پچھلی وعدہ خلافیوں کی ندامت نہ ہوتی تو آیندہ کے لیے وعدے بھی کرتے۔ ہمارے عنایت فرمانے شکایت کا وہ پہلو اختیار کیا ہے کہ ہمارے لیے جواب کی کوئی گنجائش نہیں رکھی ہے

منصفی ہو تو غضب نامنصفی ہو تو ستم
اس نے میرا فیصلہ موقوف مجھ پر رکھ دیا

بہر حال ہم بھی اپنے موقعے کے منتظر ہیں۔ جو کچھ مجبوریاں ہیں وہ انشاءاللہ تعالیٰ ان شکایات کا عملی جواب دینے کے بعد پیش کی جائینگی اور ہم دیکھینگے کہ ہمارے دوست اُسوقت کیا جواب دیتے ہیں۔ "اڈیٹر"

مکرمی بندہ جناب اڈیٹر صاحب دام عنایتکم،

السلام علیکم، مزاج شریف۔

آج پہلا موقع ہے کہ اولڈ بوائے پر رائے زنی کی جرأت کرتا ہوں جب سے اولڈ بوائے کا پراسپکٹس دیکھا تھا اور اسکی خریداری میں نام درج کرا نیکی ناعاقبت اندیشانہ غلطی کی تھی اُسوقت سے آجتک اس کی ہر ادا کو میں غور سے مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ چنانچہ اس کی ہر حرکت کا حال کہ میرے دماغ میں کھنچا ہوا ہے۔ اگرچہ یہ خط میں آپکو لکھ رہا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس کا

مضمون آپ تک ہی محدود نہ رہے بلکہ جملہ برادری اس پر غور و خوض کرے اور اسمیں کہانتک صداقت کی بو ہے،، اس معمے کو حل کرے۔

خدا کے فضل سے "اولڈ بوائے" کی عمر دو برس اور پانچ مہینے ہو نے آئی لیکن تیسرے برس کے دوسرے مہینے کی رپورٹ ابھی تک شائع نہیں ہوئی اور اکتوبر کا پرچہ ابھی تک میٹھی نیند سو رہا ہے۔ اگر لائق ماں کی زیر نگرانی بچے کی تربیت اور بے قاعدگی کا یہی حال رہا تو فرمائیے جوان ہو کر کیا جوہر دکھاویگا۔ ایسا بچہ جو ابتداء سے ہی بے قاعدہ ہو اور ایسا اتالیق جو ابتدائی تعلیم بےقاعدگی سے دے دونوں قابل تعزیر ہیں۔

آج کل ایک مرض پھیل رہا ہے جو تعلیم یافتہ اصحاب میں علی العموم اور علیگ صاحبان میں تو علی الخصوص بہت زیادہ پیمانے پر پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ شروع میں آنکھیں کھولکر اور عقل و ہوش درست کر کے کام نہیں کرتے بلکہ اپنی لیاقت اور بے تکلفی وغیرہ پر بھروسہ رکھکر جو چاہے جلدی میں کر بیٹھتے ہیں۔ اگر کام ٹھیک ہو گیا تو زہے قسمت ورنہ اگر اس سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچا تو I beg your pardon کہکر اور موجودہ زمانہ کی تہذیب کا ثبوت دیکر اسکی تلافی کی کوشش کرتے ہیں۔ (علیگ صاحبان اس پر بگڑیں نہیں کیونکہ اسکے ثبوت میں میرے پاس ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں مثالیں موجود ہیں)

یہی حال اخباری دنیا میں ہندوستانی اور خصوصاً اسلامی پرچوں کا ہے الہلال کو لیجئے اتنے مضامین شائع نہیں ہوئے ہونگے جتنے معافی نامے پائے جائینگے کہ افسوس یہ وجہ ہوئی اور وہ وجہ ہوئی اور اخبار وقت پر شائع نہ ہو سکا۔ کامریڈ کے مطلع پر بھی کبھی کبھی یہ غبار چھا جاتا ہے ہمیں دوسروں سے کیا مطلب "اولڈ بوائے" کو لیجئے کہ اس میں ہر دوسرے مہینے ایک معذرت پڑھ لیجئے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی وعدہ کہ آئندہ ایسا نہ ہوگا گویا کہ ایک تو پہلے غلطی کہ دیر سے شائع ہوا دوسرا یہ گناہ کہ صریحاً جھوٹ بولا گیا اور آئندہ کی بابت غلط اور جھوٹا وعدہ کیا گیا۔ اگر گزشتہ غلطی پر معذرت کرنی ہے تو شوق سے کیجئے لیکن آئندہ کے لیے کیوں جھوٹا وعدہ کرتے ہو جب تک کہ اسکے ایفا

کا پورا انتظام نہ کر لیا ہو۔ خیال فرمایئے جنوری گذر گیا اور اکتوبر کا پرچہ ندارد ہے۔ بہلا یہ کمی کیسے پوری ہوگی
ان معذرتوں کے کیا معنی کہ اسقدر بوجھ اور ذمہ داری کا کام ہے کہ فلاں ابن فلاں سے
نہ سنبھلا اور مجھے خود شرم آتی ہے۔ اور میں فلاں کام میں مصروف تھا۔ اور یہ ڈر تھا اور وہ ڈر تھا۔ اور مطبع نے
بمصداق (ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا) سستی سے کام کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔
کام کے یہ معنی ہیں کہ یا کر دیا چھوڑ دو۔ اگر خود فرصت نہیں دوسروں کو ملازم رکھو اگر گنجایش نہیں
رسالہ کی قیمت بڑہا دو اگر خریدار اسے منظور نہ کریں تو انسے دوا پوچھو۔ اس ریں ریں سے تو بالکل بند
ہو جانا رسالہ کے حق میں زیادہ مفید ہے۔
آپ فرما دینگے کہ باتیں بنانا آسان ہے۔ کام چلانا اور اس کی دقتوں کو محسوس کرنا مشکل ہے۔ میں
اسے تسلیم کرونگا لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ جس طریقے سے اولڈ بوائے اپنا چہرہ دکھاتا ہے اسکو
نظر احسن سے دیکھا جائے۔ کبھی کسی یورپ کے اخبار کو یا ہندوستان کے انگلو انڈین پرچے کو
بھی اس قسم سے مُنہ چراتے دیکھا ہے۔ پھر کس برتے پر کہا جاتا ہے کہ یورپ کو اسلام نے تہذیب سکھائی
اگر دعوے کو مستحکم کرنا چاہتے ہو تو اب بھی وقت ہے کہ زندہ مثالیں قائم کرو اور سلف کے نمونے بچاؤ
ورنہ مردہ کارناموں پر شیخی بگھارنے سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ اگر آپکے اولڈ بوائے کے ناظرین اس کی ظرافت
اور چاشنی کے اسقدر دلدادہ ہیں کہ اسکے مزہ میں سب کچھ روا سمجھتے ہوں اور اس عاشق کی مانند
بنگئے ہوں جو عشق میں ایسا محو ہوتا ہے کہ اسے یہ معلوم نہیں کہ دسترخوان پر کیا کیا ہے اور کھانا کسوقت
کھایا جا رہا ہے خواہ دیر ہو یا سویر کچھ پروا نہیں تو البتہ میری یہ کوشش بالکل رائگاں اور تضیع اوقات
پر مبنی ہے۔ جب بوجھ زیادہ ہے اور ایک شخص کی طاقت سے باہر تو دوسرا آدمی رکھئے اگر انتظام نہیں ہو سکتا
تو ہمارا وقت ضائع کرنیسے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ کہانتک معقول وجہ ہے کہ مطبع نے سستی سے کام کیا کیا مطبع
مخصوص ہے۔ اگر ایک سے گزارہ نہیں چلتا دوسرا پریس تلاش کیجئے۔ لائیے تو سہی دو دن میں دس ہزار
کاپی طیار کرا کر میں آپکو بھیجدوں مطبع بھی کوئی شے ہے جس کی شکایت کیجائے۔ کتابت کی غلطیاں
درست نہونا دفتر کے انتظام پر مزید روشنی ڈالتا ہے۔ اگر اولڈ بوائے کا مقصد یہی ہے کہ محبت اور اتحاد

کا سلسلہ چار پانچ ماہ بعد جنبش میں آیا کرے تو میرا تو سلام ہے۔ اور اگر ایک دوسرے کے حالات سے
باخبر ہونیکا یہی ذریعہ ہے جو ایک مردے کے مرنیکی ششماہی پر خبر دے صرف اس وجہ سے کہ بہت جلد
شائع ہوتا ہے تو بھی سلام ہے۔

بیروت کا خوبصورت ٹائپ تو گیا بھاڑ میں اور چولھے میں ہمیں تو کیک و بسکٹ سے
توے کی روٹی گرما گرم زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے جو بھوک کیوقت ملتی ہے۔ ہمارا پرانا پتھر ہی اچھا ہے جو
وقت پر چھاپ دے۔ لیکن جب وقت کی پابندی ہی نہیں تو نہ یہ اچھا اور نہ وہ بھلا دونوں خراب
اس ٹائپ کے انتظار میں "بدر" تو نہ نکلا ایسا نہو کہ "اولڈ بوائے" سے ہی ہاتھ دھونا پڑے۔ ایسی
شان کس کام کی جس میں خودداری کا پتہ مفقود ہو۔ کالج عمارات کی تصاویر کا وعدہ کوئی نئی بات
نہیں گزشتہ جلدیں اٹھا کر دیکھئے اسی قسم کے چکنے چپڑے الفاظ کا مزہ وہاں بھی ملیگا۔ اور منہ میں
پانی بھرنیوالے وعدے وہاں بھی نظر آئینگے۔ جن اصحاب نے پنجاب کی دوسری لوئر کلاس میں
جھوٹ کی مذمت کے بارے میں "شیر آیا شیر آیا دوڑنا" کی نظم پڑھی ہوگی وہ ان جھوٹے وعدوں
کے نتیجہ پر آسانی سے پہنچ سکتے ہیں۔ اسمیں کسی کا نقصان نہیں بلکہ اڈیٹر کے الفاظ کی وقعت اور پرچے
کی آئندہ ترقی انہی دو چار چیزوں پر مبنی ہے۔ جو اس شکایت نامہ میں درج کی گئی ہیں۔

لطف یہ ہے کہ جب لکھتے لکھتے ایسا موقع آپڑتا ہے جہاں اپنے عیوب کی چشم پوشی کرنے کے سوا
اور کوئی چارہ نہیں سوجھتا تو بیچارے ناظرین کی شامت آجاتی ہے اور لکھا جاتا ہے کہ پرچے کو اچھا بنانا
ناظرین کا کام ہے۔ دوات قلم لیکر کون بیٹھے اور یہ کون کرے اور وہ کون کرے وغیرہ شکایات
ہمارے سر تھوپی جاتی ہیں۔

میں یہ پوچھتا ہوں کہ لکھیں تو کہاں لکھیں کس پتہ پر لکھیں آپکے انتظام کا تو یہ حال ہے کہ
اگست ۱۲ء کے پرچے کے صفحہ ۲ پر اولڈ بوائے کے مقاصد بیان کرنیکے بعد جن قواعد
پابندی کا حکم نافذ ہوتا ہے اسمیں لکھا جاتا ہے کہ جملہ خط و کتابت وغیرہ منیجر اولڈ بوائے علیگڑھ سے ہونی
چاہیئے۔ لیکن ستمبر ۱۹۱۲ء کے اسی صفحہ پر حکم ملتا ہے کہ منیجر اولڈ بوائے بنارس سے ہونی چاہیئے۔

اب فرمائیے آیا علی گڑھ ٹھیک مانا جائے یا بنارس معلوم ہوتا ہے کہ اب پھر دفتر بنارس تبدیل ہوگیا ہے اور اگر یہ بھی کتابت کی غلطی میں شامل کر لیا جاوے تو مجھ جیسی موٹی عقل والیکا اس زمانے میں اولڈ بوائے سے مستفید ہونا بالکل مشکل ہے۔ تاہم یہ عریضہ خدا کا نام لے کر علی گڑھ ہی بھیجتا ہوں اور قسمت آزمائی کرتا ہوں۔

اس بے قاعدگی کی شکایت میں اسقدر وقت صرف ہوگیا ہے کہ دیگر امور کا تذکرہ نہیں کر سکتا مضامین کا کیا ذکر کروں معلوم ہوا کہ بس دو تین مضامین ہی دماغ میں دورہ کر رہے تھے جن کی وجہ سے اسقدر تکلیف گوارا کی گئی اور دو سال ضائع کیے گئے۔ اولڈ بوائے اسٹور اور قومی نشان یا لباس اس قدر عجیب فلسفیانہ مضامین نکلے ہیں جنکا سمجھنا اسقدر دشوار ہوگیا ہے کہ اتبک ان کا حل نہیں ہوا۔ خدا محرک صاحبان کا بھلا کرے جن کی وجہ سے اولڈ بوائے کو روز بد دیکھنا نصیب ہوا اور چراغ ٹمٹماتا رہا ورنہ ان مضامین کی عدم موجودگی سے موجودہ حالت بھی قائم نہ رہتی۔ ابھی یہی سبق دیا جا رہا ہے کہ فلاں سے خط و کتابت کرو وہاں لکھو یہ کرو اور وہ کرو اس میں بھی سال گزر جاویگا اور زمین گول ہے کا مسئلہ ثابت ہو جاویگا۔ باقی اللہ اللہ خیر صلا۔

میری یہ رائے ہے کہ ان فضول مباحثوں کو بالائے طاق رکھدیا جائے کیونکہ آجتک اسکے متعلق جتنے مضامین نکلے ہیں کسی میں کام کی بات نہیں۔ "چاہیئے" کا زیادہ خرچ ہے اور یہی لفظ ان میں لفظ شماری (بروزن مردم شماری) کی حیثیت سے زیادہ فوقیت رکھتا ہے۔ آپ کے اولڈ بوائے کا کوئی پرچہ ایسا نہیں جس کے متعلق مجھے کچھ نہ کچھ کہنا نہو افسوس میرے پاس اس وقت کل پرچے نہیں ہیں ورنہ میں آپکو ایک فہرست بھیجتا جن پر مجھے بحث کرنا ہے اور ان شکایتی باتوں کو چھوڑ کر کام کی طرف متوجہ ہوتا۔ اس وقت بوجہ قلت گنجائش میں اس گستاخنامہ کو جو نیک نیتی پر مبنی ہے صرف اتنا عرض کرکے بند کرتا ہوں کہ میں بشرط زندگی مفصلہ ذیل مضامین کے متعلق عرض کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں بشرطیکہ آپ اجازت مرحمت فرمائیں۔

۱۔۰۰۱ اولڈ بوائے اسٹور

۲۔ قومی نشان یا لباس

۳۔ "علیگ لقبی" پر گوہر افشانی

۴۔ "اولڈ بوائے" کی ترتیب۔

اخیر میں آپکے دفتر کی ایک عنایت خاص کیطرف دوبارہ توجہ دلانیکی آپکو تکلیف دونگا وہ یہ ہے کہ اگست کا اولڈ بوائے پہنچا تو سہی لیکن صفحہ ۳۳ سے صفحہ ۴۰ تک بالکل غائب ہے۔ اور یاد دہانی پر بھی توجہ نہ کیگئی افسوس، کیا اب بھی سماعت ہو سکتی ہے؟!

خط کتابت مجھ سے میرٹھ کے پتہ پر کیجئے۔ لیکن رسالہ بدستور سابق پتہ پر بھیجتے رہیے۔ لیکن ہاں ۳۳ + ۴۰ کا فرمہ اگر دستیاب ہو سکے تو میرٹھ کے پتہ پر بھیجدیجئے۔ میری خریداری کا نمبر ۲۰۷ ہے زیادہ نیاز۔ میں ہوں آپکا علیگ لقبی (کے ایچ۔ فیاض احمد پانی پتی)

تضمین بر نظم مولنا شبلی

مولنا شبلی کی ایک نظم "حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشان کب تک" ۱۱ دسمبر ۱۹۱۲ء کے زمیندار میں شائع ہوئی تھی۔ ذیل کا مخمس اسی نظم کی تضمین ہے جو جناب نواب ابو المعظم سراج الدین احمد خاں سائل رئیس لوہارو کی فکر رسا کا نتیجہ ہے۔ حضرت سائل کا جو پایہ شاعری کے لحاظ سے ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ صرف اسقدر کافی ہے کہ آپ داغ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ "ڈیٹر"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعائے عافیت مانگے گا دین خستہ جان کبتک — مخالف گردشیں کرتا رہے گا آسماں کبتک

ستائیگا بتا اے کوکب نامہرباں کبتک — حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کبتک

چراغ کشتۂ محفل سے اُٹھیگا دھواں کبتک

پڑے گرجا ہوئے سوئے دامن آہنیں پنجے پکڑ کر گوشۂ دامن ستمگاروں نے گر کھینچے
رہیگی تاج وتخت روم کی پھر آبرو کیسے قبائے سلطنت کے گر فلک نے کر دیئے پرزے
فضائے آسمانی میں اُڑینگی دھجیاں کبتک

سُنے کوئی تو ہم اُس سے کہیں بھی مدعا یہ ہے مصیبت اپنے اوپر یہ پڑی ہے ماجرا یہ ہے
یہ دل میں درد پیدا ہو گیا ہے عارضہ یہ ہے ہُلکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریض سخت جاں کبتک

جنو ومانٹی۔ میدان سے جو بڑھتا آتا ہے قشون سرو یہ اس شان سے جو بڑھتا آتا ہے
سحاب حبش۔ اب یونان سے جو بڑھتا آتا ہے یہ سیلاب بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے
اسے روکیگا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کبتک

خبر ہے اپنے بیگانے ہیں کیا کیا دیکھنے والے مراد غیر بالائی تمنا دیکھنے والے
گئے بیٹھے ہیں بند آنکھوں کو مانا دیکھنے والے یہ سب ہیں رقص بسمل کا تماشا دیکھنے والے
یہ سیر انکو دکھائیگا شہید خستہ جاں کبتک

یہ صورت درد کی مرغوب کنکو کن کو بھاتی ہے صدا ماتم کی دلخوش کن ہے انکی انکو بھاتی ہے
یہی یہ رات کو سُنتے ہیں یہی دن کو بھاتی ہے یہ وہ ہیں نالۂ مظلوم کی نے جن کو بھاتی ہے
یہ راگ انکو سُنائیگا یتیم ناتواں کبتک

کسی ترکیب سے آخر ہمیں معلوم کچھ ہو تو کوئی ہمدرد اپنا ہو۔ کوئی دلسوز اپنا ہو
تو اک پیغام پہنچانے کی ہم تکلیف دیں اُسکو کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے اُستاد
یہ ظلم آرائیاں کبتک یہ حشر انگیزیاں کبتک

تناہی کے نمونے کی کہو تو انتہا تا کے کئے جائیگا اک رنجور فریاد و بکا تا کے
ہوئے جائینگے اک مظلوم پر جور و جفا تا کے یہ جوش انگیزی طوفان بیداد و بلا تا کے
یہ لطف اندوزی ہنگامۂ آہ و فغاں کبتک

ہماری بھی تمہاری بھی قضا اک روز آنی ہے ۔۔۔ نہیں رہنے کی شے۔ یہ جان تو اک روز جانی ہے
سنا بھی تم نے یہ اتمام حجت کی کہانی ہے ۔۔۔ یہ مانا تمکو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے

ہماری گردنوں پر ہوگا اس کا امتحاں کبتک

کبھی حالت کسی کی غیر گر تم نے نہیں دیکھی ۔۔۔ مسلماں لاش بے سر پیر گر تمنے نہیں دیکھی
دکھا تو دی تمہیں اب خیر گر تم نے نہیں دیکھی ۔۔۔ نگارستانِ خوں کی سیر گر تم نے نہیں دیکھی

تو ہم دکھلائیں تمکو زخم اپنے خوں فشاں کبتک

بلاد و مصر کے فرماؤ ویراں چاہئیں تمکو ۔۔۔ پٹے لاشوں سے کے کے میل میداں چاہئیں تمکو
کہو تو کتنے پرگنتی میں زنداں چاہئیں تمکو ۔۔۔ یہ مانا گرمیِ محفل کے ساماں چاہئیں تمکو

دکھائیں۔ ہم تمہیں ہنگامہ آہ و فغاں کبتک

زباں سے حرف بھی گر قصۂ غم کا نکلتا ہے ۔۔۔ کلیجے میں کوئی چٹکی سی لیتا ہے مسلتا ہے
ہمارے حال پر عالم کفِ افسوس ملتا ہے ۔۔۔ یہ مانا قصۂ غم سے تمہارا جی بہلتا ہے

مگر تمکو سنائیں دردِ دل کی داستاں کبتک

ہوا جاتا ہے قامت خم ہری سرسبز ڈالی کا ۔۔۔ غم جانکاہ ہے ہم کو ہماری نونہالی کا
ٹھکانا کیا تمہاری جور و بیدادِ خیالی کا ۔۔۔ یہ مانا تمکو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا

ہم اپنے خون سے سینچیں تمہاری کھیتیاں کبتک

جو دشواری ہماری ہے اسے سمجھے ہو تم آساں ۔۔۔ کرو انسانیت کی بات بھی تم ہو اگر انساں
تم اپنی زیب و زینت کے نکالو اور کچھ ساماں ۔۔۔ عروسِ بخت کی خاطر نہیں درکار ہی افشاں

ہمارے ذرہ ہائے خاک ہونگے زر فشاں کبتک

قضا کے ہاتھ میں تھا انتظام فتحِ ایوبی ۔۔۔ وگرنہ ہم کہاں اور انصرام فتحِ ایوبی
نہ لو تیرہ صدی کے بعد نام فتحِ ایوبی ۔۔۔ کہانتک لو گے ہمسے انتقام فتحِ ایوبی

دکھاؤ گے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کبتک

سمجھ کر یہ کہ یورپ بھر کے اندر ناتواں ہیں ہم　　سمجھ کر یہ کہ بیمار و نزار و نیم جاں ہیں ہم
سمجھ کر یہ گھڑی ساعت کے گویا میہماں ہیں ہم　　سمجھ کر یہ کہ دھندلے سے نشانِ رفتگاں ہیں ہم
مٹاؤ گے ہمارا اس طرح نام و نشاں کبتک

نہ بازو میں توانائی نہ تن میں تاب و طاقت ہے　　بزرگوں کی نشانی تم میں باقی اک شجاعت ہے
اسی سے کام لینا چاہیئے یہ وقت ہمت ہے　　زوالِ دولت عثمان زوال شرع و ملت ہے
عزیزو! فکر فرزند و عیال و خانماں کبتک

سمجھ سے کام جب تم لو تو پھر دشواریاں کیا ہیں　　نہ سمجھو جان کو جب جان پھر ناچاریاں کیا ہیں
یہ چالیں کونسی چالیں ہیں یہ مکاریاں کیا ہیں　　خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ تیاریاں کیا ہیں
نہ سمجھے اب تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کبتک

اگر شمشیرِ غازی کا دل مشرک سے ڈر اُٹھے　　تو سرکوبی کو اُس کی گوشۂ عالم سے سر اُٹھے
نہ آئے وقت وہ یارب کہ بیٹھے خیر شر اُٹھے　　پرستارانِ خاک کعبہ دنیا سے اگر اُٹھے
تو پھر یہ احترام سجدہ گاہ قدسیاں کبتک

کو وجو ہوتا آیا ہے تمہارے جد و آبا سے　　لہو اُنکا پیو جو ہیں تمہارے خون کے پیاسے
خدارا دولت عثمان کو مٹنے دو نہ دنیا سے　　جو گونج اُٹھیگا عالم شور ناقوسِ کلیسا سے
تو پھر یہ نغمۂ توحید و گلبانگِ اذان کبتک

تبہ اسلام کی دو دولتیں کیسی ہوئیں نامی　　سبب کیا تھا یہی نقصان ہمت عقل کی خامی
الٰہ العٰلمین اس معرکے میں ہو نہ ناکامی　　بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراق اسلامی
چلیں گی تند باد کفر کی یہ آندھیاں کبتک

سوئے بیت المقدس رہزنوں کی صاف راہیں ہیں　　کلیسا ہیں زیادہ کم مقدس خانقاہیں ہیں
مسلمانوں کی ناصر ہیں تو خالق کی پناہیں ہیں　　حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں
تو پھر سمجھو کہ مرغانِ حرم کا آشیاں کبتک

کدھر ہم دل کے بہلانے کو زیر آسماں جائیں ✦ ملے آرام و راحت کی جگہ تو ہم وہاں جائیں
کہاں سائل تباہ و چھوڑ کر ہندوستاں جائیں ✦ جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو شبلی ہم کہاں جائیں
کہ اب امن و اماں شام و نجد و قیرواں کب تک

کالج کی خبریں

۲۶ جنوری کو نواب محمد اسحٰق خاں صاحب نے آنریری سکرٹری کے عہدہ کا چارج لیا۔ اس موقع پر جو تقریر نواب صاحب نے فرمائی اُس سے ہمارے نئے سکرٹری کے خیالات کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ گورنمنٹ اور رعایا کے تعلقات۔ یورپین اسٹاف کے اختیارات انڈین اسٹاف کے حقوق کی نگہداشت، طلبہ کی ڈسپلن۔ ان تمام امور پر نواب صاحب نے بہت وضاحت کے ساتھ بحث کی اور ہمیں قوی اُمید ہے کہ ان اصول کی پابندی کے ساتھ کسی فریق کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں ملسکتا۔ خدا اُن کی مدد فرمائے۔

ٹرسٹیوں کے اسی سالانہ جلسہ میں جو ۲۶ جنوری کو منعقد ہوا تھا چند نئے ٹرسٹیوں کا انتخاب ہوا جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) جسٹس عبدالرحیم صاحب (۲) وزیر صاحب خیرپور سندھ
(۳) مسٹر راس مسعود صاحب (۴) مسٹر سراج احمد صاحب
(۵) مسٹر احسان الحق صاحب (۶) سید وزیر حسن سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ
(۷) مسٹر ابن احمد صاحب (۸) مسٹر محمد یعقوب صاحب
(۹) مسٹر شوکت علی صاحب۔

انمیں سے آخر الذکر سات حضرات ہمارے کالج کے اولڈ بوائے ہیں۔

یونین کے انتخاب سالانہ میں حسب ذیل اصحاب کا انتخاب ہوا۔

(۱) مسٹر الیاس برنی صاحب بی اے وائس پریسیڈنٹ

(۲) مسٹر شاہ عالم خاں صاحب۔ سکرٹری

(۳) محمد عبدالرشید صاحب۔ لائبریرین۔

ماہ ربیع الاول کی نویں تاریخ کو نواب محمد اسحاق خاں صاحب کی کوٹھی پر محفل میلاد شریف نواب صاحب ممدوح کی طرف سے منعقد ہوئی۔ جس میں کالج کے تمام طلبہ شریک تھے۔ پہلے مولوی عشرت حسین صاحب میرٹھی نے نعتیہ نظمیں پڑھیں۔ پھر جناب مولٰنا سید سلیمان اشرف صاحب پروفیسر دینیات نے آنحضرت کی لائف پر دو گھنٹہ تک تقریر کی اور بیان ولادت پڑھکر مسلمانوں کی فتح و نصرت کی دعا پر تقریر کو ختم کیا۔

---

۱۲ ربیع الاول کو کالج کی طرف سے محفل میلاد شریف کا انعقاد اسٹریچی ہال میں کیا گیا۔ اسٹریچی ہال بہت خوشنمائی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ افتتاح جلسہ کے وقت اسکول کے دو طالب علموں نے باری باری سے قران پاک کی تلاوت کی۔ اس کے بعد نواب

محمد اسحاق خاں صاحب نے ایک مختصر تقریر کی۔ پھر مولوی عبد اللہ صاحب انصاری ناظم صیغۂ دینیات نے مثنوی مولٰنا روم سے حضرت بلالؓ کا قصہ پڑھکر سنایا۔ مولنا عباس حسین صاحب نے سورۂ والضحٰے کی قرأت مدنی لہجہ میں فرمائی اور اُس کی تفسیر بھی کسی قدر بیان کی۔ آخر میں مولانا سلیمان اشرف صاحب نے آنحضرتؐ کی ولادت کا حال بیان کرکے جلسہ ختم کیا میلاد شریف کے ان دونوں جلسوں کی شرکت طلبہ نے کمال ارادتمندی کے ساتھ کی اور اُمید ہے کہ آیندہ یوم النبی کے موقعے پر جلسہ زیادہ اہتمام کے ساتھ منعقد ہو سکیگا اسلیئے کہ اس سال انتظام بہت جلدی میں کیا گیا۔

ڈیوٹی سوسائٹی کے کارکنوں کی طرف سے کئی بار یہ شکایت سُننے میں آئی ہے کہ سوسائٹی کا سرمایہ بہت کم رہگیا ہے اور جس حساب سے سالانہ وظائف جاتے ہیں موجودہ رقم آیندہ سال کے لیے بھی شاید اکتفا نہ کرسکے۔ ہماری دانست میں یہ بہت ہی قابل غور مسئلہ ہے۔ وظائف کی تعداد یا مقدار میں کمی کرنیکا یہ مطلب ہوگا کہ تعلیم میں رکاوٹ پیدا ہو اور یہ کسی طرح موزوں نہیں ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ علاوہ خدام انجمن الفرض کے کارکنان کالج اس معاملہ کی طرف توجہ فرمائینگے اور ساتھ ہی ہم اپنے اُن تمام بھائیوں سے جنہوں نے انجمن الفرض کی اعانت سے اپنی تعلیم کی تکمیل کی ہے۔ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس موقع پر کوشش کرینگے کہ اپنے اپنے قرض کو ادا کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہوں۔

---

۲۲ اور ۲۴ فروری کو کالج اور اسکول کے سالانہ ورزشی کھیل ہوئے جن کے دیکھنے کے لیے ضلع کے یورپین لیڈیز و جنٹلمین اور دیگر معززین بھی وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے آخری روز سر تھیوڈور ماریسن کی شرکت نے رونق و دلچسپی کو اور بھی دوبالا کردیا تھا انعامات کی فہرست آیندہ شائع کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل کیفیت سید ریاض الدین احمد صاحب (مانیٹر ماریسن کورٹ) سے موصول ہوئی ہے۔

آنریبل سر تھیوڈور ماریسن ۲۳ فروری کو سہ پہر کے ڈھائی بجے تشریف لائے اسٹیشن پر آپکا استقبال کیا گیا۔ اُسی روز شب کیوقت مسٹر ٹول پرنسپل کالج نے آپکو ڈنر پر مدعو کیا اور ۲۴ فروری کو صاحب آنریری سکرٹری کالج کی طرف سے آپکو بریکفاسٹ دیا گیا۔

سر تھیوڈور ماریسن نے اپنے اس قیام کے ایام میں کالج کو نہایت دلچسپی کے ساتھ بالاستیعاب ملاحظہ کیا اور اس کی ترقی سے بہت مسرور ہوئے۔

۲۲ فروری کو شب کے آٹھ بجے "سالار منزل" میں کرکٹ کلب کا سالانہ ڈنر ہوا جسمیں دو سو کے قریب طلبا اور پچاس کے قریب مہمان شریک تھے جن میں یورپین اصحاب بھی شامل تھے۔ ڈائننگ ہال کو ٹروفیز اور کرکٹ کی تصاویر وغیرہ سے آراستہ کرنے میں طلبا نے نہایت کوشش اور سلیقہ کو صرف کیا تھا۔ کلب کے پریسیڈنٹ مسٹر گولڈی کی (ناگہانی علالت کی وجہ سے) عدم موجودگی میں مسٹر ٹول پریسیڈنٹ قرار پائے ڈنر کے بعد سب سے پہلے جناب صدارت حضور ملک معظم اور خاندان شاہی کا ٹرسٹ تجویز کیا گیا جو نہایت مسرت کے ساتھ نوش کیا گیا۔ اس کے بعد مسٹر حسن محمد حیات بی اے نے پیارے کالج کا جام تجویز کیا جس کے جواب میں صاحب آنریری سکرٹری بہادر کالج نے تقریر فرمائی۔ تیسرا جام کرکٹ کا مسٹر شوکت علی خاں بی اے (سابق کرکٹ کپتان) نے تجویز کیا اور اس کا جواب مسٹر عبدالوحید خاں موجودہ کپتان) نے دیا۔ چوتھا جام کھیلوں کا مسٹر زین العابدین سکرٹری کرکٹ کلب نے تجویز کیا جواب مسٹر محبوب عالم (ہاکی کپتان) مسٹر واجد حسین (فٹ بال کپتان) اور مسٹر بدل الرحمٰن (ٹینس سکرٹری) نے دیا۔ مسٹر سید خیرات علی نے پریسیڈنٹ کلب کا جام صحت تجویز کیا۔ آخر میں مسٹر سید اقبال علی شاہ اسکول کرکٹ کپتان نے مہمانوں کا جام صحت تجویز کیا جس کے جواب میں جو تقریر جناب میجر سید حسن صاحب بلگرامی نے فرمائی اُس پر مجمع نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا

اولڈ بوائز

ہمیں یہ معلوم کرکے بیحد مسرت ہوئی کہ ہمارے عزیز دوست مسٹر شمس الضحیٰ صوبہ بنگال کے بنک ہائے دیہی کے انسپکٹر مقرر ہوئے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ وہ اپنے کالج کی شان قایم رکھکر اپنا کام کرینگے اور اپنے کام سے رعایا اور حکام دونوں کو خوش رکھینگے۔ ہمکو خوشی اس بات سے اور زیادہ ہے کہ مشرقی بنگال میں بھی ہمارے کالج کے طلبہ زیادہ ہوتے جاتے ہیں جو فال نیک ہے

مسٹر نظیر عباس اکسٹرا اسسٹنٹ کنسروینٹر جنگلات کے خدمات صوبہ متوسط سے ریاست بھوپال کو منتقل کئے گئے ہیں اور ہمارے بھائی نے وہاں پہنچکر اپنے عہدے کا چارج لے لیا ہے۔ ہم حضور سرکار عالیہ کی بالغ نظری کے قائل ہیں کہ اُنھوں نے جس عہدہ دار کو اپنے یہاں بلایا اپنے صوبہ میں منتخب تھا۔ اور مسٹر نظیر عباس بھی انھیں میں سے ایک ہیں۔ مسٹر نظیر عباس جب کبھی اپنے وطن آتے ہیں کالج کو فراموش نہیں کرتے۔ ہم اُنھیں اس تقرر پر مبارک باد دیتے ہیں۔

مسٹر مولا بخش افسر جنگلات ریاست ٹونک کا قصد زراعت یا جنگلات کی تعلیم کے لیے انگلستان یا امریکہ جانے کا ہے (اور کیا عجب ہے کہ امریکہ جائیں) وہ اپنے زمانۂ قیام کالج میں اور کالج سے باہر "مہمان نواز" کے نام سے یاد کئے جاتے رہے ہیں اور ہیں بھی فی الواقع مہمان نواز۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اُن کا یہ سفر کامیاب ثابت ہو۔

ہمیں صاحبزادہ سجاد علیخاں صاحب سے ہمدردی ہے کہ اُن کی بیگم صاحبہ نے عین عالم شباب میں ۱۱ فروری کو وفات پائی اور اپنے پیچھے سارے رامپور کو اپنے ماتم میں گریہ کناں چھوڑا۔ بیگم صاحبہ حضور نواب صاحب والی رامپور کی صاحبزادی تھیں اور ابھی تھوڑے ہی دن اُن کی شادی کو ہوئے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ مرحومہ نہ صرف فارسی اور عربی کی ماہر تھیں بلکہ انگریزی میں بھی کافی دستگاہ رکھتی تھیں۔

بہت کم خوش نصیب لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو ایسی بیبیاں ملتی ہوں اس سانحہ پر جس قدر افسوس کیا جائے بجا ہے۔

مسٹر آغا محمد اکرم صاحب کی ترقی ہوگئی ہے اور اب وہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹی کے پانچ سو کے گریڈ میں آگئے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ اُنھوں نے ایک بڑی دعوت کی ٹھانی ہے اور بلاسپور کے جنگلوں میں خوب شکار کھلائینگے۔ ہمیں مسٹر اکرم کی پہلی ملاقات ہمیشہ یاد رہیگی جو ۱۲ء میں کالج میں ہوئی تھی اور اُنھیں نماز جمعہ کے لئے گھبرایا ہوا پایا تھا ترقی اُنھیں مبارک ہو مٹھائی تو وہ کیا کھلائینگے۔

مسٹر سید محمد حسین صاحب رضوی بی اے کے نام سے بہت سے اولڈ بوائز واقف ہونگے۔ اُنھوں نے اسی ماہ میں وفات پائی ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مرحوم نے ورم گردہ میں دو مہینے بیمار رہ کر قضا کی۔ مسٹر رضوی نے اس زمانہ میں ہمارے کالج سے ایف اے کیا تھا جب کہ کالج کی ابتدا ہی ہوئی تھی۔ پھر اپنے طور پر بی اے کر کے صیغۂ تعلیمات میں ملازم ہو گئے۔ آخر کے چند سال ولیعہد ریاست کی اتالیقی میں گزرے

اور راجپوتانہ میں ہماری الیوسی ایشن کے پراونشل سکرٹری رہے۔ ہم مرحوم کے تمام خاندان کے ساتھ عموماً اور مسٹر سید حامد حسین کے ساتھ خصوصاً اس غم میں ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

مسٹر محمد نصیر حسن کے متعلق ہم کسی گزشتہ اشاعت میں لکھ چکے ہیں رائے پور (صوبہ متوسط) میں سکینڈ ماسٹر مقرر ہوئے ہیں اور ہمیں یہ معلوم کرکے اور زیادہ خوشی ہوئی کہ ان کا تقرر ہمارے ایک دوسرے اولڈ بوائے مسٹر رشید الملک کی جگہ ہوا ہے جو رائے پور کالج کے پروفیسر بنائے گئے ہیں۔ دونوں کو مبارک ہو۔

مسٹر سید اولاد حسین صاحب کے والد ماجد مولوی سید ظہور حسین صاحب وکیل کے انتقال کا حال معلوم کرکے ہمیں سخت صدمہ ہوا۔ مرحوم اپنے خاندان ہی میں نہیں بلکہ قصبہ بھپوند کے مسلمانوں میں سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنے فرزندوں اور عزیزوں کو انگریزی تعلیم دلائی اور مسٹر اولاد کو علیگڈھ بھیجا۔ ہمیں عزیزی سید اولاد حسین صاحب اور اُن کے خاندان سے اس غم میں ہمدردی ہے۔

ہمیں یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی ہے اور یقیناً ہمارے ناظرین بھی مسرور ہونگے کہ اس مرتبہ ان صوبجات میں دو اولڈ بوائز انسپکٹری میں نامزد ہوئے ہیں۔ مسٹر اکرام حسین صاحب اور مسٹر ظہور الحسن صاحب۔ مسٹر اکرام گورکھپور میں سب انسپکٹر تھے اور مسٹر ظہور الہ آباد میں۔ مسٹر ظہور سے ہمیں معلوم ہوا کہ اُنکے ہمنام مسٹر ظہور حسین صاحب جو ایک عرصہ سے صاحب فراش ہیں اور جن کا نام کیلنڈروں کے سوا کئی مرتبہ ہمارے

رسالے میں آچکا ہی جب الہ آباد میں تھے تو آپس میں اسقدر محبت ہو گئی کہ اکثر ایک دوسرے کے یہاں جہاں بیٹھ گئے وقت گزار دیا۔ اور یہی نہیں بلکہ آپس میں مغائرت بھی نہ تھی اسلیے ایسوسی ایشن سے جسقدر دی پیاں جاتیں مسٹر ظہور حسین یہ کہکر اندر بھجوا دیتے کہ یہ وی پی ظہور کے نام کی "ہو" ادا کر دیجائے۔ وہ بیچاری روپیہ ڈاکیہ کو دیدیتیں اور بعد کو مسٹر ظہور الحسن اپنی وی پی بھی وصول کرتے اس طرح اُن پر گویا دہرا ٹیکس تھا۔ اب وہ کہتے ہیں کہ خدا کرے مسٹر ظہور حسین اچھے ہو کر جلد الہ آباد آئیں اور میں بجائے دہرے ٹیکس کے ایک حصہ کا اور اضافہ کر دوں۔

ہمارے دوست اور کالج کے ہونہار گریجوئیٹ مسٹر امیر احمد جو اپنی تعلیم ختم کر کے ہمارے مدرسہ کے خادموں میں شامل ہو گئے تھے اس مہینے میں راہی ملک بقا ہوئے۔ ہمیں مسٹر رفیع اللہ خاں صاحب اور مسٹر رفیع القدر سے اس غم میں دلی ہمدردی ہی اور خدا سے مرحوم کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

ہمیں خوشی ہی کہ مسٹر محمود علی چودھری اپنے وطن رنگ پور میں ڈپٹی مجسٹریٹ مقرر ہوئے ہیں۔ مسٹر محمود نے ہمارے کالج سے بی اے کیا اور جب ہم یونیورسٹی کے متعلق دورہ کر رہے تھے تو ہمیں بہت مدد دی۔ خدا یہ تقرر مبارک کرے۔

مسٹر سید لائق حسین کے بچے اور اُن کے چھوٹے بھائی مسٹر سید فائق حسین صاحب کے فرزند نے پچھلے مہینے میں یکے بعد دیگرے وفات پائی ہی

تھی کہ ہمارے موخر الذکر عزیز کے نوزائیدہ بچے نے بھی تین دن زندہ رہ کر انتقال کیا۔ ایک گھر میں تین موتوں کا ہونا قابل افسوس اور تکلیف دہ ہے۔ خدا ہمارے دونوں بھائیوں کو صبر دے

اولڈ بوائے کا مارچ نمبر "ڈنر نمبر" کے نام سے شائع ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ عین ڈنر کے موقعے پر ناظرین کی خدمت میں پہونچ جائیگا۔

مسٹر سید اکبر علی خاں صاحب نے پنڈراول میں اور مسٹر سید محمود الحسن صاحب و مسٹر سید مسعود الحسن صاحب نے اصغر آباد میں اُن غریب الوطن لوگوں کی مہمانداری کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جو حضور سرور کائنات صلعم اور حضرت امام حسن کی مجالس عزا میں ان دونوں مقامات پر آئے تھے۔ پڑھنے کے لیے خاندان انیس و دبیر کے مشاہیر اور کئی اچھے سوزخواں بُلائے گئے تھے۔

اولڈ بوائز لاج

ہمارے ناظرین کو یہ معلوم کرکے مسرت ہوگی کہ "اولڈ بوائز لاج"، جس کی ہمارے ایسوسی ایشن کو بیحد ضرورت تھی۔ اب اُس کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ لاج کی تیاری کا کام ہمارے عزیز دوست مسٹر عظیم داد خاں کے سپرد ہوا ہے جو نہایت محنت سے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ ہم نے اس سے پہلے ایک سے زیادہ مرتبہ اپنے ناظرین کو بتایا ہے کہ لاج آرنلڈ ہاؤس کے قریب اور کرکیٹ لان کے سامنے ہے اور جو لوگ اس موقع کو دیکھ چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر موقع

کالج کی کسی عمارت کو نہیں ملا ہے۔ اب تک جو کام ہوا ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے
کہ جون جولائی تک لاج کی پہلی منزل تیار ہو جائیگی اور جو تکلیف اولڈ بوائز کو ہوتی
ہے وہ ایک بڑی حد تک جاتی رہیگی۔ بنیادیں بھر کر سطح زمین سے تین فیٹ اونچی کر دی
دی گئی ہے اور اس وقت تک کل چار فیٹ اونچا کام ہو چکا ہے۔ ونٹر نمبر میں ہم لاج کا
نقشہ درج رسالہ کرتے ہیں جس سے تمام اولڈ بوائز کو اُس کی شان نظر آجائیگی اور
کیا عجب ہے کہ اسکو دیکھکر ہمارے دور افتادہ بھائیوں کے دل میں عرصے کے بعد تو
اپنے کالج کے دیکھنے کی آرزو پیدا ہوگی۔

حضور نواب صاحب بہادر والی رامپور کے مصاحبین میں مسٹر سید غلام علی صاحب
کا اضافہ ہوا ہے اُمید ہے کہ اپنے کام کے اہل سمجھے جائینگے۔ ہم اُنھیں مبارکباد
دیتے ہیں۔

جلد ۳ بابت ماہ مارچ و اپریل سنہ ۱۹۱۳ء نمبر ۷-۸

اڈیٹر

شوکت علی بی اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام مولوی رشید احمد صاحب انصاری

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہو کر

(حسب ایمائے مولوی سید منظر علی صاحب دفتر اولڈ بوائے علی گڑھ سے شائع ہوا)

اولڈ بوائے

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

(۱) جملہ سابق طلبہ مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈہ کے دلوں میں انکے کالج کی محبت کا تازہ ... اُسکے حالات سے انکو باخبر کرنا اور اس کی ترقی کے لیے ہر طرح کوشاں رہنا۔

(۲) اولڈ بوائز میں رشتۂ اخوت قائم رکھنا اور اُس کو ترقی دینا اور اُس کے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

(۳) "اولڈ بوائز ایسوسی ایشن" اور کالج کی مالی مدد کے لیے سابق طلبا کو ترغیب دینا اور عملی تجاویز پیش کرنا تاکہ مادر مہربان کے خدمت گذاروں میں خود اُس کے فرزند دلی خدمات کا فی اور تسلی بخش ہوں۔

(۴) جملہ اولڈ بوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا تاکہ وہ قومی خدمات میں معتدبہ حصہ لیکر اس احسان کا تھوڑا بدلہ کر سکیں جو قوم نے ان پر ہمارے کالج کے قائم کرنے سے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست ہے

(۱) جملہ خط وکتابت دربارہ ترسیل زر بتبدیل پتہ مینجر اولڈ بائے علی گڑہ سے ہونی چاہیئے۔

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام اسسٹنٹ اڈیٹر اولڈ بائے علی گڑہ آنا چاہیئے اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان اولڈ بوائے ہر وقت مفید مشورہ و رفع شکایات کے لئے طیار ہیں اور شکرگزاری کے ساتھ اُن پر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹنٹ اڈیٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اولڈ بوائے کا "ڈنر" نمبر

"اولڈ بوائے" کو وجود میں آئے ہوئے ابھی پورے تین سال بھی نہیں ہوئے مگر اتنے ہی قلیل عرصے میں دنیا کے تمام گرم و سرد تجربے اٹھانے پڑے۔ ہمارے ناظرین وہ زمانہ یاد کریں جب بنارس سے اس کے اجرا کا پراسپکٹس شائع ہوا تھا اور ہمارے احباب نے دل سے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

پہلے اور دوسرے نمبر کی اشاعت پر ہمارے پاس اتنے ہمت افزا خطوط اور مبارک باد کے پیام آئے کہ اگر آج ہم ان کو اکٹھا کر کے چھاپنا شروع کریں تو یقین ہے کہ سال بھر تک نہ تو ہمیں کسی مضمون نگار کی ضرورت پیش آئے اور نہ ناظرین کو پرچے کے خلاف وقت نکلنے کی شکایت ہو۔ اس وقت کون خیال کر سکتا تھا کہ دو سال بھی نہ پورے

ہونے پائینگے کہ اس ہونہار بچے کو دنیا کے تمام مصائب و آلام جھیلنا پڑینگے خدا کی شان!
جس کے سر پر ایک دو نہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں بھائی موجود ہوں
ورمحبّت کا دم بھرتے ہوں، وہ یوں کس مپرسی کی حالت میں رہے!

اس تمام عرصہ میں جو بنارس سے دفتر کے منتقل ہونیکے بعد ہمپر گزرا ہے۔ ہمیں ہزاروں
دقتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور اُس کے ساتھ ہی برابر طعنۂ اغیار اور تشکایت
آشنا کے نشانہ رہے۔ ایسی حالت میں بجز خاموش رہنے کے ہمارے پاس کیا چارہ تھا۔ خدا
کا شکر ہے کہ وہ زمانہ اب ختم ہوتا معلوم ہوتا ہے اور اولڈ بوائے اپنی زندگی کے دوسری اسٹیج
پر قدم رکھتا نظر آتا ہے۔ اشاعت کے لحاظ سے ہم بہ مقابلہ سابق کے بہت کم ہیں، اور
ہمارے اکثر مضمون نگار بھی تساہل کو کام میں لاکر ہماری اعانت قلمی سے پہلو تہی کرنے لگے
ہیں۔ مگر ہم نے باوجود ان تمام دقتوں کے پرچہ کو آیندہ سے باتصویر کرنے کا ارادہ کر لیا
ہے۔ چنانچہ سب سے پہلا مصور نمبر جو ناظرین کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے "ڈنر نمبر"
کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اولڈ بوائز ڈنر کو جو خصوصیت اس پرچہ کے ساتھ ہو سکتی ہے
وہ محتاج بیان نہیں اس لحاظ سے ڈنر نمبر کو خاص اہتمام کے ساتھ شائع کرانا اور اپنی زندگی
کے نئے دور کو اس موقع کے ساتھ موسوم کرنا ہمنے اپنے لئے ایک مبارک شگون سمجھا ہے۔

اس پرچہ کے ساتھ جتنی تصویریں ہیں اُنکے متعلق مختصر نوٹ یا مضمون اُن تصویروں
کے ساتھ ملینگے۔ اس لئے ہم اُن کی تفصیل یہاں بیکار سمجھتے ہیں۔ مضامین کے متعلق البتہ
ہمیں افسوس ہے کہ جیسے مضامین ہم چاہتے تھے درج نہو سکے تاہم "جوش" کا مضمون "زہر"
کے عنوان سے اور "لال دیو" کی "تاریخ خاندان ڈھنکیہ" خاص دلچسپی رکھتے ہیں ہمیں
اُمید ہے کہ ناظرین ہماری اس پہلی کوشش میں ہماری ہمت افزائی کرینگے اور آیندہ سے
پرچہ کو اپنی حیثیت پر قائم رکھنے میں مدد دینگے۔

"اولڈ بوائے" کا مقصد کالج کے پرانے اور نئے طلبا میں باہمی رابطہ اتحاد کو قائم
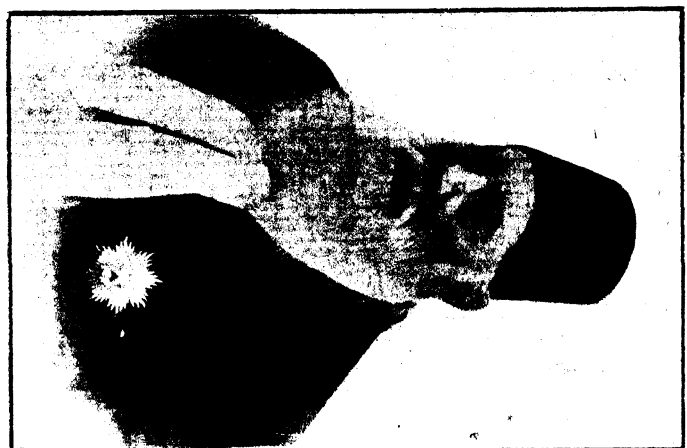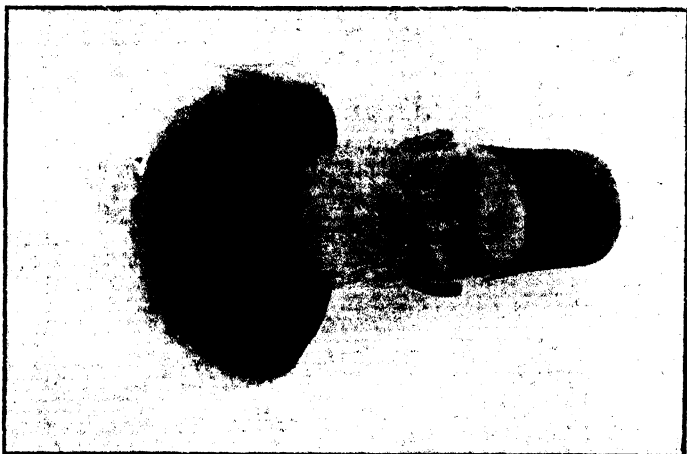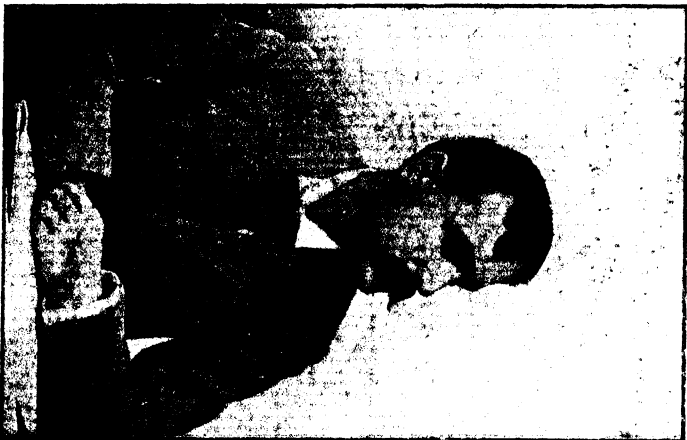
Photo. Mechl. Dept., Thomason College, Roorkee.

رکھنا اور ایک کو دوسرے کے حالات سے وقتاً فوقتاً واقف کرتے رہنا ہے۔ اس لحاظ سے جو مضامین اس میں شائع ہوتے رہتے ہیں اُنکا تعلق علی العموم کالج کی گزشتہ اور موجودہ لائف سے ہوتا ہے۔ ہمارے اکثر ناظرین ہم سے اس امر کے متقاضی ہیں کہ اولڈبوائے ایک لٹریری پرچہ مثل ادیب والناظر وغیرہ کے بنایا جاے۔ اس بارہ میں ہم اپنے ناظرین کے مشورے کے محتاج ہیں مگر اپنی طرف سے اسقدر کہدینا ضروری سمجھتے ہیں کہ فلسفیانہ اور مورخانہ مضامین کے لحاظ سے اور اردو کی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے پرچوں کی تعداد بہت کافی ہے۔

البتہ جن مضامین کا تعلق مسئلہ تعلیم سے اور بالخصوص علی گڑہ کی مرکزی تعلیم سے ہے اُنکی اشاعت ہمارے مقاصد کا ایک جز ہے اور بہت خوشی کے ساتھ اپنے ناظرین کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اس قسم کے مضامین پر اپنی طبع آزمائی کریں اور اُنسے "اولڈبوائے" کے موضوع کو وسعت دیں۔

آخر میں ہم ایک بار پھر اپنے ناظرین سے اپنی فروگزاشتوں کی معافی چاہتے ہیں اور یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس پرچہ کو نام کی حیثیت سے جو خصوصیت حاصل ہے اُسکا لحاظ رکھکر کبھی اُسے اپنے درجہ سے گرنے نہ دینگے۔

"اڈیٹر"

زہر!

وہ عام زہر نہیں جو ہر شخص کو بلا تفریق مذہب و ملت حلق سے اُترتے ہی کچھ گھنٹے کے اندر ایک بولتی بالتی چلتی جاگتی ہستی سے محض انبار لحم و استخوان بنا دیتا ہو، نہیں وہ نہیں۔، بلکہ وہ زہر جسکی صحیح تعریف سوائے اُس شخص کے جس کو خوش قسمتی سے ایسے زہر کا تجربہ حاصل ہو دوسرا قطعی نہ بیان کرسکے؛ اور تو اور لندن کیمیکل سوسائٹی کا ہر فرد لائق محض اُس کا نام سنکر حیرت زدہ ہوجائے! قسم ہے تمام بھیوں کے دماغ بلند پروازی کی یہ ایک فیکٹ ہے جس کی اصلیت دریافت کرنیکے لیے آپ کو زمانہ ماضی کی قابل قدر تاریخ کی ورق گردانی کرنی پڑیگی!!

یہ نرالا۔ مگر پرانا۔ زہر نام کے علاوہ، تاثیر کے لحاظ سے بھی اپنی مثال آپ ہی ہے!

سب سے زیادہ عجیب اور اس وجہ سے سب سے زیادہ قابل توجہ یہ بات ہے کہ یہ زہر دنیا کے ہر جاندار پر یکساں اثر نہیں کرتا: بلکہ یوں سمجھئے۔ یہ زہر سوائے ایک شخص کے کسی دوسرے پر قطعی اثر نہیں کرتا، اور ہر شخص کے لئے۔ حسب ضرورت اور مذاق کے موافق۔ یہ زہر سوائے نام کے اور تمام باتوں میں پلٹ جاتا ہے! ممکن ہے کہ آپ اس اُلجھی اُلجھائی تعریف کو پڑھکر مطمئن نہ ہوں، لیکن غضب یہ ہے کہ اُس کا اصل نام صاف صاف لکھا نہیں جاسکتا!۔ اصل نام؟ ہاں اصل نام! کیونکہ لفظ زہر تو وہ نام ہے جو محض اُسی شخص کی ذات تک محدود ہے جس کا یہ زہر ہے؛ ورنہ وہ عام اور اصلی نام جس سے ہر کس و ناکس اُس کو پکارتا ہو، ہر جگہ کچھ اور ہوگا!

لاحول ولا قوۃ... ! پھر الفاظ زہر کا نام آتے ہی آپس میں دست و گریبان ہوگئے!

جس قدر ہم مطلب کو صاف الفاظ میں آپکے سامنے لانا چاہتے ہیں۔ اُسی قدر الفاظ کے

محدود معنی لُسے اُلجھا کر کسی بے پرواہ کی زلف سیاہ بنا دیتے ہیں!!
ایک چوٹی کی تاثیر اس عجیب و غریب زہر کی یہ بھی ہے کہ کھانا پینا تو درکنار محض زبان سے نام نکالنا بھی ایسا ہی ہے جیسے کہ ٹرکی کا اوّل ہی اوّل ریاستوں کے حقوق نہ دینا! یہ بھی نہیں۔ بلکہ کسی دوسرے کی زبان سے نام سُنا کہ آفت آگئی، قیامت برپا ہوگئی، اور جوشِ جنوں کے ملائکہ تہذیب و خودداری کے باوا آدم کو دماغ انسانی کی خلد بریں سے کشاں کشاں لے چلے!!

ہاں تو یہ خاص زہر، بازاری زہر سے۔ دوسرے الفاظ میں سنکھیا یا پوائزن سے۔ اُسی قدر ارفع و اعلیٰ ہے جسقدر خرِ عیسیٰ ایک معمولی کمہار کے گدھے سے! یہ زہر بھی سچّا اور اس کے واقعات بھی برحق، مگر غضب یہ ہے کہ دنیا کی ہر اچھی اور سچی چیز کو نمایشی حضرات نے بدنام کر دیا ہے گرا دیا ہے، ذلیل کر دیا ہے! جس طرح ڈھولک پر ناچنے والے سر منڈے جہلا نے صوفیائے کرام کی شان پر دھبہ لگا کر خود تصوف کو محض مرغن بریانی حاصل کرنیکا پیشہ بنا لیا ہے، بالکل اسی طرح بہت سے چھوٹے مکاروں نے اپنی مرغوب طبع چیزیں حاصل کرنیکے لیے خواہ مخواہ ایک اچھی سی چیز کو اپنا زہر بنا لینے کا رنگ اختیار کر لیا تھا! مثلاً میرے ایک دوست نے گلاب جامنوں کو اپنا زہر مشہور کر دیا تھا؛ اکثر سادہ لوح یا مذاق پسند حضرات اس کا یقین کر کے گلاب جامنیں انکے سامنے لائے اور ساری قلعی کھُل گئی! ہمارے کرمفرما۔ خدا اس ذکر پر انکی رال نہ ٹپکائے گرم گرم گلاب جامنیں دیکھتے ہی ایسے گرے جیسے گوشت پر چیل، یا حوض کوثر پر زاہد ریشائیل، ایران پر روس ٹرکی پر یورپ! آپ خود سمجھ سکتے ہیں، کاٹھ کی ہنڈیا بار بار تو چڑھتی نہیں، بس صرف ایک دفعہ تو شعلہ جوع ضرور بجھ گیا مگر آیندہ کے لیے ساری شرارت طشت از بام ہوگئی! ہمارے ایک اور عنایت فرما منکی براند سوپ بھی اپنی وضع کے ایک ہی شخص تھے، اُنھوں نے بھی کچھ عرصہ تک زہر کو عزت بخشی ہے۔ مگر ان میں یہ کمال اور زیادہ تھا کہ ان کا زہر ع زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز۔ کے مصداق ہر موسم میں پلٹ جایا کرتا تھا۔ مثلاً جاڑے

میں گرم چائے، گرمی میں پانی کی برف، اور برسات میں قلمی آم، حالانکہ میری آنکھوں دیکھی بات ہو کہ وہ چوبیس گھنٹے میں چھتیس آم نہایت آسانی کے ساتھ ہضم کرلیا کرتے تھے! سید حسن صاحب (عابدی) کی چڑ ایک پورا کا پورا جملہ تھی، جو غالباً انکو اور اُنکے احباب کو تنہائی میں ضرور یاد آجایا کرتی ہوگی! مختصر یہ کہ کوئی عمدہ مٹھائی اور کوئی اچھا میوہ ایسا نہ تھا کہ اُس کا نام لیا جائے اور ایک نہ ایک صاحب آستینیں چڑھا کر جامہ سے باہر نہو جائیں! یہ حضرات زہر کی آڑ میں عمدہ چیزیں اُڑانے والے۔ وہ تھے جو خود بھی زہر کی وجہ سے بے اعتبار ہوئے اور نیز زہر جیسی سچی چیز بھی اُن کی وجہ سے بدنام ہوئی!

مَی کہ بدنام کند اہل خرد را غلط است

بلکہ مَی میشود از صحبت ناداں بدنام!!

اس تمام تحریر سے کہیں یہ نہ سمجھ لیجئے کہ زہر محض یاروں کی تیغ تھی، حاشا وکلا، کبھی نہیں برے میں اچھے اور جھوٹوں میں سچے بھی ہوا کرتے ہیں! نیاز محمد خانصاحب. بی اے۔ کے سر پر موٹی سی موٹی بائیبل رکھ کر پوچھ لیجئے، اگر وہ میرے بیان کی تصدیق نہ کریں تو نہایت خوشی کے ساتھ اجازت دیجاتی ہو کہ آپ ایک ٹوکری زہر کی میرے سامنے رکھدیں!

یقین کیجئے، میرا زہر سچا زہر تھا اور میرا قدم استقلال کے راستہ سے نہیں ڈگمگایا! کبھی کبھی نہیں، اکثر ایسا ہوا ہو کہ بعض دق کرنیوالے زہر لیکر میرے سامنے آئے، مگر قسم ہو زہر کی بہترین دوکان کی میں نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ زہر کو فوراً چھینا اور خود لیجا کر کہیں دور پھینکدیا ممکن ہو کہ بعض تازہ ولایت بیرسٹر، یا آنریبل ہوجانیکی اُمید رکھنے والے وکیل، اس موقع پر جرح کریں کہ چھین کر خود لیجانے اور دور لیجانے کی وجہ کیا تھی؟ لیکن سچ یہ ہو کہ میری طبیعت خود جس چیز سے متنفر تھی میں سمجھتا تھا کہ ہر شخص اُس سے نفرت کرتا ہوگا۔ اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ! میں جانتا تھا کہ زہر جیسی چیز اگر کہیں آس پاس پڑی رہگئی تو اپنے اثر سے تمام ہوا کو خراب کردیگی، متعدی امراض کا باعث ہوگی، وبا پھیلا دیگی! میری نظر سے

اولڈبوائزلاج
G.
L.
IDRIS AHSAN DRAFTS MAN.
ادریس احسن نقشہ نویس

86 1/6 x 10
15x18
20x18
20x18
15x18
15x18
20x18
20x18
15x18
110 1/3 x 10

دیکھیے تو یہ فعل ایک طرح کی ہمدردی نظر آئیگا۔ ورنہ جناب شبہ کی دوا تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہ تھی!!
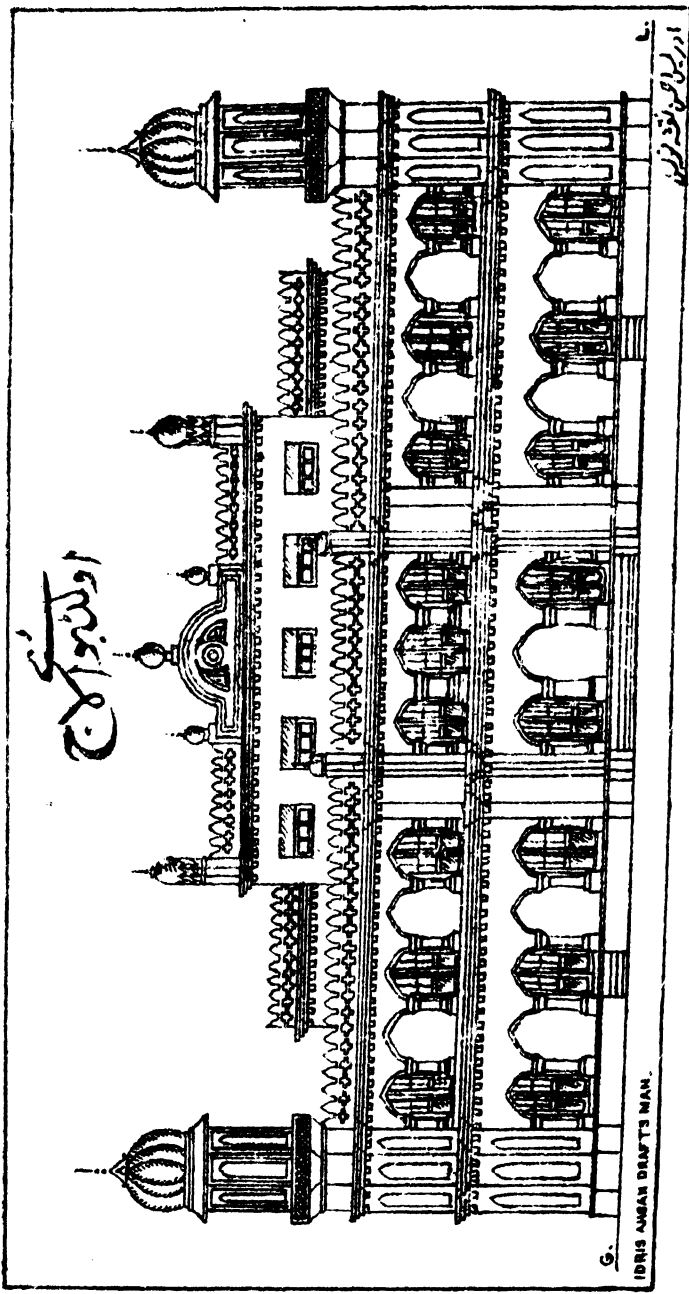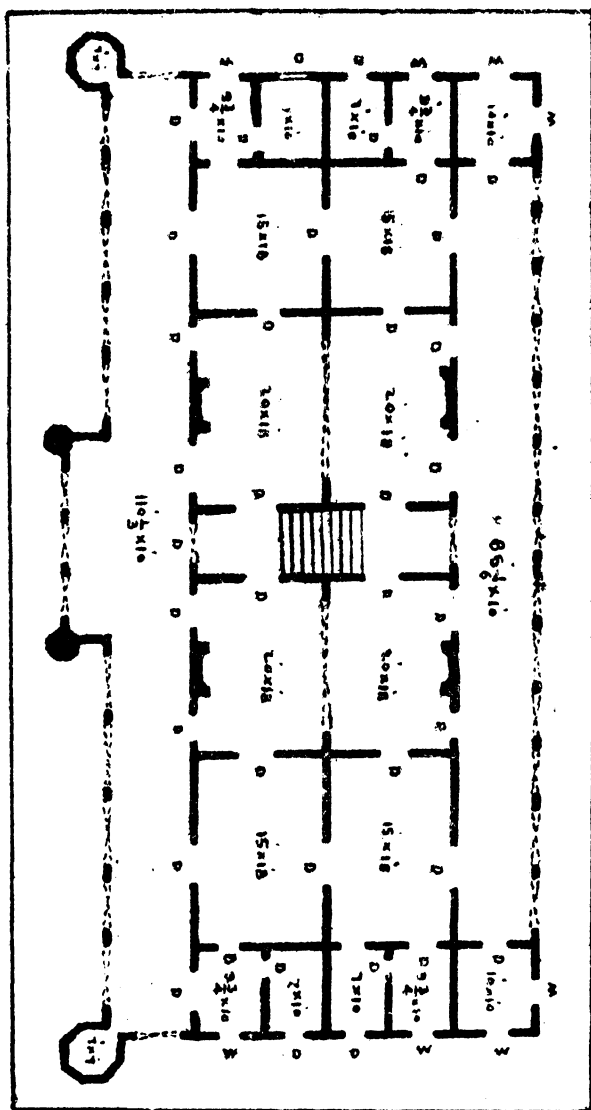
ایک عینی اور معتبر شہادت مولوی ضامن علی کی بھی پیش کی جاسکتی ہے! مولوی ضامن علی کون؟ کچھ نہ پوچھیے کچّی بارک کے شروع کے کمروں میں ضامن علی کی ذات ایک عجیب ذات الصفات تھی! ضامن علی اگرچہ تھا تو ہماری بارک کا بیرا۔ مگر خالق باری ما مقیما چہار درویش، اور خدا جانے کیا کیا کچھ گھول کر پی گیا تھا! وہ لکھنا پڑھنا جانتا تھا اور اُس زمانہ کے بیروں میں سردار بنائے جانیکے قابل تھا! میرے عزیز دوست اور نیز ہمدم فیلو مسٹر سرفراز حسین صاحب[1] سے ضامن علی کی نسبت پوچھ لیجیے وہ اچھی طرح بیان کرسکیں گے! بیچارہ ضامن علی تھا بہت سیدھا سادھا آدمی، جب کبھی ایک آدھ روپیہ لیکر کچھ چیزیں مول لینے شہر جایا کرتا، ضرور ایک چوّنی یا دوّنی جسب ضرورت اُسکے پاس سے گر پڑا کرتی! مختصر یہ کہ بیچارہ عاجز آجاتا تھا۔ یا تو اُس کو دوّنی سے یا دوّنی کو اُس سے دشمنی ہوگئی تھی؛ اور یہ دشمنی ہم سب کو اس قدر اچھی طرح معلوم تھی کہ سرفراز حسین جب اُس سے حساب لیا کرتے اور وہ خدانخواستہ حساب بتاتے بتاتے اگر ایک سیکنڈ کے لیئے بھی کہیں رُکتا تو سرفراز صاحب بےساختہ کہہ اُٹھتے کہ "دوّنی گر گئی"؟ اس کے علاوہ سیدھے پن کیوجہ سے ہر چیز اُس کو زیادہ قیمت پر ملا کرتی تھی۔ بس صرف معمولی بازار کی قیمت سے دُگنی قیمت پر! ضامن علی کسیقدر کام سے بھی جی چراتا تھا، مگر اپنی خوبی بصورتی کے ساتھ کہ ظہیر الدین، رضا حسین، غنی محمد، خصوصاً مسٹر گرگ اُس کے فقرہ پر کان پکڑ لیا کرتے تھے! .... اور میں؟ ... میں تو متحیر ہو کر اُس ہستی فتنہ انگیز کی

---

[1] افسوس کہ ہمارے عزیز بھائی مسٹر سرفراز حسین صاحب آجکل ایک صدمہ جانکاہ میں مبتلا ہیں! اُنکی پیاری بیوی تین معصوم بچے چھوڑ کر دار فانی سے کنارہ کر گئی! خدا مرحومہ کو مغفرت اور سرفراز حسین صاحب کو صبر عطا کرے! اس وقت تو وہ یادِ رفتہ کو دیکھ کر کہیں تو شاید یہ ہی کہیں ؎

نہ چھیڑ اے نکہت بادِ بہاری راہ لگ اپنی ✤ تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں (جومتی)

ایک ایک بات کا لطف اُٹھاتا تھا، وہ اُس کا چھوٹا سا قد، وہ چھریرہ جسم، وہ بلا روک ٹوک بڑھنے والی ڈاڑھی، وہ پھرتی کے ساتھ، اپنا نام سنتے ہی، "آیا صاب" کی آواز نہایت کڑک کر لگانا وہ جواب دیتے وقت آناً فاناً تازہ فقرہ گھڑ لینا۔ ان تمام باتوں نے مجھے مبہوت کر دیا تھا۔!!

ایک دفعہ سرفراز صاحب نے گرمیوں کے موسم میں کچھ چھریاں کچھ گھڑے نہایت شوق کے ساتھ شہر سے منگائے اور غالباً ایک روپیہ ضامن علی کو دیا۔ ضامن علی صبح کے گئے گئے شام ہوگئی اور واپس تشریف نہیں لائے، یہاں تک کہ جب ہم لوگ کھیل سے واپس آئے تو دیکھا کہ ضامن علی اپنے صندوق کے پاس زمین پر گٹھری بنے پڑے ہیں، اور نہایت نحیف آواز میں "ہائے ہائے! ہوں، ہوں!" کا ورد کر رہے ہیں! سرفراز حسین تو دیکھتے ہی غصہ سے بے آپے ہوگئے اور ڈانٹ کر پوچھنے لگے "تم صبح کے گئے ہوئے اب آئے ہو، جی؟" مگر مولوی ضامن علی بھی اپنے نام کے ایک ہی شخص تھے، اُنکے استقلال میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا! یہ بات بنائی اور خوب بنائی، آپ کسیقدر کھانستے، ہائے ہائے کرتے، اُٹھے، لنگڑاتے ہوئے سرفراز کے سامنے آئے، کئی دفعہ آنکھوں کو چھوٹی اور چمکدار آنکھوں کو، جلدی جلدی کھولا اور بند کیا، آواز میں درد اور تکلیف کی شان پیدا کی اور فرمانے لگے "صاحب کچھ نہ پوچھئے میں تو اُسیوقت گھڑا اور چھریاں لیکر چلدیا تھا، سامنے سے ایک بیل دوڑتا چلا آرہا تھا ہائے ہائے! صاحب میں نے بیل والے کو آواز دی کیونکہ میرے ہاتھ تو گھرے ہوئے تھے، مگر ہائے ہائے مگر صاحب میرے چیختے چیختے وہ بیل میرے اوپر تھا، میں سڑک کے ایک طرف گرا، اور۔ اور ہائے ہائے بڑا درد ہے صاحب۔ اور سب چیزیں چورا چورا ہوگئیں! بڑی تکلیف ہے، سینہ میں بھی چوٹ آئی ہے اور ٹانگ کی ہڈی تو خدا جانے ٹوٹ گئی یا کیا ہوا! میں نے تو بچنے کی بڑی کوشش کی، بچنے

ہوئے دام میری انٹی میں سے تھے، مگر صاحب وہ کمبخت یل سید ہا میرے اوپر چلا آیا۔ ہائے ہائے صاحب! کیا کروں مجھ سے تو کھڑا تک نہیں ہوا جاتا! دام انٹی میں سے نکلکر خدا جانے کہاں گرے! لاکھ ڈھونڈھا ایک پیسہ بھی نہ۔ ہائے ہائے۔ بڑی خیر ہوگئی صاحب! نہیں تو میرا آج خاتمہ ہی ہوگیا ہوتا!!"

اب وہ ہائے ہائے کرتا ایک ساتھ گر پڑا! سرفراز حسین ایک طرف غصہ میں لال پیلے ہونٹ چبا رہے تھے! اور میں دوسری طرف اس پرفن کی ایک ایک حرکت کو غور کے ساتھ دیکھ رہا تھا اور بے تحاشا قہقہے لگا رہا تھا! یہ سین اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور غالباً میں اسکو بھول جانے کی کوشش کروں جب بھی نہیں بھول سکتا!

سچ تو یہ ہے کہ ضامن علی ہماری بارک کا عمرو عیار تھا اور اس کا صندوق جو نیاز محمد خاں صاحب کے کمرے کے دروازہ سے ملا ہوا، بارک کی لالٹین کے نیچے رکھا رہتا تھا عمرو عیار کی زنبیل سے کم نہ تھا، روٹی کے سوکھے ٹکڑوں سے لیکر رات کے اوڑھنے کے لحاف تک ہر ایک چیز اسی میں رہتی تھی سب سے زیادہ تعجب انگیز بات یہ تھی کہ ہماری بارک والوں میں سے کسی کی کوئی چیز کھوئی جاتی تو وہ بھی ضامن علی کے خوش کر دیئے جانے پر۔ اسی صندوق میں سے برآمد ہو جاتی! کسی نے بالکل بجا کہا ہے کہ عیب کرنیکو بھی ہنر چاہیئے! ضامن علی بس بالکل اس مقولہ کا زندہ نمونہ تھا! ایک معمولی سی حرکت لگے ہاتھ یہ بھی سن لیجئے کہ رمضان شریف میں سحری کے وقت جب ضامن علی دودھ بانٹا کرتے تھے تو ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ ضامن علی دودھ گرم کرکے لائیں، اور ضامن علی کو ہر ایک کا دودھ گرم کرنے میں ناقابل برداشت تکلیف ہوتی تھی اس لئے نہایت آسان۔ اور ساتھ ہی نفع بخش۔ طریقہ ضامن علی نے اختیار کرلیا تھا، ہماری بارک کے سامنے وضو وغیرہ کے لئے ہر وقت پانی گرم رہتا تھا۔ بس ضامن علی باہر نکلے، آدھا دودھ اپنے پینے کے لئے نکالا اور اسی قدر کھولتا ہوا پانی ملا دیا! دودھ کا دودھ پینے میں آیا اور گرم کئے بغیر گرم ہوگیا! چہ خوش بود کہ برآید

بہ یک کرشمہ دو کار!! واہ رے ضامن علی، تیری پُرفن اور حیلہ ساز ذات بھی عجیب چیز تھی!!

توبہ، توبہ! میں بھی کہاں سے کہاں پہنچا! کہاں زہر، اور کہاں ضامن علی؟ ہاں جناب! میں اپنے دعوے کی شہادت میں ضامن علی کو پیش کرسکتا ہوں بشرطیکہ وہ ہستی عجیب کالج کے کسی گوشہ میں اب بھی براج رہی ہو! آپ اُس سے دریافت کریں وہ ضرور آپ کو مطمئن کردیگا کہ واقعی میں زہر کے نام سے کوسوں دور بھاگتا تھا! رمضان شریف میں سحری کے وقت کبھی تو دودھ کے ساتھ ڈبل روٹی اور کبھی زہر ملا کرتا تھا؛ میں نے ضامن علی کو سخت تاکید کردی تھی کہ وہ زہر لیکر کبھی کمرے میں نہ گھسے، چنانچہ وہ ہمیشہ صرف دودھ میرے لئے کمرے میں دے جاتا تھا اور زہر باہر کے باہر ہی نکال لیتا تھا! اب بھی اگر آپ کو یقین نہ آئے تو آپ جانیں و آپ کا کام! مگر یہ ضرور سمجھ لیجئے کہ ضامن علی سے زیادہ معتبر شہادت اگر آپ الکٹرک لیمپ لیکر بھی ڈھونڈھیں تو قطب شمالی کی نسبت تو میں نہیں کہہ سکتا، البتہ قطب جنوبی تک تو ملنی ناممکن ہے!

اب شاید آپ پھر اس زہر کا اصلی نام پوچھنا چاہیں! لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کا نام میری زبان۔ یا زبانِ قلم۔ سے نکلنا ہرگز ممکن نہیں! یوں سمجھ لیجئے کہ اس سچے اور غیرفانی زہر کے نام میں۔ جیم . . . . لام . . . . . اور ہ بس! بس! لاحول ولا قوت لاحول ولا قوت!!

اگرچہ زہر ہر جگہ دوکانوں پر نظر آتا ہے، مگر وہ کالج والا زہر کہاں؟ آہ! یہ ایک ایسا خواب ہے جس کی تعبیر فراق اور یاد رفتہ ہے! زہر میرے لیے اب بھی زہر ہے اگر وہی کبھی بار کہ ہو، وہی پُراز مسرت آزادانہ زندگی ہو، اور وہی زبردستی کھلانیوالے ہاتھ ہوں ۔

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر، ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی جو کھا بھی نہ سکوں؟

سلیمان حیدر نقیب

تاریخ خاندان دھنیکہ

(از "لال دیو" مولفہ مسٹر شوکت علی)

نوٹ مولف

میرا اور "لال دیو" کا کچھ عجیب قسم کا تعلق ہے۔ اگرچہ میں مٹی کا انسان ضعیف البنیان اور "وہ" آگ کا پتلا قوم جنات سے مگر ایک غیر معمولی اور روحانی تعلق ہم دونوں میں ہے، جسکے ذریعہ سے میرے دل کا حال بلاکم وکاست، بغیر میرے بیان کئے ہوئے وہ جانتا ہے اور اس کے تمام حالات بھی مجھ پر خود بخود ظاہر ہوجاتے ہیں۔ بلاناغہ روزمرہ ہم دونوں کا گھنٹوں تخلیہ رہتا ہے اور تعجب یہ ہے کہ وہ اپنے کام میں مصروف ہیں اپنے مشاغل کا پابند۔ کوئی عقلی دلیل اپنے بیان کے ثبوت میں نہیں دیسکتا مگر یہ بھی خوب جانتا ہوں کہ آپ باوجود منطقی ہونے اور سٹڈنس یونین کلب کے مباحثوں میں ایک منٹ کے اندر چھ مرتبہ "پوائنٹ آف آرڈر" کہنے کے باور کرنے پر مجبور ہیں۔ راوی ہرگز ضعیف نہیں مگر وہ صرف مولف ہے مصنف نہیں۔ ہاں طرز تحریر بحکم "لال دیو" مصنفوں کا سا ہے یہ حالات وقتاً فوقتاً خود لال دیو سے بھی معلوم ہوئے تھے۔ یہاں ایک جگہ جمع کردئیے ہیں۔

"لال دیو" کب پیدا ہوا تھا، کہاں پیدا ہوا تھا، اس کے والدین کون تھے، ابتدائی تعلیم کہاں ہوئی تھی؟ بچپن میں خوش مزاج تھا یا لڑاکا، کتنے بھائی بہن تھے اور ان میں اسے کتنوں سے پیار تھا، کتنوں سے لڑائی؟ ان سب حالات سے بیل ضرور

واقف ہوں مگر یہاں اُنکے لکھنے کی ضرورت نہیں خیال کرتا۔ یہاں تو "لال دیو" کے
صرف وہ حالات لکھونگا جن کا تعلق "پرستان" کے مشہور و معروف اندر کے اکھاڑے
سے ہے۔ لوگ حیران ہونگے کہ سورج بنسی چندر بنسی خاندان غلامیہ۔ خلجیہ۔ تغلقیہ۔ مغلیہ
عباسیہ۔ ایوبیہ۔ صفویہ۔ قاچاریہ۔ عثمانیہ۔ وغیرہ تو سُنتے تھے یہ خاندان دہنکیہ کہاں سے
پیدا ہوگیا؟ اس خاندان کا بانی کون تھا۔ اس نام سے کیوں پکارا گیا اور "دہنکیہ" کس
زبان کا لفظ ہے؟ یہ سوالات قدرتی ہیں جن کے جواب میں سب کی تشفی کے لئے ضرور
دونگا۔

اس خاندان "دہنکیہ" کا بانی خود "لال دیو" تھا۔ جب "لال دیو" اندر کے اکھاڑے
میں تعلیم پاکر اور وہاں کسب علم کے ساتھ ساتھ جسمانی تعلیم بھی حاصل کرتا رہا اور دیگر مجالس
میں شہرت حاصل کرکے "اندر کی سبھا" میں داخل ہوا تو اُس کی خوش قسمتی سے
اُس کی حسب خواہش "سبز پری" سے شادی ہوئی، جو اُس کی عزیز اور رشتہ دار
تھی، دونوں میں ازحد محبت تھی اور دونوں ایک دوسرے کی ہر مصیبت میں سچے ہمدرد
و مددگار تھے۔ علاوہ اس رشتہ کے ان دونوں میں دوستی کا بڑا رشتہ بھی شامل ہوگیا
تھا اور وہ دونوں بالکل بے تکلف دوست اور ایک دوسرے کے راز دار تھے۔ لال دیو
نے مجھ سے بارہا تذکرہ کیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ تھوڑی بہت کامیابی اس کو ہوئی ہے
اُس میں اس کی پری اور گھر کی ملکہ کا بڑا حصہ تھا۔ لال دیو کا ایک چھوٹا بھائی تھا
جو اب چھوٹا لال دیو کہلاتا ہے بڑے لال دیو نے اُسے اپنی نگرانی میں اندر کے اکھاڑہ
میں تعلیم دلائی تھی۔ اگر مجھ سے دریافت کیا جائے کہ کس اصول پر "لال دیو" نے اُسے
تعلیم دلائی اور کیا نگرانی کی تو انصاف اور سچائی کے لحاظ سے مجھکو مجبوراً کہنا پڑے گا
کہ اصول صرف یہ تھا کہ جسقدر جیب خرچ "دونوں دیوزادوں" کے لئے آتا سب کو
"لال دیو" نگل جاتا اور "چھوٹے لال دیو" کے کبھی کبھی ڈرتے ہوئے دبی زبان سے

سے کچھ مانگنے پر اُس کو اپنے قوی ہاتھوں سے پیار کرنا اور اُس کے حلق میں ایسی تیز شیرینی کا ٹھونس دینا جس سے غریب کا گلا تو گھٹ جائے مگر آنکھیں جاری ہو جائیں اسی طرح کپڑے کے بارے میں بھی بہت اعلیٰ اصول برتا گیا تھا۔ خود تو اکھاڑے کا سردار ہونے کی وجہ سے بہت ٹھاٹھ سے رہنے پر مجبور تھا مگر چھوٹے لال دیو، کو کبھی ایک سے صاف یا ایک سے میلے کپڑے پہنے نہیں دیکھا۔ اگر اوپر کے کپڑے صاف تھے تو نیچے کے میلے اور نیچے کے صاف تھے تو اوپر کے میلے مگر یہ تو ضرور دیکھا گیا تھا کہ اوپر کے کپڑے میلے ہوتے تھے مگر پائجامہ اکثر زیادہ سفید ہوتا تھا۔ اس کی وجہ چھوٹا لال دیو، ہی بتا سکتا ہے جس کسی کے اُس سے روحانی تعلقات ہوں وہ ضرور دریافت کرے۔

اس تاریخ کے پڑھنے والے شاید خیال کریں کہ ”لال دیو“ کمبخت بڑا سخت دل تھا کہ اپنے چھوٹے بھائی کو ایسی بُری طرح رکھتا تھا۔ وہ غالباً چھوٹے لال دیو ”سے واقف نہیں۔ آج کل تو بہت سے لیڈران قوم ضرور اُس کو ”ہوا“ یا ”بیچا“ تصور کرتے ہیں مگر بچپن میں بھی حضرت بلا سے کم نہ تھے۔ غریب ”لال دیو“ نے اندر کے اکھاڑ سے بادل ناخواستہ ”دیوستان“ میں بغرض تلاش معاش قدم رکھا ہی تھا کہ حضرت نے ہاتھ پاؤں نکالے۔ آناً فاناً میلے کچیلے کمبلے ”سے زرق برق ”تتلی“ بن گئے نئے کپڑے اور نئے ٹھاٹھ تھے اور ہر ہفتہ لال دیو کو محبت سے بھرا خط لکھا جاتا تھا۔ خط کی ابتدا تو محبت سے ہوتی تھی مگر آخر حصہ فرمائشوں سے بھرا ہوتا تھا۔ ایک فرمائش پوری ہوئی نہیں کہ دوسری اور تیسری موجود۔

میں نے غریب لال دیو کو اکثر روہانسا دیکھا ہے۔ کہتا تھا کہ اے خدا مجھ سے ایسی کونسی خطا ہوئی کہ تو نے چھوٹے بھائی کو میری جان کے عذاب کے لیے پیدا کر دیا میں اگر ایسا جانتا تو نہ تو اُس کا جیب خرچ لیتا بلکہ اپنا بھی اُسکو دیدیتا۔ اور نہ قوی

ہاتھوں سے پیار کرتا اور نہ حلق میں مٹھائی ٹھونستا۔ یہ تو سود در سود سے بھی زیادہ ہو گیا

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

وہ سہما ہوا لڑکا فرمائشوں کے پورا ہونے سے دلیر ہو گیا تھا اُس نے فوراً حکم نامہ بھیجا کہ "اندر کے اکھاڑہ" کی تعلیم و تربیت "لال دیو" کے لئے تو کافی خیال کی جاتی ہو مگر اُس کے لئے ناکافی تھی اور اسلئے اُس کی تکمیل کے لئے اُس کا سات سمندر پار "فرنگستانی پرستان" کو جانا ضروری تھا۔ دیر کے کیا معنی "لال دیو" کو گھبرا لیا۔ وہ بیچارہ فکر ہی کرتا رہا کہ وہ پر تول یہ جا وہ جا۔ خیر جس طرح وہ چار برس مصیبت کے لال دیو پر گزرے "لال دیو" یا میں ہی خوب جانتا ہوں۔ "فرنگستانی پرستان" میں جو کارنمایاں کئے اور جو جو فرمائشیں وہاں سے کیں وہ ایسی تھیں کہ انکے پورا کرنے میں "لال دیو" چلا اُٹھا سہ

"میں تو باز آئی دل کے لگانے سے"

خیر وہ دن بھی کٹ گئے۔ ۴ برس کے بعد جب حضرت واپس تشریف لائے تو رنگ ہی دوسرا تھا۔ بلا کے شوخ اور ذہین تو اوّل سے ہی تھے مگر اب تو اور بھی انتہا نہ رہی تھی۔ آنے کے ساتھ ہی پہلا ہاتھ "لال دیو" ہی پر صاف کیا۔ اُس غریب کے اس عرصے میں دو "دیو زاد" بھی پیدا ہو گئے تھے جن میں سے بڑا نہ تو "لال دیو" پر تھا اور نہ "سبز پری" پر رنگ گہرا نیلاہٹ لئے ہوئے تھا اور دوسرے کا کسیقدر پیلا تھا۔ دونوں کو حضرت نے پیار کیا، ہاتھوں ہاتھ اُچھالا اور ایک کو "نیلے" اور دوسرے کو "پیلے" کا خطاب عطا فرما دیا۔

"لال دیو" اور سبز پری تو لال اور سبز تھے ہی اُن میں نیلاہٹ اور پیلاہٹ کا اضافہ کرکے فوراً سارے خاندان کا فرنگستانی زبان میں "رین بو فیملی" نام

نام رکھدیا۔ اس کا "سبھا" کی زبان میں ترجمہ بھی "خاندان دھنکیہ" کردیا۔ یہ وجہ تسمیہ ہے اس خاندان کی۔

ہم "خاندانِ دھنکیہ" کے صرف وہ حالات لکھیں گے جن کا تعلق "اندر کے اکھاڑہ" سے ہے۔ جب کہ "چھوٹا لال دیو" فرنگستانی پرستان میں زیرِ تعلیم تھا "لال دیو" اپنی بساط کے موافق ہی نہیں بلکہ کچھ تھوڑی اپنی حیثیت سے زیادہ "سبھا" کی خدمت کرتا رہا تھا۔ ایک بڑے کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دینے کی وجہ سے اس کی قوت میں معتدبہ اضافہ ہوگیا تھا "جب چھوٹا لال دیو" واپس آگیا تو اُس کا بوجھ بہت کچھ ہلکا ہوگیا اور وہ زیادہ وقت اور توجہ "اکھاڑے کے کام میں دینے لگا۔ یہی نہیں بلکہ اس کو اور تقویت ہوگئی اور ایک سے دو ہوگئے۔ "چھوٹا لال دیو" اس کا ہاتھ بٹانے لگا تھا۔ دونوں کی پوری طاقت "اکھاڑے کی ترقی میں صرف ہونے لگی تھی۔

سبھا کا انتظام "بڑے راجہ اندر" نے ایک "خاص جماعت" کے ہاتھ میں دیدیا تھا، جسمیں بڑے بڑے زبردست اور ممتاز "دیو سارے" "دیوستان" سے منتخب ہوا کرتے تھے۔ جب "بڑا راجہ اندر" اپنا کام ختم کرکے رحلت کرگیا تو تو اس کا جانشین اس کا وہ ہم جلیس ہوا جسکی کوششوں نے "سبھا" میں جان ڈالدی تھی، جو "سبھا" کا اوّل دن سے سچا عاشق و شیدا تھا۔ وہ بلا کا قابل اور ذہین تھا۔ دل وجان سے اس نے "سبھا" کی خدمت کی اور خوب خدمت کی۔ خود سارے "پرستان" کا دورہ کرکے نئے نئے ملکوں پر قبضہ کیا۔ بڑے بڑے "مہاراجوں" اور "بادشاہوں" کو "سبھا" کا باجگذار بنایا اور چاردانگ عالم میں "سبھا" کا ڈنکا بجوایا۔ مگر اُسمیں اسقدر فراخ دلی اور مروت تھی کہ بعض اوقات وہ وبالِ جان ہوجاتی تھی۔ اُس سے فائدہ اُٹھا کر "سبھا" میں چند ایسے "رحیم"

داخل ہو گئیں جو ہر گز "دیوزاد" نہ تھیں۔ بلکہ "غول بیابانی"۔ "بھوت پلید" اور "چڑیلوں" میں سے تھیں۔ دھوکہ دیکر ظاہری "دیوزادوں" کی صورت بنا کر "اکھاڑہ" میں داخل ہو گئیں اور اس کی بدنامی اور خرابی کا باعث ہوئیں۔ اصل یہ تھی کہ ان "دیووں" کی "خاص جماعت" میں طریقۂ انتخاب بُرا تھا، جس کی رو سے چند "دیووں" کے سوا جو اوّل سے داخل تھے اور "دیو" اس وقت داخل ہو سکتے تھے جب کہ ان "دیووں" کو خوشامد اور چاپلوسی سے لبھا لیتے۔ ایک تو خوشامد کا دور دورہ شروع ہو گیا جس کی وجہ سے سارے "دیوستان" میں یہ کمزوری طاعون کی طرح پھیل گئی۔ دوسرے یہ کہ تمام "سبھا" ان کے باعث بدنام ہو گئی۔ اور وہ بدقسمتی سے اس کمزوری کو دور کرنے سے بھی معذور تھے، کیونکہ جو غول بیابانی داخل ہو چکا تھا وہ دائمی تھا اور اسکو کوئی خارج نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ایک ایسا "طلسم" قایم ہو گیا تھا کہ اس کا توڑنا ناممکن نہیں تو سخت دشوار ضرور تھا۔ تیسرے یہ کہ غریب بدنام "سبھا" کو اس انتخاب میں کچھ دخل ہی نہ تھا۔ تمام خاص جماعت "چہ بچہ" ہو گئی تھی جس میں گندگی اور خس و خاشاک داخل تو ہو جاتے تھے مگر اُنکا باہر نکالا جانا غیر ممکن تھا۔

"لال دیو" نے اوّل اس "طلسم" کے توڑنے کی جانب توجہ کی اور اپنا نام انتخاب کرا کے ساری "سبھا" سے درخواست کی کہ وہ اُس کے اطمینان کے لیے آزادی سے رائے دے کہ آیا وہ اس معزز "جماعتِ خاص" میں شامل ہونے کے قابل تھا یا نہیں۔ تمام میں شور مچ گیا۔ کسی نے اختلاف کیا اور کسی نے اتفاق مگر عام "سبھا نے" خوشی کے نعرے ضرور بلند کئے کہ خدا کا شکر ہی ہم سے پوچھنے والا تو کوئی پیدا ہوا۔ باوجود اس کے "خاص جماعت" کے "غول بیابانی" اور ان "مصنوعی دیووں" میں جنھوں نے بازار سے خرید کر کٹی کا "کالا" اور "پیلا" چہرہ لگا کر دھوکا دیا تھا کھلبلی مچ گئی۔ وہ شور و غل ہوا کہ الاماں۔ مگر "لال دیو" اور اس کا زبردست

"چھوٹا بھائی" دونوں کیا ڈرنے والے تھے۔ "چھوٹا لال دیو" تو ان کو بلا کے پی درماں کی طرح چیپٹ گیا۔ اس کے منہ کو کھسوٹے اس کی ڈاڑھی نوچی۔ سب پردہ فاش کردیا۔ "دیو" اور بھوت صاف صاف نظر آنے لگے۔ تمام "بھوتستان" میں خوف طاری ہوگیا اور مشورہ کے بعد مصلحت یہی سمجھی گئی کہ اس "لال دیو" کو "خاص جماعت" میں آنے دو ورنہ خدا معلوم یہ "چھوٹا لال دیو" "اپنے چھ انچ کے برچھے" سے کس کس "بھوت" کو زخمی کریگا اور کس کس کی پردہ دری ہوگی۔ مگر در پردہ بیخ کنی کے لیے مستعد ہوگئے اور یہی نہیں بلکہ "اکھاڑہ" کی جھوٹی سچی خبریں نمک مرچ لگاکر سرخروئی حاصل کرنے کے لیے باہر پہنچانے لگے تاکہ بدگمانی پھیلے۔ "اکھاڑہ" فضول بدنام ہو اور وہ نیک نام۔ ایسوں کے لیے ایک موقع خوب ہاتھ آگیا جس پر وہ خوب اچھلے کودے۔

"لال دیو" "جماعت خاص" میں تھوڑے دنوں رہا تھا کہ چند ایسے ناگوار واقعات پیش آئے جنسے "اکھاڑہ" میں تھلکہ پڑگیا۔ بدقسمتی سے "لال دیو" اور "سفید دیو" میں جو "اکھاڑے" کا بڑا ممتاز اور سچا اور خالص دوست تھا اختلاف ہوا اور جو ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا۔ یہ دونوں "دیوزاد" "خاص اکھاڑہ" ہی کے تعلیم یافتہ تھے۔ دونوں اس کے شیدا اور فدائی تھے اور دونوں پرجوش، دوربین اور منچلے تھے۔ دونوں دھن کے "پکے" تھے۔ فرق اسقدر تھا کہ "لال دیو" ملنسار اور بھولا بھالا تھا اور چار دستوں کے مشورہ سے رائے ترمیم کردیتا تھا تاکہ وہ سب کی رائے ہوجائے۔ "سفید دیو" متین اور بردبار تھا مگر اپنی رائے پر بڑی سختی کے ساتھ جما رہتا تھا، دنیا ادھر سے ادھر ہوجائے مگر رائے ٹس سے مس نہو۔ "سفید دیو" مرتبہ میں "لال دیو" سے بڑا تھا اور خود "لال دیو" اس کا ادب کرتا تھا۔ مگر معاملات ایسے بڑگئے کہ دونوں کو اپنی رائے پر اڑ جانا پڑا۔ کچھ لوگ ادھر ہوگئے اور کچھ ادھر

"لال دیو" کا میل اور دوستانہ بدرجہا بہتر تھا مگر "خاص اکھاڑہ" میں جمعیت کم تھی
"سفید دیو" خود "اکھاڑہ" میں مقیم تھا اور سب سے زیادہ طاقتور۔ "اکھاڑہ" کا تقریباً
مالک تھا۔ آپس کے بحث مباحثہ میں جوش اور جسمانی تکلیف کی وجہ سے "لال
دیو" سے ایک حرکت ہوگئی جو اگرچہ خفیف تھی مگر خاص جوش و خروش کے موجودگی
کے باعث اہم ہوگئی۔ "لال دیو" اور ایک اور "کارگزار دیو" سے جو "اکھاڑہ" میں
مقیم اور "سفید دیو" کے بڑے ساتھیوں میں تھا باتوں باتوں میں سخت الفاظ کے
بعد ہاتھا پائی ہوگئی۔ معمولی اوقات میں معذرت کرنے کے بعد معاملہ رفع دفع ہوجاتا
مگر اسوقت ہوا میں بجلی بھری تھی، دلوں میں جوش تھا اور مفسد اشتعال دینے والے
موجود تھے۔ ہنگامہ برپا ہوگیا۔ ابتدائی غلطی قطعی "لال دیو" کی تھی، اس نے
اس وقت معافی مانگنی بھی چاہی مگر کون سنتا تھا۔ "سفید دیو" نے قدرتی طور
پر غصہ اور جوش کیوجہ سے ساری طاقت اپنے ساتھی کی حمایت میں صرف کردی
پہلے تو "لال دیو" نے اندھے پن میں غلطی کی تھی، اس کے بعد "سفید دیو"
اور اس کے ساتھی بھی اندھے ہوگئے اور معذرت قبول کرنا تو کیا معاملہ کو سخت
طول دیا گیا۔ "اکھاڑہ" کے دو بھائیوں کا واقعہ تھا* اسمیں غلط فہمیاں علاوہ
اصولی اختلافات کے بڑھی ہوئی تھیں اور ہر شخص اندھا تھا۔ "خاص جماعت" کے سامنے
"لال دیو" بلایا گیا۔ وہاں اول ہی سے "بزن بزن" "نکالو نکالو" کا شور تھا۔ فوراً
فیصلہ کرلیا گیا کہ "لال دیو" کو "خاص جماعت" سے نکالے جانے کی سفارش کیجائے
"لال دیو" اگرچہ اپنی بیجا حرکت پر پشیمان تھا مگر ان سے کیا ڈرنے والا
تھا۔ صاف کہدیا کہ آپ لوگوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں۔ وہ آپکا فیصلہ قبول
نہ کریگا۔ یاد رکھئے ؎

میری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے
ملاتے ہو اُسیکو خاک میں جو دل سے ملتا ہے

* آپسمیں دو دو ہاتھ [illegible]

دوسرے روز معاملہ "انجمن دیوزادگان کے سامنے پیش کیا گیا۔" لال دیو" اسکی بڑی خدمت کرتا تھا اور اس سے اسکو خاص دلچسپی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اصلی اختلاف کا باعث بھی "انجمن دیوزادگان" تھی، جسکا رکن اُسوقت "سفید دیو" تھا۔ "لال دیو" کا یہ کہنا تھا کہ "اکھاڑہ" کے بہت سے اور قابل ترین "دیوزادگان" "ہفت اقلیم" میں اس لیے پھیلے ہوئے تھے کہ وہ وہاں رہکر صرف اپنی روزی ہی نہ کمائیں بلکہ "اکھاڑہ" اور "سبھا" کا نام بھی روشن کریں۔ "اکھاڑہ" کی خدمت کرنیوالوں کا دائرہ کیوں محدود کردیا جائے۔ اِن "دیوزادوں" کو بھی "اکھاڑہ" کی خدمت کرنے کا موقع دیا جائے بعض کاموں کے لیے "اکھاڑہ" میں قیام کی ضرورت تھی، بعض ایسے بھی ہیں کہ جنکا سرانجام باہر رہکر بھی ممکن تھا۔ دیوزادوں کی اتنی بڑی جماعت کو عضو معطل کی طرح بیکار کیوں بنا رکھا ہے۔ "سفید دیو" یہ کہتا تھا کہ "سبھا" کی ہر قسم کے کاموں کا مرکز "اکھاڑہ" ہی کو ہونا چاہیئے۔ کام منتشر کرنے سے قوت ٹوٹ جائے گی اور نقصان عظیم ہوگا۔ جسکو کام کرنا ہو "اکھاڑہ" میں آموجود ہو، فوراً کام دیا جائے گا۔ دونوں "اکھاڑہ" کے بہی خواہ تھے۔ ہاں! رائے کا بڑا اختلاف تھا۔ دونوں اپنی اپنی اول پر جمے ہوئے تھے، اس لیے آپس کی بدمزگی بڑھ گئی جس کا نتیجہ یہ سب جھگڑا تھا۔
ایک طرف تو "سفید دیو" کا مرتبہ اور وقعت اور دوسری طرف "لال دیو" کی غلطی دونوں "لال دیو" کے سخت خلاف تھیں۔ مگر "چھوٹے لال دیو" نے اس جلسہ میں جو گفتگو کی اُس سے سبکو معلوم ہوگیا کہ ایک نیا زبردست ستارہ "اکھاڑہ" میں چمکنے والا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر "دیوزاد" حکم دینگے تو "لال دیو" گھٹنوں کے بل جا کر ساری "سبھا" سے معافی مانگے گا۔ میں "لال دیو" کو درست کرتا ہوں "سفید دیو" دوسری طرف کوشش کرے تاکہ یہ جھگڑہ مٹجائے۔ مگر "سفید دیو" کو اُسوقت اسقدر غصہ تھا کہ اُس نے معاملہ کو دبانے میں کچھ مدد نہ دی۔ غرض "چھوٹے

"لال دیو" کی شنوائی نہیں ہوئی اور بڑی تعداد "سفید دیو" کے موافق ہوگئی۔ اور "دیوزادوں" کی جماعت نے طول طویل مباحثوں کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ "لال دیو" جماعت خاص سے کنارہ کشی اختیار کرے اور "کارگزار دیو" سے معافی مانگے ورنہ "انجمن دیوزادگان" سے نکال دیا جائے گا۔ "لال دیو" کو یہ فیصلہ "چھوٹے لال دیو" اور ایک اور "دیو" کی معرفت جس کو "لال دیو" گرو مانتا تھا بھیجا گیا۔ وہ وقت بھی عجیب وقت تھا۔ "لال دیو" مجھسے کہتا تھا کہ اُس وقت اُسکو جسقدر صدمہ ہوا تھا ویسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے "اکھاڑہ" کے پُرانے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ دونوں پیامبر پھانسی کا حکم لے کر آئے؛ ایک بڑا تھا جس کا وہ ہمیشہ سے ادب کرتا تھا اور جسکا "اکھاڑہ" میں شاگرد رہ چکا تھا۔ دوسرا اُس سے چھوٹا تھا جس کو اُس نے بچپن سے اپنی اولاد کی طرح پالا تھا۔ ایک تیسرا "دیوزاد" اُس وقت اور موجود تھا جسکو اکھاڑہ میں "خ ب ن ہ" کے موزوں نام سے پکارا کرتے تھے۔ اور جو "لال دیو" کے عزیز دوستوں میں سے تھا۔ ان تینوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے "لال دیو" نے کہا میں "جماعت خاص" کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کرتا اور آخر تک اُن کا مقابلہ کرتا مگر "انجمن دیوزادگان" کے حکم کی تعمیل بسرو چشم کرونگا۔ "انجمن دیوزادگان" بچوں کا ایک کھلونا ہے آج میں اپنے خون سے اسکی طاقت کا پتھر جماتا ہوں۔ ابتک کھلونا رہی مگر اب آیندہ نہ رہیگی۔ خدا کو منظور ہے تو "اکھاڑہ" کی خرابیوں کو بھی موم کی ناک درست کریگی ؎

یہ میں نے مانا کہ آج خنجر مرا گلو بھی نہیں سیگا + کمر میں قاتل کے او ستمگر ہمیشہ تو بھی نہیں رہیگا

غرض "لال دیو" نے جماعت خاص سے استعفا دیدیا، اپنے پُرانے ساتھی سے جس سے تو تو میں میں ہوگئی تھی زبانی اور تحریری معافی مانگی اور اس کے ساتھ ہی اپنے دل میں یہ قسم کھائی کہ چاہے دنیا ادھر کی اُدھر ہوجائے، تکلیف پہونچے،

مصیبتیں آئیں، جیل نہ نصیب ہو، پھانسی ملے مگر "اکھاڑہ" نہیں چھوٹے گا۔

عام خیال تھا کہ "لال دیو" اب ختم ہو گیا اور آئندہ اس کو سر اُٹھانے کا موقع نہ ملے گا مگر ایسا خیال کرنے والے غلط تھے۔ یہ ضرور تھا کہ اس نے جس قدر عمارت کھڑی کی تھی وہ سب آناً فاناً منہدم ہو گئی۔ یہی نہیں بلکہ جن اصول کا وہ اور اُس کے ساتھی دوست طرفدار تھے وہ بھی بدنام ہو گئے۔ اس لیے "اکھاڑہ" کی ترقی چند سال کے لیے التوا میں پڑ گئی۔ وہ زمانہ "لال دیو" کے لیے بہت بُرا زمانہ تھا۔ اوّل تو خود اس کو اپنی حرکت پر ندامت، دوسرے سخت بدنامی۔ اس واقع کی خوب شہرت ہوئی دوست دشمن، سب کی زبان پر تھا۔ ؎

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا + کہتی ہے تجھکو خلق خدا غائبانہ کیا

وہ لوگ جو کل تک اس کی دوستی اور محبت کا دعویٰ کرتے تھے آج آنکھ چُرانے لگے۔ اگر رستہ میں ملاقات ہو گئی تو انجان بن گئے، غرض طرح طرح سے اُس پر یہ ظاہر کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو مُردہ سمجھلے۔ مگر وہ "لال دیو" سے پورے واقف نہ تھے۔ اس کو معمولی ہنسوڑ باتونی "دیوزاد" جانتے تھے، مگر اس بات کا اُن کو اندازہ نہ تھا کہ اس سخت امتحان کے بعد سے ہی اس کی طاقت اور رفعت کی ابتدا ہو گئی۔ آگ میں پڑنے کے بعد سبکو معلوم ہو گیا کہ اس میں کھوٹ کم تھی اور جوہر زیادہ۔ خیر! اور جوہر تھا یا نہ تھا کسی اور کے مصرف کا تھا یا نہ تھا مگر اکھاڑہ کا سچا عاشق تھا۔ ؎

داغ ہر چند جہاں گرد ہی سودائی ہے + آپ کے سر کی قسم آپ کا شیدائی ہے

اُس زمانہ کا حال مجکو خوب معلوم ہی، جب "چھوٹا لال دیو" اور دوسرے "دیوزاد" اکھاڑہ سے رخصت ہو کر بڑے دروازہ پر اپنی اقلیم کو جانے کے لیے "اُڑن کھٹولہ" پر سوار ہوئے تو "چھوٹے لال دیو" کے قوی ہاتھ نے ایک دوسرے قوی ہاتھ کو

جو اُسوقت اچانک حملہ سے زخمی ہوگیا تھا ڈھونڈ نکالا۔ اور اُس قلبی تعلق کے ذریعہ
سے جو اُن دونوں میں تھا زبان سے زیادہ صاف اور پُرزور الفاظ میں بتا دیا کہ وہ اسکا
بھائی ہی نہیں بلکہ سچا دوست اور فدائی تھا۔ کچھ ہو وہ دونوں تو کم از کم ایک ہیں اور
دنیا کے حادثات کا مقابلہ کرنے میں دونوں ایک دوسرے کی جان و مال سے مدد
کرینگے۔ "لال دیو" کی اس واقعہ کے بعد بُری حالت تھی۔ اس کو ہرگز یہ اُمید نہ تھی
کہ "اکھاڑہ" جہاں اس سے سب محبت اور پیار کرتے ہیں لکا یک ایسا بے درد
ہوجائیگا کہ ایک ذرہ سے قصور پر اُسکو تمام دنیا میں مطعون کریگا اور دودھ کی مکھی
کی طرح نکالکر پھینک دیگا۔ اکھاڑہ کا بھائی چارہ ایسا کمزور تھا کہ ایسے چھوٹے اختلاف
کو بھی رفع دفع نکر سکا، بلکہ اور اہم بنا دیا۔ "لال دیو" کہتا تھا کہ "سفید دیو" نے بڑی غلطی کی
"چھوٹے لال دیو" کی معقول درخواست قبول نکی۔ عمر بھر کیلیے ہماری آنکھ اُسکے سامنے نہ
اُٹھ سکتی اور ایک غلام کی طرح ہم اسکی خدمت کرتے۔ اب ہمیشہ اسکی آنکھ ہم سے نیچی رہیگی
جب "لال دیو" اپنی اقلیم کو واپس گیا تو بجز اپنے گھٹنے کی سخت چوٹ کے اُسنے "سبز پری" سے اس واقعہ
کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ "سبز پری" جسکو خود اکھاڑہ کی محبت تھی اکثر مذاقاً کہا کرتی تھی کہ "لال دیو" میں
جانتی ہوں کہ تو بھلا مانس ہے اور میرا بہت خیال کرتا ہے، کسی قسم کی مجھے فکر نہیں ہے اور میرا مد مقابل
کوئی نہیں۔ ہاں! تیرا اکھاڑہ میری "سوت" ہوگیا ہے۔ جب اسکی دُھن سوار ہوتی ہے تو "سبز پری" اور
"دیوزادوں" کو بھول جاتا ہے۔ "سبز پری" کو تعجب تھا کہ اسکی مرتبہ اسنے اکھاڑہ کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا اور نہ
وہاں کے حالات سنائے پہلے تو دماغ چاٹ جاتا تھا اور چھپائے نہیں چھپتا تھا، یہ کیا ماجرا ہے۔ وہ خاموش رہی مگر لمبیر
متفکر تھی کہ "لال دیو" جسکی زبان ہر وقت چلتی رہتی ہوتا اور ہر اس سے مذاق کرتا ہو وہ ہر اس سے خود ہنستے اور اُنکو ہنسانے
اب کیا ہوگیا کہ چپ رہتا ہے۔ اکیلا رہنے کا شوق ہوگیا۔ بات بات پر غصہ کرتا۔ "تیلے" اور "بیلے" دیوزادگان کو
بات بات پر مارتا ہے۔ نوکر و چاکر دونکا بھی خوف کے مارے بُرا حال ہے، خود "سبز پری" پر جھنجلا اُٹھتا ہے مگر خدا نے پریوںکو
عجب طاقت دی ہے کہ جس کسی سے وہ محبت رکھتی ہیں اسکی ذرہ سی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتیں۔ "سبز پری" تاڑ گئی کہ "لال دیو"

کو ضرور کوئی بڑا صدمہ پہونچا ہے۔ اس کی بد مزاجی کی پرواہ نہ کرکے وہ اس کی خدمت کرنے لگی۔ کبھی پوچھتی تھی کہ "لال دیو" تو چپ کیوں ہے۔ وہ جھنجھلا کر جواب دیتا، "کون چپ ہے فضول دق مت کرو"، یہ سنکر خاموش ہو جاتی مگر خدمت دوچند کر دیتی۔ آخر کب تک "دیو" پری کا مقابلہ کرسکتا تھا۔ ایک دن سب حال کہدیا۔ سبز پری نے کہا کہ اب رنج و غصہ کی کیا بات ہے۔ "اکھاڑہ"، تو تجھ سے مرتے دم تک نہ چھوٹے گا پھر بات دل کو کیوں لگاتا ہے۔ جو کچھ دیوزادوں نے کیا وہ غصہ اور فوری جوش کا نتیجہ تھا۔ ٹھنڈے ہو کر خود نادم ہونگے۔ رنج کرنا فضول ہے۔ غصہ کو روک ہنسی خوشی سے زندگی بسر کر اور "اکھاڑہ"، کا کام پہلے سے چوگنی توجہ سے کر ؎

رنج و غم کٹ جائینگے دو چار دن کی بات ہے
یہ بھی دن کٹ جائیں گے دو چار دن کی بات ہے

پری کی بات دل کو لگ گئی اور "لال دیو" بلا کی طرح "انجمن دیوزادگان"، کی ترقی میں مصروف ہوگیا۔ تین مہینے نہیں گزرے تھے کہ جب "فرنگستانی پرستان" کا شہزادہ اندر کے "اکھاڑہ"، میں آیا اور دور دور سے آئے ہوئے بہت سے دیو جمع تھے اُن کی خلاف توقع "لال دیو" بھی "اکھاڑہ"، میں آیا، بہت سے پرانے دوست ملے تو دیکھکر بہت خوش ہوئے، تالیاں بجائیں، ناچنے کودنے۔ جو "ڈھل مل یقین" تھے اُنھوں نے مُنہ سے تو کچھ نہ کہا مگر دل میں خوش تھے اور کہتے تھے کہ بھائی اور جو کچھ ہو نہو مگر ہے "لال دیو" کمبخت "تگڑا"، جنہوں نے غلطی سے غصہ میں مخالفت کی تھی وہ آنکھ نہیں ملا سکتے تھے۔ سب کو معلوم ہوگیا کہ "اکھاڑہ" کو اس سے صدمہ نہ پہونچے گا ہاں! ضرور مخالفوں کی جان کو آجائے گی۔ "لال دیو"، اب سارا وقت "انجمن دیوزادگان"، کی خدمت میں صرف کرتا تھا اور "سفید دیو"، جو اس کا کارکن تھا چونکہ منصف مزاج تھا اُس کی ان خدمات کا اعتراف کرتا تھا، مگر دونوں کا اصولی

وذاتی اختلاف موجود تھا۔ اس عرصہ میں "چھوٹا لال دیو" کچھ دوسری چیز ہوگیا تھا۔ "بسماء
میں اس کی قابلیت کا شور تھا اور اس کے معاملات میں اس کی آواز سنائی دیتی تھی۔
عہدہ قبول کرنے کی اس نے قسم کھائی تھی "غول بیابانی" اور "بھوت پلید" اس کے
خون کے پیاسے تھے مگر اس نے بھی ان کا پردہ سارے "دیوستان" میں فاش
کردیا تھا۔ نئے دیو تو سب اس کے ساتھ تھے، پرانے بھی اس کی سچائی اور خلوص کی
تعریف کرتے تھے مگر یہ ڈرتے تھے کہ کہیں انھیں تیزی رفتار سے گڑھے میں نہ گرادے
"اکھاڑہ" میں پہلی سال تو "لال دیو" پر حملہ ہوا تھا اور دوسری سال وہاں ایک
بڑا طوفان آیا جس کا باعث ایک "فرنگستانی بھوت" تھا جسکو "اکھاڑہ" میں داخل ہونا
ہی نہیں چاہیئے تھا۔ "چھوٹا لال دیو" اس وقت "اکھاڑہ" میں موجود تھا، طویلہ کی بلا
بندر کے سر، چونکہ "اکھاڑہ" میں اس کا اثر تھا اس لئے اُسپر الزام تھوپ دیا گیا مگر اُسنے
سب کی اس طرح خبر لی کہ سب بھوت پلید پناہ مانگ گئے۔ جب "انجمن دیوزادگان" کا
دوسرا سالانہ جلسہ ہوا، جس میں دور دور کے دیوزاد جمع تھے اس نے تمام معاملات پیش
کئے اور الزام لگانے والوں پر الزام لگادیا۔ انصاف تو نہیں ہوا مگر کسی کی یہ ہمت بھی
نہیں ہوئی کہ اس بے گناہ پر الزام لگا سکتا۔ اس جلسہ میں "لال دیو" پر یہ ثابت ہوگیا
کہ بغیر گروہ جمع کئے ہوئے یہ "طلسم کوہلی" نہیں ٹوٹے گا۔ اس سے پیشتر بھی دوست
احباب کا اصرار ہوا تھا مگر وہ اس کے خلاف اسوجہ سے رہا تھا کہ "دیوستان" میں
بہت جوش تھا۔ اور ممکن تھا کہ آپس کے ذاتی اختلاف سے آگ زیادہ نہ بھڑک جائے
اور نقصان پہونچے۔ مگر اب معاملات روباصلاح ہوگئے تھے خود "دیوؤں" کو شکایت
پیدا ہوگئی تھی سب کی رائے تھی کہ "اکھاڑہ" کی طرف توجہ کیجائے اور "غول بیابانی"
کو ہمیشہ کے لیے دبا دیا جائے۔ "لال دیو" اور اس کے چار ساتھیوں نے مشورہ
کے بعد مجبوراً ایک مجلس اس غرض کے لیے قایم کی کہ "انجمن دیوزادگان"

تو کم از کم ''بھوت پلید اور غول بیابانی'' کے اثر سے محفوظ رہے اور ''دیو زادگان'' کی اس بڑی تعداد کی خواہشات کا بھی لحاظ کیا جائے جو ہفت اقلیم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ فوراً ''لال دیو'' کو حکم ہوا کہ وہ ایسا دستور العمل تیار کرے جو آسان اور ''اکھاڑہ'' کی ترقی کا باعث ہو۔ اس نے قابل ''دیو زادوں'' سے مشورہ کر کے قواعد بنائے جن کو چھوٹے لال دیو'' نے اپنے خاص طریقے سے الفاظ میں ڈھالا اور ایک پُر زور گشتی تحریر کے ساتھ دور افتادہ ''دیووں'' کے پاس بھیجا۔ وہ تو سب بھوکے تھے خوشی سے جوق کے جوق شریک ہو گئے اور اس غلام انجمن دیوزادگان کے ذریعہ سے انجمن کے کام اور اکھاڑہ کے حالات سے باخبر رہنے لگے۔ تہلکہ پڑ گیا، غل غپاڑہ ہوا مگر جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والی مثل تھی۔ سب کو معلوم ہو گیا کہ نئی ''مصلح جماعت'' دبنے والی جماعت نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ صلح ہو جائے۔ ''لال دیو'' ہمیشہ سے خوش قسمت تھا۔ اُس کے دوست احباب بہت تھے اور دل سے محبت کرنے والے قابل ترین ''دیو'' اُس کے ساتھی تھے۔ ''چھوٹا لال دیو'' تنہا ایک بڑی جماعت کے برابر تھا۔ ''انجمن دیوزادگان'' کا سارا کام ''لال دیو'' کے سپرد تھا اور اس کے دوست اس کے مشورہ سے کام کرتے تھے وہ اُنسے ہمیشہ مشورہ لیتا تھا اور بغیر مشورہ اور رائے کے کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ سب کو ایک دوسرے پر پورا اعتماد تھا۔

''لال دیو'' کی گھر کی زندگی نہایت پر لطف تھی۔ جو وقت ''اقلیم'' کے کام سے بچتا تھا وہ ''انجمن'' کی خدمت میں صرف کرتا تھا۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر سارے ''دیوستان'' کے دیووں کو ''اکھاڑہ'' کا شیدا کرتا تھا اور ہر وقت اسی فکر میں رہتا تھا۔ وہ ہزاروں ترکیبیں کرتا، خوشامد کرتا، پیار کرتا، غصہ ہوتا، گالیاں دیتا غرض کسی نہ کسی طرح راضی کر لیتا۔ جب کام سے واپس آتا تو ''خاندان دھنکیہ'' میں چیخ و پکار پڑ جاتی۔ ایک کاندھے پر نیلا سوار ہوتا دوسرے پر پیلا۔ پیٹھ پر چھوٹی نیلم پری و پکھراج پری سوار

ہوتیں غرض لدا ہپندا اپنے غار میں آتا "سبز پری" یہ تماشا دیکھ کر اور غل شور کی آواز سن کر کبھی ہنستی تھی اور کبھی غصہ ہوتی تھی اور کہتی تھی کہ اے "لال دیو" تجھے ذرا خیال نہیں سب بچوں کو تو ہی خراب کرتا ہے۔ انکے پڑھنے کا وقت ہے تو انہیں کھیل سکھاتا ہے۔ خود غل کرتا ہے اور انسے غل کراتا ہے" وہ کب سنتا تھا اور اس کے دیوزادا ور پریاں کب سنتی تھیں۔ ایک نے کان پکڑا اور کہا ہاتھی ہاتھی کھیلیں گے "لال دیو" جھٹ قالین پر ہاتھی بن گیا دو سنے لمبی لمبی موچھیں پکڑیں دو نے کان اور تین لمبی چوڑی بیٹھ پر سوار ہو گئے۔ سارا غار "مل" "چھپٹی" "لگ" "دبری" "دہت" ہاتھی تھل دسنبھل) کی آوازوں سے بھر جاتا تھا اور کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ہاتھی بہوتا رہو کا) ہے آواز پر "فیل بان" اور "فیل سوار" سبز پری کو گھیر لیتے اور کہتے "اماں جانی" ہاتھی تا رکا چارہ۔ بیچاری "اماجانی" مصیبت میں آجاتی تھی۔ ساتوں کے پاس چارہ ہو ورنہ ہاتھی خفا ہوجائیگا۔ ہاتھی نے منہ کھولا اور نرم نرم میٹھے میٹھے چمچوں اور کانٹوں کے ذریعہ سے چارہ کھایا۔ ہاتھی بھی بڑا شوقین تھا۔ چارہ کھاتے ہی جھٹ دوسری فرمائش کردی۔ ہاتھی پیارسے گاغوں غوں۔ سات چوڑی نرم نرم میٹھے میٹھے ہونٹ سب طرف سے لپٹ گئے۔ چٹ چٹ کی آواز آنے لگی۔ ہاتھی خوشی سے کہتا "ہاتھی کا غلام کون" ایک ساتھ ساتوں آوازیں آتیں ام ام (ہم ہم)

"لال دیو" مجھ سے کہتا تھا کہ میں نے اُن حضرت کو اس حیثیت سے ایک دن ملاحظہ فرمایا اُس نے کہا کہ بھائی اگر میرا بس چلے تو کہاں کی "اقلیم" کہاں کی "سبھا اور کہاں کا "اکھاڑہ" ہاتھی ہو اور اُس کے "فیلبان" اور "فیل سوار" اور "سبز پری" اور بڑا سا میدان۔ کیسی لطف سے گزرے۔ جب غریب کے گھٹنے دکھ جاتے تو "ہاتھی" کو غصہ آتا تھا۔ فور فور کرکے پیٹھ کو ہلایا اور ادھر فیلبان اور ادھر فیل سوار گر گئے اور گر کر خوب قہقہے لگائے۔ جس کے ذرا سی چوٹ لگ گئی اس نے دل کی

پھرس نکال لی۔

کبھی اٹنگ بٹنگ طوطی مجنگ، ہاتھی کا تھان، گیلے چوگان، یہ ہریا یہ ہریل، یہ طرہ یہ پھول،، کا زور تھا۔ کبھی "اٹکن ٹٹکن دہی چٹوکرے، اگلا بھولے بگلا بھولے ساون ماس کریلا پھولے۔ پھول پھول کی باڑیاں، راجہ گئے دلی لائے سات کٹوریاں ایک کٹوری پھوٹ گئی، لنگڑے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ گنڈہ ماروں چھری؟ گنڈہ تیری امان جانی کا کلیجہ ٹھنڈا،، کا زور تہا۔ کبھی "دچکی گھمر گھمر، بہن بہن کتنا پیسا؟ دو گاڑی بھوسی کتنی نکلی؟ ایک گاڑی بھوسی کیا کی؟ کمہار کو دی، کمہار نے کیا دیا؟ ہنڈیا برتن۔ ہنڈیا برتن میں کیا پکایا؟ کھیر، کھیر کیا کی؟ ٹھنڈی ٹھنڈی آپ کھائی گرم گرم راجہ کے لیے رکھی، راجہ کی کھیر کیا ہوئی؟ بلوٹہ لے گیا، بلوٹہ کیا ہوا؟ بیٹھ میں گھس گیا، بیٹھ کیا ہوا؟ پانی سے بھر گیا، پانی کیا ہوا، بھینس پی گئی، بھینس کیا ہوئی؟ (یہاں سے دو حصے ہوتے ہیں) کبھی تو چور لے گئے چور کیا ہوئے؟ سب زور سے ننھی ننھی انگلیاں آسمان کی طرف اوٹھا کر اور پھانسی کی جانب اشارہ کرکے وہ ٹنگے وہ ٹنگے (اور کبھی) بھینس ببول پر چڑھ گئی، ببول کیا ہوئی بڑہئی نے کاٹ لی، بڑہئی کیا ہوا؟ اپنے پیر میں کلہاڑی مار کر مر گیا،، اس پر بڑھئی مرحوم کے لئے بہت زور شور کے ساتھ آہ و بکا کی جاتی تھی۔

کبھی "دو پدے بھائی کی کھانی ہوتی،، ـــــ

ٹیرارے ٹیرا ٹیہری کی گاڑی میں دو مینڈک جتے جائیں
راجہ پکڑی لیو دنی ہم رجہ پکڑن جائیں،

کبھی "ایک او دنیا ایک یو دنیا، ایک ہم بھی تھے،، کا تذکرہ تھا۔ غرض جہاں بہت چھوٹے چھوٹے دیوزاد اور ننی منی پریاں جمع ہوتی تھیں اُن میں سب سے زیادہ ننھا حضرت لال دیو ہی ہوتے تھے۔ جب تمام "خاندان ونہکیہ،، جمع ہوتا اور "لال دیو،، کی ماں بہن بھی آجاتیں تو "سبز پری،، چھیڑنے کو کہتی تھی۔ بی اپیچ کیئے گا یہ آپ کے

بیٹے ،، دیوانے نہیں تو کیا ہیں ؟ ،، اکھاڑہ ،، والے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں دیوزادوں کی تعلیم میں مخل ہوتے ہیں اور اُن پر بُرا اثر ڈالتے ہیں کیا غلط کہتے ہیں ؟ جس کا جواب ہمیشہ یہی ملتا تھا کہ خدا کرے تمہارے بچے بھی ایسے ہی دیوانے ہوں ۔ اور ،، اکھاڑہ ،، میں تو سب کے سب ایسے ہی ہو جائیں ۔

،، لال دیو ،، کو میں نے طرح طرح کے رنگوں میں دیکھا ہے ، اُن میں تین رنگ خاص ہیں ، جن میں دو پر تو میں فدا ہوں اور تیسرے کو خدا نہ کبھی مجکو اور نہ اُس کے کسی دوسرے دوست کو دکھائے ۔ ایک رنگ تو وہ جب وہ اپنے عزیز دوستوں کے درمیان ،، کنھیا ،، بنا بیٹھا ہوتا ہے ،، گوپیوں ،، کا اُس کے گرد ہجوم ہوتا ہے ۔ قصے ، لطیفے ، پھبتیوں کی بوچھار ہوتی ہے ۔ قہقہوں سے مکان گونج اُٹھتا ہے اور فقرہ پر فقرہ ہوتا ہے ۔ ایک آدھ وہ کہتا ہے دس بارہ سپر اُڑ جاتے ہیں ۔ خاص کر اس وقت جبکہ ،، چھوٹا لال دیو ،، بھی موجود ہو ۔ یہ کھلنڈروں کی مجلس ہوتی ہے جس میں ،، چھوٹے لال دیو ،، اور تیز طبیعت ،، دیوزادوں کی ،، طبع آزمائی کا وہ نشانہ ہوتا ہے ۔ اس وقت شاید فرشتوں کا بھی دل چاہتا ہو گا کہ وہ بھی اُندر کے اکھاڑہ ،، کے ،، دیوزاد ،، ہوتے ۔ دوسرا رنگ اس سے کسی طرح کم نہیں ۔ جب کہ وہ غصہ میں ہوتا ہے اور مخالفین میں اس کی قینچی کی طرح زبان چلتی ہے آنکھیں سُرخ ہوتی ہیں ۔ لانبا قد اور دو فٹ لانبا ہو جاتا ہے ، پچاس انچ کا سینہ دو گز کا معلوم ہوتا ہے اور بھدہ چہرہ بھی واقعی خوبصورت ہو جاتا ہے ۔ ،، لال دیو ،، یا تو خالص دوستوں میں بھلا معلوم ہوتا ہے یا دشمنوں میں ۔ جو رنگ اس کا خدا کسی کو نہ دکھائے وہ رنگ ہوتا ہے ۔ جب کہ اسکو ثقہ بننا پڑتا ہے ۔ متانت اور ثقاہت سے اسکو کیا تعلق ۔ جس وقت ثقہ بننے کی کوشش کرتا ہے مجسم چغد معلوم ہوتا ہے ۔ وہ تو حیوان ہے جس وقت ،، حیوانیت ،، پر قائم رہتا ہے اچھا معلوم ہوتا ہے ۔ جہاں انسان بنا نظروں سے گرا ۔

اس وقت ،، اندر کے اکھاڑہ ،، کو سب طرح کے دیووں کی ضرورت ہے

بلاشک وشبہ "اندر کے اکھاڑہ" کے دیوزاد اور اس کے تعلیم یافتہ اس پر بلا استثنیٰ فدا اور شیدا ہیں۔ آپس میں لڑتے اور جھگڑتے ہیں، مارتے اور پیٹتے ہیں مگر یہ سب بھائی کے بھائی ہیں۔ کیا مجال کہ غیر تو کچھ کہہ سکے "اندر کے اکھاڑہ" کی ترقی کا وقت ہے "سفید دیو" "کالا دیو" "لال دیو" "کارگزار دیو" جن کی دس برس کی کارگزاری کا اعلیٰ نتیجہ عنقریب نکلنے والا ہے اور بہت سے نیلے پیلے دیوؤں کی ضرورت ہوگی۔ جہاں اندر کے اکھاڑہ کی بہبود کا سوال آتا ہے وہاں سب کے سب ایک ہو جاتے ہیں، ورنہ ؎

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسدؔ
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی۔

سچ تو یہ ہے کہ بغیر "سفید دیو" "لال دیو" "چھوٹے لال دیو" "کارگزار دیو" کے اکھاڑہ سونا ہو جائے گا۔ خدا اُن کو اور سب دیوزادوں کو زندہ اور سلامت رکھے اور اُن کے گھروں کو ان کی پریوں اور دیوزادوں سے آباد۔ ان سب کو ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔

خدا اتراب نادان دراز سن تو کرے
ستم کے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن تو کرے

میری بھینس کے ڈنڈا کیوں مارا

کالج کے زندہ دلوں کے جہاں اور بہت سے مشاغل ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ چار پانچ جب اکٹھا ہوتے ہیں تو سب ملکر کورس بھی گایا کرتے ہیں۔ اور علی العموم ایک کورس جو ایک سال گایا جا چکتا ہے دوسرے سال وہ آوٹ آف فیشن سمجھ کر نکال دیا جاتا ہے۔ مورخین کالج کا بالاتفاق بیان ہے کہ کسی کورس کو آجتک یہ مقبولیت نہیں حاصل ہوئی جو اُس ترجیع بند کو ہوئی جس کا برڈن آف سانگ زیب دہ عنوان ہے۔ میں جب کالج میں آیا تو یہ ترانہ بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ اور سال بھر تک اس کا ورد برابر رہا پھر رفتہ رفتہ کم ہو گیا۔

بھائی نذیر بھینس خدا اُنھیں غریق رحمت کرے (ناظرین بدگمان نہوں۔ ہمارے عزیز دوست نے صرف علیگڈہ سے انتقال مکانی قبول کیا ہے) جو سبب تالیف کورس تھے، عجیب آدمی تھے۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب کوئی نیا طالب علم کالج میں داخل ہوتا ہے تو اسمیں اگر کوئی بات کالج کی موجودہ آب و ہوا کے خلاف ہوتی ہے تو کالج کے نبض شناس فوراً اُس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور خطابات، القاب، کارٹون نظمیں، طرح طرح کے نسخوں سے اُس کا معالجہ کرتے ہیں۔ مگر واہ رے بھینس! یہ تمام کوششیں اُن پر صرف ہوئیں مگر ایک انچہ بھی اپنی جگہ سے نہ کھسکے۔

بھینس! کی وجہ تسمیہ بھی عجیب بیان کیجاتی ہے۔ روایت ہے کہ پہلے سال جب حضرت کو کالج میں عید الضحیٰ کرنے کا اتفاق ہوا تو ڈائننگ ہال کی سوئیوں اور عید ڈنر کے

پلاؤ پر اکتفا نہ کرکے محض بہ نظر اداے سنت ابراہیمی ایک دنبہ (ایک روایت ہی کہ بھڑ تھی) شہر سے خرید لائے۔ شام کا وقت تھا اسلیے ایک شب کے لیے اُس غریب کو اپنے کمرے میں محبوس رکھا۔ پھر کیا تھا ارات بھر بارک والوں نے جو آواز سُنی صبح کو اُسے منتقل کرکے آپکا خطاب قرار دیدیا۔

اصول روایت کی رو سے ہم اس روایت میں چند غلطیاں پاتے ہیں جنکی تحریر کی یہاں گنجائش نہیں، مزید تنقید کے لیے ناظرین مولانا شبلی کی طرف رجوع کریں۔

دوسری روایت یہ ہی کہ گرمیوں کے زمانے میں ایک شب کو یاروں نے بھائی نذیر کے پلنگ سے ایک بھینسا باندہ کر اُسپر اس قدر زد و کوب کی کہ بچارے بے زبان جانور کو بے پہیوں کے گاڑی کھینچنا ہی پڑی۔ اگرچہ اس تمام واقع کے ساتھ کسی قسم کی آواز کا ذکر نہیں مگر معلوم نہیں صبح کو کیوں لوگوں نے بھیں کا خطاب آپکو دیدیا۔

تیسری روایت جو سب سے زیادہ قرین قیاس ہی وہ یہ کہ صرف آپکی حیرت گزائی اور بھیانک آواز کے صلے میں بورڈنگ ہاؤس کے دربار ظرافت آثار کی طرف سے یہ خطاب عطا ہوا تھا اور ساتھ ہی کالج کے ملک الشعراء نے ایک نظم بھی لکھدی جو اس درجہ مقبول ہوئی کہ آجتک لوگوں کی زبان پر ہے ؎

میری بھیں کے ڈنڈا کیوں مارا

وہ تو روز چرن کو جاتی تھی + کچھ آج نہیں تھی بات نئی
ترے کھیت میں منہ تک نہیں ڈالا + پھر بھیں کے ڈنڈا کیوں مارا

میری بھیں کے ڈنڈا کیوں مارا

گر پٹ کا بچہ مر جاتا + تو تبلا تیرا کیا جاتا
تو نے ٹانگ پکڑ کے کیوں کھینچا + اور بھیں کے ڈنڈا کیوں مارا

میری بھیں کے ڈنڈا کیوں مارا

خدا جانے بھائی ہمیں اسے پڑھینگے تو مجھے کتنی صلواتیں سنائینگے اسلئے کہ لوگوں کا بیان ہے کہ جسوقت اُنکے سامنے یہ کورس گایا جاتا تھا تو عموماً وہ چپ رہتے یا صرف جگالی کرتے یعنی طرح طرح سے مُنہ بناتے اور اُس وقت تک کہ فلر ہاؤس میں پہونچکر اپنے کمرے کے کیواڑ اطمینان کے ساتھ بند نہ کر لیتے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالتے۔ مگر خارجی دشمنوں کے حملے سے اسطرح اطمینان حاصل کر چکنے کے بعد وہ بالکل آپے سے باہر ہو جاتے اور بھر پیٹ کورس گانیوالوں کو گالیاں دیتے اور تا وقتیکہ اس کا یقین نہ ہو لیتا کہ کسی نے اُنکی باتیں نہیں سنلیں دروازہ ہرگز نہ کھولتے۔

"مؤرخ رموزدان"

حیدرآباد دکن کے طلبا "فٹ بال" میں ہمیشہ دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے رہے ہیں اور سچ پوچھا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُن میں کا ایک ایک کھلنڈرہ ہماری فٹ بال ٹیموں کی جان رہا ہے۔ مسٹر اکبر نظر علی حیدری جوڈیشنل سکرٹری سرکار نظام کی تشریف آوری کے موقع پر "فٹ بال" کا جو میچ ہمارے تمام کالج اور حیدرآبادی طلبا کے درمیان ہوا تھا اُس میں حیدرآبادی طلبا نے نفی کے مقابلے میں دو گولوں سے فتح حاصل کی۔ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ لڑکوں نے آپسمیں ملکر شکست کا داغ اپنے ذمے لیا اور مسٹر حیدری کے خوش کرنے کو حیدرآبادیوں کو جتا دیا۔ مگر کھیل کا نتیجہ کچھ اور ہی کہہ رہا ہے۔

اولڈ بوائز ایسوسی ایشن ڈنر

سالانہ ڈنر کی تقریب پر معزز اولڈ بوائز چند روز کے بعد علیگڈہ میں جمع ہونے والے ہیں۔ حدود کالج میں تعلیم یافتہ احباب کا یہ مجمع خاص اہمیت اور دلچسپی رکھتا ہے۔ مختلف مذاق کے طلبا اپنے اپنے نکتہ خیال سے اس اجتماع کو دیکھتے ہیں بعض کے نزدیک علیگڈہ کی قومی نمایش کے بعد ہندوستان کے مہذب مگر فیشن کے دلدادہ احباب کی نمایش ہوتی ہے اور بس بعض کی رائے میں یہ بزرگ زندگی کے مخمصوں سے دو تین دن کے لیے آرام حاصل کرنیکی غرض سے اپنے قدیم دارالعلم کی چار دیواری میں اجتماع احباب اور دیگر سامان تفریح سے محظوظ ہوتے ہیں اور اس میں انھوں نے یورپ کی مشہور یونیورسٹیوں کے اولڈ بوائز کی تقلید کی ہے۔ اکثر یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے بعض اہم امور کے تصفیہ کی ضرورت، اس قومی درسگاہ کی خاص محبت، ایام گزشتہ کی یاد، ان در و دیوار سے دبستگی انکو کشاں کشاں لاتی ہے اور وہ اپنی الما میٹر کی بہبودی و ترقی اور طلباء کالج کی بہتری اور باہمی تعلقات پر غور و خوض کرتے ہیں۔

ان جلسوں میں شرکت کی علت محرکہ خواہ کچھ ہی ہو مجھے اس سے بحث نہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ مادر کالج کے بزرگ فرزندوں کا اجتماع انکے چھوٹے بھائیوں پر جو ہنوز زیر تربیت ہیں کیا اثر ڈالتا ہے۔

ایسوسی ایشن کی گرانقدر خدمات کا معترف نہونا ایک صریح لاعلمی اور احسان فراموشی ہے۔ اولڈ بوائز ماہوار چندوں اور دیگر عطیوں سے اپنے دیرینہ تعلق اور موجودہ محبت کا بین ثبوت دے رہتے ہیں۔ متوفی اولڈ بوائز کی اولاد کی تعلیم کا مسئلہ اور

لاج کی تعمیر مزید سپاسگذاری کی موجب ہے۔ بایں ہمہ ان کے سالانہ جلسے اور ڈنر محض نمی
اور نمائش ہیں۔ موجودہ زمانے کی دیگر قومی مجالس کی طرح ان کا دائرہ عمل بھی چند
رزدلیوشن اور تقریروں تک محدود ہوتا ہے۔ مادر کالج کے یہ وہ فرزندان ارجمند ہیں جو
اپنے چھوٹے بھائیوں کے لئے عملی نمونہ ہیں۔ نوجوان فطرتاً ان کا تتبع کرتے ہیں اور
اُن کی آئندہ زندگی اور روش پر اولڈ بوائز کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ نہایت افسوس سے کہنا
پڑتا ہے، کہ اولڈ بوائز اسلامی رنگ بالکل مفقود ہے (الا ماشاء اللہ جنکی طرف میرا روئے
سخن نہیں)، اس قومی کالج کی ایک غرض دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینداری اور
اسلامی کیرکٹر کا قایم رکھنا عموماً بیان کیا جاتا ہے اور ہونا بھی چاہیے ورنہ بڑے بڑے
اور مکمل گورنمنٹ کالجوں کو چھوڑ بعید الوطن طلبا کے لئے ایک مرکزی درسگاہ قائم
کرنا جہاں مصارف تعلیم کہیں زیادہ ہیں ایک مفلس قوم کے سرمایہ دین و دنیا کو
نہایت بے دردی سے ضائع کرنا ہے۔ یہ ایک مشہور اور سچی مثال ہے کہ درخت اپنے
پھل سے پہچانا جاتا ہے، لہذا اے مادر کالج کے سپوتو مجھے بتاؤ کہ آپ مذہب اسلام کے
کہاں تک پابند ہیں، اور ارکان دین پر کہاں تک عمل ہے۔ حج لنڈن اور پیرس کے
بعد زادراہ ہونے کے باوجود حرمین شریفین کی زیارت کا بھی کبھی خیال آیا ہے۔ کیا
مساجد کبھی منت کش جبین نیاز ہوئیں یا جھوٹی خودداری کے خیال میں آپکی آنکھیں
ہمیشہ آسمان کی طرف لگی رہیں آیہ فخلف من بعدھم خلف اضاعو الصلوٰۃ
واتبعوالشہوات فسوف یلقون غیا۔ آپ پر تو صادق نہیں آتی عشقیہ ناولوں
کے مطالعہ کے بعد فرقان حمید کو بھی کبھی طاق نسیاں سے اتارا ہے۔ کیا آپ اس سالانہ
جلسے میں متفق ہوکر اسلام کی جامع مانع تعریف سوچینگے۔ کتنی مرتبہ آپ نے عملی
نمونہ بنکر نہیں تو کم از کم اپنی تقریروں میں ضرورت مذہب کی طرف اپنے چھوٹے
بھائیوں کو توجہ دلائی ہے؟ اس کے برعکس مادر کالج کے طفلان نوخیز ان جلسوں

میں اپنے بڑے بھائیوں سے صرف ظاہری لباس، تزئین، تفاخر، ہزلیات اور آزادخیالی کا سبق سیکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں چونکہ اولڈ بوائز کو دنیوی جدوجہد، تمدن کے تغیرات، ملازمت، اور معاش کے مختلف شعبوں کے متعلق انفرادی طور پر کافی تجربہ ہوتا ہے۔ لہذا یہ انکا فرض ہے کہ اپنی نصائح اور نیک مشوروں سے طلبا کی رہبری کریں جو کارزار دنیا میں حصول معاش کے لئے شریک ہونیوالے ہیں۔ اولڈ بوائز جو تاجر ہوں، تجارت کی سہولتوں اور نیز دقتوں پر روشنی ڈالکر نونہالان قوم کو اسکی طرف توجہ دلائیں ملازم پیشہ احباب اپنے صیغوں کے فوائد، ذرائع رسائی اور استعداد مطلوبہ کو بیان فرمائیں، ممالک غیر کا تجربہ رکھنے والے بزرگ اپنی وسیع معلومات سے حسب حال فائدہ پہنچائیں۔ غرضیکہ جتنے اولڈ بوائز سالانہ ڈنر میں شریک ہوں ان کا فرض ہے کہ قولاً فعلاً یا عملاً اپنے چھوٹے بھائیوں پر نیک اثر ڈالیں۔ ان کی اصلاح فرمائیں اور ان کی معلومات میں اضافہ کریں۔ کیونکہ صرف وہی حدود کالج میں انکا بہترین نمونہ ہو سکتے ہیں۔

(راشد۔ سیالکوٹی)

ترکی تمسکات کے متعلق قبلہ وکعبہ نواب وقار الملک بہادر کی رائے ہے کہ گورنمنٹ ہند سے اس مشورہ کے بعد کہ یونیورسٹی کے متعلق گفتگو میں تو مزاحمت نہ ہوگی، ترکی تمسکات خرید لئے جائیں۔ نیز پانچ لاکھ روپے کے گورنمنٹ پرامیسری نوٹ اس غرض سے خرید لئے جائیں کہ ان کے منافع سے تکمیل یونیورسٹی کے متعلق ہمارے کالج کو مدد پہونچائی جائے۔

چند نظمیں

"گمنام شاعر"

ہمارے کالج میں ایک گمنام شاعر تھے۔ بلکہ اب بھی موجود ہیں، اور اگرچہ اچھے خاصے شاعر ہیں اور بہت مشہور ہیں مگر ہیں گمنام" آپ یہ نہ سمجھیں کہ "گمنام" اُنکا تخلص ہے بلکہ محض ازراہ انکسار وہ اپنے کو "گمنام" تصور کرتے ہیں، اور اس معاملہ میں ہم بھی کچھ زیادہ کہنا خلاف مصلحت سمجھتے ہیں۔ حال میں ہمکو اُن کی ایک نظم دستیاب ہوئی ہے جس کی شان تصنیف یہ ہے کہ کالج میں ایک بہت ہی سیاہ فام حبشی رنگ کے طالب علم مشرقی سید محمود کورٹ کے شمالی حصہ میں رہتے تھے اور منجملہ دیگر پابندی اوقات (مثلاً کالج کی حاضری، مسجد کی حاضری ڈائننگ ہال جانا وغیرہ وغیرہ) کے ایک ضروری مشغلہ دن میں تین بار پیرز سوپ سے مُنہ دھونا بھی تھا (اُس زمانے تک کالج میں دیسی صابون کا استعمال گناہ کبیرہ سمجھا جاتا تھا، خدا اُن کو معاف کرے) اگرچہ مقصد اس سے رنگت کی سیاہی دور کرنا ہوتا تھا مگر بجائے یہ کرنے کہ پرنسپل صاحب نے صابون اور پانی کے استعمال پر اپنے سالانہ لکچر میں اس سال خاص زور دیا ہے۔ بدقسمتی سے شوب پڑکر چہرہ پر اچھی خاصی وارنش ہوجاتی اور سیاہی اور زیادہ چمک اُٹھتی، مگر دنیا بہ اُمید قائم، کبھی مایوس نہ ہوئے اور مشغلہ برابر جاری رہتا۔

"گمنام" صاحب نے کہیں آتے جاتے اس سعی لاحاصل کو دیکھ لیا تھا لہٰذا اُنکی تشفی کے لئے ایک چھوٹی سی نظم لکھدی جو درج ذیل ہے ؎

اُنسے گیسو کو شکایت ہے کہ میری رنگت ✦ آپکے روئے منور نے چھپا رکھا ہے

وہ یہ کہتے ہیں مزاج ہی کہ یک رنگی ہو، لطف دنیا کا دو رنگی نے مٹا رکھا ہے
زلفِ لیلا کہ ہے ہم شکل غلاف کعبہ میرے چہرہ نے وہی رنگ اُڑا رکھا ہے
خال محبوب پہ غالب ہے سیاہی میری صدقے رنگت کے، یہی زاد بنا رکھا ہے
پختگی اصل میں ہوتی ہے سیہ رنگت میں ورنہ گورے میں سوا نام کے کیا رکھا ہے
ہوں وہ مہتاب کہ منت کش خورشید نہیں اسی تمکیں نے سیہ تاب بنا رکھا ہے

حقہ کلب

کالج کے جدت پسند ہمیشہ نئے مذاق کی دھن میں رہتے ہیں، دو سال سے کچھ زیادہ ہوئے منٹو سرکل میں ایک کلب حقہ کلب کے نام سے کھولی گئی تھی جس کی ایگزیکٹو کمیٹی میں کوئی ایسا شخص نہیں داخل ہو سکتا تھا جو بارہ سال سے کم کا حقہ پینے والا ہو۔ اس کی تعمیرات بھی دو چار منٹو سرکل میں موجود ہیں اور کلب کے مشرح حالات بیان کر سکتی ہیں۔ جلسہ افتتاحی کے موقع پر یہ نظم پڑھی گئی تھی ؂

منٹو سرکل میں بڑھی خوب طلب حقے کی لو مبارک ہو کہ بنتی ہے کلب حقے کی
چاہنے والے تو رہے اسکے ہمیشہ لیکن قدر باقاعدہ ہونیکو ہے اب حقے کی
ہے یہ وہ چیز کہ پیتا ہے اسے شاہ و گدا مدح کرتے ہیں فرنگی و عرب حقے کی
بادشاہان زماں قبضے میں جنکے ہیں حباب سر جھکا دیتے ہیں تعظیم کو سب حقے کی
شمع محفل ہے یہی، باعث تزئیں ہے یہی کیوں نہ ممنون ہو ہر بزم طرب حقے کی
وہ دل آویز صدائیں رگ جاں جیسے تھمے ہائے موہنی سی شکل غضب حقے کی

اصلی مسودہ میں اس جگہ پر حقے کی تصویر بنی ہوئی اور ایک طرف دھکتے

ہوے انگاروں سے بھری ہوئی چلم بھی رکھی ہے۔

دہ دہواں کاکل معشوق سے جسکو تشبیہ — بڑھکے ارگن سے وہ آواز شنعب حقے کی
چہرے ہو جاتے ہیں گلنار خوشی کے مارے — حقے بازوں میں چلم آئی ہے جب حقے کی
مست خوشبو کہ جسے سونگھ مردے جی جائیں — تسبیح پڑھنے لگے ہر جان بہ لب حقے کی
اسکی تقدیر کھلی جاگ اٹھے اس کے نصیب — جسکو قسمت سے ملی نعمت رب حقے کی

حقے بازی کا ہے یہ زور تو بے شک و شبہ
جھنڈی ہو جائینگی ہر جا یہ نصب حقے کی

ہمارے لئے یہ بات موجب مسرت وابتہاج ہی کہ ہمارے دو دوستوں کو جو کم و بیش چار سال سے ہم جماعت اور ہم مسکن تھے (اور ہیں) ایک ہی مہینہ کے اندر خداوند کریم نے اولادیں عطا فرمائی ہیں، مسٹر سید احمد علی (سابق کپتان کرکٹ) کے حال ہی میں لڑکی پیدا ہوئی ہی اور مسٹر ایچ ایم حیات (لارڈ حیات) کے لڑکا، اس مرتبہ لارڈ حیات بازی لے گئے مگر مسٹر احمد علی نے دوستوں سے وعدہ کیا ہی کہ یہ کمی آیندہ پوری کردینگے۔

اولڈ بوائز علی گڑھ کالج کا سالانہ جلسہ اور ڈنر

علی گڑھ کالج کے اولڈ بوائز کا سالانہ جلسہ اور ڈنر سالہائے سابقہ میں بماہ اپریل منعقد ہوتا رہتا تھا کیونکہ ان ایام میں بوجہ تعطیلات ایسٹر جلسہ کی انعقاد میں خاص سہولت ہوتی ہے لیکن چونکہ امسال ایسٹر ماہ مارچ میں واقع ہوا، اسی لیے ایسوسی ایشن کا جلسہ بھی بجائے اپریل کے ۲۱ اور ۲۲ مارچ کو ہوا۔

اولڈ بوائز حسب معمول پہلے سے جمع ہونے شروع ہو گئے تھے، اور آخر تک انکی تعداد تقریباً پونے دو سو تک پہنچ گئی تھی۔ بہت سے اولڈ بوائز نے بذریعہ تار و خطوط عدم شرکت کی معذرت کی تھی، اور اگر انہیں ایام میں مسلم یونیورسٹی اور مسلم لیگ کے جلسے لکھنؤ میں ہو رہے ہوتے تو ان کی تعداد غالباً مذکورہ بالا تعداد سے دو چند ہوتی۔ تاہم جس قدر اولڈ بوائز امسال جمع ہوئے اس سے قبل کبھی جمع نہ ہوئے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علیگڈھ کالج کے اولڈ بوائز کی دلچسپی خدا کے فضل سے اپنی علمی مادر کیساتھ روز افزوں ترقی کر رہی ہے جو نہ صرف کالج کے لیے بلکہ کل قوم کے لیے ایک نہایت امید افزا امر ہے اور جس پر ایسوسی ایشن کے ذمہ دار کارکن مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ایسوسی ایشن کے جلسے زیر صدارت جناب آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب بی۔ اے ایل ایل بی۔ ۲۱ مارچ کو صبح کے ۹ بجے سے یونین کلب کے "رام پور حامد ہال" میں شروع ہوئے۔

۱۳ سمبر ۱۹۱۲

سب سے پہلے مسٹر شوکت علی بی اے (آنریری سکرٹری ایسوسی ایشن) نے اپنی رپورٹ پڑھی جو کہ گیارہ ماہ کی بابت تھی۔ کیونکہ امسال کا جلسہ بجائے اپریل کے مارچ میں ہوا تھا۔ رپورٹ میں ایسوسی ایشن کے جائنٹ سکرٹری مسٹر سرفراز خان صاحب اور ممبران سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کی مساعی و دلچسپی کا اعتراف و شکریہ ادا کیا گیا تھا۔

رپورٹ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سال زیر رپورٹ میں دفتر کی ترتیب عمل میں آئی اور مولوی سید عبدالباقی صاحب، مسٹر منظور احمد اور شاہ مصطفےٰ احمد صاحب (سابق طلبائے کالج) کی مدد سے حسابات درست کئے گئے۔ آمدنی بمقابلہ سال گزشتہ کے ساڑھے آٹھ ہزار کے (گیارہ ماہ کے اندر) تقریباً ۲ ہزار ہوئی۔ ایک سب کمیٹی نے (جس میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب، مسٹر محمد علی صاحب (ڈکسن)، مسٹر محمد یعقوب صاحب وکیل مرادآباد اور سکرٹری و جائنٹ سکرٹری شامل تھے) تو عہد پر نظر ثانی کی۔ متوفی و دیگر غیر مستطیع اولڈ بوائز کی اولاد کی تربیت اور امداد کا کام شروع کیا گیا۔ اولڈ بوائز کے جو بچے کالج میں اس وقت زیر تعلیم ہیں، ان کی نگرانی کا کام ایسوسی ایشن نے اپنے ذمہ لیا، اور اولڈ بوائز کے لیے تلاش روزگار کا سلسلہ قایم کیا گیا۔ اولڈ بوائز ڈائرکٹری کا وہ حصہ جو کالج و پارلیمنٹ سے نکلے ہوئے طلباء کے متعلق ہے، تیار ہو گیا ہے۔ ڈائرکٹری کی تکمیل و ترتیب پر مولٰنا طفیل احمد صاحب نے باوجود اپنی علالت کے نہایت کوشش و جاں فشانی کی ہے۔ اولڈ بوائز لاج (جس کا نقشہ جناب خان بہادر سید جعفر حسین صاحب نے تیار کیا تھا اور جو زیر نگرانی مسٹر عظیم داد خاں صاحب اولڈ بوائے کالج زیر تعمیر ہے) اس کی زیرین منزل آیندہ موسم برسات تک تیار ہو جائیگی۔ ایسوسی ایشن کے ممبروں کی تعداد بمقابلہ سال گزشتہ ۹ سو کے ۱۱ سو تک پہنچ گئی۔

مسٹر سید سجاد حیدر صاحب کی یہ تحریک تسلیم کی گئی کہ آیندہ ایسوسی ایشن کے کاغذات ممبروں کے پاس لیتھو میں چھپ کر نہ جایا کریں، بلکہ صرف ٹائپ میں چھپا کریں۔

جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب نے سکرٹری صاحب ایسوسی ایشن کی خدمات اور انکے عہد میں ترقی اتفاق کا اعتراف کیا اور اُمید ظاہر کی کہ ان کے قیام علی گڑھ سے پارٹیاں قطعی نابود ہو جائینگی۔

اس کے بعد ممبروں نے کچھ سوالات کیے جن کے جوابات دیے گئے۔

صاحب صدر نے اپنے ریمارک میں فرمایا کہ بہت کفایت شعاری کے ساتھ کام کیا گیا ہے، البتہ کام کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ کی شدید ضرورت ہے۔

انتخاب عہدہ داران کا نتیجہ حسب ذیل ہے:۔ مسٹر سرفراز خاں جائنٹ سکرٹری مسٹر سلطان بھائی لال جی پراونشیل سکرٹری بمبئی۔ مسٹر صغیر علی پراونشیل سکرٹری سنٹرل ۔۔۔ مسٹر سعید محمد خاں و مسٹر عبدالحمید خاں ممبران سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی۔ کپتان عظمت اللہ صاحب پراونشل سکرٹری حیدرآباد دکن

بورڈ آف ٹرسٹیز کالج میں ایسوسی ایشن کی قایم مقامی کے لیے مسٹر سید سجاد حیدر صاحب کا انتخاب ۵ سال کے لیے اور مسٹر محمد فایق صاحب۔ بی، اے، ایل ایل بی۔ (وکیل فیض آباد) کا انتخاب ایک سال کے لیے عمل میں آیا۔

اس کے بعد دوران سال میں وفات پانیوالے اولڈ بوائز کے انتقال پر اظہار رنج و غم اور اُن کے پس ماندگان کے ساتھ ہمدردی کے رزولیوشن پاس ہوئے۔

ایسوسی ایشن کے پاس کردہ رزولیوشن حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ''زیر سرپرستی سکرٹری صاحب ایسوسی ایشن ہذا ایک امپلائیمینٹ ایجنسی کھولی جاوے جو بے کار اولڈ بوائز ممبران ایسوسی ایشن کو ملازمت دلانے میں کوشاں رہے''۔ (۲) ''جس ضلع یا قصبہ میں کم از کم سات اولڈ بوائز ہوں وہاں ایک لوکل اولڈ بوائز ایسوسی ایشن زیر سرپرستی علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کھولی جاوے اور اس کے اجلاس ماہواری ہوا کریں۔ یہ اجلاس باری باری ہر اولڈ بوائے کے مکان پر ہوں، اور جس اولڈ بوائے کے مکان پر ماہواری اجلاس ہو وہ ممبران کو بلا عذر کے پارٹی دے''۔ (۳) ''عرصہ سے اولڈ بوائز کے لیے کوئی خاص امتیازی نشان تجویز ہونیکی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

پس اولڈ بوائز ایسوسی ایک کم قیمت انگوٹھی کا نمونہ تیار کرے جس پر کالج کا نشان
ہو اور یہ انگوٹھیاں ممبران ایسوسی ایشن کے ہاتھ فروخت کیجاویں"۔ (۴) "یہ جلسہ
سنٹرل سٹینڈنگ کمیٹی ایسوسی ایشن کو اجازت دیتا ہے کہ وہ علاوہ رقم منظور شدہ کے
اگر ضرورت ہو تو امسال مبلغ دس ہزار روپیہ تک اولڈ بوائز لاج کی تعمیر اور ضروری
اخراجات پہ بشرط گنجائش صرف کرے یعنی جو اخراجات بابت وظائف وغیرہ منظور ہو چکے ہیں
وہ جاری رہیں"۔ (۵) "بہ نظر ان دلی تعلقات کے جو ان کے اور اولڈ بوائز کے
درمیان ہیں، سر تھیوڈور ماریسن کو من جانب ایسوسی ایشن بمقام علی گڑھ اولڈ بوائز کے
ملنے کے لیے مدعو کیا جائے"۔ (۶) "سر تھیوڈور ماریسن کی تشریف آوری کے موقع
پر منجانب ایسوسی ایشن ان کو ایک ایڈریس پیش کیا جائے"۔ (۷) قواعد و ضوابط
کی دفعہ ۳ میں حسب ذیل ترمیم کی جائے: "سکریٹری اور جائنٹ سکریٹری میں سے کوئی
ایک یا دونوں علی گڑھ میں رہیں گے"۔ اور دفعہ ۴ الف میں یہ ترمیم ہو کہ "ہیڈ آفس
کا انچارج ہو"۔ (۸) ٹرسٹی صاحبان سے درخواست کیجائے کہ وہ مہربانی سے ان
شرایط کو منسوخ کر دیں جو انھوں نے اولڈ بوائز کے قایم مقام ٹرسٹیز کے انتخاب کے
متعلق عاید کی ہیں، بلکہ بجائے اس کے وہ خود ایسوسی ایشن کو مجاز کریں کہ جو شرایط
وہ خود مناسب تصور کرے اپنے میں سے بہترین لوگ انتخاب کرنے کے لیے قایم
کرے"۔ (۹) "اس ایسوسی ایشن کی رائے ہے کہ کالج میں والنٹری سسٹم جاری
کیجاوے۔ تاکہ کام میں سہولیت ہو اور کام کرنے والوں کا دائرہ وسیع ہو؛ اور جو
اولڈ بوائز اپنے خدمات معرفت سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی پیش کرینگے تو کمیٹی بعد غور
و منظوری کے آنریری سکریٹری صاحب کالج کی خدمت میں سفارش کرے گی
کہ ان کو بہ پابندی قواعد دفتر متعلقہ اجازت کام کرنے کی دیجائے"۔
سب کمیٹی کا ترمیم کردہ مسودہ قواعد بعد غور و بحث کے پاس کیا گیا۔

۲۱ مارچ کو اولڈ بوائز کا ایک گروپ میں فوٹو لیا گیا۔

اسی تاریخ کو شام کے پانچ بجے اولڈ بوائز جناب نواب حاجی محمد اسحاق خان بہادر آنریری سکرٹری کالج کے خیر مقدم اور ایوننگ پارٹی (منجانب ممبران کالج کلب) میں شامل ہوئے۔

۲۲ مارچ کو اولڈ بوائز کا ایک گروپ اسٹاف اور طلبائے موجودہ کے ساتھ پھر لیا گیا۔

۲۳ مارچ کو رات کے وقت یونین میں اس مضمون پر ڈیبیٹ ہوا ہے۔

"پودا نہیں پھول کا علی گڈہ کالج
گلداں میں مسلموں کا گلدستہ ہے"

مسٹر سید کلب عباس نقوی۔ بی اے نے تحریک پیش کرتے ہوئے ایک نہایت پُر اثر و فصیح و بلیغ تقریر کی۔ موجودہ طلبا اور اولڈ بائز نے مباحثہ میں نہایت سرگرمی کے ساتھ حصّہ لیا۔ تقریباً تین گھنٹہ تک مباحثہ نہایت زور شور سے جاری رہا، اور پھر بالآخر تحریک کامیاب ہوئی۔

۲۴ مارچ کو اولڈ بوائز بہ مقابلہ طلبائے موجودہ کرکٹ اور ہاکی میچ کھیلے، جن میں سے اول الذکر میں طلبائے حال بازی لے گئے اور موخر الذکر مقابلہ کا نتیجہ مساوی رہا۔

اولڈ بوائز ڈنر ۲۱ مارچ کو شب کے آٹھ بجے منعقد ہوا۔ چونکہ امسال کے ڈنر کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں کالج کے موجودہ طالب علم ابتدائی سے لیکر اعلیٰ ترین جماعت تک کے شریک تھے، اس لیئے وہ بجائے اسٹریچی ہال کی کھلی ہوا میں کرکٹ لان پر کیا گیا تھا۔ ڈنر کے میدان و حوالی اور اس کی میزوں کو گملوں اور گلدستوں اور برقی فانوسوں اور کالج ٹرافیز (انعامات بازی)

بہ آراستہ کرنے میں بہت محنت و جانکاہی کی گئی تھی۔ ڈنر کی دیگر دلچسپ خصوصیات کی طرح اس کی مینو (فہرست طعمہ) بھی اپنی جدت کے لحاظ سے نہایت لذت بخش تھی جسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:-

اوّل طعام

قبولی پٹھانی، بورانی خاقانی، دالِ ماش ہندوانی، بقولات ایرانی، انڈا یا دیوانی سرفرازخانی، دالِ موٹھ شاہ جہانی، قہوۂ عربستانی، پانیِ ہندوستانی، سگریٹ ترکستانی۔ سگار نقلِ ہوانی۔ صرف نمک سلیمانی باقی رہ گیا تھا۔

"اوّل طعام" کے بعد جب "بعدہٗ کلام" کی نوبت آئی تو سب سے پہلے آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب پریسیڈنٹ جلسہ ایسوسی ایشن کی تحریک پر جملہ حاضرین نے سروقد استادہ ہوکر حضور ملک معظم کا جامِ صحت پورے جوشِ عقیدت کے ساتھ نوش کیا۔
اس کے بعد مسٹر محمد علی بی اے (اکسن) نے "ڈنر اولڈ کالج اور ٹرسٹیان" کا جام پیش کرتے ہوئے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ علی گڑھ کی تمام حالات سے قوم کو مطلع رکھنا چاہئے۔ کالج کا سالانہ بجٹ باقاعدہ اور وقت پر ملک میں شایع کیا جانا چاہیے کالج کی سالانہ رپورٹ ملک میں شایع ہوتی رہا کرے۔ اسٹاف پر ٹرسٹیوں کے اصول اور انکی پالیسی کی پابندی لازم ہے اولڈ بوائز علی گڑھ کے زبردست ترین طاقت ہیں جن سے زیادہ کالج کا کوئی خیرخواہ نہیں ہو سکتا۔
مسٹر محمد علی نے موجودہ طلبہ کو بھی ڈسپلن کی پابندی اور ہمت سے اپنی تعلیم کی جانب متوجہ رہنے کی نہایت پرزور الفاظ میں تاکید کی۔ اسکے جواب میں جناب نواب حاجی محمد اسحاق خان بہادر آنریری سکریٹری کالج نے جو تقریر فرمائی اس میں کالج کے بعض نہایت اہم انتظامی امور پر بحث کی گئی تھی۔ (اس تقریر کا مکمل ترجمہ انشاءاللہ آیندہ اشاعت میں شایع کیا جائیگا) ڈاکٹر جے ہورووٹز (پروفیسر شعبہ عربی کالج) نے اولڈ بوائز کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے انکے سالانہ اجتماع کو کالج اور اسکے موجودہ طلبا کے لئے نہایت مفید ثابت کیا۔ مسٹر محمد الیاس بی۔ اے (وائس پریسیڈنٹ سٹڈنٹس یونین کلب) نے اس تحریک کی تائید کرتے ہوئے

بتایا کہ اولڈ بوائز موجودہ طلبا کی ترقی وبہبودی میں نہایت گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ موجودہ طلبا کو انکو اپنے خیالات سے باخبر رکھنا اور اُنکے مشورہ سے مستفید ہونا چاہیئے۔ اولڈ بوائز کالج کے نظام میں ایک نہایت زبردست طاقت ہیں اور ان کا رسوخ روز افزوں ہے ممکن نہیں کہ طلبا واقعات زمانہ سے متاثر نہوں۔ جنگ بلقان نے مسلمانوں میں اخوت اسلامی کی تحریک پیدا کردی ہے۔ سب رجحان مذہب کی طرف ہو چلا ہے۔ تہذیب جدید کا جادو ٹوٹ گیا ہے۔ طلبا کو بحیثیت مسلمان ہونیکے ٹرکی سے بہت ہمدردی ہے چنانچہ چندہ سے وہ مالی مدد کررہے ہیں اور ٹرکی کے واسطے دعا کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے افسروں کی اطاعت فرض سمجھتے ہیں اور کوئی کام ان کے حکم اور مرضی کے خلاف کرنا گوارا نہیں کرتے۔ سرکار کی وفاداری علیگڈھ تحریک کا جزو لاینفک ہے۔ شکایت وفا بھی ہمیشہ اخلاص و اُمید کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ ہر ایک طالب علم کی تمنا ہے کہ وہ ایک سچا مسلمان، محب وطن اور سرکار کی وفادار رعایا ہو۔ خدا وہ دن کرے کہ علیگڈھ اسلامی ترقی کا سرچشمہ ہو۔ اس تحریک کے جواب میں آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب اور سید مصطفےٰ حسین رضوی صاحب نے تقریریں کیں۔ خواجہ صاحب نے ملازمت اور تجارت میں مسلمانوں کی پست حالت کا ذکر کرکے موجودہ طلبا کو اصول کفایت شعاری پر کاربند ہونے کا مشورہ دیا۔ مسٹر احسان الحق بیرسٹرایٹ لا نے اسٹاف کا جام صحت نوش کئے جانے کی تحریک کرتے ہوئے انکو یقین دلایا کہ اولڈ بوائز اور قوم کو ان پر پورا اعتماد ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر ولی محمد ایم اے پی ایچ ڈی نے اس کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے اپنے ذاتی تجربہ سے بتایا کہ کالج کا نام نہاد "سفید ہاتھی"، یعنی سائنس ڈپارٹمنٹ بہت مفید کام کر رہا ہے۔ اس کے بعد مسٹر شوکت علی نے مہمانوں کا جام صحت تجویز کیا۔

اس کے جواب میں جناب نواب غلام احمد خاں بہادر "کلامی" آف مدراس نے بزبان اُردو تقریر کی جس میں اُنھوں نے طلبہ کو پیشہ تجارت کی جانب توجہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ مسٹر آر ایم غلام حسین (اسسٹنٹ اڈیٹر "کامریڈ") نے نو واردان از انگلستان

دمسٹر تمنا داحمد خاں، مسٹر تصدق احمد خاں شروانی، ڈاکٹر محمود اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو) کا جام صحت تجویز کیا۔ اس کے جواب میں مسٹر تمنا داحمد خاں بی لے (کیٹب) بیرسٹر ایٹ لا نے تقریر کی۔ اس کے بعد سید بے نظیر شاہ صاحب قادری وارثی اور ماسٹر قاضی جلال الدین صاحب نے اپنی اپنی عمدہ نظمیں پڑھیں جو ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔

نظم بے نظیر

بازم زمغاں گرید آمد	نوروز رسید وعید آمد
ہنگام سحر بہ گوش بلبل	از موسم گل نوید آمد
صد گنج مراد را ہمید دں،	این مژدۂ نو کلید آمد
در گلشن دل ز شور بلبل	چوں پیک بہار اُمید آمد
صد طرح نشاط ما فگندیم	این جشن طرب جدید آمد
ساقی چو گرفت جام در دست	خود پیر مغاں مرید آمد
ایں راز محبت نہفتہ	در بزم کنوں پدید آمد
زاں درس کہ گفت پیر ارشاد	شاگرد بہ بار رشید آمد
ایں ساعت نیک عہد و فرخ	آمد و چہ سعید آمد
در سایۂ گل نشستہ یاراں	گل بانگ زناں کہ عید آمد
یا رفتہ کسے بدید یارے	یا او پئے باز دید آمد

ہر یک کہ بہ خلق بے نظیر است
در خوبی خود فرید آمد

"بس اب تمھیں تم ہو"

عزیزو! میزباں یا مہماں بس اب تمھیں تم ہو
ہو کم سن یا مسن یا نوجواں بس اب تمھیں تم ہو

تمھیں کو نعمتیں سارے جہاں کی کھو کے پانا ہے
انیس قلب یا آرام جاں بس اب تمھیں تم ہو

نظر اب ہند میں تم ہی تباد وکسیہ پڑتی ہے؟
ہمارے جسم کی روح رواں بس اب تمھیں تم ہو

تمھارے سر تید ہی پگڑی ہے اب قومی امانت کی
طریق رہبری کے خطبہ خواں بس اب تمھیں تم ہو

تمھارا سواد بی سے تباہی کا مرادف ہے
رہ پر خار میں امن کشاں، بس اب تمھیں تم ہو

تمھاری گردنوں پر دین کی بھاری ودیعت ہے
امین و حامل بار گراں، بس اب تمھیں تم ہو

تمھیں قائل، تمھیں سامع، تمھیں رہرو، تمھیں رہبر
تمھیں سیر، تمھیں سیل رواں بس اب تمھیں تم ہو

تمھیں سننا ہے کوئی اب ترانہ بلبل و گل کا
ہمارے قوم کے اک نغمہ خواں بس اب تمھیں تم ہو

اب اس گلشن کی سبزی منحصر ہے آپ کے دم پر
نسیم صبح یا باد خزاں بس اب تمھیں تم ہو

سب سے آخر میں ظہور وارڈ کے ایک کم سن طالب علم محمد ابراہیم پارک نے تلاوت کلام پاک کی جس پر یہ سلسلہ کلام ختم ہوا۔

امسال علیگڈھ کالج میں اولڈ بوائز کا سالانہ اجتماع کئی پہلو سے غایت درجہ اہم تھا۔ جو اختلافات اب تک اولڈ بوائز میں نظر آتے تھے وہ امسال مبدل بہ اتفاق ہو گئے اور مختلف فیہ مسائل اتفاق کے ساتھ طے ہوئے۔ اولڈ بوائز نے ہمیشہ سے زیادہ استحکام اور استقلال کے ساتھ امسال یہ عہد کیا کہ وہ کالج کی امداد سے کسی وقت میں بھی منہ نہ موڑینگے اور کسی قسم کی بھی دشواریوں کے مقابلہ میں ہمت نہ ہارینگے اور حسب ضرورت اپنی امداد کو وسیع سے وسیع تر کرتے جائیں گے۔ ایک زمانہ تھا کہ اولڈ بوائز کے

باہمی اختلافات مخالفت کا رنگ اختیار کئے ہوئے تھے اور کوئی صورت اس سے عہدہ برا ہونے کی نظر نہ آتی تھی، لیکن جب یکجہتی کا وقت آیا تو اُنھوں نے ثابت کر دیا کہ اُنکے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور ان سب کا مطمح نظر ایک اور صرف ایک ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ قوم کے موجودہ دوسرے اختلافات بھی ایک دن اسی خوش اسلوبی کے ساتھ رو براہ ہو جائیں۔ ڈنر کے بعد جو تقریریں ہوئیں وہ بھی اپنی اہمیت کے لحاظ سے امسال ایسی تھیں جن کو لنڈن کے لارڈ میئر کے ڈنر کی تقریروں سے مشابہ قرار دیا گیا تھا۔ خدا سے اُمید ہے کہ ایسوسی ایشن اپنے موجودہ سرگرم کارکنوں کے زیر نگرانی اس طرح سرگرم ترقی رہے گی۔ واللہ عاقبۃ الامور

مفصل حالات دلچسپ پیرایہ میں سکرٹری صاحب اولڈ بوائز ایسوسی ایشن آئندہ پرچہ میں نذر ناظرین کرینگے۔

(اولڈ بوائے)

اولڈ بوائز

ہم نے اشاعت سابق میں اپنے ہر دل عزیز دوست اور بھائی مسٹر سرفراز خانصاحب
کے فرزند ارجمند کی ولادت کی خوشخبری ناظرین رسالہ کو دی تھی اور ہمیں امید تھی کہ یہ
خبر ہمارے دوست کے وسیع حلقۂ احباب میں مسرت کے ساتھ سنی جائیگی۔ اب
ہمیں دفتر کے خطوط اور دوسرے ذرائع سے معلوم ہوا ہی کہ اولڈ بوائز میں عام طور
پر اس مولود کا چرچا ہی اور ہمارے اور سرفراز خاں کے خاص دوست مسٹر ابراہیم
سیٹھ پی کلکٹر نہایت زور سے تحریک کرتے ہیں کہ بچہ کا نام عیسیٰ خاں رکھا جائے
نام بہت متبرک اور موزوں ہی جس کی تائید ہم بھی نہایت خوشی کے ساتھ
کرتے ہیں۔

اولڈ بوائز کے لیے یہ خبر نہایت مسرت بخش ہی کہ لفٹنٹ عظمت اللہ صاحب
(حیدر آباد) اب کپتان ہوگئے ہیں اور عہدہ کی ترقی کے ساتھ ہی تنخواہ میں بھی
ایک سو دس روپیہ ماہوار کا اضافہ ہوا ہی۔ علیگڑھ کے چند دوستوں نے مشورہ کیا ہی کہ
ہمسنگی والیوں کو بلا کر ایک خاص جلسہ میں اس ترقی کی مبارکباد گائی جائے۔
ہم اپنے کپتان عظمت کو مبارکباد دیتے ہیں مٹھائی ضرور ملیگی کیونکہ "بیر" نے اونکا
گھر بتا دیا۔ مٹھائی یا گلگلے پرانے احباب اس معمہ کو دیکھکر مسٹر مغنی کو یاد
کریں گے۔

ہمیں دفتر فیسوسی ایشن سے یہ معلوم کر کے بیحد مسرت ہوئی کہ اب ولڈ بوائز اپنا
بقایا جلد جلد ادا کر رہی ہیں اور ہمارے لیے یہ بات اور زیادہ قابل انبساط ہی کہ بعض نے
اپنا حساب بالکل بیباق کر دیا۔

مسٹر سید بنیاد حسین ای اے سی سب سے پہلے اولڈ بوائے ہیں جنھوں نے

۱۹۳۸ء سے لیکر اسوقت تک کے اضافوں کا روپیہ بذریعہ منی آڈر دفتر کو بھیجدیا ہی۔ خدا کرے ایسے لوگوں کی ترقیاں جلد جلد ہوں۔ ایسے پر جوش اولڈ بوائز دیکھکر ہم کو کامل یقین ہوگیا کہ اور لوگ مدد کریں یا نہ کریں مگر ضرورت کے وقت ہمارے اولڈ بوائز خود ہی کالج کو چلالیں گے۔

مسٹر مرزا شبیر بیگ صاحب کی تنخواہ میں معتدبہ اضافہ ہونے سے ہم بہت خوش ہوے ہیں۔ "عالم خیال" میں ہیں معلوم ہوا کہ وہ کوہ مولا پر ہماری دعوت کا سامان کرنے والے ہیں۔

اس مرتبہ انتخاب "ٹرسٹیاں" میں قسمت نے مسٹر سید سجاد حیدر صاحب اور مسٹر محمد فائق صاحب کے نام قرعہ ڈالا۔ مسٹر سجاد پانچ سال کے لیے اور مسٹر محمد فائق ایک سال کے واسطے "اولڈ بوائز" کی جانب سے ٹرسٹی منتخب ہوئے ہیں۔ ہم دونوں صاحبوں کو مبارکباد دیتے ہیں۔

یہ خبر بھی ہمارے لیے بیحد مسرت انگیز ہی کہ خالق عالم نے ہمارے دوست مسٹر سید سجاد حیدر کے گھر میں سوا پہر نور برسایا ہی اور اونکے یہاں لڑکی تولد ہوئی ہی۔ خدا باپ اور ماں دونوں کو مبارک کرے۔

ہمارے دوست مسٹر قاسم حسین صاحب آخر کار میعادی ڈپٹی کلکٹر ہو ہی گیے جب ہم لوگوں سے مسٹر قاسم کی تعریف سنتے تھے تو ہمیں حیرت ہوتی تھی کہ یہ اب تک تحصیلداری پر کیوں پڑے ہوے ہیں آخر خداوند کریم نے اونکی محنت کی داد دی۔ ہم نے سنا ہی کہ وہ ہمیں متھرا بلا کر بہت سے "رس گلے" کھلانے کی فکر میں ہیں۔ خدا کرے "قاسم" جلد مستقل ڈپٹی شاب (صاحب) ہو جائے۔

ہمیں اطمینان ہی کہ جب کبھی سجاد عنایت اللہ اور ناظر خوش ہوں گے ہمارے رسالہ کو مضامین سے بھر دیں گے۔ سجاد نے نثر مسوری اور ناظر نے نظم کشمیری کا وعدہ کیا

ہے۔ خدا کرے ان کے وعدے ایفا ہوں۔ ہمیں مسٹر محمد امین اور مسٹر راما شنکر صاحب سے امید ہے کہ وہ بھی اپنے مضامین کو باقی آئندہ نوکری سے نکال کر بقول مسٹر سجاد ناو ہندوں کی فہرست سے نام خارج کرالیں گے۔

آنریبل مسٹر روشن لال بیرسٹر ایٹ لا، لاہور نے ہمیں ایک چھوٹا سا خط لکھا ہے جس میں انھوں نے اپنے اس کالج کی گذشتہ زندگی کو یاد کر کے چند آنسو بہائے ہیں ہمیں امید تھی کہ وہ آنریبل راجہ رامپال سنگھ کنور ہندر پرتاپ سنگھ صاحب وردوسرے ہندو اولڈ بوائز ضرور شریک دعوت ہوں گے مگر افسوس انھیں فرصت نہ ہوئی۔ خیر! بار باقی صحبت باقی۔ انشاء اللہ اگلی سال بھی۔ ہم مقامی ہندو اولڈ بوائز کے خاص طور پر ممنون ہیں کہ اونھوں نے اپنے ڈنر کو رونق دی۔

مسٹر سید محمود حسین صاحب رئیس ترکی پورہ پاس ضلع بلند شہر نے اپنے اور ہمارے بزرگ راجہ سید محمد باقر علیخاں بہادر مرحوم کی ایک چھانوے صفحہ کی کتاب "محاکمہ" بھیجی ہے جو "بقاعت کہتر و بقیمت بہتر" کہی جانے کی مستحق ہے۔ یہ کتاب سرسید اور تعلیم جدید کی تائید میں اس وقت لکھی گئی تھی جب کہ ہمارے رہنما پر چاروں طرف سے کفر کے فتوؤں کی بوچھار ہو رہی تھی۔ کتاب تین آنہ میں مسٹر محمود سے ڈاکخانہ بہاسو کے پتہ پر ملسکتی ہے۔

سادات گرل اسکول پٹیالہ حضور مہاراجہ صاحب بہادر پٹیالہ اور نواب ذوالفقار علیخاں بہادر وزیر اعظم ریاست کی توجہ اور ہمشیرہ صاحبہ میر تفضل حسین صاحب و بیگم خلیفہ سید حامد حسین صاحب کی کوشش سے خوب ترقی کر رہا ہے۔ ہم خوش ہیں کہ اولڈ بوائز کے سیان زنانہ تعلیم میں کافی حصہ لے رہی ہیں۔ اور ہمیں مسز حامد سے جو قبلۂ کعبہ نواب عماد الملک بہادر کی برادر زادی ہیں۔ ایسی ہی امید تھی۔ کیا اچھا ہوتا کہ مدرسہ کا نام حضرت سیدہ کے نام پر "مکتب فاطمہ" رکھا جاتا۔

بہت سے اولڈ بوائز کو یہ سنکر ملال ہوگا کہ ہمارے اور اونکے زندہ دل دوست مسٹر سید ظہور حسین (انسپکٹر خفیہ پولیس الہ آباد) نے امروہہ میں قضا کی۔ مسٹر ظہور کے احباب تمام ہندوستان میں پائے جاتے ہیں اور وہ بہت زیادہ ہردلعزیز تھے۔ ہمیں اونکے عزیزوں سے ہمدردی ہے اور اونکے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ خدا اون کے خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ہمیں معلوم کرکے بھی سخت قلق ہوا ہے کہ مسٹر محمد ہاشم صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے چھوٹے بھائی مسٹر محمد قاسم نے پچیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ مرحوم جوان صالح اور ہونہار تھے۔ ہم مرحوم کے جملہ خاندان کے عموماً اور غم نصیب بھائی کے خصوصاً شریک غم ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مرحوم کو جنت نصیب کرے۔

ہمیں بہت خوشی ہوئی کہ ہمارے عزیز مسٹر سید اولاد حسین صاحب (پھپوند ضلع اٹاوہ) انسپکٹر آبکاری کی خدمت کیلئے نامزد ہوئے ہیں۔ خدا کرے وہ ہمارے اور اپنے خاندان کیلئے باعث فخر ثابت ہوں اور اپنے خدمات کو استقلال اور دیانت سے انجام دیں

تصاویر

ہم ایک عرصہ سے اس خیال میں تھے کہ ہمارا "اولڈ بوائے" ایک مصور رسالہ ہو جائے، لیکن چند در چند وجوہ سے ہم اپنے خیال کو کامیابی کی صورت نہ دیکھ سکے۔ اب خداوند کریم کے فضل سے ہم ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں اور اس مرتبہ اپنے ناظرین کی خدمت میں تین تصویروں کا مجموعہ پیش کرتے ہیں۔ ہم اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں دیکھتے کہ ان خاموش (آہ خاموش!) ہستیوں کے نام اور ان کے کام کی تشریح کریں کیونکہ تعلیم یافتہ دنیا میں عموماً اور ہمارے ناظرین میں خصوصاً مشکل کوئی صاحب ایسے ہونگے جنھوں نے ان تصویروں کا شرف قدمبوس نہ حاصل کیا ہو۔ اگر نہیں تو ایسے تو ضرور ہونگے جنھوں نے اپنے احباب کے کمروں میں اس قسم کی تصویریں دیکھی ہوں گی اور انھیں سرسید مرحوم نواب محسن الملک مغفور اور مسٹر بک آنجہانی کے حالات اپنے دوستوں سے معلوم ہوئے ہوں گے چونکہ ہمارے کالج کے مشن کی ابتدا انھیں تین (اور ان جیسے چند اور) بزرگوں سے ہوئی ہے اسلیے ہم نے بھی اس موقع پر انھیں تصویروں کو داخل رسالہ کرنا مناسب سمجھا۔

آیندہ نمبروں کے لیے ہمارے پاس بہت سی تصویریں آگئی ہیں ❊

رجسٹرڈ نمبر اے (۵۲۹)

جلد ۳ بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۳ء نمبر ۹

اڈیٹر

شوکت علی بی ۔ اے (علیگ)

فہرست مضامین

باہتمام مولوی رشید احمد صاحب انصاری

مطبع احمدی واقع علیگڑھ میں چھپکر سنہ ۱۳۳۱

حسب ایمائے مولوی سید منظر علی صاحب دفتر اولڈ بوائے علی گڈھ سے شایع ہوا

اولڈ بوائے

اس ماہواری رسالے کے خاص مقاصد یہ ہیں

۱ جملہ سابق طلبار مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علی گڈہ کے دلوں میں اُن کے کالج کی محبت کا تازہ رکھنا، اُسکے حالات سے اُن کو باخبر کرنا اور اُسکی ترقی کیلئے ہر طرح کوشاں رہنا

۲ اولڈ بوائے میں رشتۂ اخوت قایم رکھنا، اور اُن کو ترقی دینا اور اُنکے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہنا۔

۳ "اولڈ بوائز ایسوسی ایشن" اور کالج، کی مالی مدد کے لیے سابق طلبار کو ترغیب دینا، اور عملی تجاویز پیش کرنا، تاکہ مادر مہرباں کے خدمتگزاروں میں خود اُس کے فرزندوں کی خدمات کافی اور تسلی بخش ہوں۔

۴ جملہ اولڈ بوائز کو عام مسلمانوں کی ضروریات کی طرف توجہ دلانا تاکہ وہ قومی خدمات میں معتد بہ حصہ لیکر اُس احسان کا تھوڑا بدلہ کر سکیں جو قوم نے اُن پر ہماری کالج کے قایم کرنے سے کیا۔

حسب ذیل قواعد کی پابندی کی درخواست کیجاتی ہے

(۱) جملہ خط و کتابت دربارۂ ترسیل زر و تبدیل پتہ "منیجر اولڈ بوائے" علی گڑہ سے ہونی چاہیئے۔

(۲) مضامین و دیگر مراسلات بنام "اسسٹینٹ اڈیٹر اولڈ بوائے" علی گڑہ آنا چاہیئے۔

اسی طرح ریویو کے لیے کتابیں اور تبادلہ کے لیے اخبارات و رسائل بھی۔

منتظمان "اولڈ بوائے" ہر وقت مشورہ و رفع شکایات کے لیے تیار ہیں اور شکر گذاری کے ساتھ اُن پر پوری توجہ کرینگے۔

سید منظر علی اسسٹینٹ اڈیٹر و منیجر

Photo.-Mech. Dept., Thomason College, Roorkee
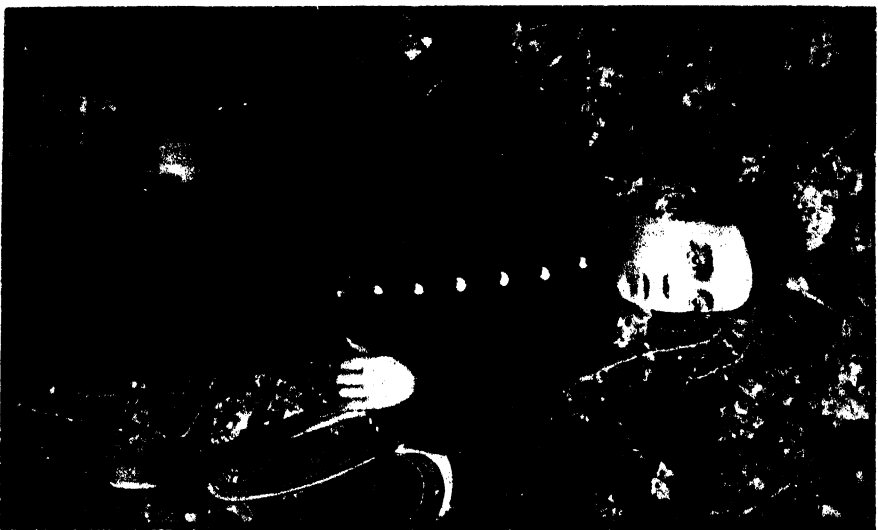
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اولڈ بوائے

اے! او!

" صرف یہ معلوم ہو جانا کہ وہ اولڈ بوائے تھے میرے لئے کافی سے بھی زیادہ تھا! یقین کیجئے، مجھے۔ آنکھیں چار ہوتے ہی۔ یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ وہ ہو نہ ہو ہمارے کالج کے اُولڈ بوائے ہیں، میں یہ نہیں بتا سکتا۔ کیوں؟ مگر یہ ایک واقعہ ہے کہ میری طبیعت خود بخود اُن سے بات کرنے کو چاہی، میں نے خود سلام علیک کی اور خود تعارف حاصل کیا، یہ معلوم ہوتے ہی کہ میرا خیال صحیح تھا میں اور زیادہ دلچسپی کے ساتھ باتیں کرنے لگا! ٹرین میں ابھی آدھ گھنٹے سے زیادہ تھا، اور میں ان کے ساتھ ساتھ پلیٹ فارم پر اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا...... "

" کس پلیٹ فارم پر؟ "

" چندوسی جنکشن! " راوی نہایت متانت کے ساتھ بیان کر رہا تھا اور راقم الحروف پوری دلچسپی اور غور کے ساتھ سُن رہا تھا " افسوس ہے کہ مجھے اُن حضرت کا نام یاد نہیں، ورنہ پھر شبہ کی قطعی گنجایش نہ ہوتی، جس وقت میں اُن کے ساتھ ٹہل رہا تھا اُس وقت وہ خاص ٹھاٹھ

سے نہیں تھے! لباس کی صورت میں ترکی ٹوپی، ترکی کوٹ اور پتلون اُن کے زیب بدن تھا غالباً اسی وجہ سے، یا شاید اس وجہ سے کہ اُسوقت سوائے میرے کوئی اور معقول صورت اسٹیشن پر نظر نہ آتی تھی، جس سے وہ باتیں کر کے انتظار کا وقت آسانی کے ساتھ کاٹ سکتے! اُنھوں نے مجھ سے باتیں کرنی گوارا بھی کرلیں، ورنہ کہاں وہ، سکنڈ کلاس پسنجر، اور کہاں میں ڈیوڑھے درجہ کا مسافر؟ گویا اُن کے نقطۂ خیال سے زمین آسمان کا فرق! اب مجھے خیال آتا ہے کہ اُسوقت بھی ان کی گفتگو ضرورت سے زیادہ خود نمائی آمیز تھی، تاہم اُسوقت مجھے اس کا مطلق شبہ بھی نہیں ہوا، اور ہوتا بھی کیونکر؟ میں تو ان کی ایک ایک بات کو خاص دلچسپی کے ساتھ سن رہا تھا، ان کی ایک ایک حرکت کو خاص محبت اخوت آمیز محبت اور واجبی احترام کیساتھ دیکھ رہا تھا! کیا اچھا ہوتا کہ میں جو کچھ بعد میں سمجھا، اُسی وقت سمجھ جاتا.....''

''وہ کیا؟''

''یہی کہ - وہ اپنی شخصیت کو خواہ مخواہ مجھ پر منڈھ رہے تھے، وہ اپنی ارفع شان کے سربفلک کشیدہ مینار پر چڑھکر مجھ ناچیز کو حقارت کے ساتھ دیکھ رہے تھے! یقین جانئے، میں اُن کو - اور اُن کی ایک ایک حرکت کو، خالص اخوت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا! پھر بھی، میں یہ ضرور کہونگا - کہ ان کا لب و لہجہ، اُردو زبان میں ایک خاص انگریزی اِمفیسس (Emphasis) اور سب سے زیادہ ایک عجیب شانِ استغنا، میری آنکھوں میں اُسوقت بھی کھٹک رہی تھیں، مگر اس سے میں نے اگر کوئی خیال اُن کی نسبت قایم بھی کیا تھا، تو یہی کہ وہ پُرانے اولڈ بوائے تھے، اور معاف کیجئے، پُرانے اولڈ بوائے زیادہ تر اسی ٹائپ کے ہیں!" پُرانے اور نئے اولڈ بوائز کی تقسیم - اور پھر اُن کا ٹائپ! افسوس ہے میں ابھی پوری طرح سمجھا نہیں؟

''آپ کو سمجھنا بھی نہیں چاہیئے، کیونکہ آپ کا شمار بھی زمانہ کے لحاظ سے اُن ہی میں ہوگا

راوی کے چہرے پر ایک مضحکہ آمیز تبسم نمایاں ہوا، اور جاتا رہا" خیر۔ پرانے اولڈ بوائز سے میرا مطلب اُن اولڈ بوائز سے ہے، جن کالج چھوڑے کم از کم پانچ چھ سال گذر گئے ہوں اور نئے اولڈ بوائز وہ ہیں جو اس دو سال میں کالج سے علیحدہ ہوئے ہوں، یا آیندہ ہونے والے ہوں! یہ ایک نمایاں تقسیم ہے! واقعیت سے انکار تو شاید آپ بھی نہیں کر سکتے، اور اسی وجہ سے میں بلا خوف تردید، بلکہ بلا لحاظ غصہ آمیز طعن و تشنیع ضرور کہوں گا کہ بقول ایک یوروپین مؤدب کے "کیچڑ میں لتھڑا ہوا کتا دروازہ پر، اور فلینل فول وکٹ کے قریب" یہ پرانے اولڈ بوائز اگر مشہور تھے یا ہیں تو اسی وجہ سے کہ وہ ہمیشہ وکٹ کے آس پاس ہی رہے قومیت جس کا نام سنتے سنتے کان بہرے ہوگئے ہیں، اور اخوت جس کی تعریف "اولڈ بوائز" کے صفحوں میں پڑھتے پڑھتے آنکھیں دکھنے آگئی ہیں، پرانے اولڈ بوائز میں عجیب رنگ میں جلوہ گر ہے! صاحبیت کا رنگ، انگریزیت کی تقلید، مغربیت کا عشق، اُنکی عادات کے اجزائے لاینفک ہیں! اُنکی قومیت کوٹ پتلون کی ایک ایک چیز پر مائل ہونا! اُنکی ترقی، سر سے پانوں تک مغربیت کے سانچے میں ڈھل جانا! اُنکی اخوت۔ کرکیٹ ٹور اور ڈیپوٹیشن کے موقع پر اکھٹا ہو کر کچھ عرصہ کے لیے ہمسفر ہو جانا! کیا قومیت، ترقی اخوت، اسی کا نام ہے؟ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ پرانے اولڈ بوائز نے سچی قومیت کو اپنی نمایشی مغربیت پر کبھی ترجیح دی؟ کبھی اُنھوں نے اپنے کرکیٹ وغیرہ کے سامنے اسلام کی پابندی اوقات کا خیال رکھا؟ کبھی اُنھوں نے صاحب بننے کی بجائے مسلمان بننے کی کوشش کی؟ کبھی بھی اُنھوں نے اپنے توس مکھن اور اپنی فلالین کی پتلون پر دور افتادہ مسلمانوں کی امداد کے خیال کو مقدم جانا؟ ......"

"اہا، یہ کہیئے، آپ کا مطلب موجودہ ترکی مجروحین کی امداد ہے! اور غالباً یہ ظاہر کرنا ہے کہ آپ صاحبان نے کھانے تک میں تکلیف گوارا کر کے سے قوم پر بڑا احسان کیا ہے؟"

"لاحول ولا قوۃ! کسقدر پوچ خیال! آخر کو ہیں توآپ بھی اُن ہی پُرانوں میں، ورنہ ایسا رکیک خیال کبھی آپ کے دل میں پیدا نہ ہوتا! اوّل توآپ یہ سمجھ لیجئے کہ مجھ کو کالج چھوڑے ہوئے سال بھر سے زائد ہو گیا، اور مجھے اُن طلباء میں ہونے کا فخر حاصل نہیں جو اپنے آرام و آسایش کو امداد اور ہمدردی کے جوش میں چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گئے ایسے گروہ پر، اور اس ہمدردی کے جوش پر۔ خود نمائی کا الزام لگاتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آتی.....؟"

"مگر آپ کا یہ دعویٰ کہ پُرانے اولڈ بوائز میں اس ہمدردی کا احساس ہی نہیں، میری رائے میں بالکل لغو ہے! کیا میں آپ کو بتاؤں کہ اس طرح کی امداد کے موقعہ پر پُرانے اولڈ بوائز نے کیا کیا، اور ابتک کیا کر رہے ہیں؟ میرے خیال میں نہ گذشتہ زمانہ میں اس قسم کی ہمدردی کا موقعہ آیا، اور نہ پُرانے اولڈ بوائز کو اس کے اظہار کا موقع ملا! بس یہی وجہ تھی: اب اسوقت اگر آپ کہیں تو میں پُرانے اولڈ بوائز کے نام گنانا شروع کر دوں جو ہمہ تن اسی خیال میں غرق ہیں....."

"معاف کیجئے، میں اُن کو جانتا ہوں، اور میں ہی نہیں، قریب قریب تمام قوم، جانتی ہے۔ بلکہ فرض کر لیجئے کہ بعض ایسے بھی ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا۔ تاہم کبھی آپ نے اِن کی تعداد پر بھی غور کیا۔ کبھی اُس ناقابل لحاظ تعداد کا مقابلہ کُل پُرانے اولڈ بوائز کی تعداد سے بھی کیا؟ اگر نہیں کیا تو ذرا ٹھنڈے دل کے ساتھ اب کیجئے؟ یہ خیال رہے کہ بے لوث قومی محبت کا ذکر ہے۔ ایسے حضرات قابل شمار نہیں ہو سکتے جن کا اصلی مقصد کسی خاص عہدہ پر پہنچنا، کسی خاص چمکتے ہوئے خطاب کا حاصل کرنا، یا کوئی خاص عظیم الشّان نفسانیت ہو، اور محض اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے وہ مجبور ہوں کہ کچھ عرصہ تک قومی کاموں میں سرگرمی ظاہر کریں، جو دراصل اُن کی ذاتی خواہش کے بام کامیابی پر سیڑھی کا کام دے سکے! معاف فرمائیگا، ایسے حضرات کا منتہائے خیال

جو کچھ ہو سکتا ہے، ظاہر ہے! "ایسے بھیڑ کی کھال اوڑھنے والے بھیڑیے" کافی وقت تک قوم کی رہنمائی میں دھوکہ دے چکے، اب قوم کو ان کی ضرورت نہیں اور وہ صاف پہچان لیے جاتے ہیں! وہ زمانہ ہوا ہو گیا، جبکہ نائب تحصیلداری سے لیکر ڈپٹی کلکٹری تک اور منصفی سے لیکر ججی تک ہر عہدہ پر مامور ہونے والا اولڈ بوائے اپنے آپ کو ایوان ترقی کا ایک عالی شان ستون سمجھنے لگتا تھا! اور یہ بھی چاہتا تھا کہ اور سب بھی اُسے ایسا ہی سمجھیں! اب زمانہ صاف دکھا رہا ہے کہ اولڈ بوائز زیادہ تر ہر قومی امداد سے ایسی دیدہ دلیری کے ساتھ پہلو تہی کرتے ہیں، کہ بایدوشاید! میں ایک دفعہ کالج ڈیپوٹیشن میں اور کئی مرتبہ کانفرنس کے لئے مختلف جگہ گشت لگا چکا ہوں۔ مسلم یونیورسٹی کے چندہ کو بھی بہت زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہے، میں آپ کو نام بنام بتا سکتا ہوں کہ کہاں کہاں اور کس کس موقع پر اولڈ بوائز نے کنارہ کشی کی ہے! چندہ دینے کے موقع پر ایک عام عذر تو خرچ کی زیادتی ہے جو ہر اولڈ بوائے کی زبان پر رہتا ہے! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس خرچ کی زیادتی کی وجہ سوائے فیشن ایبل سوٹوں، اور مغربیت کی فضول خرچیوں کے اور کوئی بھی ہو سکتی ہے؟ ذرا تو غور کیجئے، یہ اندھی تقلید ہے یا نہیں! آخر ان فضولیات اور صاحبیت کی کیا ضرورت ہے؟ کیا یہ ترقی کے لیے ناقابل ترک چیزیں ہیں، یا قومیت کی علامت ہیں؟ آخر کچھ تو بتائیے، کہ یہ ہیں کیا؟ اور آپ نے ان کو کیوں اختیار کیا؟ وہ کونسا اصول ہے جسکی وجہ سے آپ اندھی تقلید پر مجبور ہیں؟ کچھ نہیں، محض فیشن، خود نمائی، خود پسندی، نفسانیت، اور تقلید! کیا ان ہی باتوں سے آپ ترقی کریں گے؟ کیا زمانہ نے آپ کو اب تک صحیح راستہ نہیں دکھایا....؟"

"مگر معاف فرمائیگا۔ میں اسوقت تک یہ نہیں سمجھا، کہ آخر آپ کا مطلب کیا ہے؟ کیا آپ علی گڈھ کالج کو دقیانوسی مکتب بنانا چاہتے ہیں، اور طلباء کو مسجد کی ملّا نے؟"

"یہ آپ نے کیا فرمایا؟ آپ کے ان الفاظ سے اور زیادہ ہوا اسکے کہ آپ کی اصلی

طبیعت کا اندازہ ہو گیا اور کچھ نہیں ؛ موجودہ طلبار کے مقابلہ میں آپ حضرات کے خیال کسقدر اوچھے اور سطحی ہیں ! آپ ناراض نہ ہوں - میں پھر کہونگا کہ ان الفاظ سے اور زیادہ میرے دعوے کو ثبوت مل گیا، آپ لوگوں کی طبیعت میں مغربیت سرایت کر گئی ہے ، آپ نہ اپنے خیالات کو تبدیل کر سکتے ہیں اور نہ آپ سے کسی بات کی اُمید کی جاسکتی ہے ! دقیانوسی کتب کو تو چولھے میں ڈال لیے ، میں آپ سے ہی پوچھتا ہوں ، کہ آپ مادی ترقی کو ترقی سمجھتے ہیں یا سطحی نمایش کو ؟ آپ نے شاید سُنا ہوگا کہ بنارس کالج کے کئی پروفیسر جن میں سو ایک ولایت کی تعلیم یافتہ ہیں ، کس طرح رہتے ہیں ، وہاں کے طلبا ، کا رُجحان طبع کس طرف ہے ، اور یہ لایق پروفیسر کسقدر قلیل تنخواہ پر قوم کو فائدہ پہنچا رہے ہیں ؟ کیا کوئی ایسی ہی ایثار نفس کی مثال آپ اپنے کالج میں پیش کر سکتے ہیں ؟ کیا آپ کو حب وطن اور حب قوم اُسی قدر ہے ، جسقدر کہ وہاں کے تعلیمیافتہ حضرات میں ہوتا ہے ؟ معاف فرمائیے گا آپ سیکریفائس (Sacrifice) سے کوسوں دور بھاگتے ہیں ، آپ اپنے تمدن ، اور اپنی تہذیب سے متنفر ہیں ، کیا اسی بوتے پر آپ ترقی کا دعوے کرتے ہیں ؟ آپ خود غور کیجئے ، کہ ترقی کی مستحق وہ قوم ہے یا آپ ؟ مذہب کی پیروی کو آپ لغو سمجھتے ہیں ، پُرانے تمدن کو آپ بیہودہ جانتے ہیں ، ہمدردی اور ایثار نفس کے جوش کو آپ بار بریزم (Barbarism) کا لقب دیتے ہیں ، پُر جوش مسلمان کو آپ فینیٹک (Fanatic) کے نام سے یاد فرماتے ہیں میری سمجھ میں مطلق نہیں آتا کہ آپ کا نقطۂ خیال کیا ہے ! فضول توہمات زیر بحث نہیں حقیقی اسلام کو بھی آپ ایک معمولی چیز - قابل ردّ و بدل چیز ، میز پر کھانے کے وقت مضحکہ اُڑانیکے قابل چیز ، سمجھتے ہیں : پھر آپ برائے نام مسلمان رہکر اسلام کو کیوں بدنام کرتے ہیں ؟ ایسی چیز کو جو ضروریات زمانہ کے لیے ، خصوصاً آپ کی تہذیب یافتہ ضروریات کے لیے ، قطعی موزوں نہیں ، آپ کیوں نہیں چھوڑ دیتے ؟ جنابمن ، اگر آپ نے قومیت ، اور مذہب سے آزاد ہو کر ترقی کی تو وہ ہماری ترقی نہیں کہی جاسکتی ! "

"آپ کی ترقی غالباً وہ ہوگی جبکہ ہم اچھا کھانا چھوڑ دیں، اچھا پہننا چھوڑ دیں، مغربی تعلیم سے کنارہ کرلیں، اور وہی آج سے ایک صدی پہلے کے جہلا کی طرح ہو جائیں! کیوں یہی ہے نا؟ افسوس یہہ ہے کہ آپ کو یہ خیال نہیں رہا کہ یہہ کالج بنانے والے نے کس کے نمونہ پر بنایا تھا اور اس سے اُسکا کیا مقصد تھا؟"

پھر دیکھئے آپ کے جواب سے وہی اوچھاپن اور تقلید کا جوش صاف ٹپکا پڑتا ہے! یہہ آپ نے کہاں سے مطلب نکالا کہ میں تعلیم کے خلاف ہوں! ایک نہ شد دو شد۔ عزیز بھائی میں مسلمان ہوں اور کبھی ہرگز اُس چیز کے خلاف نہیں ہو سکتا جس کو اسلام نے عورت و مرد سب کے لئے فرض بتایا ہو! مذہب اسلام زنّار یا صلیب کا محتاج نہیں! وہ کسی ظاہری چیز سے گھٹ بڑھ نہیں سکتا! نہ وہ کسی لباس کے خلاف ہے! وہ "درویش صفت باش و کلاہ تتری دار" کا حکم دیتا ہے؛ وہ آپ کو ملکی معاملات میں اعلیٰ درجہ کا مُدبّر، قومی معاملات میں سچا ہمدرد، خانگی معاملات میں سلیقہ شعار منتظم، مسجد میں پکّا نمازی، اور میدان جنگ میں پرجوش شہید یا غازی، دیکھنا چاہتا ہے! وہ آپ کے دل کو سچا مسلمان بنانا چاہتا ہے اور یہ ہی وہ بات ہے جس کو آپ ناقابل برداشت چیز سمجھتے ہیں! اس کے ماننے سے غالباً آپ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ کہ جبتک آپ کے خیالات بلکہ مقاصدِ زندگی کے لئے کوئی محدود دائرہ ہے۔ کتنا ہی وسیع سہی لیکن اسکے حدود ہیں۔ اُسوقت تک اُس کے تمام افعال اور اقوال اُس دائرہ کے مرکز سے ہی پیدا ہونگے، اُس میں قوت، اُس میں جرأت، اس میں طاقت سب ہی کچھ ہوگی؛ لیکن جب اسکے خیالات غیر محدود ہوگئے۔ ان کیلئے کوئی مرکز نہیں رہا۔ تو اس کی تمام طاقت اور قوت فوراً جاتی رہی! جب تک آپ سچے مسلمان تھے؛ آپ اسلام کی ٹانگوں پر کھڑے ہوتے تھے اور اُسی کے

بل پر ترقی کی راہ میں قدم زن تھے، لیکن جب آپ نے فی الحقیقت اسلام کو
چھوڑ دیا۔ نہ مسلمان رہے نہ عیسائی رہے نہ ہندو رہے، غرض کچھ بھی نہ رہے
تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کونسی ٹانگوں پر کھڑے ہونگے، کس کے بل پر چلیں گے
اور آپ کا مقصد زندگی کیا قرار پائیگا؟ رہی یہ بات کہ سید علیہ الرحمۃ نے اس
کالج کو کس کے نمونہ پر بنایا تھا، بالکل صاف ہے: آپ ضرور کہیں گے کہ کیمبرج
کے نمونہ پر اور نئی روشنی کے اصولوں پر، میں اسکو تسلیم کرتا ہوں۔ مگر یہ تو
فرمایئے کیا محض عالیشان عمارت بنا لینا، طلباء کو انگریزیت کا شیدا کر دینا ہی
کیمبرج کے راستہ پر چلنا ہے؟ میں کبھی ہرگز انگریزی لباس کو بائیکاٹ کرنا نہیں
چاہتا، البتہ انگریزیت کو۔ یعنی سوٹ پہنکر ایک عجیب شان تبختر و تہمہ دانی پیدا
ہو جانیکو۔ سخت قابل نفرت سمجھتا ہوں انکسار، خلق، ہمدردی، ایثار نفس، غرض
تمام اعلیٰ جذبات پر اس صاحبیت نے چھری پھیر دی ہے! صاحب جس وقت
اپنے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالکر ٹہلتا ہے تو بیچارہ ہندوستانی لباس پہننے والا
نیٹو اسکی نگاہ میں نہایت چھوٹی چیز۔ ناقابل توجہ چیز۔ نظر آتا ہے۔ کیا کیمبرج
اسی کو کہتے ہیں؟ جناب من کیمبرج کی سی قومیت، حب وطن، اور اپنے تمدن پر
جان دینا، اگر ہم میں پیدا ہو جائے تو ہمارے بھلے دن ہی نہ آجائیں! مگر اسکے
کہنے میں مجھے ذرا بھی توقف نہیں کہ جو راہ آج سے دو سال پیشتر تک یہاں کے
طلباء نے اختیار کی تھی وہ کبھی ہرگز ہمارے مقصد اصلی کے دروازہ تک ہمیں
نہیں پہنچا سکتی!"

"وہاں اگر وہ تقلید ایسی ہی ہو جیسی کہ آپ اپنی قوت گویائی سے اُسے ثابت
کرنا چاہتے ہیں"۔

میں ثابت کرنا چاہتا ہوں! واہ! یہ کیوں نہیں فرماتے کہ آپ لوگ اس پر

حامل ہو کر خود اسکی زندہ مثال موجود ہیں"!

"آپ کی نظروں میں ہونگے! میں کبھی ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا کہ کوئی علیگ ایسی لغو اور پوچ صاحبیت کا حامل ہو"

"حالانکہ میں آپ کے سامنے ایک چھوڑ ہزار زندہ مثالیں اسی وقت پیش کرسکتا ہوں! ہاں: اُن صاحب ہی کو لیجئے جن پر اسوقت یہ ذکر چلا تھا۔ آپکو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ جن حضرت نے چندوسی کے پلیٹ فارم پر اس قدر دیر تک گفتگو کی وہ علیگڈھ کے اسٹیشن پر از سرتاپا ایک نئی چیز تھے! وہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن میں جارہے تھے اور میں بھی کالج واپس جارہا تھا اسلئے میں اور وہ ایک ہی ٹرین میں تھے۔ علیگڈھ پہنچتے ہی میں فوراً اپنی گاڑی سے اُترا اور سیدھا ان کے درجہ پر پہنچا۔ محض اس خیال سے کہ انکا اسباب وغیرہ اپنے سامنے گاڑی پر رکھوادوں اور حتی الامکان انکو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دوں۔ یقین کیجئے جو حضرت وہاں اُس گاڑی میں سے نکلے وہ میری نظر میں کبھی ہرگز وہ نہیں تھے جنکو میں نے چندوسی جنکشن پر دیکھا! اب وہ سر کی ہیٹ سے لیکر پانوں کے بوٹ تک صاحب تھے! ایک اعلیٰ درجہ کا فراک سوٹ پہنے ہوئے نہایت بے پروائی کے ساتھ اُترے اور عجیب تحکمانہ انداز کے ساتھ کھڑے ہوگئے! کالج کے طلبا و اولڈ بوائز کو لینے کیلئے آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے کسی سے بات نہیں کی۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ میں نے خود اُن سے پوچھا کہ آپ کا اسباب کہاں جائیگا؟" مگر انھوں نے جواب دینا تو درکنار میری طرف رُخ بھی نہیں کیا! اوّل تو انکا راستہ میں سر سے پیر تک کینچلی اُتار پھینکنا، پھر اس پر یہ شان تکبر۔ ۔ ۔ ۔"

"معاف کیجئے ہر چیز کا بُرا رخ دیکھنا چاہتے ہیں: ہر بات کو نفرت اور اعتراض کے نقطۂ خیال سے جانچ رہے ہیں! ممکن ہے کہ انھوں نے آپ کا سوال نہ سنا ہو!

اس درجہ دکھائی - بلکہ بدتہذیبی - میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی تعلیم یافتہ سے صادر ہو سکتی ہے "!

آپ کے سمجھ میں نہ آیا، نہ آسکتا ہے، نہ آئیگا : لیکن واقعہ ہے امیر حمزہ کی داستان یا گلیورز ٹریول (نہیں ! خیر اس جواب نہ دینے پر تو آپ نے ثقل سماعت کی توجیح کر لی، لیکن آیندہ جو حرکت میں بیان کرنیوالا ہوں - مجھے دیکھنا ہے - کہ اس پر روغنِ تاویل کیونکر ملتے ہیں - اور کیونکر مجھ پر کھن لگانے کی کوشش کرتے ہیں ؟ غالباً اس واقعہ کو تو سرے سے قابل تسلیم ہی نہیں سمجھیں گے اور جہانتک ہو سکے گا نہایت اچھے الفاظ میں مجھے جھوٹا ثابت کرنا چاہیں گے ! لیکن بہ میں آپ سے عرض کئے دیتا ہوں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں بقسم سچ کہہ رہا ہوں - اگر اسپر بھی آپ نے یقین نہ کیا اور مجھے دروغ گو اور لغو سمجھا تو آپ ایک اہم اخلاقی گناہ کے مرتکب ہونگے ! مختصر طور پر یوں سمجھئے کہ اس اسٹیشن والے واقعہ کے دوسرے روز صبح کے ۹ بجے وہ بگی بارک کے کمرے نمبر..... سے - جسمیں وہ ٹھہرے تھے - ایک بیش قیمت سوٹ اڑا سے ہوئے نہایت شان کے ساتھ بچے تلے قدم رکھتے اسٹریچی ہال کیطرف جا رہے تھے ! میں بھی بدقسمتی سے اپنے کمرے سے اسی طرف جا رہا تھا، میں ان سے کچھ قدم آگے بڑھا اور سب سے زیادہ حقارت آمیز بات مجھ میں یہ تھی کہ محض ٹرکی کوٹ پہنے ہوئے تھا - صاحب کو کسی بات کے دریافت کرنے کی ضرورت تھی - ہاں یہ اور سن لیجئے کہ پہلے روز یہ اتفاق کئی دفعہ ہو چکا تھا کہ میں صاحب کے سامنے سے برابر سے نکلا لیکن انھوں نے کبھی بھول کر میری طرف دیکھا بھی نہیں - اسوقت شاید صاحب کو ضرورت تھی لہذا مجھ سے کچھ دریافت کرنا عیب نہ معلوم ہوا - میں چونکہ کچھ قدم آگے تھا اسلئے مجھے اپنی طرف مخاطب کرنیکے لئے انھیں پکارنے کی

ضرورت تھی! اُنکے پکارنے کی شان : انداز - تحکمانہ، لہجہ - تکبر آمیز، آواز - نہایت انگریز : ان چیزوں کو نہ میں بیان کرسکتا ہوں اور نہ - جہانتک میرا خیال ہو - بیان کرنے پر بھی آپ سمجھ سکتے ہیں، لہذا ان کو تو چھوڑیئے، محض وہ الفاظ سنئے جن سے اُنھوں نے مجھے پکارا : ایک ناقابل بیان صاحبیت کے رنگ میں اُنھوں نے "اُرے اُ! - اُو اِ!" فرمایا! میں نے بھی واقعی ترکی کا جواب ترکی میں ہی دیا : سیدھا بغیر پلٹ کر دیکھے ہوئے نہایت بے پروائی کے ساتھ سیٹی بجاتا ہوا چلا آیا! اب آپ ہی بتا دیجئے کہ یہ صاحبیت اور انگریزیت - وہی جسکی میں پوری طرح تعریف کرچکا ہوں - نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ کیا یہ ہی اخوت، برادرانہ محبت، اور ترقی کی علامات ہیں . . . . . !"

آفت سماوی کی طرح سمجھئے، یا بلائے ناگہانی کی طرح کہئے، غرض راوی یہ فقرہ ختم کر ہی چکا تھا کہ ایک چپراسی دوڑتا ہوا اور یہ سُنا کر کہ کمشنر صاحب بلانا شروع کر دیا - تمام گفتگو کو غارت کر گیا! یہاں اور بتا دینا ضروری ہے کہ راقم الحروف اور راوی سے یہ گفتگو کمشنر صاحب کے بنگلے پر بریلی میں آئی تھی جبکہ راقم الحروف اور راوی دونوں ڈبل روٹی کی فکر میں صاحب کمشنر کے سامنے حاضر ہوئے تھے!

اس واقعہ کے جھوٹ کا عذاب، یا سچ کا ثواب - جو کچھ بھی ہو - راوی کی گردن پر ہے! راقم الحروف کی ذاتی رائے یا من گھڑت کو اس میں دخل نہیں! عبارت کا طول یا الفاظ کا تبدّل - اُس حد تک کہ اصل واقعہ میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آئے - قابل معافی ہے! اس واقعہ کی نسبت کوئی رائے زنی کرنے سے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والے حضرات کیلئے چھوڑ دیا جائے - ہاں اسکے اقرار کرنے کے لئے میں بلاحجت تیار ہوں کہ انتظار کا وقت نہایت لطف کے ساتھ کٹ گیا!!

سلطان حیدر

سالانہ جلسہ وڈنر کے حالات

امسال ۲۱ و ۲۲ مارچ سالانہ جلسہ وڈنر کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ تاریخ کے تعین اور جلسہ کے انتظام میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آئیں۔ اوّل تو ایسٹر کی تعطیل قبل سال تمام (یعنی ۳۱ مارچ سے پہلے) پیش آگئی۔ دوسرے مسلم لیگ نے اپنے سالانہ ملتوی شدہ جلسہ کے لئے بھی یہی وقت مقرر کیا تھا۔ انجمن حمایت اسلام کا جلسہ ہمیشہ اس زمانہ میں ہوتا ہے، یونیورسٹی اور خود ہمارے اسکول وکالج کے امتحانات درپیش تھے اور مصیبت تھی کہ ہولی بھی اس زمانہ میں تھی۔ اور ان سب پر طرہ یونیورسٹی کمیٹی کی ضروری میٹنگ ۲۲ مارچ کو ہونے والی تھی۔ ہولی کی وجہ سے ہمارے ہندو اولڈ بوائے بھائی مجبوراً شریک نہ ہو سکتے تھے۔

اولڈ بوائز مہمانوں کے قیام کے انتظام میں بھی دشواری تھی۔ کیونکہ طلبا امتحانوں کی تیاری میں لگے تھے اور اپنے بڑے بھائیوں کی خاطر تواضع مانع ہوتی۔ مصیبت یہ تھی کہ ۲۱ کو اگر ڈنر کرتے تھے تو بوجہ گڈ فرائیڈے، پرنسپل صاحب اور دیگر عیسائی پروفیسران شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر ۲۲ کو رکھتے تھے تو آنریری سکریٹری صاحب، مسٹر محمد علی اور دیگر حضرات شریک نہ ہو سکتے تھے کیونکہ ان کو لکھنؤ جانا تھا۔ مجبوراً ۲۱ ہی کو ڈنر کیا گیا۔ کیونکہ وہ آنریری سکریٹری صاحب کا پہلا ہی ڈنر تھا اور ان کو اشتیاق تھا۔ اسٹریچی ہال ڈنر کے لئے چھوٹا ہی نہ تھا بلکہ امتحان کے لئے اس میں جگہ مقرر تھی اور اس کو تتر بتر کرنا بڑی زحمت تھا۔

باوجود ان دشواریوں کے سالانہ جلسہ اور ڈنر نہایت درجہ کامیاب رہا۔ اس قدر اولڈ بوائز پہلے کسی ڈنر میں شریک نہیں ہوئے تھے، یہ سب دشواریاں

نہوتیں تو قریباً ۵۰ اولڈ بوائز جمع ہوتے۔ چونکہ بورڈنگ ہاؤس میں قیام کا خیال ملتوی کر دیا گیا تھا اس لیے اسکول میں انتظام کیا گیا تھا اور اس کے گرد نہایت خوبصورت کیمپ تیار کیا گیا تھا۔ مسٹر پروس صاحب ہیڈ ماسٹر نے ہر طرح کی مدد فرمائی۔ کمروں میں باقاعدہ پلنگ اور دیگر سامان درست کر دیا گیا تھا، ایک بڑا کمرہ تصویروں، قالینوں اور گملوں سے خوبصورت دلہن بنا کر بیٹھنے کے لیے آراستہ کر دیا تھا جہاں فرصت کے وقت مجمع رہتا تھا۔ ایک بڑا شاندار شامیانہ جو ہمارے ایک معزز بڑے بھائی یعنی مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی صاحب نے بھیجا تھا کھانے کے لئے آراستہ کیا گیا تھا۔ مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب بوجہ ٹرسٹی ہونے کے ابتک تو ہمارے مخدوم و مکرم تھے مگر اب اُن کا درجہ ترقی کر کے "برادر معظم" کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہے۔ اگر ہم سے چھوٹے بھائی اور اُن سے بڑے بھائی زندہ رہے تو انشاءاللہ! ہماری ایسوسی ایشن مالامال ہو جائیگی۔ سب پرانا برسوں کا بقایا وصول کرنا ہے۔ کھانے کے خیمہ کے گرد عمدہ اور خوبصورت ڈیرے سلیقہ کے ساتھ لگے تھے جو مسٹر عام مصطفٰے خاں اور نواب احمد سعید خانصاحب اولڈ بوائز نے بھیجے تھے۔ نواب فضل اللہ خانصاحب کے ڈیرے تو گویا ہم سب کے لئے وقف تھے۔ کیمپ میں فقط چار اور ناشتہ وغیرہ کا انتظام تھا اور واقعی خوب انتظام تھا۔ اس بات کا سب کو یقین ہو گیا تھا کہ حشمت اور سرفراز دونوں ڈنر کا انتظام کر رہے ہیں اور کچھ ہو یا نہو مگر ٹھاٹھ ضرور ہوگا۔ واقعی ٹھاٹھ بڑے زور کا تھا۔ دس ہوشیار خدمتگار خاص طور پر رکھ لئے گئے تھے جو علاوہ صاف کپڑوں کے "کالج کلر" کی سبز، سرخ اور سفید پٹیاں کمر اور پگڑی پر لگائے تھے۔ ہر انتظام نہایت خوش سلیقگی سے کیا گیا تھا، کیمپ کی سجاوٹ اور انتظام کا کام مسٹر قایم حسین کے سپرد تھا۔ انھوں نے اس فراخدلی سے کام کیا

تھا کہ اگر اولڈ بوائز کی ایک فوج باہر سے آجاتی تو اس کا انتظام ہو جاتا۔ چاء و ناشتہ کا انتظام مسٹر خواجہ باقر حسین صاحب کے ذمہ تھا؛ جو آجکل ڈائننگ ہال کے سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ انڈوں کے ڈھیر تھے اور ڈیری کے مکھن کی تو کچھ پوچھو ہی نہیں۔ ہمارے چھوٹے بھائی مسٹر خیرات علی کے سپرد مہمانوں کی خاطر و مدارات تھی۔ ''اسپانڈ ڈاگ سگار'' اور ''کالج کے معرکہ کے سگرٹ'' پلانے میں وہ بڑے دلیر تھے۔ رات ہو یا دن کوئی وقت ہو خیرات علی کا نام لیا کہ وہ حضرت مع سگار و سگرٹ موجود تھے۔ دل سے اسکے لئے دعا نکلتی ہے۔ جب تک علیگڈھ سے مسٹر خیرات علی جیسے محنتی منتظم اور خوش سلیقہ نوجوان تیار ہوتے رہنگے دنیا اور حاسدین ہمارا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔ کھانا ڈائننگ ہال میں ہوتا تھا۔ کیمپ کی روشنی کے لئے چھ گیس لیمپ لگے تھے جس سے چاندنی رات کا لطف دوبالا ہو گیا تھا۔ مسٹر قایم حسین کو افسوس ہی رہا کہ کمرے خالی رہے۔

اولڈ بوائز ڈنر کا انتظام کریکٹ لان پر کیا گیا تھا۔ وہاں کا سماں مشکل سے کاغذ پر ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ مسٹر عبدالصادق خاں مسٹر ضیاء الحسن علوی اور دیگر طلباء کی کوشش سے سارا لان ایک گلدستہ بنا تھا۔ کالج کے تمام پام اور گملے وہاں موجود تھے۔ چاروں طرف سیکڑوں خوبصورت کاغذی چینی قندیلیں لطف کو اور دوبالا کر رہی تھیں اور ان سب سے بڑھ کر خدا کا بنایا ہوا آسمان والا لیمپ اپنی روشنی سے عجیب خوبصورتی پیدا کرتا تھا۔ خوبصورت پام اور گملوں سے لان کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے تھے۔ ایک طرف تیرہ سو مہمانوں کے لئے کھانے کی میزیں لگی تھیں، ہر میز کی سفید چادر پر خوبصورت سبز سرخ اور سفید رنگی ہوئی مٹی سے کالج کا کلر بنا ہوا تھا۔ بڑی میز پر کالج کے سب جیتے ہوئے کپ اور شیلڈ وغیرہ تھے جو رات کو رنگین کپڑے پر بڑی خوبصورتی سے چمک رہی تھیں۔ تقریباً

بچاس نوکر کالج کا کلہ لگائے ہوئے کھانے کے انتظام میں سرگرم تھے۔ دوسرے حصّہ میں سبز گھانس پر خوبصورت قالینوں کا فرش تھا۔ اُس پر آرام کرسیاں سوفے، پام اور گملے لگا کر ایک خوبصورت اور وسیع ڈرائنگ روم تیار کردیا گیا تھا جہاں کھانے سے قبل اولڈ بوائز اور اُن کے مہمان آرام اور ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تھے۔ واقعی "ٹھاٹھ" تھا مگر خوش سلیقگی اور نفاست مذاق کے ساتھ۔ کوئی چیز آنکھ اور دل کو بُری لگنے والی نہ تھی۔

ڈنر کا حال ہم بعد کو مناسب وقت پر دیں گے۔ یہاں مہمانوں کا ذکر مناسب خیال کرتے ہیں۔ ۲۰ کی صبح کو سب سے اوّل جو مہمان آیا وہ مسٹر سید علی حسن بلگرامی تھے جو چار دن کا سفر کرکے پربھنی علاقہ حیدرآباد دکن سے آئے تھے۔ سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بہت سے پُرانے دوستوں نے دل بھر کر گلے لگایا اور گانے کی فرمایش کی جو پوری ہوئی۔ اس کے بعد تو آموں کی طرح ٹپکنا شروع ہوگئے۔ ۲۰ کی رات اور ۲۱ کی صبح کو تو بھرمار تھی۔ پنجاب سے مسٹر احسان الحق کا آنا ایک ضروری امر تھا۔ اُن کے ساتھ مسٹر سکندر حیات خان مسٹر آغا صفدر خاں (وہ) اور مسٹر شفیع بھی موجود تھے۔ مسٹر سعید محمد خاں حسب معمول مع روالور اور اردلی کے آئے تھے۔ میرٹھ کی کیمپ کا خدا بھلا کرے کبھی ناغہ نہیں ہوتا، اُن کا نمبر سب سے اوّل ہے۔ مسٹر عبدالوہاب زبیری "گاؤ بچی کھٹاؤ" اس کمپنی کے مینجر تھے۔ اور واقعی بڑی شان کی کمپنی تھی۔ آنریبل خواجہ غلام الثقلین مسٹر محمد اسمٰعیل خاں، مسٹر اسلام احمد خاں، مسٹر سید حامد علی، مسٹر آصف الزماں، مسٹر سلام الدین، مسٹر عابد حسین (کنور صاحب) مسٹر حامد حسین (کیٹ) مسٹر عبدالحمید (ڈھینڈس)، مسٹر علاء الدین (شب چراغ) جن کی گہر افشانی نے ساری مجلس کا ناطقہ بند کردیا تھا۔ اور سب سے آخر مگر سب سے بالا "بدنصیب" مسٹر مسعود حسین

کمبوہ (ڈنامی) تھے۔ اگر کسی ڈنر میں ڈنامی نہ ہو تو گویا وہ ڈنر ادھورا ہوگا۔ پیدا نے
آنے والوں میں مراد آباد اب کی غیر حاضر تھا۔ صرف مسٹر مصطفےٰ احسین رضوی
آئے تھے اور اُن کا نہ آنا غیر ممکن تھا۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ مراد آباد
والے اب بڑے لوگ ہوگئے ہیں۔ کوئی "آنریبل" ہے اور کوئی "اُردو ٹرسٹی" مسٹر
رضا علی اور مسٹر محمد یعقوب قابل سزا تھے مگر نہیں مسٹر یعقوب "قوم" ایک خاص تقریب
کی وجہ سے قابل معافی ہیں۔ مسٹر محمد احمد انصاری نے جو وجوہات مراد آباد سے
نہ آنے والوں کے لکھے ہیں اور جو محبت کا بھرا ہوا خط اُنھوں نے معذرت میں
لکھا ہے وہ ناظرین اگلے پرچہ میں پڑھیں گے۔ اگر وہ وعدہ کریں کہ ہمیشہ
ایسا ہی معذرت کا خط اُردو میں لکھیں گے تو ہم اُن کی غیر حاضری آیندہ سال
کے لئے بھی معاف کر دینگے۔ رامپور سے صرف مسٹر خورشید علی اور مسٹر فصیح اللہ خاں
آئے تھے۔ بدایوں سے صرف ایک بہت پُرانے اولڈ بوائے مسٹر وہاب الدین صاحب
تشریف لائے۔ دہلی سے مسٹر محمد علی، مسٹر آر ایم غلام حسین، مسٹر ذکر الرحمٰن اور مسٹر
عبد الحمید خاں آئے۔ علیگڈھ کا پورہ مجمع تھا۔ ٹونک سے مسٹر محمد عمر اور مسٹر عبد السلام
آئے اور عبد السلام اپنے ہمراہ ایک "بارہ بجے شب والی" نظم بھی لائے تھے۔
مسٹر محمد مثنیٰ جالون سے، مسٹر محمد وجیہہ رڑکی سے، مسٹر عبد الوحید خاں و مسٹر عبد الغفار
خاں پٹیالہ سے آئے۔ غرض بڑا مجمع تھا۔ افسوس بوجہ مجبوری مسٹر سید راس مسعود
مسٹر سید علی حسن اور مسٹر ظفر عمر اور اور بہت سے اولڈ بوائز نہ آسکے۔

۱۲ کی صبح کو اوّل اجلاس یونین کے حامد ہال میں ہوا۔ تمام موجودہ اولڈ بوائز
نے کالج کے مانوگرام والے کاغذ پر دستخط کئے تاکہ "وزیٹرس بک" میں چسپاں
کئے جاسکنے اور ہمیشہ کے لئے ایک دلچسپ یادگار رہے۔ مسٹر احسان الحق کی
کی تحریک اور مسٹر عامر مصطفےٰ خاں کی تائید اور جملہ حاضرین کے اتفاق رائے سے

آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب جلسہ کے پریسیڈنٹ منتخب ہوئے مسٹر شوکت علی آنریری سکرٹری نے صدر جلسہ کی اجازت سے سالانہ رپورٹ پڑھکر سنائی۔ اور ممبر صاحبان سے درخواست کی کہ وہ اس پر تنقید فرمائیں اور ایسوسی ایشن کی ترقی کی نسبت مناسب ہدایتیں فرمائیں۔ مسٹر سید سجاد حیدر نے اعتراض کیا کہ آیندہ ایسوسی ایشن کے کاغذات ہرگز لیتھوگراف میں نہ چھپیں بلکہ ٹائپ میں چھپا کریں۔ مسٹر شیخ عبداللہ صاحب نے مسٹر شوکت علی آنریری سکرٹری کے خدمات کا اعتراف کیا اور یہہ کہا کہ ان کے علیگڈھ آجانے سے اولڈ بوائز کی محبت اور اتفاق میں بڑا اضافہ ہوا ہے اور آیندہ کے لئے پارٹیاں نیست و نابود ہوجائیں گی اور کالج کے عمارات اور ڈائننگ ہال کے ٹھیکوں کی نسبت فرمایا کہ یہہ مسئلہ غور طلب ہے اور اولڈ بوائز کو مناپلی نہ ملنا چاہیئے۔ آنریری سکرٹری نے تفصیل کردی کہ ایسوسی ایشن کا مقصد روپیہ کمانا نہ تھا بلکہ کالج اور اولڈ بوائز کی بہبودی مدنظر تھی۔ وہ جو کام کرینگے اور ٹھیکہ داروں سے انشاءاللہ ارزاں نرخ سے کریں گے۔

مسٹر محمد مثنےٰ صاحب نے تغلب ۱۹۱۱ء کے متعلق سوال کیا۔ مسٹر سرفراز خاں جائنٹ سکرٹری نے مفصل حال بیان کیا اور یہ بھی کہ اب ایسا طریقہ عمل میں لایا جاتا ہے جس سے غبن ناممکن ہے۔ پہلے روزانہ حساب نہ تھا، اب باقاعدہ دفتر رجسٹرار اور ایسوسی ایشن سے روزانہ حساب کا سلسلہ جاری ہے۔ مسٹر محمد مثنےٰ نے ٹکٹ وغیرہ کی خریداوران کے حساب کی بابت دریافت کیا، جائنٹ سکرٹری صاحب نے موجودہ دستور العمل بتایا۔ مسٹر تصدق احمد خاں نے اعتراض کیا کہ اگرچک پر یہ الفاظ اور رہنا سے لکھے جاتے تھے تو رجسٹرار صاحب کالج نے کیوں اس غلطی کی گرفت نہ کی۔ مسٹر شیخ عبداللہ صاحب نے اس زمانہ کا طریقہ چک کے اجرا ہونیکا

بیان فرمایا اور وہ بھی جواب برتا جاتا ہے۔ رجسٹرار کالج اسوقت کچھ نہیں کرسکتا تھا
خان بہادر عبدالحمید خاں صاحب نے فرمایا کہ سکرٹری صاحب کی تجویزوں
کے متعلق سب کمیٹیاں قایم کی جائیں۔
مسٹر مسعود حسین صاحب نے سوال کیا کہ تغلب کے بعد آڈٹ کیا گیا تھا یا نہیں
اور اگر کیا گیا تھا تو کس نے کیا تھا؟ شیخ عبداللہ صاحب نے جواب دیا کہ انھوں نے
آڈٹ کیا تھا۔ مسٹر محمد علی نے سوال کیا کہ آیندہ آڈٹ کا انتظام کیا گیا ہے یا نہیں؟
مسٹر شوکت علی نے جواب دیا کہ نئے قواعد کی رو سے ہر سال کیا جائیگا۔ جو غبن
۱۹۱۱ء میں ہوا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ دفتر کا کوئی دستور العمل نہیں تھا اور نہ کوئی
دفتر تھا۔ اب غبن ناممکن ہے۔ آیندہ حساب کا آڈٹ اولڈ بوائز آڈیٹر کیا کرینگے۔
آخر میں آنریبل مسٹر غلام الثقلین صاحب صدر جلسہ نے سب ممبران موجودہ کی
طرف سے آنریری سکرٹری اور جائنٹ سکرٹری کے خدمات کا اعتراف کر کے
شکریہ ادا کیا۔ آمدنی کے اضافہ، ممبروں کی تعداد میں ترقی اور جدید مفید شعبوں
کے قایم ہونے کی تعریف فرمائی۔ پراویڈنٹ فنڈ اور متوفی اولڈ بوائز کی اولاد
کی تعلیم کا مسئلہ خاص توجہ کے قابل تھا۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک بڑی تعداد وی پی کی
واپس آتی ہے جس میں فضول ممبروں اور ایسوسی ایشن کا روپیہ صرف ہوتا ہے۔
ہماری تھوڑی توجہ سے اس فضول خرچ اور تضیع اوقات میں کمی آجائیگی۔ اولڈ بوائز
کے بچوں کی نگرانی سے جو ہمارے اسکول میں پڑھتے ہیں ایسوسی ایشن کی ہردلعزیزی
بہت بڑھ جائے گی۔ کالج کے سالانہ بجٹ میں کمی کا ذکر فرمایا اور کہا کہ ہم اولڈ بوائز
کو اب کمر ہمت باندھ لینا چاہیئے اور کالج کو اپنی شان اور اس کی ضروریات
مطابق مدد کرنا چاہیئے۔ آخر میں فرمایا کہ مسٹر شوکت علی کو واقعی جو سچی محبت
اولڈ بوائز اور اولڈ بوائز ایسوسی ایشن سے ہے اور جو خدمتیں وہ اسکی کرتے

رہے ہیں اس کو دیکھ کر اُن کو ہمیشہ اُن پر رشک آتا ہے۔

مسٹر سجاد حیدر پانچ سال کے لئے اور مسٹر محمد فایق ایک سال کے لئے منتخب الیوسی ایشن ٹرسٹی مقرر ہوئے۔ دونوں صاحبوں کو مبارکباد دی گئی۔ اُمید ہے کہ کالج کو اُن کے خدمات سے بہت فائدہ ہوگا۔

تیسرے پہر کے اجلاس میں حسب ذیل انتخابات ہوئے۔

۱۔ مسٹر سرفراز خاں۔ جائنٹ سکریٹری۔ ۳ سال کے لئے
۲۔ مسٹر سلطان بھائی لعلجی۔ پراونشل سکریٹری صوبہ بمبئی۔ " " "
۳۔ مسٹر صغیر علی صاحب بی اے۔ پراونشل سکریٹری سنٹرل انڈیا۔ " " "
۴۔ کپتان عظمت اللہ صاحب پراونشل سکریٹری حیدرآباد دکن۔ " " "
۵۔ مسٹر سعید محمد خاں۔ ممبر سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی۔ " " "
۶۔ خان بہادر عبدالحمید خاں صاحب " " " "

ممبری کمیٹی کیلئے مسٹر سجاد حیدر کا نام انتخاب کی غرض سے دوبارہ پیش ہوا تھا مگر اُنھوں نے اس کو واپس لے لیا۔ یہ سب اولڈ بوائز قابل ترین ممبروں میں سے ہیں اور انشاء اللہ! یہ الیوسی ایشن کی بڑی خدمت کریں گے۔

آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب نے تحریک کی کہ یہ جلسہ مندرجۂ ذیل بھائیوں کی وفات حسرت آیات پر اظہار افسوس کرتا ہے اور اُن کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے:۔

سید ظہور حسنین صاحب مرحوم انسپکٹر پولیس مراد آباد۔ سید محمد حسین صاحب رضوی مرحوم اجمیر۔ مسٹر امیر احمد بی اے مرحوم شاہجہانپور۔ مسٹر محمد قاسم لطیف مرحوم برادر مسٹر محمد ہاشم بی اے بدایوں۔ مسٹر آل نبی نقوی بی اے ڈپٹی کلکٹر کانپور۔ مسٹر سید نورالدین بی اے مرحوم برادر مسٹر زین الدین صاحب مسٹر شیخ الٰہی بخش صاحب

مرحوم وکیل میکھانہ ضلع جھنگ۔
اور سکریٹری صاحب کو ہدایت فرمائی کہ وہ پس ماندگان کو پیغام تعزیت بھیجیں اور اُن سے دریافت کریں کہ آیا اُن کو کسی قسم کی امداد کی ضرورت ہے یا نہیں۔

مسٹر محمد اسمٰعیل خاں لودی کی تجویز کہ ایسوسی ایشن بیکار اولڈ بوائز کو باکار بنانے کے لئے ایک امپلائمنٹ ایجنسی کھولی، بالاتفاق منظور ہوئی۔

مسٹر محمد اسمٰعیل خاں لودی کی دوسری مفید تجویز بھی منظور ہوئی جسکی رُو سے جس ضلع یا مقام میں ۷ اولڈ بوائز ہوں وہاں ایسوسی ایشن کی ایک شاخ قایم کیجائے اور اولڈ بائز باری باری ہر مہینہ ایک دوسرے کے مکان پر مل کر اجلاس کیا کریں۔

مسٹر طفیل احمد صاحب کی تحریک امتیازی نشان کی نسبت بڑے مباحثہ کے بعد اس ترمیم کے ساتھ پاس ہوئی کہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن ایک کم قیمت انگوٹھی یا بٹن یا تمغہ تیار کرے جس پر کالج کا نشان ہو۔ اور یہ چیزیں ممبران ایسوسی ایشن کے ہاتھ فروخت کیجائیں۔

مسٹر شوکت علی اور مسٹر سرفراز خاں کی تحریک پر کہ علاوہ پندرہ ہزار کی منظور شدہ رقم کے، دس ہزار روپیہ کی اور منظوری، بشرط گنجایش فنڈ، اولد بوائز لاج کیلئے دیجائے، بہت دلچسپ مباحثہ ہوا۔ بالآخر یہ تحریک پاس ہوئی مگر اس شرط کے ساتھ کہ علاوہ معمولی اخراجات کے ادا کرنے کے، وہ وظایف وغیرہ بھی دیئے جائیں جو گذشتہ سالوں میں منظور ہو چکے ہیں۔ مگر دیئے نہیں گئے ہیں۔

خان بہادر عبدالحمید خاں صاحب کی تحریک کہ سر تھیوڈور مارلین کو ایسوسی ایشن کیطرف سے علیگڈھ میں مدعو کیا جائے اور اڈریس پیش ہو، بالاتفاق منظور ہوئی۔

۲۲ کے اجلاس میں مسٹر شوکت علی کی پرانی تحریک جس کی رو سے سکریٹری یا جائنٹ سکریٹری دونوں میں سے ایک کا قیام بوقت ضرورت صدر مقام علیگڈھ سے باہر جائز ہوسکتا تھا بالآخر پاس ہوئی۔

بہت سے ممبر جو پہلے اس کے مخالف تھے اور اس کو غیر مفید سمجھتے تھے انھوں نے بھی اس کے موافق رائے دی۔ مسٹر شوکت علی نے نہایت جوش بھرے الفاظ میں یہ کہا کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اپنی ایسوسی ایشن کی آزادی یا اس کے مرتبہ میں کمی دیکھنا قبول کرے گا۔

اولڈ بوائز جو کالج و اسکول اسٹاف میں کام کرتے تھے ضرور قابل تھے مگر قانوناً ایسوسی ایشن کے افسر مقرر نہیں ہوسکتے تھے، اور یہ قید کچھ زمانہ تک کے لئے نہایت ضروری تھی۔ اس لئے اگر خدانخواستہ ہم میں سے ۲ یا ۴ اولڈ بوائز کبھی مجبوری کی وجہ سے ہٹ گئے تو قانوناً ہم پابند تھے کہ چاہے کوئی اور مقامی اولڈ بوائے اس کام کے قابل ہو یا نہ ہو مجبوراً اس کے ہاتھوں میں اپنی ایسوسی ایشن کا کام دیدیں۔ اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ ہم صدر مقام میں علاوہ ایک افسر کے چند تنخواہ دار مددگار رکھ لیں اور اس سے کام لیں، مگر ایسوسی ایشن کی پالسی، اس کی آزادی، اسکے اصول انتظام اُن ہاتھوں میں ہوں جن پر اولڈ بوائز کا کامل اعتماد ہو اور جو اولڈ بوائز کے سوا کسی دوسرے اثر سے متاثر نہ ہوسکیں، سکریٹری یا جائنٹ سکریٹری میں سے ایک کا باہر رہنا جائز ہوگا نہ کہ فرض۔

مسٹر عبد الحکیم کی تجویز کہ کالج میں والنٹیری سسٹم کام کرنے کا جاری کیا جائے، بعد بڑی ردوقدح کے یوں ترمیم ہوکر پاس ہوئی کہ ایسوسی ایشن کی رائے سے کالج میں والنٹیری سسٹم جاری کیا جائے تاکہ کام میں آسانی ہو کام کرنے والوں کا دائرہ وسیع ہو اور جو اولڈ بوائے اپنی خدمات معرفت سنٹرل اسٹینڈنگ

کمیٹی پیش کریں، کمیٹی بعد غور و منظوری کے جناب آنریری سکرٹری صاحب کالج کیخدمت میں سفارش کرے کہ اُن کو بپابندی قواعد مجریہ دفتر اجازت کام کرنے کی دی جائے۔

۲۲ کے اجلاس میں چونکہ آنریبل مسٹر غلام ثقلین صاحب لکھنؤ تشریف لیگئے تھے اس لئے بالاتفاق رائے مسٹر احسان الحق صاحب بی اے بیرسٹرایٹ لا صدر جلسہ منتخب ہوئے۔ اور آخر تک وہی صدر رہے۔ ترمیم قواعد جو سب کمیٹی کی تجویز سے ہوئی تھی اس اجلاس میں پیش ہوئی۔ اور بعد کافی غور و مباحثہ اور ضروری ترمیمات کے وہ قواعد پاس ہوئے۔ ان سے کام میں بہت آسانی ہوجائے گی اور آیندہ کے لئے غلط فہمی کا اندیشہ نہ رہے گا۔ پورے سات گھنٹے کی متواتر کوشش کا نتیجہ یہ قواعد ہیں اور صدر جلسہ مسٹر احسان الحق صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے نہایت خوش اسلوبی سے تمام مشکل مراحل کو وقت معینہ کے اندر طے کر دیا۔ اُن کی آخری تقریر نہایت قابل قدر تھی جسے ہم بجنسہ یہاں درج کرتے ہیں :-

اب جبکہ وہ تمام ضروری اور اہم کارروائی ختم ہو چکی ہے جسکے لئے ہم ہندوستان کے مختلف حصوں سے آکر یہاں جمع ہوئے ہیں میں اجازت چاہتا ہوں کہ جملہ ممبران اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کیطرف سے اپنے محترم دوست اور برادر مسٹر شوکت علی خاں آنریری سکرٹری کو انکی ان تمام کامیابیوں اور ترقیوں پر جو پچھلے سال انکے دوران عہدہ داری میں ظہور میں آئیں صدق دل سے مبارکباد دوں۔ میرے دوسرے دوست اور بھائی مسٹر سرفراز خاں بھی ویسے ہی شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں جنھوں نے آنریری سکرٹری کے عدم موجودگی میں تمام خدمات کو بوجہ احسن انجام دیا۔ تاہم اس توصیف و تعریف کے ساتھ ساتھ

مجھے ایک شکایت پیش کرنا ہے موجودہ طلبائے کالج ایک مدت سے شاکی ہیں کہ اولڈ بوائز ان سے ربط وضبط نہیں رکھتے اور جیسا کہ چاہئے ان سے نہیں ملتے یہ شکایت بالکل درست اور بجا ہے مگر اسکے لئے قابل الزام آنریری سکرٹری ہیں۔ ہمارے لئے اتنے مشاغل ترتیب دے دیئے جاتے ہیں کہ موجودہ طلبار سے ملنا اور آپس کے خیالات کا تبادلہ بالکل ناممکن ہوجاتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس میٹنگ کے اوقات بڑھا دئے جائیں اور مشاغل جسقدر کم ہوسکیں کم کردئے جائیں۔

برادران۔ ہم نے چند نہایت ضروری اور اہم امور اس میٹنگ میں طے کئے ہیں اور یہ بات آپ سب کے لئے مایۂ فخر وناز ہے کہ باوجود اختلاف رائے وتنشاد خیالات کے سب معاملات کو نہایت دلپسندی اور دوستودگی سے طے کیا ہے۔ اگر آپ میرے جیسے ناقابل نئے ممبر کی جسارت کو معاف فرمائیں تو میں کہونگا کہ ہم میں سے کثیر التعداد لوگوں کو اپنے اپنے حلقہ اثر میں کشاکش زندگی درپیش رہتی ہے اور جب ہم علیگڈھ آتے ہیں تو دوستوں سے ملنا اور پرانی ملاقاتوں کو تازہ کرنا مقصد ہوتا ہی ہیں اگر ہم دنیا کے جھگڑوں سے علحدہ ہوکر آرام پاتے ہیں۔ اگر ہم یہاں بھی وہ تناقض اور فساد اپنے ہمراہ لائیں تو اس ملاقات کا اصلی مقصد فوت ہوجائیگا۔

یہ امر نہایت دلخوش کن ہے کہ اس دفعہ بمقابلہ سالہائے گذشتہ کے معاملات بالکل دوسرے رنگ میں فیصلہ ہوتے ہیں۔ ایسی انجمنوں میں جسمیں تعلیم یافتہ یا تہذیب اور تجربہ کار اصحاب شامل ہیں۔ اہم مشاغل پر اختلاف رائے بالکل ناگزیر ہے مگر اسکی کوئی وجہ نہیں کہ کیوں ایک گروہ دوسرے گروہ کی نیت کو ارادہائے فاسدہ پر محمول کرے۔ ہم سب کالج کے بہی خواہ ہیں اور

ہماری انجمن اور اسکے ہر فرد کو اختیارات حاصل ہیں کہ اپنے یقین پر قایم رہے
تاوقتیکہ معاملات اس داد وستد کے اصول پر نہ چلیں گے۔ پریشانی اور بدنظمی
بدیہی طور پر لازمی ہے۔ ہم یہاں قانون کی باریکیاں بیان کرنے معاملات
پرسٹلنن یونین کلب کے اصولوں کے موافق بحث کرنے نہیں آتے۔ ہماری
مجلسیں میرے خیال ناقص میں پنچایت کے اصولوں پر قرار پانی چاہئیں۔
برادران۔ ان مباحث کے وقت میں نے شاید مجبوراً بہت سی تقریروں کو
دوران بیان میں ہی اختصار مد نظر رکھنے کے لئے کہا ہے۔ میں ان مقرروں سے
پوری ہمدردی رکھتا ہوں کیونکہ میں ذاتی تجربہ سے جانتا ہوں کہ اگر ایک مقرر
اپنے دل آویز تقریر کے رو کو روکنے پر مجبور کر دیا جائے تو یہ امر کسی قدر
تکلیف دہ ہوتا ہے مجھے امید ہے کہ میرے برادران میرے اس خودمختارانہ
استعمال اختیارات کو معاف فرمائیں گے۔ یہاں سوائے لحاظ عمر کے اور کوئی
چیز رتبہ یا منصب کسی کو دوسرے پر تفوق نہیں دیتی اسلئے مجھے اُمید ہے
کہ ان برادروں نے میرے فیصلوں کو اسی نظر سے دیکھا ہوگا جیسے برادر
خورد کو بزرگوں کے فیصلوں کو دیکھنا چاہئے۔
برادران ہمیں بہت سی ہمت درکار ہے تاکہ اس کام کو پروان چڑھائیں
جو ہمارے نامور رہنما نے شروع کیا تھا۔ ہم اس برادری میں جولاثانی اور مضبوط
رشتوں سے بندھی ہوئی ہے اور ابد تک رہیگی۔ ہمارا عزیز قدیم کالج ایک
مقدس امانت ہمارے پاس ہے اور ہم سے کسی اور مجلس انجمن یا ذات سے
زیادہ حقوق کا طالب ہے ہم فخر و ناز سے کہتے ہیں کہ ابتک ہم نے اپنے آپکو
مادر کالج کا وفادار اور قابل اعتبار بچہ ثابت کیا ہے اور مجھے یقین کامل ہے
کہ جب کبھی کسی نازک وقت میں کالج ہماری مدد کا حاجتمند ہوگا تو ہم شانہ بشانہ

کھڑے ہو کر اسکے بہی خواہی اور عاقبت پسندی کا ثبوت دینگے ۔

برادران بہت تھوڑے سے گھنٹے ہماری خوشی اور دلچسپی کے لئے باقی رہ گئے ہیں پھر جُدائی اور مفارقت ہو گی ۔ خدا کرے کہ ہم خوش خوش جدا ہوں اور اسی طرح ہشاش بشاش پھر سال آیندہ ملاقات کریں ۔ خدا حافظ

اس تقریر کے بعد جلسہ کا رنگ بالکل دوسرا تھا ۔ سب کے دل میں اپنی ایسوسی ایشن اور کالج کی محبت بھری تھی ۔ مسٹر شوکت علی نے سب کی طرف سے صدر جلسہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے چند ایسے الفاظ کہے جن سے وہ خود اور تمام اولڈ بوائز موثر ہوئے اور اکثر لوگوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ۔ اسکے بعد سب کے سب بسرکردگی مسٹر احسان الحق اسکول کے لونڈوں کی طرح چیختے چلاتے ، غل مچاتے جہل مرکب جلسہ کے لئے چلے ، جس کے سب منتظر تھے ۔ واقعی علیگڈھ کے اولڈ بوائز ایک طرفہ معجون ہیں ۔ وہ لوگ جو ابھی بھاری بھرکم سنجیدہ متین اور ثقہ بنے ہوئے تھے ، مباحثوں میں اعلیٰ قابلیت دکھارہے تھے ، آن واحد میں اسکول کے لڑکے ہو گئے ۔ اور صرف احسان کے لفظ جہل مرکب کہنے پر ۔ مسٹر ابوالحسن سکرٹری اسٹاف کلب نے سب کو دعوت دی تھی جہل مرکب اُن کے کلب یعنی آرنلڈ ہاؤس میں ہو ۔ یہہ غول بیابانی جس میں قدم قدم پر اضافہ ہو جاتا تھا جب کلب میں پہونچا تو قطعی مجمع ناجائز ہو گیا تھا ۔ مسٹر محمد وجیہہ جیسے سفید ریش قرون اولے کے اولڈ بوائے اور اُن کے صاحبزادے مسٹر نذیر دونوں موجود تھے ۔ ہمارے صحت مذاق کا اس سے ثبوت ملتا ہے کہ تین گھنٹے تک برابر جلسہ رہا اور سب کا ہنستے ہنستے بُرا حال ہو گیا مگر باپ بیٹے بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی سب موجود تھے اور سب کو لطف آیا ۔ مسعود ٹامی تنہا کافی تھا ۔ ایک نظم جسکو قیود علم عروض سے کچھ علاقہ نہ تھا گذشتہ شب کے ڈنر کی تعریف میں فوراً لکھ کر

سنا دی۔ اس نظم کا لطف کچھ انھیں کو آئیگا جو ڈنر پر موجود تھے۔ میر علی حسن بلگرامی، مسٹر احسان الحق، مسٹر ایچ ایم حیات، مسٹر تصدق احمد خاں شروانی (جو اس سال کیمبرج سے واپس آئے ہیں) اور سب کے پیارے ڈاکٹر سیف الدین کچلو ویسے ہی دُبلے پتلے مگر جرمن یونیورسٹی کے پورے ڈاکٹر علم موسیقی کے ماہر دن بیا تھے۔ موجودہ طلبا رمیں سے مسٹر آغا مرزا نے اپنا حق بہت خوبی سے ادا کیا۔ سنا گیا ہے کہ بعض اوقات مسٹر محبوب عالم، مسٹر سرور خاں اور مسٹر ضیاء اللہ محمود بھی اپنی آواز اُن کی آواز میں ملانا چاہتے تھے مگر حاضرین نے اس کی نسبت بہت زیادہ اصرار نہیں کیا اور نہایت خوشی کی بات تھی کہ وہ بھی تکلیف کی وجہ سے خاموش ہوگئے۔ اب کے جہل مرکب کا "سہرہ" سچی بات تو یہ ہے کہ مسٹر عبد السلام کے سر رہا۔ اُن کی بارہ بجے والی نظم کی تعریف ہماری طاقت سے باہر ہے۔ مسعود ٹامی کی تعریف کرنا بیکار ہے، وہ اولڈ بوائے تھوڑا ہی ہے کالج میں ایک "انسٹی ٹیوشن" ہے۔

لگے نظر نہ کہیں ان کے دست بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

۲۱ کی شام کو اسٹاف کلب میں نواب محمد اسحاق خاں صاحب سکرٹری کالج اور اولڈ بوائز کو ایوننگ پارٹی دی گئی تھی اور ۲۲ کو کرکٹ لان پر موجودہ طلبائے کالج کیطرف سے گارڈن پارٹی تھی جس میں سب سے پیارے ظہور وارڈ اور اسکول کے بچے تھے ان میں بہت سے اولڈ بوائز کی اولاد سے تھے اور بعض کے باپ بھی موجود تھے۔ پارٹی کے بعد سب کا گروپ لیا گیا مگر افسوس کہ بوجہ شام ہوجانے کے خراب آیا۔ اولڈ بوائز کے سب گروپ نہایت عمدہ آئے ہیں اور وہ ممبران موجودہ کی خدمت میں بھیجے جارہے ہیں۔

اولڈ بوائز ڈنر

یہ تو ہم اوّل ہی لکھ چکے ہیں کہ ڈنر امسال کرکٹ لان پر ہوا تھا اور وہاں کا منظر آنکھوں کو کسی قدر بھلا معلوم ہوتا تھا۔ افسوس کہ مسٹر ٹول اور دیگر عیسائی ممبران اسٹاف "گڈ فرائڈے" کی وجہ سے شریک ہو سکے تھے اور یوروپین اسٹاف میں سے صرف ڈاکٹر ہارو وُڈ موجود تھے۔ ایک تو علیگڈھ کے اولڈ بوائز خود جدت پسند تھے، مینو انھوں نے انوکھا تیار کیا تھا، اس پر جب ہمدرد پریس میں چھپنے گیا تو مسٹر محمد علی، مسٹر محفوظ علی اور وہاں کے اولڈ بوائز نے اور رنگ آمیزیاں کیں۔ ہم نے اکثر لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ کھانا جیسا تھا ویسا تھا مگر "مینو" غضب کا تھا۔ جب سے بلقان کی جنگ شروع ہوئی تھی کالج کے طلباء نے سچی اسلامی ہمدردی کا عملی ثبوت دیا تھا۔ انھیں نے پلاؤ، زردہ، فیرنی، یہانتک کہ ایک وقت کا گوشت بھی ترک کردیا تھا اور اس سے جو رقم بچتی تھی وہ اپنے مجروح مسلمان بھائیوں کے لئے بھیجتے تھے۔ اس طرح سے تقریباً تین ہزار روپیہ ماہوار چندہ میں اُن کی طرف سے جاتا تھا۔ اس ایثار نفس کے ذریعہ سے اُنھوں نے ہمارے کالج کی وقعت، عزت اور محبت تمام مسلمانوں کے دلوں میں بٹھادی۔ وہ لوگ جو اس کو دارالملاحدہ کہا کرتے تھے اب بالاعلان کہتے ہیں کہ وہ غلط تھے اور واقعی ایمان اور اسلام علیگڈھ کے موجودہ اور سابق طلبا کا ہی حصہ ہے۔ ہمارے کالج سے اب ساری قوم کو مستحکم محبت ہوگئی ہے جس کے اعلیٰ نتائج آیندہ ضرور ظہور پذیر ہونگے۔ اولڈ بوائز ڈنر پر بھی امسال کسی قسم کا گوشت اور مٹھائی نہ تھی۔ صرف سادے چاول، دال اور ترکاریاں تھیں۔ کھانے میں تو بقولات محض تھیں اور نام اُن کے ایسے زبردست تھے۔ سارے کالج نے

زندہ دلی کا ثبوت دیا۔ اس ہفتہ میں رات کو بلا کی سردی پڑنے لگی تھی اور دسمبر کی راتیں یاد آتی تھیں۔ کھلے میدان میں چار پانچ گھنٹے جمع رہنا کارے دارد تھا مگر علیگڈھ کے مست سردی گرمی کی کیا پرواہ کرتے تھے۔ مجمع آخر تک رہا۔

ہم مینو کی بجنسہ نقل کرتے ہیں

علیگڈھ

اولڈ بوائز

سنہ ۱۹۱۳ء

اوّل طعام

قبولی پٹھانی

بورانی خاقانی

دال ماش ہندوانی

بقولات ایرانی

ہنڈیا دیوانی سرفرازخانی

دال موٹھ شاہجہانی

قہوہ عربستانی + پانی ہندوستانی

سگرٹ ترکستانی + سگار نقل ہوائی

بعدہٗ کلام

کلامِ پاک۔ محمد ابراہیم پارک (ظہور وارڈ)

جام صحت

شہنشاہ معظم۔ پریسیڈنٹ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

ڈیر اولڈ کالج و ٹرسٹیان مسٹر محمد علی بی اے (ٹرکسن)

جواب ۔ نواب محمدؐ اسحاق خاں صاحب

آنریری سکرٹری

اولڈبوائز۔ ڈاکٹر ہارورڈ نز

مسٹر الیاس برنی والیس

پریسیڈنٹ یونین کلب

جواب ۔ آنریبل خواجہ غلام الثقلین

مسٹر مصطفےٰ حسین رضوی

اسٹاف۔ مسٹر احسان الحق

جواب ۔ ڈاکٹر ولی محمدؐ

ہمارے مہمان۔ مسٹر شوکت علی

جواب ۔ نواب غلام احمدؐ کلامی

نوواردان از انگلستان مسٹر آر ایم غلام حسین بی اے

(علیگ)

جواب ۔ مسٹر شمشاد احمد خاں بی اے

(کینٹب)

نظم ۔ قاضی جلال الدین

شاہ بے نظیر شاہ

مینو سے کہیں زیادہ تقریریں دلچسپ تھیں اور کلام پاک بجائے سب سے اوّل کے اس مرتبہ سب سے آخر میں پڑھا گیا۔ اوّل پریسیڈنٹ آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب نے حضور ملک معظم کا جام صحت پیش کیا جو بہت جوش وخروش سے نوش کیا گیا۔ اس کے بعد مسٹر محمدؐ علی نے ایک نہایت فصیح، قابل اور پرجوش تقریر میں

پیارے کالج کا ٹوسٹ پیش کیا۔ مسٹر محمد علی کی ہم نے بہت سی تقریریں سنی ہیں مگر ایسی قابلیت اور صفائی کے ساتھ انھوں نے اولڈ بوائز کا پروگرام اور نصب العین کبھی پیش نہیں کیا تھا۔

نواب اسحاق خاں صاحب آنریری سکرٹری نے اُس کا جواب دیا جس کا ضروری حصہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

میں "پیارے کالج اور ٹرسٹیان" کے جام صحت کے جواب دینے کا خوشگوار فرض انجام دینے کے لئے کھڑا ہوا ہوں جسکو مسٹر محمد علی نے ایسی فصاحت و بلاغت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ ایک ایسا فرض ہے جسکو کوئی اور صاحب جو اس میز پر تشریف رکھتے ہیں، زیادہ خوبی سے انجام دیسکتے تھے۔ میں افسوس کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ نہ میں گویا بلبل ہزار داستان ہوں اور نہ ڈنر کے بعد تقریر کرنے میں مجھے مہارت تامہ حاصل ہے۔ لہذا میں بہ تقاضائے ضرورت اپنی تقریر سے آپ کی سمع خراشی ہی کروں گا جس کے سننے کے لئے آپ کو نہایت صبر و استقلال درکار ہوگا۔ حضرات! کالج اپنے اولڈ بوائز پر بجا طور سے نازاں ہے جو اسکے لئے فخر و تقویت کا موجب ہیں، اور وہ اُن سے توقع رکھتا ہے کہ وہ نہ صرف ضرورت کے وقت اسکے لئے سینہ سپر ہونگے، بلکہ یہ کہ اپنے کارہائے نمایاں سے، اپنے اعلیٰ نصب العین سے اور اپنے ذاتی ایثار سے اس کے گرد ایک حلقہ نور کھینچ دینگے، اور دنیا پر ثابت کر دینگے کہ ان کی نہایت باوقار و عزیز علمی مادر نے خود ان کے لئے کیا کچھ کیا ہے اور اُن لوگوں کے لئے کیا کر رہی ہے جو اس وقت ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، اور جن میں سے بعض اسکی پر شفقت آغوش کو چھوڑ کر زندگی کی حقیقی جنگ کا جلد آغاز کرینگے۔ کیا میں اُن اولڈ بوائز کو جو گویا پورے طور پر پر و بال والے ہو چکے ہیں اور جنکو اب خدا نے

اعتماد و ذمہ داری کے مناصب پر فائز کیا ہے، یہ یاد دلا سکتا ہوں کہ کالج ان سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنا دست امداد کالج کے جدید پیداواروں کی طرف بڑھائیں اور اُن کے رجحان خاطر کے مطابق ان کے لیئے میدان ہائے عمل کی تلاش کریں؛ یہ سو بار کہا جا چکا ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ میں بلا خوف اس کو ایک سو ایک بار دُہرا سکتا ہوں کہ انسان اس دنیا میں جو نیکی کا سب سے بڑا کام کر سکتا ہے وہ آزادی اور دیانت داری کے ساتھ روزی کمانے میں اپنے ابنائے جنس کی امداد ہے"۔

اس کے بعد ڈاکٹر ہارو ڈنر نے ایک چھوٹی مگر پرمعنی تقریر میں اولڈ بوائز کا جام صحت پیش کرتے ہوئے اولڈ بوائز اور موجودہ طلباء کی تعریف فرمائی اور مستحکم اُمید ظاہر کی کہ سب کی کوشش سے علیگڈھ ایک بڑی تعلیم گاہ بنجائیگا۔ اُن کے بعد مسٹر الیاس برنی والیس پریسیڈنٹ یونین کلب نے حسب معمول سابق موجودہ طلباء کی طرف سے اس ٹوسٹ کی پر جوش الفاظ میں تائید کی اُنھوں نے کہا کہ موجودہ طلباء کو اپنے کالج اور اولڈ بوائز پر فخر ہے اور اُنکا مصمم ارادہ ہے کہ وہ کالج کی عزت برقرار رکھیں۔ اُن کو اسلام اور جملہ مسلمانان دنیا سے محبت ہے اور فخر یہ کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ طلباء اپنے خدا، اپنے رسول، اپنے بادشاہ، اپنے بزرگوں اور اُستادوں کا ادب اور خدمت کرتے ہیں۔

مسٹر سید راس مسعود کی عدم موجودگی میں مسٹر سید مصطفےٰ حسین رضوی نے اولڈ بوائز کی طرف سے ممبران اسٹاف اور موجودہ طلباء کا شکریہ ادا کیا۔

مسٹر احسان الحق نے اسٹاف کا جام صحت بالفاظ ذیل پیش کیا:۔

اے معزز ممبران انگریزی اسٹاف! آپ کی حالت اور عہدہ داری کی

کیفیت بالکل لاثانی اور نرالی ہے ۔ ہم نے جوکہ آپ سے مذہب ۔ نسل اور
ملک کی حیثیت سے مختلف ہیں آپ کو اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا محافظ
اور ان کے چال چلن کا نگہبان بنایا ہے ۔ یہ وہ ذمہ داری ہے جو آجتک
کسی قوم نے کسی دوسری قوم کو نہیں دی اور ہم کو اُمید ہے کہ آپ اس
عظیم الشان اعتبار کے اہل ثابت ہونگے ۔ آپ کو ایک ایسی قوم کی نئی اولاد
کی نگہبانی کرنا ہے جو بیدار ہو رہی ہے اور یہ ایک ایسا کام ہے جسکو آپ نے
کئی مرتبہ ذرا مشکل پایا ہے مہربانی سے اس خیال کو نہ بھُلایئے کہ پچھلے ایک
سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ کے دوران میں ان نوجوان بچوں کی طاقت
صبر و یقین زیادہ سختی سے آزمائی جا چکی ہے باوجود ان تمام باتوں کے جو اس
سرزمین کے سب سے ممتاز لوگوں نے کہی ہیں میں خیال کرتا ہوں کہ یہ نوجوان
ہرگز اس مذہب بزرگ کے پیرو ہونے کے اہل نہ ہوتے جسکے نام سے ہمکو خود
ناز ہے اگر وہ اپنے ان بھائیوں کے رنج و غم اور خوشی و خرمی میں شریک ہونے
جو ہندوستان سے باہر ہیں ۔ یہ کام آپ کے لئے رہ گیا ہے کہ آپ انکے پریشان
شدہ خدمات کو ایک مطمئن حالت پر لائیں اور انکے خیالات نرمی اور مضبوطی
سے راہ راست پر لگائیں ۔

ایک ایسی تعلیم گاہ میں جہاں طلبائے ہندوستان اور ایشیا کے تمام حصوں
سے آتے ہیں اختلاف رائے اور خیالات و تضاد رسومات و قواعد لازمی ہے
مگر ہم سب کے صرف ایک اصول مد نظر ہے اور یہ اصول وہی ہے جو سر سید
اعظم کا تھا ۔ اگر آپ اپنے اصولوں کو اس اصول کے ذات میں شریک کردینگے
اور ہمکو اُمید ہے کہ آپ ضرور کریں گے تو یقین جانئے کہ اولڈ بوائز اپنے امکان
کے مطابق آپ کی مدد کرینگے تو اب صاحب نے آپکو بتا دیا ہے کہ طلبا کی حالت

نظم ونسق نہایت اعلیٰ ہے۔ اب اس سے زیادہ اطمینان کے کوئی ضرورت نہیں لیکن اگر کبھی آپ اپنے آپکو تکلیف میں پائیں تو اسکا یقین کامل رکھئے کہ اولڈ بوائز ہمیشہ تیار ہونگے کہ دشواریوں کو دور کردیں اور اپنی بساط کے موافق جہانتک ممکن ہوسکیگا کوشش کرینگے کہ ٹرسٹی۔ سٹاف اور طلباء کے آپس کے تعلقات میں نہایت یگانگت اور ہم آہنگی آجائے جو کالج کے انتظام اور اسکے بہبودی کے لئے ضروری ہے۔

اب مجھے اپنے مسلمان اسٹاف کے ارکین کا شکریہ ادا کرنا ہے اسکے ذات پر ناز ہے اور ہم شکرگذار ہیں کہ انھوں نے اپنی زندگی اس عظیم الشان کام کے لئے وقف کردی ہے اور وہ مسلمانوں اور اپنے بھائیوں کے بچوں کی تعلیم وتربیت میں مشغول ہیں۔ خدا کرے آپ کو اس کار خیر کی جزا اس دنیا اور عقبیٰ میں ملے۔

ڈاکٹر ولی محمد صاحب نے جو گذشتہ سال کیمبرج اور جرمنی سے سائنس میں اعلیٰ درجہ حاصل کرکے کالج میں تشریف لائے اور جن سے ہر شخص کو بہت کچھ اُمیدیں ہیں ایک مختصر تقریر میں اولڈ بوائز کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ کالج کا "سفید ہاتھی" یعنی شعبۂ سائنس انشاءاللہ عنقریب ایسے نتائج دکھائیگا جس سے اولڈ بوائز کو کامل تشفی ہوگی کیونکہ اُنھوں نے ہی کالج کی امداد ایک سائنس کا پروفیسر مقرر کرنے سے کی ہے۔

مسٹر شوکت علی نے جملہ مہمانوں کا جام صحت پیش کرتے ہوئے کہا کہ باوجود سخت سردی اور صرف "ہنڈیا دیوانی سرفراز خانی" اور "آب ہندوستانی" کے ملنے پر مہمانوں نے اولڈ بوائز کو بے حد ممنون فرمایا اور دوسری جانب اپنی زندہ دلی کا ثبوت دیا۔ اولڈ بوائز نے قوم کی فریاد سنی ہے اور اُن کا مصمم ارادہ ہے کہ جو کچھ اُن سے ہوسکے گا وہ اپنی قوم اور کالج کے لئے کرینگے۔

نواب غلام احمد خاں صاحب کلامی ٹرسٹی کالج نے جو فقط کالج کے حالات اور انتظام دیکھنے کے لئے مدراس سے تشریف لائے تھے ایک دلچسپ تقریر میں شکریہ ادا کیا اور اولڈ بوائز اور طلبا سے درخواست کی کہ وہ تجارت کی طرف توجہ کریں؛ کیونکہ بغیر تجارت کے کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

مسٹر آر ایم غلام حسین نے ایک پر مذاق چھوٹی سی تقریر میں "نو واردان انگلستان" کا جام صحت پیش کیا جسکا جواب مسٹر شمشاد احمد خاں بی اے (کینٹب) نے دیا۔

قاضی جلال الدین صاحب اور شاہ بے نظیر شاہ قادری وارثی (اولڈ بوائے) کی نظموں پر ڈنر ختم ہوا۔

ڈنر پر اس مرتبہ یہ کوشش کی گئی تھی کہ کھانا سب کو گرم گرم تقسیم کیا جائے مگر اس میں کامیابی نہوئی۔ انشاء اللہ آیندہ ضرور اسکا انتظام ہو سکیگا۔ اور مہمانوں اور میزبانوں کے لئے ہماری "دعوت برمکی" کم از کم "دعوت شیراز" تو ضرور ہو جائیگی۔

۲۳ کو مسٹر شمشاد احمد خاں اور مسٹر سید حامد حسین کی کوششوں سے سابق اور موجودہ طلبا کی کرکٹ میچ ہوئی۔ لان پر کرسیاں وفرش جمع تھیں مگر مسٹر شمشاد احمد خاں نے جس وقت کوٹ اُتار کر آستین چڑھائی اور گملوں اور کرسیوں کو اپنے سر پر رکھ کر ایک آواز لگائی تھی، سارا اسکول اور کالج جمع ہو گیا اور "آناً فاناً" سارا میدان صاف ہو گیا اور اس طرح میچ ٹھیک گیارہ بجے شروع ہو گیا۔ اولڈ بوائز کی ٹیم بڑی زبردست تھی مگر احسان، سعید، وغیرہ مجبوراً شب کو چلے گئے تھے، تاہم علاوہ بھاری بھر کم پیر مغاں شوکت کے سلام الدین اور عابد موجودہ تھے۔ اول اولڈ بوائز کھیلے مگر یہ شرط کر لی گئی تھی کہ "لگ بیفور دی وکٹ" کا کوئی قاعدہ نہوگا امپائر بھی اولڈ بوائز ٹیم کے ہونگے اور اسکورر بھی اُنھیں کا۔ راتوں کو جاگنے اور غل کرنے کے بعد ہر ایک کو دو گیندیں دکھائی دیتی تھیں، مشکل تھا کہ کس کو روکا جائے۔ بدقسمتی سے

سلام الدین اور عابد جلد چل بسے مگر "پیر مغاں" اور شمشاد احمد خاں نے خوب بیٹ بازی دکھائی۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ اول دو گیندیں جو سیدھی تھیں "پیر مغاں" نے بجائے بیٹ کے اپنے جسم مبارک سے روکی تھیں مگر قواعد کی مناسب ترمیم تو اول ہی سے منظور ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں یہ بھی سنا گیا ہے کہ وہ ارادہ کر کے گئے تھے کہ جو گیند "بولڈ آؤٹ" کر دے وہ قطعی نو بال تھی اور "کیچ" تو بوجہ بے ہوش ہونے کے ناممکن تھا۔ اولڈ بوائز کے چوراسی رن ہوئے جن کے اسکورر نے نوے اس لحاظ سے کر دیا کہ چھ رن لکھنا بھول گیا تھا۔ صحیح خبر ہے کہ موجودہ طلباء میں کی ناخلف اولاد بھی دست بدعا تھی "اللہ کرے ابا جلد آؤٹ ہوں"۔

جب موجودہ طلباء کھیلنے آئے تو سلام الدین نے ایک دو اوور کے بعد "چنے بھوننا" شروع کر دئے مگر دوسری طرف عابد کو کچھ شوق تھا کہ بچوں کا دل بڑھانے کے لئے بلّے پر گیند دے جسکو شریف شرافت کو بالائے طاق رکھکر بڑی بے رحمی کے ساتھ کچی بارک سے معانقہ کرنے کے لئے بھیج دیتا تھا۔ تاہم کھیل آخر میں نہایت مزہ دار ہو گیا "ظہور وارڈ" کے چھوٹے چھوٹے بندر خاموش بیٹھے دعائیں مانگ رہے تھے۔ تعجب ہے کہ اب کی مرتبہ بھی "اسکورر" رن لکھنا بھول گیا مگر صرف تین۔ اس لئے صرف انھیں تین رنوں سے موجودہ طلباء جیت گئے۔

جسوقت "پیر مغاں" واپس آئے تو بچوں کا گرد ہجوم تھا اور ہر ایک کی زبان پر یہی تھا کہ "واہ اولڈ بوائز ہار گئے" "شوکت ہار گئے"۔ شوکت صاحب خوش تھے اور ہم سے کہتے تھے کہ خدا کرے وہ روز ہارا کریں اور یہ سماں دیکھیں۔ عمدہ فیلڈ کرنے والوں میں مسٹر مصطفے حسین کا نمبر بہت اعلیٰ تھا۔ بارہا دیکھا گیا کہ گیند روکتے وقت "وہ گھاس" پر تیر کر "ملاحی" کے ہاتھ لگاتے ہوتے تھے۔ شام کو ہاکی کا میچ سابق اور موجودہ طلباء میں ہوا۔ یہاں سب قسم کے لنگڑے لولے جمع تھے،

بڑے زور کا کھیل ہوا اور چند منٹ ہی میں موجودہ طلبا نے دو گول کر دیے اگرچہ شوکت اور بھائی مصطفےٰ چکر ہی کاٹتے رہے اور تصدق کی شوخ رنگ جرابیں اور چمکتے ہوئے جوتے کبھی یہاں اور کبھی وہاں تھے۔ سجاد دیوانہ مستانے ہاتھی کیطرح بھاگتا پھرتا تھا اور راہ میں جو آجاتا اُسے گرا دیتا مگر لڑکے بڑے تیز تھے۔ اسوقت خوش قسمتی سے ایک بڑا اولڈ بوائے کھلاڑی آگیا جس سے کھیل کا رنگ بدل گیا۔ ضمیر الدین جو ابتک ریفری تھا ہمارے ساتھ کھیلنے لگا۔ پھر کیا تھا جب گیند ہماری طرف آتی ضمیر واپس کر دیتا۔ دشمنوں نے ادھر گول کیا اُدھر ضمیر کی سیٹی خوں خوں بول اُٹھتی۔ "آف سائڈ"۔ لطف آگیا۔ گھنٹہ بھر کی جنگ وجدل کے بعد دونوں پہلوان برابر رہے اور واقعی اس کھیل کا مرد میدان قطعی ضمیر تھا۔ یہ آخری پر لطف شام تھی جو دور اُفتادہ اولاد نے اپنی "مادر مہربان کی آغوش محبت" میں گذاری اور پُرانا کورس پڑھتے ہوئے رخصت ہوئے۔

جانِ عالم میں سُنتی ہوں آج تری تیاری ہے
جاؤ خدا حافظ ہے سدھارو گر یہی مرضی تمہاری ہے

آیندہ سال سالانہ ڈنر کا پروگرام تین دن کا ہوگا اور انشا اللہ! خوب گذرے گی۔ یار زندہ صحبت باقی۔

ایک خط

جناب اڈیٹر صاحب۔ میری درخواست پر جو جناب نے پرچہ اولڈ بوائے میرے نام جاری فرمایا ہے میں اسکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اولڈ بوائے بابت ماہ مارچ و اپریل ۱۹۱۳ء پہلا پرچہ ہے جسکو تمام و کمال پڑھنے کا مجھے فخر حاصل ہوا۔ اُسکے جملہ مضامین نہایت دلچسپ اور پر لطف پائے گئے۔ زندہ دلان علیگڈھ کالج نے

بڑی دیر تک میری حالت کو جو اس شعر کی مصداق ہو چکی تھی۔

پہلے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی　　　اب کسی بات پر نہیں آتی

بالکل بدل دیا۔ راقم زہر کا چلبلا پن اور انوکھے فقرے میرے پھیپڑوں پر نہایت سریع التاثیر ثابت ہوئے۔ خصوصاً اس فقرے نے تو پھڑکا دیا۔ "جب کبھی ایک آدھ روپیہ لیکر کچھ چیزیں مول لینے شہر جایا کرتا ضرور ایک چوانی یا دوانی حسب ضرورت اُسکے پاس سے گر پڑا کرتی اور ریش دراز کی تعریف میں وُہ بلا روک ٹوک بڑھنے والی ڈارھی" کیا خوب کہا ہے خصوصاً اس زمانہ میں کہ جب بعض اصحاب نہایت ظرافت سے فرمایا کرتے ہیں کہ "ڈارھی اور نماز ان دو چیزوں کی نسبت تو میں نے عہد کر لیا ہے کہ ہرگز نہ چھوڑونگا" زہر کے مضمون کے آخر کا شعر تو ماسبق مضمون سے ایسا وصل ہوا ہے کہ معاً سننے کے مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید مضمون طرازی کا باعث یہی شعر ہوا ہے۔

تاریخ خاندان دہنکیہ بھی ایک عجب دلاویز مضمون ہے۔ لیکن اسکی نسبت مجھے لال دیو کے ہمزاد سے معافی مانگنے کی ضرورت ہے۔ میں نے شروع میں دھکو اے بمفتوح کے مضموم پڑھا تھا۔ جبکی تصیح وجہ تسمیہ کے پڑھنے سے ہوئی اُس ذات بابرکات سے ایک امر کی درخواست اور بھی کرنے کو جی چاہتا ہے۔ درخواست یہ ہے "کیا مجھے یہ عزت حاصل ہو سکتی ہے کہ آپ اس کمترین کے روبرو ثقہ بننے کی صرف ایک مرتبہ کوشش کریں"۔ مگر یہہ درخواست آیندہ ملاقات تک ملتوی رکھی جائے گی۔

میری بہن کے ڈنڈا کیوں مارا۔ یہہ مضمون بھی خط زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ "بہن کی جگالی کرنے" نے بہت ہی بیچین کر دیا تھا۔

گمنام شاعر تو ناحق گمنام ہیں۔ اس گمنامی کی سیاہی کو چمکا دینا اُن کے نزدیک

کونسی بڑی بات ہے۔

مختصر یہ کہ پرچہ کا گیٹپ بہت ہی نرالا اور البیلا ہے (جملہ معترضہ کیا اب وہ زمانہ آچلا کہ ہماری اردو میں ایک لفظ گیٹپ کی بھی کھپت دشوار ہے) مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر کیوں دو دو مہینے کے بعد نکلتا ہے۔ دیریوں لگتی ہو کہ مضمون نہیں ملتے۔ مضامین کی کمی عام توجہ کی کمی کی دلیل ہے۔ فقدان توجہ کا خاص سبب میری رائے ناقص میں تو صرف یہی ہے کہ اولڈبوائے اپنی اصلی گوناگونی کو چھوڑکر صرف ایک وردی میں جکڑبند نظر آتا ہے۔ میری رائے کی تصدیق اولڈبوائے کے مقاصد کے مطالعہ سے ہوسکتی ہے۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ مقاصد میں اولڈبوائے کے نہایت قومی جذبات کو شامل کیا گیا ہے۔ مگر بیچارہ اولڈبوائے صرف ثقہ ہی کیوں بنا رہے۔ ثقہ اور چغد میں کچھ اڑنی سی تجنیس خطی ہونے کے علاوہ لال دیو کی مثال بھی تو موجود ہے کہ اس سے ثقہ نہیں بنا جاتا۔ پس اولڈبوائے کو ہر صورت اور وضع سے اکھاڑے میں آنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ یہہ مصرع زبان زد خلایق ہے۔

ہرکس بخیال خویش خبطے دارد

اسلئے مناسب یہ ہے کہ اس پرچہ میں جسکا نام اولڈبوائے ہو اولڈبوائے کے تمام خبطوں کا جھرمٹ نظر آئے محض لٹریری ہونے پر ہی موقوف نہیں بلکہ اسکو تو معجون مرکب ہونا چاہیئے۔ خیال تو کیجئے کہ اولڈبوائے اپنے ماں باپ کا بچہ ہے۔ نٹ کھٹ بھی ہے کھلاڑی بھی ہے۔ تہذیب بھی سیکھے ہوئے ہے۔ تمام دنیا کے فیشنوں میں بھی دخل رکھتا ہے۔ طرح طرح سے سلام کرتا ہے حقہ کلب کا بھی ممبر ہے اور صرف چاء پینے والوں میں بھی ہے۔ درزی کی جان کو آیا کرتا ہے۔ اور کبھی یوں بھی ہے کہ درزی کی صورت ہی نہیں دیکھتا

نوکریاں کرتا ہے۔ اور نوکری کو سلام بھی کر دیتا ہے۔ انگریزوں سے ہاتھ ملاتا ہے۔
کالوں سے دُور بھاگتا ہے۔ اور کبھی یہ سمجھکر کہ میں بھی کالا ہوں اپنے کالے
بھائیوں میں بیٹھکر خوش گپیاں اُڑاتا ہے اور اُن کو اپنی چڈی پر سوار کر کے
بام ترقی پر پہنچانے کو اپنا فرض عین سمجھتا ہے۔ فنون کو سیکھتا ہے۔ تجارت
کرتا ہے۔ ریاست کرتا ہے۔ ہندوستان کے اندر بھی رہتا ہے اور سات سمندر
پار بھی جاتا ہے۔ کبھی وہ کالج سے یہ کہتا ہوا نکلتا ہے۔ انچہ در سر داشتم بگذاشتم
بگذاشتم۔ اور کبھی ایسا جانور بنجاتا ہے جسکو پنجرے کی کھڑکی کھلی ہونے کی
بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ اگر باہر بھی نکالدو تو پھر اپنے آپ پنجرے میں داخل
ہونے کے لئے سر پٹکتا ہے۔ اور اگر اندر آنا نصیب ہیں ہوتا تو جو بولیاں
پنجرے میں بند رہکر سیکھی تھیں اُنکو تنہا کسی ڈالی پر بیٹھا ہوا جھوم جھوم کر دوہرایا
کرتا ہے۔ کوئی کالج میں اس طرح رہتا تھا جیسے بیت الخلا میں ضرورت کے وقت
ایسوں کو کبھی کالج کی ہمدردی کیسی یاد تک نہیں آتی۔ اور کوئی اُسکو آغوش مادر
سمجھتا تھا اور سمجھتا ہے۔ اور عمر بھر جناب من بچہ بنکر اپنا دل خوش کیا کرتا ہے۔
کوئی اس نظر سے تشریف فرما ہوئے تھے کہ کالج سے زبردست سفارش
ملجاتی ہے۔ اور اُنھوں نے سفارش کرائی عہدہ لیا اور یہ جا وہ جا۔ پھر کون
ہم کون تم۔ ان سے اور بیت الخلا والوں سے تو کچھ سروکار ہی نہیں۔ کوئی
کوٹ پتلون اور ہیٹ پر مٹا ہوا ہے۔ کوئی پرانی وضع کا شیدا ہے۔ کوئی اپنے
باپ کو اپنے باپ کا ملنے والا بتاتا ہے۔ کوئی جو سچی بات ہے اُسکے کہنے میں
نہیں شرماتا۔ کوئی اپنے غریب عزیزوں کو پاس نہیں پھٹکنے دیتا۔ کوئی اُنکی خاطر و
دلجوئی کرنے میں ہی مگن ہوتا ہے۔ کوئی قومی چندہ جمع کرتا ہے اور کھا جاتا ہے
کوئی قوم کے لئے اپنے کپڑے تک اُتار کے دینے کو تیار ہے۔ کوئی کہتا ہے

زندگی زندہ دلی کا ہے نام ۔۔۔ مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

کوئی کہتا ہے۔

خیرے کُن اے فلاں وغنیمت شمار عمر ۔۔۔ زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

کسی کو وردِ زباں یہ شعر ہے۔

سنبھالا ہوش تو مرنے لگے حسینوں پر ۔۔۔ ہمیں تو موت ہی آئی شباب کے بدلے

کوئی کہتا ہے۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ۔۔۔ ہمتو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کوئی کہتا ہے۔ گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے۔ الخ کوئی کہتا ہے۔ فکرِ معاش وعشقِ بتاں و غدغۂ حشر الخ کوئی کہتا ہے۔ مارا بجہاں خوشتر ازیں عالم نیست کوئی کہتا ہے۔

کہہ تو اے گلچیں اسیرانِ قفس کے واسطے ۔۔۔ توڑلوں دو چار کلیاں میں بھی مرجھائی ہوئی

کوئی کہتا ہے کہ زوال سب قوموں پر آتا ہے۔ اور ایسی مثال نہیں پائی جاتی کہ کوئی قوم ڈوب کر پھر اُچھلی ہو کوئی کہتا ہے کہ اٹلی کو اور یونان کو دیکھو پھر ترقی کر رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہماری قسمت میں تو غلامی لکھی جا چکی۔ پڑوسیوں کی ہو یا اجنبیوں کی۔ بہتر یہ ہے کہ پڑوسیوں کی ہو۔ کوئی اسکا جواب دیتا ہے کہ دونوں نقشے اپنی نظر میں جما کر تو دیکھو اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔

غرضکہ ہر سرے را سودا۔ پھر میاں مٹھو نبی جی بھیجو کے جاپئے۔ جنکو بہت زیادہ کھلادی گئی ہیں وہ تو پڑھنے لگیں گی۔ باقی تو ٹرٹر میں ہی رہیں گے۔ مگر ہاں دیوانہ رہا ہوے بس است لیکن دیوانہ کے ڈھب کیسی ہی ہو کچھ دیکھئے کیسی چہچہاہٹ شروع ہوتی ہے۔ اجازت ملتے ہی ہر ایک چیخ اٹھیگا۔

باور بکنیں قولِ عدو ساغر کجا و شیشہ کو ۔۔۔ اے محتسب پیں ہاے وہ ہو دارم ز صہبا دگر

میرا تو جی یہ چاہتا ہے کہ اودھ پنچ ہونے کے علاوہ شوشیل بھی ہو
لٹریری بھی ہو۔ سائنٹفک بھی ہو۔ ٹکنیکل بھی ہو۔ پولیٹکل بھی ہو۔ کرٹیکل بھی ہو
ریلجس بھی ہو۔ فلولوجسٹ بھی ہو۔ پہلی اینٹولوجسٹ بھی ہو آرکیولوجسٹ بھی ہو۔
ہسٹوریکل بھی ہو۔ ایکونومکل بھی ہو۔ ایل ایل بی بھی ہو۔ ایل ایل ڈی بھی ہو
پی ایچ ڈی بھی ہو۔ ایم ڈی بھی ہو۔ اے بی سی ڈی۔۔۔۔۔۔ زیڈ بھی ہو۔
بھانڈ بھی ہو۔ بھاٹ بھی ہو۔ ہزار داستان بھی ہو۔ اور لال دیو بھی ہو۔
دیوزاد بھی ہو۔ پریزاد بھی ہو۔ رنڈی بھی ہو۔ ثقہ بھی ہو گو چند ہو۔ اور صفحوں کی
تعداد پچاس کے بجائے پانسو ہو۔ چندہ تین کے بجائے چار دفعہ تین ہو
یا اور بھی زیادہ۔ اور اڈیٹر کو مہینے میں چار مرتبہ اودھ پنچ نکالنا پڑے۔
اس صورت میں صفحے البتہ صرف سو ہی رہجائیں تو کچھ مضایقہ نہیں۔ بلکہ پچاس
ہی سہی۔ مگر مہینہ کا عارضہ تو نہو۔

واحد از آگرہ

کلام اکبر

ذیل کی رباعیات ہمارے ایک کرم فرمانے مولانا سید اکبر حسین صاحب قبلہ کی
بیاض سے چرا کر ہمکو بھیجی ہیں۔ ہم اپنے کارگزار دوست کے ممنون ہیں اور اُنکا
نام مصلحتاً نہیں بتاتے تاکہ جج صاحب کہیں دفعات تعزیرات ہند اُن پر
نہ عاید کریں۔ ان میں سے پہلی رباعی ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب کی شادی کی
خبر سنکر مولانا نے لکھی تھی جس کے حسن بیان کو ڈاکٹر صاحب اور دوسرے
فلسفہ دان اصحاب یقیناً پسند کرینگے۔

(۱) ڈاکٹر ضیاء الدین کی شادی

علم خوشاد ہے شادی سے ضیاء الدین کی — اُنکو اس پارٹ میں یہ ایکٹ مبارک باشد
ہو یہ وہ شکل کہ پیدا ہوں معانی جس سے — انفصال فگز وفیکٹ مبارک باشد

(۲) ترکوں کے ساتھ ہمدردی

دونگا ذرا سمجھ کے جواب اُن کی بات کا — رُخ دیکھتا ہوں سلسلۂ واقعات کا
ہی برہمن بھی ترک کا ہمدرد ان دنوں — گنگا کو بھی خیال ہے موج فرات کا

(۳) یورپ کی لامذہبی

اللہ نے سائنس کی نعمت جو عطا کی — یورپ میں ہوس بڑھ گئی دنیا طلبی کی
اب چاہتے ہیں دین خدا کو بھی مٹانا — پائینگے سزا جلد وہ اس بے ادبی کی

اولڈ بوائز کی مہمانی اور مسعود ٹامی کی گل افشانی

ڈنر کا جلسہ اور مسعود ٹامی کی موجودگی! پھر کیسے ممکن تھا کہ کوئی انوکھی بات نہ پیدا ہوتی؟ کالج کے طالب علموں نے ایک عرصہ سے ایک وقت گوشت کا کھانا بند کر رکھا ہے۔ اس لحاظ سے اس سال ڈنر میں بھی خاص طور پر سادگی [illegible] رکھی گئی [illegible] البتہ کھانے کی سادگی "مینو" کی پر تکلف عبارت سے (جسے [illegible] اس [illegible] پہلے ملاحظہ [illegible] چکے ہونگے) چھپا دی گئی تھی۔ بھائی مسعود [illegible] نے یہ [illegible] نمک سلیمانی" کی کمی کو (جو منتظمین ڈنر کی غلطی سے غائب [illegible] ہونے سے رہ گیا تھا) انھوں نے

ذیل کی نظم سے پورا کر دیا۔ اگر ہمارے ناظرین کو بلحاظ اصول شاعری یا زباندانی اس نظم پر کچھ اعتراض ہو تو براہ راست مصنف سے خط و کتابت کریں نہ ہم شاعر نہ ہم کو ان اصولوں سے بحث معترض صاحب جانیں اور مسٹر مسعود! نظم یہ ہے۔

عزیزو دوستو دل سے سنو یہ سوز پنہانی ۔۔۔ کہ اب میں نہیں کچھ بھی بلاغت کی درفشانی
ڈنر کو دیکھ کر کیسی ہوئی کل مجھکو حیرانی ۔۔۔ بیاں کرنے پہ گر آؤں تو ایک قصہ ہے طولانی
سنا کرتے تھے ہوگا خوب باشوکت ڈنر اب کے ۔۔۔ بہت ہی ہوگی عیاشی بہ نگرانی یک افغانی
خدا جانے کہ کیوں گھبرا گئے پیران نابالغ ۔۔۔ نہ تھی کچھ خشک سالی جس سے ہوتی اُن کو حیرانی
اگر کھانا پھر اگلے سال بھی ایسا ہی ہوئیگا ۔۔۔ تو ہم میں سے بہت لوگوں کی گویا جان ہے جانی
کھلائی کھچڑی ارہر کی پلائی سونٹھ کے چھوہارے ۔۔۔ کچوری سخت کھلوا کے کھلائی اسپہ ترکاری
دہی میں کچھ بڑے تھے اور کچھ چھوٹے سے لڈو تھے ۔۔۔ ملا آلو کا بھرتا اور تھی ڈھینڈس کی ترکاری
غرض کھانا نئے ہی ڈھنگ کا پکا تھا کچھ اب کے ۔۔۔ نہ انگریزی نہ ہندوانی نہ ترکی اور نہ ایرانی
متنجن گرم ہوتا اور ہوتیں چٹ پٹی چیزیں ۔۔۔ ڈبل روٹی کے کچھ بیٹھے سے ٹکڑے ہوتے لاثانی
یہ کیا حرکت تھی کیوں کھانا پکا ایسا کہو یارو ۔۔۔ نہ لوراتی نہ بریانی کہ یعنی اس کے کیا معنی
غضب اس پر ہوا ایسا کہ لمبی لمبی اسپیچیں ۔۔۔ جو کہنے کو کھڑے اکثر ہوئے پر جوش سیلانی
کرم ممبر میاں مسٹر محمدؐ آکسن کا تھا ۔۔۔ تصدق ہو گئے ہم سب پہ دکھایا جوش انسانی
لگے گردن ہلانے کوئی اپنی ہیٹ کے نیچے ۔۔۔ نہ کھانے پائے تھے ورنہ نہ پینے پائے تھے پانی
ادھر کونوں سے آوازیں بھی کچھ آنے لگیں ایسی ۔۔۔ کہ جیسے ڈوکتے ہوں چیختے ہوں گرہ ہوں بھوکے بنگالی
منیجر کمپنی میرٹھ جو ہیں کا وُس جی وہاب ۔۔۔ برابر داد دیتے تھے کھڑے آصف نزالی خانی
غرض ہم ایسی تکلیفیں اُٹھا کر آج جاتے ہیں ۔۔۔ کہ جیسے ممبر کونسل کو ہوئے مفت حیرانی

اولڈبوائز

مسٹر سید مسعود الحسن صاحب سابق ہاکی کپتان نے عرصہ تک سرکاری کام (آنریری ڈپٹی کلکٹری) خزانہ پر بوجہ ڈالے بغیر کانپور میں کیا تھا۔ اب معتبر راوی کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ وہ پروبیشنری ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوکر اٹاوہ آگئے ہیں۔ کانپور میں اولڈبوائز کا ایک بڑا مجمع ہے اور اُسے چھوڑتے ہوئے اُن کے دل کو ضرور تکلیف ہوئی ہوگی مگر یہ جدائی بہتری کی خاطر تھی۔ مسٹر سعید محمد خاں اور مسٹر حسن محمد خوش ہیں کہ اُن کی جماعت میں ایک اچھا اضافہ ہوا۔ ہم مسٹر مسعود کو مبارکباد دیتے ہیں۔ کام اچھی طرح کرنا۔ خبردار!

ہم اپنے اس نمبر میں اپنے عزیز دوست مسٹر سید سجاد حیدر صاحب کی صاحبزادی کے تولد کی خبر درج کرکے اُن کو مبارکباد دیتے کو تھے کہ ہمیں بچی کی وفات کی اطلاع ملی۔ ہمیں مسٹر سجاد اور ان کی اہلیہ سے اس غم میں ہمدردی ہے، اور خداوند کریم سے دعا کرتے ہیں کہ دونوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

خبر ہے کہ مسٹر سید محمد مستحسن صاحب زیدی آیندہ اکتوبر میں وطن آنیوالے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم کرکے اور زیادہ مسرت ہوئی ہے کہ وہاں وہ نہایت خاموشی کے ساتھ طالبعلمانہ زندگی بسر کرتے رہے ہیں اور نماز کسی حالت میں بھی قضا نہیں ہوئی۔ ہم اپنے عزیز دوست کے لئے چشم براہ ہیں۔

ہم پریس پر جانے ہی کو تھے کہ ہمیں خبر ملی کہ مسٹر احسان عظیم (بریلی) مسٹر جعفر علیخاں بہی (مین سنگھ) اور مسٹر سید منظر علی (پھپوند) کے یہاں سوا سو پھر نور برسا۔ آخری دو صاحب تو چکچکے ہیں مگر مسٹر احسان عظیم سے بریلی کے اولڈ بوائز مٹھائی کا تقاضہ کرتے ہیں۔ ہم بھی اُنکے ہم خیال ہیں۔

ہمیں یہ سنکر مسرت ہوئی کہ "اولڈ بوائے" کے پرجوش قلمی معاون مسٹر سلطان حیدر جوش بلگرام ضلع ہردوئی کے نائب تحصیلدار مقرر ہوئے ہیں۔ ہمیں اُن سے قطعی اُمید ہے کہ اپنے کام کو نہایت محنت اور دیانت سے کرینگے "نہ ہر" ہم نہیں مانگنے مضمون بھیجدیں۔

ہمیں یہ معلوم کرکے بیحد خوشی ہوئی کہ ہز آنر لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ نے ہمارے عزیز دوست مسٹر قاسم حسین (ڈپٹی کلکٹر متھرا) کے اُن خدمات کا اعتراف کیا جو اُنھوں نے آنولہ ضلع بریلی میں کنگ ایڈورڈ میموریل اسکول کے متعلق کئے ہیں۔

مسٹر اشہد حسین قدوائی سنا جاتا ہے کہ اٹاوہ سے متھرا تبدیل ہوگئے اور اُن کے کام کا جائزہ مسٹر اکرم خاں نے لیا۔ مسٹر سید اشفاق حسین نے گونڈہ کی بستی بسائی ہے۔ دونوں کے جانے کا مقامی احباب کو افسوس ہے۔

مسٹر محمد الحسن سے ہمیں شکایت ہے کہ اُن کا تبادلہ فیض آباد سے سہارنپور کو ہوا مگر وہ جاتے ہوئے ہم سے مل کر نہ گئے۔ خیر! یا زندہ صحبت باقی! کبھی

ہم ہی وہاں آکر مل لیں گے۔

اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے دفتر میں کام کی اس قدر کثرت تھی کہ آنریری سکرٹری، جوائنٹ سکرٹری اور اُن کے عملہ کے لوگ نہایت محنت مگر وقت سے روز کا کام ختم کر سکتے تھے۔ ان سب کے حال زار پر رحم کھا کر اولڈ بوائز کی سٹنڈنگ کمیٹی نے ایک مددگار افسر کے تقرر کی منظوری دیدی جسے ایک سالانہ جلسہ میں جملہ اولڈ بوائز نے منظور فرمایا تھا۔ اور خیال تھا کہ مسٹر ایچ ایم حیات اس جگہ پر مقرر ہونگے مگر ہمارے کالج کے آنریری سکرٹری صاحب نے انھیں اپنے اسٹاف میں لے لیا ہے۔ ہم نہایت خوشی سے اپنے ناظرین کو اطلاع دیتے ہیں کہ مسٹر حکیم احمد شجاع صاحب نے اس جگہہ کو قبول کر لیا ہے اور اب اپنے عہدہ کا کام نہایت محنت کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ مسٹر احمد شجاع نے ہمارے کالج سے ایف۔ اے کا امتحان نمود کے ساتھ پاس کیا تھا اور اس سال میرٹھ کالج سے بی اے کا امتحان دیا ہے۔ کالج میں مسٹر احمد شجاع جو اسکالر رہ چکے ہیں اور لٹریری سوسائٹی کے نام سے جو انجمن ہمارے یہاں تھی اُسکے وائس پریذیڈنٹ تھے۔ میرٹھ کالج میں وہ ہیر نگٹن اسکالر رہے ہمارے ایسوسی ایشن کو اُن سے بہت مدد ملے گی اور جو تجویزیں اب تک زیر غور تھیں اُن پر جلد عملدرآمد کیا جائے گا۔

ہمارے کالج کے سابق طلبا کی ڈائرکٹری تیار ہو گئی قیمت عہ

"مسٹر راس مسعود"

آج ہم اپنے نہایت ہی پیارے بھائی اور کالج کے سب سے زیادہ برگزیدہ فرزند مسٹر راس مسعود کی تصویریں اس رسالہ کے ساتھ چھاپتے ہیں۔ جو شخص ہمارے کالج کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہوگا وہ مسٹر راس مسعود کو ضرور جانتا ہوگا۔ پہلی تصویر ہمکو وہ زمانہ یاد دلاتی ہے جب وہ اسکول میں پڑھتے تھے دوسری تصویر ہمارے سامنے وہ پر امید مستقبل پیش کرتی ہے جب وہ اپنی ذاتی لیاقت اور اپنا قیمتی وقت اپنے کالج کے لیے صرف کر سکیں گے۔ ایک تصویر گزشتہ کی یاد کو تازہ رکھتی ہے اور دوسری آیندہ کی امیدوں کو واثق۔ کیا ہی پیارا تھا وہ وقت جب کالج کے احاطہ میں سفید گھوڑوں کی جوڑی پر ایک طرف سرسید کا بارعب اور پرشوکت چہرہ نظر آتا تھا اور دوسری طرف راس مسعود کی معصوم اور پیاری صورت! کیسا مبارک ہوگا وہ زمانہ جب مسٹر راس مسعود "آیندہ مسلم یونیورسٹی" کے "افسر اعلیٰ" کی حیثیت سے اپنے دادا کے قایم کردہ نصب العین کی تکمیل میں کوشاں ہونگے! ہماری آنکھیں گزرے ہوئے زمانہ کو ڈھونڈھتی ہیں ہمارے دل آنیوالے زمانے کے منتظر ہیں۔ ایک طرف سے ہم مایوس ہوتے ہیں تو دوسری طرف امید مشعل لیے ہوئے راستہ بتانیکو تیار ہے! سرسید کی اسوقت دو زبردست یادگاریں ہمارے سامنے ہیں۔ کیا ہماری یہ امید بیجا ہے کہ انمیں سے ہر ایک دوسرے کی شہرت اور ناموری کو بڑھائیگی اور مستحکم کریگی؟ خدا وہ دن جلد لائے جب کالج مسٹر راس مسعود سے اور مسٹر راس مسعود کالج سے اپنا اپنا حق پائیں اور دونوں ایک دوسرے کے لیے اور کل قوم کے لیے باعث فخر ہوں۔ آمین

مسٹر راس مسعود کی وجہ تسمیہ

از ایوب شاہ خاں صاحب خسرو باغ رامپور

ماہ اکتوبر و نومبر کے اولڈ بوائے میں کسی صاحب نے مسٹر راس مسعود کی چند وجوہ تسمیہ بیان فرما کر دریافت کیا ہے کہ ان میں سے کونسی وجہ تسمیہ درست ہے۔

قبل اس کے کہ اس کے متعلق میں کچھ لکھوں یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ سائل صاحب کی بیان کردہ وجوہ تسمیہ میں سے کوئی بھی درست نہیں ہے اور یہ کہ بہت کم لوگوں کو انکی وجہ تسمیہ معلوم ہے۔ واضح ہو کہ پورا نام راس مسعود دو اجزا سے مرکب ہے۔ ایک راس اور دوسرا مسعود۔ مسعود سے پہلے ایک غیر مانوس لفظ راس کے لگانے کی یہ وجہ ہے کہ راس صاحب ایک بیرسٹر تھے جو سید محمود صاحب کے بڑے دوست تھے۔ انھوں نے مسٹر راس مسعود کو Godson بنایا تھا اسی وجہ سے مسعود سے پہلے راس ایزاد کیا گیا۔ دوسرا جزو مسعود ہے۔ اسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مولوی مسعود شاہ خاں صاحب مرحوم جو بھائی صاحب محمد محمود شاہ خاں صاحب۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل علی گڑھ کے والد اور راقم الحروف کے چچا تھے اور جنھوں نے کالج کے بالکل ابتدائی زمانہ میں سید صاحب کو دست راست کا کام دیا ہے ان سے اور سید محمود صاحب سے برادرانہ تعلقات تھے۔ بجنور میں بچپن میں دونوں دوستوں ساتھ کھیلے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بجنور میں سید صاحب تو صدر امین اور راقم الحروف کے دادا تحصیلدار تھے۔ ولایت جانے سے پہلے سید محمود اور مسعود شاہ خاں میں عہد ہوا کہ دونوں میں سے جس کا لڑکا پہلے پیدا ہو اس کا نام دوست کے نام پر رکھا جاوے۔ چنانچہ پہلے مسعود شاہ خاں کے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمود رکھا گیا اور شاہ لفظ خاندانی بدستور رہا۔ بعد وفات مسعود شاہ خاں کے سید محمود کا صاحبزادہ پیدا ہوا

انھوں نے بہ اتفاق عہد سابق لڑکے کا نام مسعود رکھا۔ ایک روز بھائی صاحب سید محمود صاحب سے ملنے گئے اور لوگ بھی بیٹھے تھے مرحوم نے حسن صباح اور عمر خیام اور نظام الملک تینوں میں اس عہد کا ذکر کیا جو ہوا تھا اور اس کے بعد اس مسعود اور محمود شاہ خاں صاحب کے ناموں کی وجہ بیان کی اور حاضرین میں سے

ایک کی طرف مخاطب ہو کر بولے کہ کیوں جی مجھ میں اگلے بزرگوں کی بو ہے یا نہیں! (گویا بچپن کا عہد میں نے پورا کیا) ان صاحب نے جواب دیا جی ہاں۔ پھر دوسری کی طرف مخاطب ہو کر کہا کیوں جی ہے نا۔ ہے نا۔

امید ہے کہ مندرجہ بالا سطور سے سائل صاحب کی کافی تسلی ہو جاوے گی۔ اگر اوڈیٹر صاحب نے اجازت دی تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے اگلے نمبر کے واسطے ایک دلچسپ قصہ سید محمود صاحب اور راقم الحروف کا جس میں وہ مرحوم کے زبردست سونٹے سے بال بال بچا تھا بھیجونگا۔

ہمیں امید ہے کہ مسٹر ایوب شاہ خان صاحب اس قصہ کو ہمارے پاس ضرور روانہ فرمائینگے ۔جس کا ذکر انھوں نے اپنے مضمون کی آخری سطور میں کیا ہے۔

اولڈ بوائز ایسوسی ایشن آفس

علیگڈھ — ۲۳ نومبر سنہ ۱۹۱۲ء

برادرم! السلام علیکم۔

مجھے خوب معلوم ہے کہ تقریبًا جملہ اولڈ بوائز و محبان علیگڈھ کو رسالۂ "اولڈ بوائے" سے سخت شکایات ہین اور مین صاف لفظون مین کہتا ہون کہ اسکی موجودہ حالت سے خود مجھے شرم آتی ہے۔ واقعہ اصلی یہ ہے کہ ابتدائے زمانہ سے ہی جب کہ وہ درست بھی نہو سکتا تہا مجھے یونیورسٹی کے کام مین دو برس مارا مارا پھرنا پڑا۔ اور کام کا بوجہ مسٹر عترت حسین اور سید منظر علی صاحبان کے کاندہون پر پڑا۔ "اولڈ بوائے" کو کامیاب بنانے کیلئے ایک ایسے اولڈ بوائے کی ضرورت تھی جو پرانے اور نئے طلبا سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔ مسٹر عترت حسین نے بہت قیمتی مدد دی تھی مگر وہ بھی اپنے پیشہ کے کامون مین پھنسے تھے۔ اِس لئے بڑی ذمہ داری سید منظر علی صاحب کے سر تھی۔ اور یہ کہنا بیجا نہو گا۔ کہ اُنہون نے اپنی طاقت اور بساط کے موافق اس کو سنبھالا۔ مگر بوجہ زائد تہا۔ اور اُن کی طاقت سے باہر! نتیجہ یہ ہوا کہ "اولڈ بوائے" روز بروز گرتا گیا۔ اور بعض اوقات ایسے مضامین درج ہوے جو معمولی سے معمولی رسالہ کے ہلاک کرنے کیلئے کافی تھے۔ نہ کہ ہمارے جیسے رسالہ کے لئے جس کے پڑھنے والے وہی شایستہ اور تیز طبع اصحاب تھے۔ جو ظرافت کو اسی حد تک پسند کرتے تھے جب تک اس مین ظرافت اور چاشنی باقی

تھی جس وقت مذاق کا درجہ حد سے گذر گیا۔ وہ بھی گمن کہاں گئے۔ وہ لوگ جو "اُولڈ بوائے کے" دلدادہ تھے۔ رفتہ رفتہ اس کو مرتے ڈرتے کہولتے تھے۔ کہ مبادا پڑھ کر رنج ہو مین خود اُن مین سے ایک تہا۔

اس کے علاوہ مطبع نے اس قدر سستی سے کام کیا کہ پرچہ وقت پر نہ نکل سکا۔ اوران سب سے بڑھکر لکھنے والوں کے دلوں کو پژمردہ کرنے والی کتابت کی غلطیاں تہین۔ جو تھوڑی توجہ سے درست ہوجاتین۔ غرض کہ ہر حیثیت سے اُس کی حالت خراب ہوگئی۔ اور مجہہ سے جسقدر شکایت کی گئی ہین سب درست ہین اور اِس وجہ سے دل خراش میرے عزیز دوست مسٹر عنایت اللہ صاحب نے "اولڈ بوائے" کے اجرا کے وقت پیشینگوئی کی تھی کہ اس کی زندگی صرف ایک سال کی ہوگی۔ اور مین اُن کی پیشینگوئی پر ہنستا تھا۔ رسالہ تو زندہ رہا اور ہے مگر اُن کی پیشینگوئی بالکل سچی نکلی۔ زندگی مشکل سے۔ ایک سال کی بھی ہوئی مطبع کی بے وجہ دیر سے سخت تکلیف پہونچی۔ اور اب مجبوراً کہنا پڑتا ہے۔ کہ خود دفتر کا انتظام نہایت ابتر رہا۔

مین نے اس رسالہ کو جیسا کہ سب واقف ہین۔ روپیہ کمانے کی غرض سے جاری نہین کیا تھا۔ بلکہ اس کو اپنی دیرینہ دلی تمنا کے پورا کرنے کے لئے نکالا تھا۔ اور وہ غرض یہ تھی کہ ہم "اولڈ بوائز" مین محبت اور اتحاد بڑھے۔ اور ہم باوجود ایک دوسرے سے دور ہونے کے حالات سے باخبر رہین۔

اول سال پرچہ کے جملہ اخراجات ادا کرنے کے بعد کچہہ روپیہ بچ ہی گیا

تھا اِس سال ثمین کی واقع ہوئی ہے۔ جس کو مین نہایت خوشی سے برداشت کرنے کو تیار ہون۔

مین "اولڈ بوائے" کی ساری ذمہ داری اپنے اوپر لیتا ہون اور خود اسکی اڈیٹری کے فرائض انجام دون گا نیز یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ میرے عزیز دوست اور ہمارے کالج کے قابل گریجویٹ مسٹر محمد فاروق صاحب جو اس سال ایم۔اے کا امتحان دین گے۔ بحیثیت سب اڈیٹر میری مدد کرین گے۔

"ہمدرد" پریس سے یہ انتظام کر لیا گیا ہے کہ جسوقت وہ جاری ہوا پرچہ بیروت کے خوبصورت ٹائپ مین چھپے گا۔ اور انشاء اللہ اُس دن سے باتصویر ہو جائے گا۔ کالج کے نئے اور پرانے گروپ اولڈ بوائز کی تصاویر اور عمارات کے نقشے وغیرہ رسالہ کی دلچسپی بڑہانے کیلئے اضافہ کئے جائینگے۔ مین خوب جانتا ہون کہ کوئی "اولڈ بوائے" ایسا نہو گا۔ جو اسکی مدد کرنا جائز نہ سمجھے گا۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ بھی "اولڈ بوائے" کو از سر نو زندہ کرنے مین میری مدد فرمائیے۔ باتصویر ہونیکی حالت مین بھی قیمت (علاوہ محصول ڈاک) وہی تین روپیہ سالانہ رہے گی۔ کیونکہ مقصد روپیہ کمانا نہین ہے۔ مین ممنون ہونگا۔ اگر آپ اُس کی ترقی کی نسبت اپنی رائے سے بھی مجھے مطلع فرمائے گا۔ بعض احباب نے مجھ سے اصرار کیا ہے کہ اس رسالہ کو باقاعدہ طور سے "اولڈ بوائز ایسوسی ایشن" کا آرگن قرار دیدیا جائے مگر مین اسوقت تک

اسکے خلاف رہون گا۔ جب تک کہ اِس کی مالی حالت درست نہو جائے
تاکہ ہماری ایسوسی ایشن پر بار نہو

آپ کا بہائی شوکت علی

محمدن اینگلو اورینٹل کالج
میگزین

جلد ۲	یکم ۱۰ستمبر سنہ ۱۸۹۵ ع	نمبر ۹

فہرست مضامین

انگریزی میں

مضمون — صفحہ

اردو میں

علیگڈہ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتاز الدین کے اہتمام سے چھپا

کالج میگزین

قریباً چار برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اُردو ملا ہوا - علیگڈہ کالج سے نکلنا شروع ہوا - اول اول وہ علیگڈہ اِنسٹیٹیوٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا — لیکن سنہ ۱۸۹۴ع میں اس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی — اس کے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اوراُس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے — اور اِس وجہہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اِس خیال سے اِس کے منتظموں نے اِس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ - مسلمانوں کے علوم و فنون — تاریخ اور لٹریچر کے متعلق - مفید اور پر زور مضامین لکھے جائیں - اِس غرض سے اِس کے ۲۴ صفحہ بالکل اُردو کے لئے مخصوص کردیئے گئے - اور اِس صیغہ کا اہتمام خاص میری سپردگی میں دیا گیا میں اِس رسالہ کے ترقی دینے میں حتی الامکان کوشش کرونگا *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی - نواب محسن الملک - مولوی نذیر احمد — اور ماسٹر ذکاءاللہ — وغیرہ بزرگوں نے اِس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہے — اور اہل قلم بھی اگر اِس کی اعانت فرمائینگے تو ہم نہایت قدر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ہم کو اُمید ہے کہ ہندوستان کی اِسلامی جماعت خریداری سے اِس کی اشاعت میں مدد دیگی — میگزین کے کل صفحات ۴۰ ہیں اور قیمت مع محصول ڈاک - (۲ ؎) *

شبلی نعمانی — پروفیسر
مدرسۃ العلوم علیگڈہ

اللہ اکبر

تعلیم انگلستان

جبکہ زمانے کے پُر زور اسباب اور برٹش گورنمنٹ کی تہ کو پہونچنے والے اثر ہندوستان کے لوگوں کو تعلیم انگلستان کی طرف روز بروز بڑہتی ہوئی زیادتی کے ساتھہ توجہ دلا رہی ہیں تو یہ نہایت مناسب بلکہ لازم ہے کہ تعلیم انگلستان کی حقیقت اور اُس کے لازمی نتائج پر پورے غور کے بعد اُس کے متعلق ایک صحیح جانچ کی جائے اور جو طالب علم وہاں بہیجے جائیں اُنکے بہیجنے والوں اور خود اُن کے ذہن میں اُس جانچ کا پورا اندازہ رہے۔

چونکہ مجکو بھی انگلستان میں تین سال تک قیام اور تعلیم کی خوش نصیبی حاصل ہوچکی ہے اس لئے مین اپنے خیالات اپنے ملک اور قوم کے بزرگوں کی خدمت میں اس مسئلہ کے متعلق اس غرض سے پیش کرتا ہوں کہ بعد ذاتی تجربہ کے جو رائے میں قائم کرسکوں شاید اُس سے آیندہ جانیوالوں کو کچہہ مشورہ یا مدد ملسکے۔

میں اس مضمون کو دو حصوں میں تقسیم کرونگا۔ اول حصہ میں اس امر کی بابت اپنے خیالات ظاہر کرونگا کہ جو طلبا ہندوستان سے انگلستان بغرض تعلیم جاتے ہیں اُن کو وہاں کس کس قسم کی تعلیم ہوتی ہے یا ہوسکتی ہے۔ دوسرے حصہ میں اُن مقاصد کی

نسبت اپنی راے لکھوں گا جو ہندوستانی طلبا کے وہاں جانے سے ہوتے ہیں یا ہونے چاہیں اور یہ لکھونگا کہ انگلستان پہونچنے کے بعد ان کو کس طرح رہنا چاہیے اور وہاں کے لازمی اور ضروری اخراجات ایک محتاط شریف الطبع شخص کے لیئے کیا ہیں۔ چونکہ اکثر صاحبوں کو اخراجات کی نسبت صحیح اندازہ کرنے میں اکثر دقت ہوتی ہے اور اسکے نسبت تحقیق کے اکثر ضرورت ہوتی ہے اس لیئے اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر میں وہاں کے اخراجات کی بابت اگر ہوسکا تو کسیقدر تفصیل کے ساتھہ دوسرے حصہ میں تحریر کرونگا۔

حصہ اوّل

تعلیم کا اصلی مقصد جہاں تک کہ میں سمجھہ سکتا ہوں یہ ہے کہ خدا نے جو قوتیں ہمکو عطا فرمائی ہیں اُن سب سے کامل طور پر اور اپنی حالتوں کے لحاظ سے عمدہ اور جائز طور پر ہم میں کام لینے کی خواہش اور قابلیت پیدا ہو جاے۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ جو ہندوستانی طلبا انگلستان تعلیم کے لیئے جاتے ہیں اُن کو وہاں کس قسم کی اور کس درجہ تک کی تعلیم ہوتی ہے یا ہوسکتی ہے۔ ہندستان میں عام خیال یہ ہے کہ جو ہندوستانی نوجوان انگلستان تعلیم کے لیئے جاتے ہیں وہاں جاکر وہ یا تو کسی کالج میں داخل ہو جاتے ہیں یا پراوٹ طور پر کسی اُستاد سے پڑھ کر اپنے امتحان وغیرہ کے لیئے طیاری کرتے ہیں اور وہاں تین یا چار یا پانچ سال رہکر یا تو بیرسٹر ہو آتے ہیں یا کسی یونیورسٹی کے ڈگری بھی حاصل کر لیتے ہیں یا بعض بعض ایسے بھی خوش قسمت ہیں جو سول سروس میں کامیاب ہو آتے ہیں۔ غرضکہ تعلیم انگلستان سے اُن کے ذہن میں اُسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے جیسا کہ یہاں کے کالجوں کی تعلیم کی بابت انکا خیال ہے کہ کلاس وار اور مقررہ مضامین و کتابوں کی خواندگی ہوتی ہے اور مقررہ اوقات پر طلبا امتحان دیکر بشرط کامیابی سرٹیفکٹ حاصل کرتے

ہیں۔ یعنے عام طور پر یہاں کے لوگوں کے خیال میں تعلیم انگلستان کتابی تعلیم پر محدود ہے مگر تعلیم انگلستان کی نسبت یہ خیال ٹھیک نہیں ہے۔ نہ یہ خیال اُس کی پوری اصلیت پر مبنی ہے۔ کتابی تعلیم تو اس تعلیم کا ایک جزو ہے جو انگلستان میں جا کر حاصل ہوتی ہے۔

جو تعلیم ایک نوعمر ہندوستانی کو انگلستان میں حاصل ہوتی ہے اُسکو میں نے پانچ قسموں پر تقسیم کیا ہے۔ اول کتابی تعلیم۔ دوم عملی تعلیم۔ سوم سوشیل تعلیم۔ چہارم پولٹکل تعلیم اور پنجم دماغی تعلیم۔

اسمیں شک نہیں کہ تعلیم کا خواہ وہ کسی قسم کی ہو پورے طور پر حاصل ہونا یا نہونا بہت کچھ خود طالب علم کے شوق اور ذہن پر منحصر ہے لیکن میری غرض یہ بیان کرنے کی ہے کہ جو نوعمر ہندوستانی انگلستان تعلیم کی غرض سے جاتے ہیں اُنکو متذکرہ بالا پانچ قسم کی تعلیم حاصل کرنے کے پورے مواقع حاصل ہیں بلکہ ایک حد خاص تک تو اُنکو ضرور (وہ پوری توجہ کریں یا نہ کریں) کچھ نہ کچھ ان میں سے ہر ایک قسم کی تعلیم حاصل ہوتی ہی ہے۔ اب ان پانچوں قسم کی تعلیم کے نسبت میں اپنے خیالات نہایت مختصر طور پر تحریر کرونگا۔

اول کتابی تعلیم۔ کتابی تعلیم سے میری مراد وہ تعلیم ہے جو طلبا کو کالجوں میں پڑہنے اور امتحانوں کے لئے کتابیں مطالعہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ وہ تعلیم ہے جو کہ خود ہندوستان میں بہی اب نہایت خوبی اور کامیابی کے ساتہہ سبکو حاصل ہوسکتی ہے۔ جو کتابیں انگلستان میں پڑھائی جاتی ہیں وہ یہاں بہی پڑہائی جاسکتی ہیں اور اکثر پڑہی اور پڑھائی جاتی ہیں۔ جو مضامین کہ وہاں کے یونیورسٹیوں اور کالجوں کے کورسوں میں داخل ہیں وہ یہاں کے کورسوں میں ہیں اور ہوسکتے ہیں۔ البتہ میرے خیال میں تین باتوں میں انگلستان کی کتابی تعلیم کو ہندوستان کی تعلیم پر ترجیح ہے۔ اول یہ کہ چونکہ تمام اعلیٰ اور جدید مضامین زبان انگریزی میں ہیں اسلئے

زبان انگریزی کی لیاقت اور عمدہ لیاقت اُن کو پورے طور پر سمجھنے کے لیئے ضروری ہے چونکہ
زبان انگریزی کو حاصل کرنے کے نگلستان جا کر ہمکو عمدہ مواقع ملتے ہیں اس سیلئے ان
کتابوں کو جو یہاں بھی پڑہائی جاتی ہیں ان کو وہاں جانے کے بعد عمدہ طور سے سمجھنے کیلئے
زیادہ سہولت ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں کے اُستاد بلاشبہہ زیادہ اور بہت زیادہ لائق ہیں ح
اکثر وہ کتابیں جو یہاں کے کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں خود اُنہیں کے مصنف نگلستان کے
یونیورسٹیوں اور کالجوں میں پروفیسر اور لکچرار ہیں۔ دنیا میں آج جتنے اعلی اور جدید
مضامین ہیں اُنپر زبان انگریزی میں جسقدر کتابیں لکھی گئی ہیں یا لکھی جاتی ہیں اُن میں سے
اکثر کے مصنف وہی علما ہوتے ہیں جو کیمبرج یا اکسفورڈ یا دیگر یونیورسٹی ہائے انگلستانمیں
پروفیسر یا اوستاد ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایسے اوستادوں کے شاگردونکو
اعلی لیاقت حاصل کرنیکا کسقدر عمدہ موقع حاصل ہے۔ انگلستان کی یونیورسٹیوں میں
یہ عام قاعدہ ہے کہ جس عالم کو کسی خاص مضمون میں قدرتی دلچسپی اور لگاؤ ہو وہ اُسی کی تحقیق
اور ترقی میں اپنا وقت اور توجہ صرف کرتا ہے اور کالجوں میں اُس مضمون پر وہی لکچر دیتا ہے
۔ جو انگلستان کے اور ہندوستان کے اوستادوں کی تعلیم میں فرق ہے وہ ویسا ہی ہے
جیسا کہ تازہ اور رکہے ہوئے پہلوں میں ہوتا ہے۔ جو ذائقہ کابلی انگوروں کا کابل میں ہوتا ہوگا
وہ پٹاریوں میں بند ہو کر یہاں آنے کے بعد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ کیفیت اُن تصانیف کی ہے
جو انگلستان کے علما کی یہاں پڑھائی جاتی ہیں۔ اس لیئے انگلستان میں ایک طالب علم کو اپنے
خاص مضمون میں اعلی درجہ حاصل کرنیکا نہایت عمدہ موقع حاصل ہے بشرطیکہ وہ اُس سے فائدہ
اُٹھائے۔ تیسرے یہ کہ بعض امتحانات ایسے ہیں کہ جو صرف نگلستان ہی میں دیئے جاسکتے
ہیں جیسے کہ بیرسٹری اور سول سروس وغیرہ۔ متذکرہ بالا تینوں وجوہ سے انگلستانمیں

جو کتابی تعلیم ہمکو حاصل ہو سکتی اُسکو ہندوستان کی تعلیم پر بیشک ترجیح ہے۔

اب دوسری قسم کی تعلیم کی نسبت کچھ بیان کرونگا یعنی عملی تعلیم۔ اس سے مراد وہ تعلیم ہے جو ایک نوعمر ہندوستانی کو انگلستان کے لوگوں کے روزانہ زندگی وطرز و عادات واخلاق دیکھنے اور برتنے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ وہ تعلیم ہے جس سے ہمارے طرز عمل پر اثر پڑتا ہے۔ جو ہمکو دل اور ارادے سے کام کرنا اور ہمت سے اپنے فرض کو ادا کرنا سکھاتی ہے۔ یہ تعلیم ہمکو موجودہ حالت کے لحاظ سے اپنے ملک میں حاصل نہیں ہو سکتی۔

ایک نوعمر ہندوستانی کو انگلستان پہونچکر عجیب کیفیت نظر آتی ہے۔ وہاں کے باشندوں کے طرز و عادات وطریقۂ کام و باہمی میل جول یہ سب اُسکو اپنے ملک سے مختلف اور نرالی معلوم ہوتی ہیں۔ جس شخص کو وہ دیکھتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت نوجوان ہو یا لڑکا بوڑھا ہو یا بچہ سب کے سب مستعد اوقات کے پابند اپنے فرائض کو سمجھنے والے اور سمجھکر اُن کو دل وارادہ سے پورا کرنے والے۔ ہمدرد۔ سچے۔ جھوٹ سے متنفر۔ ایک دوسرے کی خوشی اور ترقی پر دل سے خوش ہونے والے۔ اڑے وقت پر خود بخود مدد کرنیوالے "اپنی مدد آپ" کے اُصول پر کاربند۔ اپنی موجودہ حالت کی ترقی کی فکروں میں ہر وقت مصروف اپنے ملک کے درجہ کو دنیا میں اعلیٰ پائے پر قائم رکھنے والے۔ اور دنیا میں مستقل اور کامیاب اثر ڈالنے والے ایسے لوگوں کو وہ سب طرف دیکھتا ہے اُن کی صحبت اُسکو نصیب ہوتی ہی۔ اُن سے ہر وقت اسکو کام پڑتا ہے ہر موقع پر عالی خیالی اور عالی حوصلگی کی مثالیں دیکھکر اُس کی طبیعت حیران ہوتی ہے۔ یہ مثالیں اُس کے دل میں طرح طرح کے نئے جوش و ولولے پیدا کرتے ہیں۔ جبکہ وہاں ہر شخص وقت کا پابند ہے تو اس لیئے اُن سے کاروبار میں اس کو بھی پابند ہونا پڑتا ہے چونکہ مستعدی اور ہمت وہاں ہر شخص کی عادت میں داخل ہی لہذا

اس کی عادتوں میں بھی وہ اثر کرجاتی ہیں جبکہ ہر طرف اولوالعزمی اور عالی حوصلگی اپنے آثار دکہاتے ہیں تو اُس کے دل میں بھی بڑے بڑے جوش اُٹہتے ہیں اور اس میں ایک قسم کی نئی زندگی پہونکتے ہیں۔ انگلستان کے لوگ ادنی سے لیکر اعلے تک نہایت محنتی۔ جفاکش اور باہمت ہیں۔ وہاں کے لوگوں کو اور یہاں کے لوگوں کو بلحاظ کام کرنے کی قوت کے وہی نسبت ہے جو کہ ایک انجن کو چھکڑے سے۔ غرضکہ وہاں کے لوگوں کے طرز و عادت و کاروبار سے بہت بڑا اثر ہوتا ہے اور اگر کسی پر نہو تو اُس کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ ایسے لوگوں کو انگلستان ہرگز نہیں بہیجنا چاہیئے ورنہ اگر کچھہ بھی سمجھہ ہو تو ممکن نہیں کہ وہاں کی جفاکشی۔ ہمت۔ ایمانداری۔ پابندی اوقات اور جرأت جن کے ساتھہ وہاں کے لوگ اپنے فرائض ادا کرتے ہیں ہمارے دلوں پر دائمی اثر نکریں اور ہماری آیندہ زندگی پر عمدہ اثر نہ ڈالیں یہ وہ بیش بہا تعلیم ہے جو ہمکو اس ملک میں حاصل نہیں ہوسکتی۔

تیسری قسم کی تعلیم جو ایک نوعمر ہندوستانی کو انگلستان میں حاصل ہوتی ہے سوشیل تعلیم ہے اس سے وہ تعلیم مراد ہے جو انگلستان کے شرفا سے ملنے جلنے اور وہاں کے مرد و عورتوں کے باہمی تعلقات اور طرز معاشرت کے دیکھنے اور برتنے سے حاصل ہوتی ہے۔ سوشیل تعلیم ہندوستان میں جہاں تک کہ میں سمجھہ سکتا ہوں موجودہ حالت سوسائٹی کے لحاظ سے ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی عورتوں کی حالت سوشیل تعلیم کی مانع ہے۔ اس مسئلہ کی نسبت آج کل دنیا بہر میں اور خاصکر ہندوستان میں سخت اختلاف رائے ہے۔ اس موقعہ پر صرف یہ کہنا کافی ہے کہ جو مُراد سوشیل لائف سے ہے وہ اس ملک میں موجود نہیں ہے۔ مردوں اور عورتوں کا علیحدہ علیحدہ دو فریق ہونا اور ایک دوسرے کی سوسائٹی بالکل جدا ہونا اُس سوشیل لائف کے قطعی مانع ہے جو ہم انگلستان میں

پاتے ہیں اور جو میرے خیال میں مجموعی حالات اور نتائج کے لحاظ سے قابل تعریف اور ذریعہ بہبودی اور خوشی ہے۔

جو عورتوں کی ہر طرح کی ترقی کے خواہاں ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ بھی اپنی خداداد قوتوں کو کام میں لانیکے قابل بنائی جائیں وہ ضرور اس قسم کی تعلیم کی قدر کرینگے۔ عورتوں کی تعلیم اور اُن کی جائز اور محدود آزادی کی نسبت آج کل ہندوستان میں عجب عجب خیالات پھیلے ہوئے ہیں مگر جو خیال کہ اب تک حاوی رہا ہے اور ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں کو زیادہ تعلیم اور آزادی دینے سے ان کے اخلاق درست نہیں رہتے۔ ایک ہمارے بڑے مشہور مصنف نے اپنے حال کی تصنیف میں اس مسئلہ کے دونوں پہلو دکہا کر آخر کار فیصلہ عورتوں کی اعلیٰ تعلیم اور آزادی کے خلاف کیا ہے۔ علاوہ ان کے اور جو ہمارے ہادیان رائے و خیال ہیں اُن میں سے اکثر اس مسئلہ کی نسبت نہایت سخت اور یکطرفہ رائے رکھتے ہیں۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ عورتوں کی ترقی تعلیم کے دل سے خواہاں ہیں وہ ضرور اس تعلیم کی قدر کریں گے اور چاہیں گے کہ ہمارے ملک کے نوعمروں کو وہ حاصل ہو اور اُس کا اثر اس ملک کے سوشیل حالت پر اُس کی خاص حالتوں اور ضرورتوں کے موافق پڑے مگر یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ وہ غلط اور بے بنیاد خیالات جو تعلیم یافتہ عورتوں کے اخلاق واطوار کی نسبت یہاں عام طور پر اثر پائے ہوئے ہیں اُن کی اصلاح ہو۔ اس اصلاح کا اگر کوئی عمدہ طریقہ ہے تو وہی سوشیل تعلیم ہے جو صرف انگلستان جا کر حاصل ہو سکتی ہے۔ علاوہ اس کے ہماری ملکی سوشیل حالت کی درستی کے لیئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خلاف نیچر تقسیم جو ذات کے قاعدہ نے ملک کے باشندوں کی کی ہے اُس میں ترمیم اور تبدیلی ہو۔ شاید کسی چیز نے اس ملک کی مجموعی قوت کو اسقدر متفرق اور کم نہیں کیا جیسا کہ ذات کے طریقہ نے

اور اس کا اثر صرف ہندؤں ہی تک محدود نہیں بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کے خیالات بھی اُس میں بہت رنگے جا چکے ہیں اور ان کے خیالات بھی بہت کچھ حقوق مخلوق کی نسبت غیر منصف اور بے رحمی کی بنا پر قائم ہوگئے ہیں۔ انگلستان کی تعلیم کا یہ بہت بڑا اثر ہے کہ انسان کی عظمت بطور انسان ہونے کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ اس ملک میں وہ رشتہ جو ہر ادنیٰ و اعلےٰ میں بوجہ ایک خالق کی مخلوق ہونے کے قدرت سے قائم ہے۔ روزانہ زندگی میں دیکھائی دیتا ہے اور کل ملک کے برتاؤ میں اُس کا بہت کچھ اثر پایا جاتا ہے کیا سبق سیکھنا چاہیئے اُس ملک سے جس نے کروڑوں روپیہ اور ہزاروں جانیں صرف کر کے افریقیہ کے مظلوموں کو غیر ملک کے ظالموں کے چنگل سے چھڑایا ہو اور جسنے غلامی کے تاریخی دھبہ کو مہذب دنیا سے مٹا کر انسانی آزادی اور برابری کے اُصول کو ایک نئی اور مضبوط بنا پر قائم کیا ہو۔

ہمارے ملک کی سوشیل حالت کی درستی کے لیئے میرے خیال میں یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ ہم غریب سے غریب اور مظلوم سے مظلوم ہم ملک کو ہمدردی اور قدر کی نگاہ سے دیکھیں نہ تکبر اور خود پسندی کے ساتھہ۔

ہندوستان میں چونکہ صدیوں سے زبردست زیردستوں کے ساتھہ خلاف انصاف برتاؤ کرتے آئے ہیں اس لیئے یہاں کی ہوا میں اس قسم کے خیالات رچ گئے ہیں۔ وہ لوگ جو عالی خاندان کہلائے جاتے ہیں وہ غربا کو رذیل سمجھنا اور اُن کے ساتھہ اسی قسم کا برتاؤ کرنا اپنی بزرگی کے قیام کے لیئے لازمی خیال کرتے ہیں۔ ان خیالات کو دور یا کم کرنے کے لیئے انگلستان جیسے انصاف پسند آزاد و مہذب ملک کی تعلیم میرے خیال میں لازمی ہے۔ میں تعلیم انگلستان کے اس اثر کو نہایت امیدوں بھرے دل کے ساتھہ پسند کرتا ہوں اور

یقین کرتا ہوں کہ رفتہ رفتہ اس کی بدولت ملک میں سے سوشیل ظلم کم اور باہمی اتفاق و اخلاص زیادہ ہوگا۔

چوتھی قسم کی تعلیم جو انگلستان میں حاصل ہوتی ہے وہ پولٹکل ہے۔ پولٹکل تعلیم اون اُصول کی تعلیم ہے جنپر گورنمنٹ حال مبنی ہے۔ ہندوستان کی موجودہ حالت پر غور کرتے ہوئے اور اُس رشتہ او تعلق پر غور کرتے ہوئے جو آج اُس کے اور انگلستان کے درمیان واقع ہے یہ یقینی امر ہے کہ جو پولٹکل تعلیم ہماری خاص ضرورتوں کے لحاظ سے ہمکو انگلستان میں ہوسکتی ہے اور کہیں نہیں ہوسکتی۔ ہندوستان میں تو پولٹکل تعلیم موجودہ حالت میں ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ نہ یہاں کے لوگوں کو اس قسم کے امور سمجھنے کی لیاقت ہے اور نہ انکو کوئی موقع حاصل ہے کہ وہ اُس میں تعلیم حاصل کریں۔ انگلستان کے پولٹکل لحاظ سے ایک خاص حالت ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں ملک کے لوگوں کو پولٹکل معاملات میں نہ دلچسپی ہے اور نہ کچھ دخل۔ اس کے برخلاف انگلستان میں وہاں کے عام لوگوں کو سب ملکوں سے زیادہ دلچسپی اور سب ملکوں سے زیادہ اصلی دخل حاصل ہے۔ اور نہ صرف آسودہ اور خاص خاص لوگوں کا بلکہ غربا اور مزدوروں کا بھی ملک کے گورنمنٹ میں بہت کچھ اثر ہے۔ جب کوئی قانون بنتا ہے اول اُس کی تجویز برسوں اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے کل ملک کے سامنے پیش ہوتی ہے اُسپر سب بحث کرتے ہیں۔ بحث کے بعد جب ایک کافی تعداد ملک کے لوگوں کی اُسکو پسند کرتی ہے تب وہ پارلیمنٹ میں پہونچتی ہے۔ پھر جس شکل میں کہ وہ پارلیمنٹ میں پیش ہوتی ہے اُسپر کل ملک میں بحث ہوتی ہے اور اُس کے کل پہلوؤں پر کل ملک غور کرکے اخباروں رسالوں اور جلسوں کے ذریعہ سے اپنی رائے ظاہر کرتا ہے اور اُسکا پورا اثر پارلیمنٹ پر پڑتا ہے جو ملک کی مرضی کے خلاف کوئی تجویز

نہ پیش کر سکتی ہے اور نہ منظور۔

اس سے مطلب یہ ہے کہ جبکہ ملک کے عام لوگوں کا اس قدر حصہ قانون کے وضع کرنے اور منظور کرنے میں ہے تو اس سے ملک کے پولٹکل حالت کو کسقدر ترقی ہوتی رہتی ہے اور ملک کی پولٹکل زندگی میں کس قدر قوت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ بڑے بڑے وزرا مزدوروں اور کسانوں کی خوشامد کرتے ہیں اور رات دن اسی فکر میں رہتے ہیں کہ رعایا ان کی کارروائی اور خدمت سے آرام و آسایش پا کر ان سے خوش ہو۔

ایک نوعمر تعلیم یافتہ ہندوستانی جبکہ کئی سال تک ایسے لوگوں میں اور ایسی پولٹکل ہوا میں رہیگا تو ظاہر ہے کہ اُسپر کیا اثر ہونا چاہیئے۔ ان باتوں کو دیکھنے اور سمجھنے سے وہ کچھہ کچھہ اُن اُصول کو سمجھنے لگتا ہے جنپر کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ ہند مبنی ہے یعنی یہ کہ انگلستان کا ہندوستان پر حکومت کرنا خود ہندوستان کے نفع و ترقی کے لیئے ہے نہ کہ ذاتی غرض سے۔ انگلستان کا جو طرز حکومت ہے وہ اُس سے واقف ہو جاتا ہے۔ انگلستان کی مجموعی اور جمہوری جو قوت ہے اور دنیا پر جسقدر آج اُسکا اثر ہے اُس کا بھی اُسکو کچھہ کچھہ اندازہ ہو جاتا ہے۔ غرضکہ وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ انگلستان کی حکومت نے جو ہندوستان میں بیمثل نتایج دکھلائے ہیں اُن کی وہ قدر کر سکے اور جن طریقوں و قوانین کے ذریعہ سے وہ نتایج ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ ان کی اصلیت کو سمجھنے لگے۔ جو لوگ ملک کے سچے بہی خواہ ہیں وہ ضرور پولٹکل تعلیم کی قدر کریں گے کیونکہ گورنمنٹ کے قیام اور استحکام اور ملک کے امن و امان کے لیئے یہ ضروری ہے کہ رعایا گورنمنٹ کے اُصول و طرز حکومت کو سمجھکر اس قابل ہو کہ گورنمنٹ کی قدر کرے اور گورنمنٹ

کو اپنی بہبودی اور خدمت کے لیئے ضروری سمجھے۔ جہاں تک کہ میں سمجھ سکتا ہوں اُس پولٹکل تعلیم کا جو نگلستان میں حاصل ہوتی ہے یہ لازمی نتیجہ ہے کہ رعایا ہند برٹش گورمنٹ کو مجموعی حالات کے لحاظ سے اپنے لیئے سب سے بہتر سمجھے۔ جنکو وہ تعلیم حاصل ہوئی ہے وہ جہاں تک کہ مجکو علم ہے ضرور سمجھتے ہیں۔

پانچویں قسم کی تعلیم جو انگلستان جانے سے حاصل ہوتی ہے دماغی تعلیم ہے۔ ہندوستان میں ہماری زندگی اس قدر تاریک اور سست حالت میں ہے کہ ہماری خداداد قوتوں کو اپنی ترقی اور کام میں آنے کا پورا موقعہ نہیں ملتا۔ اسوجہ سے ہمارے خیالات کا دائرہ نہایت محدود رہتا ہے۔ نگلستان جانے سے ہماری دماغی اور عقلی قوتیں سب کام میں آنا شروع ہوتی ہیں۔ بہت سے نئے مضامین نئے طرز اور نئی حالتیں ہمارے دماغوں کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے کثرت سے نئے خیالات دماغوں میں پیدا ہوتے ہیں اور نئے خیالات پیدا کرنے کی دماغوں میں رغبت اور قوت پیدا ہوتی ہے اس سے جو دماغی ورزش ہوتی ہے اور اُس ورزش سے جو دماغی ترقی ہوتی ہے اُسکو میںنے دماغی تعلیم بیان کیا ہے۔ یہ میرا خیال ہے کہ جس درجہ تک یہ دماغی تعلیم ہمکو نگلستان جاکر حاصل ہوتی ہے یہاں نہیں ہوسکتی م

م اپنے ملک سے چھ ہزار کوس کا فاصلہ طے کرکے ایک غیر ملک میں جانا اور وہاں چند سال رہنا خود ایک بہت بڑی چیز ہے خاصکر جبکہ وہ ملک نگلستان ہو۔ ہندوستان کے کنارے سے روانہ ہوتے ہی بالکل نئے اور اجنبی واقعات اور حالات دکھائی دیتے ہیں۔ جہاز ہی میں نئے لوگوں اور نئی حالتوں سے واقفیت ہونا شروع ہوتی ہے اور دماغ میں نئے نئے خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ پھر نگلستان پہونچنے پر وہاں کی دولت۔

شوکت۔ ثروت۔ وہاں کے لوگوں کے عالی خیالات اور عمدہ صفات عجب عجب خیالات سُجھاتے ہیں۔ انگلستان کی ترقی کو دیکھکر اور اپنے ملک کی ذلت اور خستہ حالی کی یاد اگر جو دونوں کی حالتوں کے مقابلہ کے بعد اُن کے اسباب کی نسبت دل میں خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ بیان سے باہر ہیں۔

آج کل ہمارے ملک میں ہمدرد اور روشن دماغ لوگ ملک کی خراب حالت کی نسبت لوگوں کو توجہ دلا رہے ہیں۔ کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ مضامین شائع ہوتے ہیں لیکچر اور اسپیچیں دیجاتی ہیں۔ مگر ظاہرا کچھ بہت اثر معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن مردے سے مردہ دل اور بہتے سے بہتے ہندوستانی کو لندن لیجا کر دکھاؤ تو ممکن نہیں کہ اُس کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ہمارے ملک میں اور اس ملک میں اسقدر فرق کیوں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے اسکا جواب اُس کی عقل کچھ ہی دے مگر اُس کے دماغ میں ممکن نہیں کہ اس قسم کی تحریک نہو۔ اور یہ ہر ایک حالت کی نسبت۔ دولت کی نسبت۔ تہذیب کی نسبت۔ علم کی نسبت غرضکہ جن جن امور میں انگلستان کے لوگ ہم سے برتر ہیں (اور یہ ظاہر ہے کہ قریب قریب ہر ایک چیز میں آج وہ ہم سے بڑھے ہوے ہیں) اُن سب کی نسبت ایک نوعمر ہندوستانی کے دل میں ایک حسرت بھری خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش اُس کے ملک میں بھی ایسی ترقی ہوتی۔ ایسے اثر سے جو دماغ میں خیالات پیدا ہوتے ہیں اور اُس سے جو دماغی تعلیم ہونی چاہیئے وہ ظاہر ہے۔ اور ان خیالات کے پیدا کرنے کے لیئے ایسا ہی پُر عظمت۔ پُر شوکت اور پُر دولت ملک درکار ہے جیسا کہ انگلستان۔ علاوہ اس کے انگلستان کی روزانہ زندگی میں دماغ کا بہت خرچ ہے۔ قریب قریب ہر ایک شخص کا کم یا زیادہ تعلیم یافتہ ہونا کل علوم کا عام طور پر رائج ہونا کتابوں کا کثرت سے پڑھا جانا اخباروں و رسالوں کا کثرت سے چرچا ہونا ان سب وجوہ سے عام گفتگو میں

وہ مضامین رہتے ہیں جن کے سمجھنے اور جن پر گفتگو کرنے کے لئے دماغ کے صرف کرنے کی ضرورت ہے۔ جو ہندوستانی طالب علم انگلستان میں کچھ سال رہتے ہیں انپر ضرور اس دماغی زندگی کا اثر پڑتا ہے۔

متذکرۂ بالا سطور میں نہایت اختصار کے ساتھ میں نے اُن امور کیطرف توجہ دلائی ہے جن کی تعلیم ایک نوعمر ہندوستانی طالب علم کو انگلستان میں لازمی طور پر کم یا زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ آیندہ حصہ میں انشاء اللہ میں وہاں کے رہنے۔ طریقوں تعلیم اور اخراجات کی نسبت تحریر کرونگا۔ . . . . باقی آیندہ

آفتاب احمد خاں احمدی

بی۔ اے و بیرسٹرایٹ لا

نپولین اعظم کا مصر میں آنا

جسقدر دلچسپی عام مسلمانوں کو نپولین اعظم کے مصر میں آنے کے واقعہ سے ہو سکتی ہے وہ غالباً انکو اس کے سوانح عمری کے اور کسی واقعہ سے نہیں ہو سکتی۔

کہتے ہیں کہ اس موقع پر اس عظیم الشان فاتح نے جو صرف چند سال بعد تقریباً آدھے یورپ کو فتح کر کے اپنے زیر قدم لانے والا تھا۔ علانیہ اپنا میلان خاطر مذہب اسلام کی طرف ظاہر کیا مشہور ہے کہ جب وہ مصر میں . . . سب سے بڑے اہرام مقبروں کی سیر کرنے گیا تھا۔ جو زمین کی سطح سے بطور سرداب کے بنے ہوئے ہیں۔ تو اُسنے ایک مفتی سے حیلۃً بیان کیا تھا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اور اُسکے روبرو بظاہر اعتقاد اور صداقت کے طرز سے کلمہ شہادت بھی پڑھا تھا لیکن نپولین کا پرائیویٹ سیکرٹری جو اس سفر میں اس کے ہمرکاب تھا ان بیانات کی قطعی تکذیب

کرتا ہے۔ یہ بیان صحیح ہوں یا غلط۔ تاہم نپولین کا عام رویہ اور برتاؤ مصر میں اسی قسم کا تھا جس سے کہ اس قسم کی خبریں ظاہر ہوئیں۔ اور غالباً نپولین ان کے شیوع ہونے سے ناراض نہ تھا

پہلے ہم مختصر طور سے اس حکمت عملی پر نظر ڈالتے ہیں جس سے اس مہم کی بنا پڑی۔
نپولین کا یہ حملہ تمام قوانین جنگ کے بالکل خلاف تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں فرانس اور ٹرکی میں صلح تھی۔ اور اسوجہ سے فرانس کو کوئی حق حاصل نہ تھا۔ کہ ٹرکی کے ایک صوبہ پر فوج لیکر چڑھ آئے۔ لیکن نپولین کی بلند خیالی اور عالی حوصلگی اس قسم کے خیالات سے کب رُکنے والی تھی۔ نپولین کو امید تھی کہ مصر کے فتح ہوجانے سے فرانس کو ایسی آبادی پر قبضہ حاصل ہوجائیگا۔ جو جزائر غرب الہند کے تمام فرانسیسی مقبوضات کی مقابلہ میں بہت زیادہ زرخیز اور مفید مطلب ہے۔ اسکا ارادہ تھا کہ دریائے نیل پر ایک فرانسیسی بستی آباد کرتا جس کی ترقی اور بہبودی کے لیئے غلاموں سے کام لینے کی ضرورت نہ پڑتی۔ بلکہ یہ بستی فرانس کی اشیار صنعت کے خرید و فروخت کے لیئے ایسا مفید بازار ہوجاتی۔ کہ فرانس کے ہر قسم کے کارخانجات صناعی کو اس سے بہت بڑا فائدہ پہنچتا۔ افریقہ کے باشندوں کی ضروریات مہیا کرنے کے لیئے صرف فرانسیسی کاریگر کام میں لگائے جاتے اور اس کے بدلے میں فرانس کو مصر سے گیہوں۔ چاول۔ شکر (Nitre) شورا وغیرہ افریقہ اور ایشیا کے تمام پیداوار مل سکتیں۔ علاوہ ازیں نپولین سمجھتا تھا کہ اگر فرانس کا اقتدار مصر میں قائم ہوگیا۔ تو انگریزوں کو زیادہ عرصے تک ہندوستان میں قدم جمانا ناممکن ہوجائیگا۔

نہ کہ نہر سویز میں نہر کاٹنے سے ہندوستان کی تجارت انگریزوں سے نکلکر فرانسیسیوں کے قبضہ میں آجائیگی اور انگریزی سوداگری کے جہاز جو اس زمانے میں راس امید کے گرد ہوکر ہندوستان آتے جاتے ہیں۔ انکا کاروبار جاتا رہیگا۔ نپولین کی تجویز تھی کہ بحیرۂ احمر کے ساحل

جہازوں کے بیڑے طیار کرائے جنگو سامان رسد اور ضروریات زندگی تو مصر کی پیداوار سے ملجائیں۔ اور فرانسیسی فوجیں جو مصر میں مقیم کیجائیں۔ ان میں بھرتی ہوں۔ اس تدبیر سے پنولین سمجھاتا کہ میں ہندوستان کا مالک بن جاؤنگا۔ قبل اس کے کہ انگریزوں کو میرے ارادوں کے دریافت کرنے کا موقع ملے۔ یہ بھی ایک تعجب انگیز امر ہے کہ اُسنے مرہٹوں اور ٹیپو صاحب سے مدد چاہی تھی۔

مصر میں پہنچنے کے بعد پنولین نے ٹیپو صاحب کو یہ کہلا بھیجا تھا کہ آپ کو پہلے ہی اطلاع ہو چکی ہے کہ میں ایک نہایت زبردست اور ناممکن التسخیر فوج لیکر بحیرہ احمر کے ساحل پر آپہنچا ہوں۔ اور آپ کو انگریزوں کے ظالم پنجے سے چھڑانے کی خواہش رکھتا ہوں اسی قسم کی دلیرانہ اور بلند نظری کی تدبیروں کو پورا کرنے کی غرض سے پنولین مصر کو فتح کرنا چاہتا تھا وہ صرف کسی ایسے حیلہ کا محتاج تھا جس سے وہ مصر پر توحملہ کر سکے مگر ٹرکی سے جنگ نہو۔ اس لیئے اسنے وزیر اعظم ٹرکی کو لکھ بھیجا۔ کہ فرانس کی فوج مصر میں آگئی ہے تا کہ فرقہ مملوک کے سرداروں کو اسبات کی سزا دے۔ کہ وہ فرانسیسی سوداگروں کے ساتھ ہمیشہ گستاخی اور مزاحمت کرتے رہتے ہیں۔ ساتھ ہی پنولین نے سلطان ٹرکی سے ایک فرمان کی درخواست کی جس میں اُس نے اجازت چاہی کہ وہ ملک مصر کی قسمت کا فیصلہ قطعی طور سے کردے۔ اور تمام امور ریاست کا انتظام اس خوبی سے کرے کہ اُس سے سلطنت ٹرکی اور سرکار جمہوریہ فرانس کی عظمت و شان زیادہ ہو جاسے۔ اور نیز بی اور مملوک جو دونوں سلطنتوں کے دشمن ہیں بالکل پامال کر دیئے جائیں لیکن یہ کہنا کچھ ضرور نہیں۔ کہ ترک کسی طرح پنولین کی ان دلفریب باتوں میں نہیں آئے۔

یہ امر بیشک درست ہے۔ کہ اُس زمانے میں مملوک فرقہ کے آزاد و خود مختار ہونے کے سبب

ملک مصر کی حالت بہت افسوسناک تھی۔ بلکہ غالباً اس حالت کی مثال تاریخ میں نہیں مل سکتی معلوم ہوا ہے کہ فرقہ مملوک کی ابتدا سلطان صلاح الدین کے زمانے میں ہوئی۔ سلطان موصوف نے اس فرقہ کے لوگوں کا ایک رسالہ بطور اپنے ذاتی محافظ یعنے باڈی گارڈ کے بنایا تھا۔ لیکن یہ رسالہ بجز سلطان کی ذات کے کسی اور شخص کے ماتحت یا متعلق نہ تھا۔ مملوک بچپن سے صوبہ جات سرکیشیا اور جارجیا میں خرید ہوئے تھے اور جس طرح سے کہ قسطنطنیہ میں ٭جنی سرزمیں سے اسی طرح ان لوگوں کی تعلیم و تربیت بھی محض جنگی خدمات کے لیئے ہوتی تھی۔ مملوک عرب کے عمدہ سے عمدہ گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے۔ اور ان کی جمعیت سلطان صلاح الدین کی فوج میں نہایت باشان و شوکت تھی۔ کچھ عرصے میں یہ تیز فہم اور طاقتور گروہ رفتہ رفتہ جنگجو ہو گیا۔ اس گروہ کی ۲۴ جماعتیں قائم ہو گئیں۔ جو بجز اپنے اپنے سرداروں کے کسی اور کا حکم نہ مانتی تھیں۔ ان کے سردار بی کہلاتے تھے۔ اور اُن کے ماتحت سب لوگ مملوک کہلاتے تھے۔ یہ سب گروہ ملکر ایک ایسی جنگجو طاقت بن گئی تھی جو خود مختارانہ طور سے ملک پر حکومت کرتی تھی۔ سلطان کی برائے نام حکومت کی کچھ پرواہ نہ کرتی تھی۔ بلکہ سلطان کے مذہبی اعتقادات کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔

نپولین نے اپنے مصر میں پہونچنے سے پیشتر ہی یہ کام کیا۔ کہ ملک مصر کی تمام رعایا کے نام ایک اعلان جاری کیا۔ جس میں اُس نے فرقہ مملوک کی ظالمانہ حکومت کو بہت بُرا بتایا۔ اور ظاہر کیا کہ میں ملک مصر میں امن اور آسایش قائم کرنے کی غرض سے نجات دہندہ بن کر آیا ہوں۔ اسی اعلان میں نپولین نے یہ بھی درج کیا تھا کہ میں۔ خدا۔ رسول اور قرآن شریف کی

٭ جنی سری (جان نثار) سلطنت عثمانیہ کے ایک مشہور دستہ فوج کا نام ہے۔ جو پہلی دفعہ ۱۳۲۶ء میں قائم ہوا تھا اسی دستہ کو ینگچری بھی کہتے ہیں

ملوکیوں سے زیادہ وقعت کرتا ہوں نیز علماء مذہب کی طرف خطاب کرکے لکہا تہا کہ قاضی شیخ
اور امام سب لوگوں سے کہدیں۔ کہ ہم پکے مسلمانوں کے دوست ہیں ہیں وہی ہیں جس نے پوپ
کو برباد کیا۔ جو کہتا تہا کہ مسلمانوں سے جنگ کرنا ضروری ہے، ہم نے جزیرۂ مالٹا ____ کے نائٹ
(غازی) تباہ کرڈالے۔ کیونکہ وہ کم فہم جنگ آور یقین رکہتے تہے۔ کہ خدا نے انکو مسلمانوں سے
لڑنے کے لیئے مخصوص کیا ہے، جو لوگ ہماری طرف ہوں گے اُنکو تین خوشیاں حاصل ہونگی
، وہ اپنی دولت اور مرتبہ میں ترقی پائینگے، وہ لوگ بہی جو جانبین میں سے کسی طرف نہوں گے
خوش رہینگے۔ کیونکہ انکو ہماری غرض اور نیت سمجہ لینے کا موقع ملیگا۔ پہر وہ ہمارے جانبدار
ہو جائینگے، لیکن افسوس ہے بلکہ سخت افسوس ہے اُن لوگوں پر جو ملوکیوں کے طرفدار
بنکر ہمارے خلاف ہتہیار اوٹہائینگے۔ اور ہم سے لڑینگے، ایسے لوگوں کے لیئے کوئی امید باقی
نہیں وہ ضرور فنا ہوں گے۔

اسی طرح نپولین... ایک اور تحریر میں جو اس نے چند مہینے بعد پاشائے عکہ کے نام
بہیجی تہی۔ دین اسلام کا حامی اور محافظ ہونے کا دعوے کرتا ہے، وہ لکہتا ہے "میں جو
مصر میں آیا۔ اور فرقہ ملوک کے سرداروں سے لڑا۔ یہ کام مین نے صرف تمہارے فوائد کے
لیئے درست اور مناسب سمجہ کر کیا ہے۔ کیونکہ ملوک تمہارے دشمن ہیں، میں مسلمانوں سے
جنگ کرنے نہیں آیا ہوں، تمکو معلوم ہے کہ جزیرۂ ملاطیہ میں پہنچکر پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہ تہا
۔ کہ میں نے دو ہزار ترکوں کو جو برسوں سے غلامی اور قید میں پہنسے ہوے تہے۔ آزاد کردیا
، مصر میں آکر میں نے رعایا کی ہمت بڑہائی اور مفتیوں۔ اماموں اور مسجدوں کی حفاظت کی
مجہسے بڑہکر کسی اور نے زائرین مکہ معظمہ کے ساتہہ توجہ اور مروت سے سلوک نہ کیا ہوگا، حال میں
پیغمبر خدا کی محفل میلاد اس دہوم دہام سے کی گئی ہے۔ کہ کبہی نہ ہوئی تہی، پس فرانسیسوں سے

زیادہ مسلمانوں کا اور کوئی دوست نہیں ہے۔"

اس مضمون لکھنے کا یہ منشا نہیں ہے کہ مصر میں جو لڑائیاں فرنسیسوں سے ہوئیں۔ انکا بیان کیا جائے یا اُن معرکوں کا ذکر ہو جن کی وجہ سے فرانسیسوں کو اس مہم میں ناکامی ہوئی راقم صرف اسقدر بیان کرنا چاہتا ہے۔ کہ نپولین نے مصر میں مذہب اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کس قسم کے تعلقات رکھے۔ بیشک اس نے حتی المقدور کوشش کی۔ کہ مسلمانوں کے دل اپنے ہاتھ میں لیلے۔ نپولین کے حکم سے قرآن و احکام الہی اور ملکی اور مذہبی محکمہ جات کا بہت ادب کیا جاتا تھا۔ شادی کی رسوم اور عورتوں کی بہت احتیاط سے حفاظت کیجاتی تھی۔ جس زمانے میں نپولین قاہرہ پر قابض تھا۔ اس نے پیغمبر خدا کی میلاد کی محفل بہت دھوم سے منعقد کی۔ نپولین مذہبی تقریبوں میں بڑی شان و شوکت سے شریک ہوتا تھا۔ اور بعد میں شیخ اعظم کے ساتھ پر تکلف ضیافتیں کھاتا تھا۔ وہ اکثر شہر کے خاص خاص مشایخ کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کے لیئے مدعو کرتا تھا۔ اور مذہبی بحثوں پر اُنسے دیر تک گفتگو کیا کرتا تھا۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ کہ نپولین کا یہ طریقہ محض پولٹیکل تدبیروں کی وجہ سے تھا۔ نہ کہ مذہبی خیالات سے۔

اُسکا سیکرٹری اسکی بابت صاف طور سے کہتا ہے کہ "بلاشبہ نپولین مقامی مذہب یعنے اسلام کی طرف بہت توجہ کرتا تھا اور بیشک اسکا رویہ زیادہ تر مسلمانوں جیسا تھا۔ نہ کہ عیسائیوں کے مانند۔ ایک روشن دماغ فاتح کو اپنی فتوحات مستحکم کرنے کے لیئے ضرور ہے کہ مفتوح رعایا کے مذہب کی حفاظت اور تعریف کرے۔ بلکہ اس کی خوبیوں میں مبالغہ کرے۔ نپولین نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہ سب مذہبوں کو انسان کی اختراع سمجھ کر یکساں جانتا تھا۔ لیکن وہ مذہب کی عزت انکو حکمرانی کا ایک مضبوط و معاون آلہ سمجھکر کرتا تھا۔ تاہم میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر اس کی

مشرقی فتوحات اس درجہ قابل قدر ہوتیں۔ تو وہ تبدیل مذہب نہ کر دیتا۔ جو باتیں وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مذہب اسلام یا قرآن شریف کی بابت ملک کے سر برآوردہ لوگوں کے سامنے کرتا تھا۔ اُن پر وہ خود تنہائی میں ہنسا کرتا تھا۔ لیکن وہ چاہتا تھا۔ کہ اس کی باتیں ہر شخص کی زبان پر عام ہو جائیں۔ اور اس کے مذہبی خیالات کا ترجمہ عربی اشعار میں کیا جائے تاکہ عام لوگوں کا گمان اُس کے حق میں نیک ہو۔ اسی لحاظ سے اسنے اپنے ایک جرنیل کو لکھا تھا۔ "میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تمنے ہمارے پیغمبر کی عزت کی ہے" یہ بھی مسلم ہے کہ نپولین نے اسلام کے بہت سے علما مذہب سے بحث کی تھی۔ لیکن اس نے ایسی تحقیقات کبھی سچے دل اور خلوص نیت سے نہیں کی۔ یہ کام صرف وہ دل بہلانے کی غرض سے کرتا تھا۔ وہ مولوی جو ہم فرانسیسوں کو مسلمان بنا کر بہت خوش ہوتے۔ اپنی گفتگو میں ہمارے لئے بہت سی تخفیفیں اور رعائتیں بیان کرتے تھے۔ لیکن یہ مباحثے کبھی اسقدر صاف باطنی اور صداقت دلی سے نہیں ہوئے جن سے شبہ ہو سکے کہ کسی وقت میں انکا کوئی عملی نتیجہ ظہور میں آتا۔ اگر نپولین نے کسی وقت میں اپنے آپ کو مسلمان بتایا۔ تو صرف اسوجہ سے کہ وہ ایک افسر فوج اور پولیٹیکل سردار کی حیثیت سے ایک مسلمانی ملک میں آیا ہوا تھا۔ اسکو اپنی کامیابی۔ اپنی فوج کی خیر و عافیت اور اپنی نیک نامی کا خیال مد نظر تھا۔ کسی اور ملک میں بھی جا کر وہ اس قسم کے اعلان جاری کرتا۔ اور اسی طرز کی گفتگو وہاں کے باشندوں سے بھی کرتا۔ مثلاً ایران میں وہ حضرت علیؓ کا معتقد بن جاتا۔ تبت میں لاما کا چیلا اور چین میں کنفیوشش کا پیرو ہو جاتا۔ اگرچہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ نپولین نے خود کبھی مسلمان ہونے کا قطعی ارادہ کیا ہو۔ لیکن اس کے چند سردار واقعی مسلمان ہو گئے۔ جنرل منو جنسے مذہب بدلکر عبداللہ نام اختیار کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس افسر کو ملک مصر اور وہاں کے مذہب کے ساتھ اصلی ہمدردی

تھی، اسنے (Rossett) رشید یہ کی رہنے والی ایک مصری خاتون سے شادی کی جس کے ساتھ وہ فرانسیسوں کے مانند بہت اخلاق سے پیش آتا تھا۔ کھانے کے کمرے میں داخل ہوتے وقت جنرل منو اپنی بیوی کو ہاتھ کا سہارا دیتا تھا، میز پر اُسے سب سے اچھی جگہ بٹھاتا تھا۔ اور عمدہ سے عمدہ کھانا ہمیشہ اُسکو کھلاتا تھا۔ اگر اُسکا رومال گر پڑتا تھا تو وہ دوڑ کر اُٹھا دیتا تھا، اس کی بیوی نے یہ باتیں اور مسلمان خاتونوں سے بیان کیں۔ تو اُن سب نے ملکہ سلطان کبیر یعنی نپولین (کیونکہ مصر میں وہ اسی لقب سے مشہور تھا،) کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی اور درخواست کی کہ ان کے خاوند بھی اسی طرح اُن کے ساتھ اخلاق سے برتاؤ کرنے پر مجبور کیئے جاویں،

جنرل منو مصر سے اپنے سب ساتھیوں کے بعد روانہ ہوا جبکہ ۱۸۰۱ء میں فرانسیسی فوج نے اس ملک کو خالی کر دیا۔ اور نپولین کی یہ خواہش کہ مشرق میں ایک عظیم الشان سلطنت قائم کرے۔ مرجھا کر بالکل معدوم ہو گئی۔ فقط راقم ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ صاحب پروفیسر فلاسفی۔

مترجمہ سلام الحق

انجمن الفرض کا چوتھا سالانہ جلسہ

خدا کے فضل سے اس انجمن کا سالانہ جلسہ ۶۔ اگست کی شام کو پرنسپل ہال میں بہت رونق اور شان سے منعقد ہوا۔ طالب علموں کی کثرت سے ہال میں کرسیاں بچھانے کی گنجایش نہ تھی۔ اس لیئے مشرقی طرز محفل کے مطابق سب کے لیئے فرش کرا دیا گیا تھا۔ خود پرنسپل صاحب ایک چوکی پر جلوہ افزائے صدر تھے، سب سے پہلے انجمن کے معزز امین پروفیسر آرنلڈ صاحب نے اپنی سالانہ رپوٹ پڑہی۔ جسکا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ سال گذشتہ

میں مار سیسہ سوبنا کے لیے۔ صما عنہ بہ وظائف۔ اور صما صہ تعمیر کے فنڈ میں جمع ہوا۔ باوجودیکہ امسال اکثر طالب علم کچھ بھی نہیں لائے۔ تاہم اسقدر چندہ پہلے کسی برس میں نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں فری بورڈنگ فنڈ میں جو اعنہ روپیہ جمع ہیں۔ انہر صہ منافع ملا۔ الفرض کی دوکان میں اسباب حسب تفصیل ذیل موجود ہیں۔ مال فروختنی سما عنہ قرضہ واجب الوصول صما عنہ۔ نقد جمع ما عنہ + اس مجموعہ میں سے صما عنہ بابت قرضہ دادنی اور عنہ بطور تسم ناقابل وصول وضع کر دینے کے بعد دوکان کے فنڈ میں صما عنہ کی رقم بچتی ہے۔ کل آمدنی میں امسال خرچ اسطرح ہوا۔ کہ ما عنہ وظیفوں میں دیئے گئے صما آنریری سیکرٹری کالج کمیٹی کو ایک جدید کمرے کی تعمیر کے لیے دیئے گئے جسکا کرایہ وظائف میں لگایا جائیگا اور للعا صہ نقدالفرض کے نام سیونگ بنک میں جمع ہوئے۔ تعمیر کے فنڈ میں سے صما ایک اور کمرے کی بابت جو سکول کے طالب علموں کے واسطے بلا کرایہ ہوگا۔ صرف کیئے گئے ہیں۔ تاہم اس فنڈ میں صما عنہ جمع ہیں۔ انجمن کی مستقل اس المال میں الصما کے کمرے بنے ہوئے ہیں۔ اور اعنہ وظائف کے فنڈ میں نقد موجود ہیں۔

فاضل امین کی رپورٹ ختم ہونے کے بعد صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب ایم ی نے ایک مدلل اور فصیح تقریر میں اس انجمن کی مختصر تاریخ اور اُس کے اغراض و مقاصد بیان فرمائے۔ صاحب موصوف نے جتایا۔ کہ اس کالج کی تکمیل میں مدد دینا ہر طالب علم کا فرض ہے۔ کیونکہ اسی کی تکمیل پر قوم کی تمام آیندہ امیدیں وابستہ ہیں۔ اور کہا کہ جہاں تک ممکن ہو۔ دامی۔ درمی۔ سخنی۔ قلمی۔ ہم سبکو کالج کی امداد لازم ہے۔ ان کے بعد سرفراز خاں صاحب نے بہت خوبی سے مقاصد انجمن کی تائید کی۔ اور اپنے کالج کے دوستوں سے التجا کی۔ کہ

الغرض کے لیئے کمر ہمت باندہیں - بعدہٗ محمد علی خانصاحب نے اپنی اُردو تقریر میں انجمن کے
فوائد اور اغراض وضاحت سے بتائے - ان کے بعد حافظ ولایت اللہ صاحب بی اے نے
اپنی اُردو نظم پڑہی جو اسی پرچہ میں ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہے - حافظ صاحب کا کلام جو سادگی اور پاکیزگی
کی وجہ سے ہمیشہ مقبول ہوتا ہے تعریف کا محتاج نہیں ہے + پہر سید محمد صاحب نے انگریزی
میں بہت خوبی اور صفائی سے تقریر کی + ان کے بعد سلام الحق نے بہی اور سب صاحبوں کی تقلید
کرکے انجمن کے مقاصد وغیرہ بتانے کی کوشش کی + آخر میں لوی بہادر علی صاحب ایم اے نے
گفتگو فرمائی - انجمن کی پچہلی کارروائیاں بیان کرکے آیندہ کامیابی کی امیدیں دلائیں اور کہا کہ
نہ صرف اس انجمن کی بلکہ کالج اور تمام قوم کی آیندہ بہبودی صرف ہم نوجوان طلبا کی ہمت -
جوش اور قومی ہمدردی پر موقوف ہے - اس لیئے ہم سبکو لازم ہے کہ اپنی خواب غفلت سے
بیدار ہوں اور رفاہ قوم کے کاموں میں مدد کرکے تلافی مافات کریں - سب کے بعد جناب پرنسپل
صاحب نے نہایت جوش سے انگریزی میں ایک بلیغ و فصیح لکچر دیا جو اسی پرچہ میں ناظرین کے
ملاحظہ کے لیئے شایع کیا جاتا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ طلبا پر اسوقت تمام تقریروں کا معقول
اثر ہوا - اکثر نے چندہ کے کارڈ اور عرضداشت لیں - اور حتی المقدور انجمن کے لیئے کوشش
کرنے کا وعدہ کیا + جلسہ کی کارروائی میجک لین ٹرن کے تماشے کے بعد جو سید زین الدین صاحب
نے بہت صفائی سے دکہایا ختم ہوئی + خدا کرے کہ آیندہ سال بہی پچہلے برس کی طرح آمدنی
سب سے بڑہ کر رہے - اور اسی طرح اس انجمن کو روزافزوں ترقی نصیب ہو - آمین +

از حافظ محمد ولایت اللہ بی اے طالب علم مدرسۃ العلوم در جلسہ سالانہ انجمن الغرض منعقدہ اگست سنہ ۱۸۹۵ء

عبث ہے یہ سب میری ہرزہ سرائی — کہ واقف ہے مدت سے ساری خدائی
مسلمانوں پر ہے کچھ ایسی بن آئی — کہ مشکل سے ممکن ہے جس سے رہائی

جسے دیکھئے ہے پریشان و مضطر
نہ ہمدرد کوئی نہ غمخوار و یاور

نہ علم و ہنر ہے نہ صنعت نہ حرفت — نہ ہے پاس دولت۔ نہ کچھ پاس عزت
طبیعت میں غیرت نہ قومی حمیت — ارادوں میں وسعت نہ رفعت نہ ہمت

کبھی تھے جو باجاہ و ذوالقدر و ذیشاں
وہ پھرتے ہیں سب خوار و مفلس پریشاں

یہ سب کچھ بری اُن کی حالت ہوئی ہے — مگر اب بھی دیکھو تو غفلت وہی ہے
جو پوچھو کہ کوئی خطا وار بھی ہے — تو الزام سے صاف ہر ایک ہی ہے

زمانے کے نالاں ہیں قسمت کے شاکی
کہ مجبور ہیں۔ ہم نے کوئی خطا کی

ذرا سوچو سمجھو حقیقت کو جانو — زمانے کو مت بیچ میں اپنے سانو
جو ایمان کی پوچھو اے مہربانو — تو ہے سو کی اک بات مانو نہ مانو

زمانے پہ ناحق ہیں الزام سارے
یہ کرتوت ہیں سب ہمارے تمہارے

یہ کس طرح حالت ہماری سنبھلتی — یہ ٹلتی ہی سر سے تو کس طرح ٹلتی

کسی کی اگر آپ سے کے آگے چلتی　　تو حالت ہماری یقیناً بدلتی ! !

نہیں تم میں ہمت یہ سارا سبب ہے

جو تل جاؤ اس پر تو مشکل ہی کب ہے

یہ کہتا نہیں میں کہ وقت کرو تم !　　ابھی کام مشکل جو ہو مت کرو تم !

مگر قوم کی کچھ سر تو خدمت کرو تم　　جو کچھ ہو سکے تم سے ہمت کرو تم

تو دیکھیں مصیبت یہ ٹلتی نہیں ہے

ہماری یہ حالت بدلتی نہیں ہے

لکھانا پڑھانا یہ سید کے سر ہے　　اُسے ہی یہی دل سے مدنظر ہے

مگر آپ کو اس کی بھی کچھ خبر ہے　　کوئی کام ہوتا بھی بے سیم و زر ہے

مدد پوری پوری نہ جب تک کروگے

کچھ لو یوں ہی سب پریشاں رہوگے

یہ تعطیل آتی ہے ہو جاؤ یک دل　　معطل نہ بیٹھو نہ بن جاؤ کاہل

نکل جاؤ بازار میں بن کے سائل　　کرو حسب مقدور ہر اک سے حاصل

تو سب کام مشکل یہ آسان ہوویں

جسے دیکھکر سارے حیراں ہوویں

یہ ہے بہا یو عرض تم سے ہماری　　کرو ہو سکے جو مدد اور یاری

لگاؤ جو تم زور سب باری باری　　تو آسان ہوں کام بھاری سے بھاری

یہ ہوں گے تو بس ساتھ سب کے دئیے سے

کہ ہوتے نہیں ایک دو کے کئے سے

فقط

محمدن پریس　　علی گڈھ

اشتہار

ڈیپوٹی شاپ (دوکان انجمن الفرض)

کتب ذیل درخواست کرنے پر بصیغہ ویلیو پے ایبل پارسل یا زر نقد دوکان الفرض سے مل سکتی ہیں *

کتاب		
الماموں مصنفہ شمس العلما مولوی شبلی صاحب نعمانی قیمت بلا محصول	[illegible]	۴ر
سیرة النعمان مصنفہ مولانا موصوف	[illegible]	۴ر
سفر نامہ روم و مصر و شام ایضاً	[illegible]	۵ر
کتب خانہ اسکندریہ ایضاً		۵ر
دیوان حالی مصنفہ مولانا الطاف حسین صاحب حالی	[illegible]	
مسدس حالی مد و جزر اسلام معہ ضمیمہ و فرہنگ		۱۲ر
مناجات بیوہ مصنفہ مولانا الطاف حسین صاحب حالی		۲ر

علاوہ ازیں اور کتابیں بھی موجود ہیں مگر اس مختصر فہرست میں گنجایش اندراج نہیں *

راقم

ولایت حسین

مینیجر ڈیپوٹی شاپ

DEATH OF YUSUF KHAN, SON OF GAUHAR KHAN.

—o—

We are very sorry to announce the death of Yusuf Khan, one of the late students of our College, who has been killed in a skirmish with the troops of the Khan of Kalat. It was a wrong step to take that promising youth in the neighbourhood of his outlaw father, who it was certain would take him away with himself as he actually did. Had Yusuf Khan been allowed to remain in the College for a couple of years more, he would have become a little wiser and would never have fallen in the snares of his father even if compelled to death.

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE

In the next two months our subscribers, we hope, will be contented to get only Urdu portion of the paper, instead of nothing, as given in the notice on the title page.

NIAZ MOHAMMED KHAN,

Manager.

cated and civilized of the nations of Islam, but may go forth as missionaries of education to other Mahomedan countries. All that is needed is to stir the stagnant pool of your society, to arouse and call into play the latent ability that is now wasted, to kindle in all classes, rich and poor, the fire of enlightened patriotism, a patriotism that sees that as British citizens, if only they rouse themselves to energetic action, the capacity for progress among the Mahomedans is boundless. We have to combat the intellectual blindness that fails to see that only by education can the position of the nation be improved, the fatalism that drugs the activity of the individuals and produces moral stupor, and the selfishness that deadens the heart and renders it indifferent to national degradation. I call on you, students of this College and members of Duty, to go forth on this good work, and to prove that you at least are not wanting in enterprize and in patriotism. Let each one of you feel that on his shoulders rests a burden of responsibility; that on him to some extent, however humble his position, depends the future of his nation. If you do this your labours will assuredly be crowned with success; your College will prosper; and the Mahomedans of India will in time take their proper rank among the civilized nations of the world.

———o———

ships, expenses of supervision &c. and we arrive at a total of 5 lakhs of rupees. Gentlemen, if we can collect 5 lakhs of rupees in the next ten years, I think we may have 1,000 boarders at the end of that time. A sum not less than this has been collected since the College was founded. There is therefore nothing inherently impossible in the task. Hitherto the funds of this College have been collected by the great Founder of this institution. The burden of collection must in future be taken upon themselves by the students of this College. If they do not collect the money there is no hope of the College realising its lofty ambition. I am extremely glad to observe that the members of the Duty have been year by year increasing the amount of their collections. I hope that this year they will beat the record of previous years. You have before you the disagreeable task of appealing to many of the wealthy whose hearts are apathetic to the sunken condition of their community. Bring before the minds of these men the miserable small number of English-educated Mahomedans. Ask them whether they wish that their nation should retain its honour or sink to the level of the low castes of Hindus Point out that the spread of English education is essential to progress ; and that a great central national institution with at least 1,000 students would very soon put new life into the nation. Although your arguments may in many cases fall on barren soil, yet here and there I cannot doubt you will find men who have the intelligence necessary to appreciate these facts and sufficient patriotism to take action on them. It is time that this College pushed ahead and gave the Mahomedans some notion of what we intend to make of it. We have to turn out educated men not by tens and twenties but by hundreds, so as to proportion our work to the size of the community we have to effect. There are twice as many Mahomedans in India as there are Englishmen in England, yet there is I suppose one hundred times as much education in England as there is among the Indian Mahomedans. You heard the other day of the miserable state of ignorance in the Mahomedans of Morocco. Gentlemen, I look forward to the time when if we only carry out our work with proper energy the Mahomedans of India may not only become the most edu-

THE DUDY.

At the Annual Meeting of the Duty, held on Aug. 5th, the President, Mr. Beck, spoke as follows :—

GENTLEMEN,

I should like on this occasion to sketch a programme of what the College should attempt to achieve during the next ten years. Our ultimate aim for this College is that it shall be in itself a University like Oxford and Cambridge, based on the principle of the residence of the students in the College buildings and conferring its own degrees. I do not think there is any chance of our attaining this end in the present generation, but I think it very necessary that our ultimate aim should be widely known throughout the Mahomedan community and should be kept steadily in view. I wish all of you to grasp this idea and to propagate it. Now what is a reasonable ambition for the next ten years of our efforts? I think it would be sufficient if at the end of this time we could show 1,000 Mahomedan students, of the School and College departments combined, in the College Boarding-House. Up to the present we have succeeded in becoming a College of the second grade so far as numbers are concerned. We should now be determined to rise to an institution of the first grade. The number of students we educate is so small as to make scarcely a perceptible difference to the percentage of educated Mahomedans throughout India. In order to bring up the Mahomedan nation to its proper level of English education we must work on a bigger scale. This would be easy if we had more boarding-houses and more funds. This year I have I suppose declined fifty or sixty applications for scholarships from students who are too poor to pay the expenses of higher education. There would be no difficulty in largely increasing the number of our College Class students if we had room to house them, and scholarships wherewith to assist them. We have now 300 boarders, and the new Debenture rooms will enable us to put up 60 or 70 more. We want accommodation for at least 600 more students. At the rate of 3 boarders for Rs 1,000 we require two lakhs of rupees. Add half a lakh for additional class-rooms, and we have two lakhs and a half. Add a similar sum for scholar-

of his colleagues. There is I am convinced no College in India in which the managers and the members of teachnig staff are more in sympathy with the taught, or in which the personal influence of the teachers is more powerful and beneficial.

STUDENTS OF THE M. A.-O. COLLEGE :—

I am glad to have this opportunity of meeting a new generation of students of this College. Even more than your predecessors you enjoy the good fortune of belonging to a College of high and increasing reputation, which is rendered attractive by its fine buildings and extensive grounds, and in which you have not only great advantages with respect to tuition, but enjoy the benefit of a well organized Collegiate life and close association with your contemporaries in work and amusement. I see from recent reports that you fully maintain in all respects whether in the class-rooms or at games, in character and conduct the reputation established for your College by your predecessors, and that to this are added an active feeling of loyalty to the College, and practical efforts to improve its position. To my mind this last development is a very pleasing feature in the history of this institution, and one which is equally creditable to the authorities and to the students.

"I trust that you will persevere in this generous spirit of loyalty and that there are not a few among you who will in after life succeed by conscientious work and by honourable and manly bearing in doing what you can to prove to the world the goodness of the training which is given here, and in this way to maintain and extend the reputation of a College which has not only been a benefactor to its students, but has already exercised great and beneficial influence, direct and indirect, upon education in India."

At the close of the address the Hon'ble Haji Ismail Khan thanked Mr. Cadell on behalf of the trustees of the College. Three cheers were then proposed by the students for Mr. Cadell, and for the English ladies and gentlemen. Mr. Cadell then proposed three cheers for Sir Syed Ahmed Khan and for Mr. Beck. The Lieutenant-Governor then inspected the mosque and other buildings of the College.

poned for lack of funds. In this connection, the contributions which are beginning to come in from former students of the College are peculiarly gratifying. and it may be hoped that as the number of men who have passed from this College into various professions increases, the generous support of their *alma mater* which has already begun, will gradually increase, and will prove to be important in volume, as well as admirable in spirit which prompts it.

And this brings me to what is perhaps the most important change of all which has occurred since I left the district. Then your attitude was largely one of hope, however confident, but now that so many of the students of this College have gone out into the world you can speak not only of promise but of performance. Both what I have observed myself, and what I have heard from others, lead me to share in the belief expressed by your Principal in his last report "that the tone of the College encourages truthfulness, honesty and honour," and to hold that its teaching tends to turn out men who are not only well-educated, but are also manly and straightforward, and are anxious to carry into the practical business of life, the high principle to inculcate which is a chief object of your training here. And I am convinced that the physical exercises which are encouraged in this College, and the executive duties which are imposed upon your students, tend to develop the energy, the tact and the practical common sense, which are so essential to success in life.

So far I have been speaking of changes which have taken place. I would now congratulate you on the fact that in the managing body and in the teaching staff, recent changes have been comparatively speaking so few, and above all that the venerable founder of this College is still able to devote himself to the noble task which he has set before him, of educating and elevating the youth of his community, and that he continues to have the assistance of able and earnest coadjutors.

I am glad also to find among the teaching staff, not only the faces of old friends, but if possible even more than the old enthusiasm for and devotion to the work on which its members are engaged. I would specially congratulate the Principal Mr. Beck on the success which has attended his efforts and those

and before it, have continued, and may now be looked upon as firmly established and traditional.

"I have been pleased on the occasion of each successive visit to Aligarh to see in the substantial buildings which have been rising year by year, such convincing signs of the energy of your management, and to hear of the popularity of the institutions under your care, and of their steadily increasing success. I find that, during the eight years which have passed since I left the district, the number of boarders has been nearly trebbled, while the number of graduates has increased tenfold. When you can show progress such as this, you can, I think, afford to endure patiently the unfavourable results of the Entrance and Intermediate Examinations of a single year, and to look forward to the success which is certain to reward increased effort. At the same time it must be admitted that if the results complained of are due to a sudden variation in the standard insisted upon, such changes are to be deprecated.

I have listened with attention to your Principal's views on the important educational questions which he has discussed, and which his position in the University will enable him to impress on the attention of its authorities. The specialization of Colleges is a question which has already attracted the attention of the Director of Public Instruction, and the only point which I need mention now is, that if Colleges are specialized, Mahomedan students will have to leave this the Mahomedan College of the Provinces when they take up subjects which the College may elect to discard. It may be wise to disregard this objection but the subject requires the fullest consideration.

I am glad to learn that your funds are increasing, and that H. H. the Nizam continues the enlightened and munificent liberality towards the College, for which all interested in education in this part of India should be grateful. There can be few institutions which are more worthy of his support than this is, and none I believe in which funds, destined for the extension of Mahomedan education, are more faithfully or more usefully applied. It may be hoped that in time, the support received from the more wealthy members of your community, in this part of India, will become more general, and that you may then be able to take up the many improvements which are now post-

and Cambridge and of the Scotch and German Universities the better will be our education. We shall thus in time, I hope, remove the reproach that our Indian higher education fails to turn out real scholars.

"But an objection is sometimes raised that nothing we do can be of any use, because we have such a wretched lot of students that it is impossible to light in their sordid souls the generous spark of love of knowledge for its own sake. I reply that a bad workman complains of his tools. No one would have supposed that our students had a physique robust enough to enable them to play the British soldier on equal terms in the football field, yet experience has proved they have. I believe we have excellent material to work on, and that as the love of learning has flourished for centuries both among Hindus and Musalumans, it is not our students but ourselves who are to blame if the University fails to foster it. Among the prizes which your Honour will distribute to-day are some for monitors. The monitorial system was introduced some years ago in the College, but without success. However by further work, and by taking advantage of previous experience, it has succeeded admirably. I take this as an instance that it is foolish to give up as hopeless without trial any branch of education we may wish to encourage."

The Lieutenant-Governor then distributed the prizes, after which he made the following speech :—

TRUSTEES OF THE MAHOMEDAN ANGLO-ORIENTAL COLLEGE,—I have to thank you for the kind words with which you have received me, and for the honour which you propose to confer upon me in associating my name with a scholarship in your College.

"I am afraid, gentlemen, that you set too high a value on what I was able, when a Magistrate here, to do for the district. And with respect to this College, I can only claim to have maintained and passed on to my successor, the attitude of friendly and respectful sympathy towards its management, which was and is due to an institution of great importance to the State as well as to the people of Northern India. I am glad to know that the friendly relations between the district officials and the authorities of this College which existed in my time

lectures on subjects not included in the University Examinations, so as to arouse in our students a disinterested taste for knowledge and culture. And if any student have passed the highest examinations in any subject, say the M. A. in Mathematics or Science, and wish to pursue his studies further, he should have the chance of doing so under the guidance of an able Professor. If out of every 100 graduates we could thus produce one real scholar, no amount of time and labour spent on his education would be thrown away, for the seeds of learning would be planted in this country and would in time yield a noble and plentiful fruit. But this requires in the Colleges a surplus of power after the needs of the examination have been satisfied, and it is to the Government we must look for setting an example in this direction. Those institutions that rest on popular support would be accused of wasting their resources in unproductive labour. Such lectures as I allude to would require ample leisure for preparation such as is unattainable under the Indian system of running a College like a school, and thereby forcing the Professor to teach several lessons daily out of a text-book instead of enabling him to deliver carefully prepared lectures. A distinguished Professor of Bombay, who now occupies a chair in a European University, said that if a tour be made round India, commencing with Bombay and proceeding through Madras to Calcutta, thence to the North-West Provinces, and finishing with the Punjab, it would be found that the system of College education steadily deteriorated, more lectures being expected per week from the Professor, and less time given in vacation to prepare for them. It is worthy of remark that Bombay, with four months of vacations, and a maximum number of two lectures per day for the professors of the best College, stands first among Indian Universities for producing native scholars of a European reputation. It is a mistake to suppose that the vacation is a time to be spent by the Professor in idleness. It is essential to him for the proper preparation of his work and for that self-culture and study without which he cannot be a man of learning, but must become an intellectual drudge. I am firmly convinced that the more in these and other respects we follow the system of Oxford

allowed to usurp the position of a capricious and tyrannical master. How this may be achieved is a technical question for experts, on which it would be unsuitable and tedious for me to express my opinions here. I will deal only with the second consideration, as to what positive steps can be taken to encourage original research. The Faculty of Arts of the Allahabad University passed a resolution in favour of giving one or more gold medals to graduates who wrote scholarly theses. The proposal has not yet been carried into effect, but I hope it will be, and experience will show how far it is successful. The University of Madras includes an original dissertation as one of the qualifications for the M. A. degree in History, and I was told by a very able friend of mine belonging to the Madras Civil Service, who has examined them, that they often show real merit and patient research. A second way in which learning may be encouraged is by the specialisation of the various Colleges in different directions. I am glad to see that Government has taken a step in this direction by the appointment of a second Science Professor for the Muir College. The teaching of science in these provinces has hitherto been little better than nomial. The University has now, however, instituted a B. Sc. degree. The teaching Physics and Chemistry has been provided for, and when professors of animal of vegetable biology, with laboratories, have been added, the province will possess a fairly complete school of science. The University is also by degrees opening the way for other Colleges to take special lines. It is proposed to institute a course of Political Economy and Political Philosophy for the B. A. degree, and we intend to teach it here. Economics afford an excellent intellectual discipline ; little is known of the subject in Indian society in spite of its great importance, and India offers special problems for investigation. By degrees every College will, I hope, strike out its own line and our University will come to possess that many-sided variety, which its name implies, and which is essential to higher development, instead of the mediocre uniformity that has hitherto distinguished it.

"As a further step towards the encouragement of learning, it would, I think be well if our Colleges could give some

of which is charged on the College funds. The number of students last year in the College Department was 205, and in the College and School together 565. Of these 329 were boarders.

... the last University Examination, out of 27 candidates for the B. A. Degree, 21 passed, one of whom took Honours in English, and another in Additional Mathematics. In the Intermediate, out of 65, only 22 passed, and in the Entrance, out of 59, only 19. These small percentages are similar to those in the University at large. We are very sorry that many promising students have thus been thrown back in their studies, and are unaware of the cause of this severity, not knowing whether to attribute it to any special defect in our students, or to any fresh policy inaugurated by the University.

"In physical education we have likewise made progress, and last year saw the institution of a Riding School in the College.

"Finally, we request of you the favour that you will allow us to found a permanent memorial of your kindness to us—a memorial that shall last so long as God gives life to this institution—namely, a scholarship to be named after your Honour and to be given to a student of the College classes."

Mr. Beck then spoke as follows :—

YOUR HONOUR, LADIES AND GENTLEMEN.—Before requesting you to be so kind as to distribute the prizes I may be permitted perhaps to make a few general remarks on education. The objects of a University and consequently of the Colleges that compose it, are two ; first, to give a liberal education to the gentry, professional classes, and state servants of a people, and second, to promote scholarship. In the latter of these aims we have so far achieved no success. I am not aware of any graduate of the University of Allahabad having produced any original work of any description. I attribute this failure to two causes ; first, that we take no steps to encourage scholarly research, and second, that we allow our examinations to monopolise the motives of study and so stifle the love of learning. I am fully alive to the importance of the examination as a test, but it should be used as a well disciplined servant and not

Honour's Collectorship is remembered by all, rich and p in Aligarh, on account of the peace and good order that vailed, although the times were such as to give just cause alarm. Moreover the health of this district , ...e second ...n it t health of the students of this College, owe a very marked i provement to the embankment which you constructed, a which has ever since effectively preserved this town from t floods that formerly did so much damage. The strength character and the genuine heartfelt sympathy for the progres of the natives of India, of which your Honour left a lasting impression on the minds of the people of Aligarh, caused them to feel the liveliest pleasure when your Honour was appointe to the exalted position of Lieutenant-Governor of these Provinces. We therefore offer our thanks to you with no ordinar feelings. We welcome you as a kind friend of this Colleg whose generosity is perpetuated on the stones of this Strache Hall, and as a Ruler whom we have for years learnt to admir and respect.

"It is, therefore, needless for us to enter into detail a to the objects of this institution. Your Honour has had personal opportunity of judging as to the spirit of loyalty whic we wish to impress on the students of this College and of t kind of education we endeavour to impart. Since you l Aligarh the College has progressed in funds, in buildings, a in the number of students. The most substantial addition our funds has been due to the generosity of His Highness t Nizam of Hyderabad, who has increased the permanent *jag* which he has presented to the College, so that we now derive income of Rs. 24,000 per annum from this source. We sure your Honour will be glad to know that His Highness Nizam has thus shown himself an enlightened patron of cause of progress among the Mussalmans of India. Our b ings, as you will observe, have made some progress during past few years, though much yet remains to be done. In pa cular we have experienced great difficulty in providing boa ing accommodation for the students who wish to come to study, and have been obliged to refuse many applicants to admission in consequence. At present a set of 51 room being built, with money borrowed on debentures, the int

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

·w Series OL. 2.	SEPT. 1, 1895.	No. 9.

—o—

THE M. A.-O. COLLEGE AT ALIGARH.

—o—

DISTRIBUTION OF PRIZES BY Mr. CADELL.

—o—

THE QUESTION OF HIGHER EDUCATION.

—o—

On August 8th, Mr. Alan Cadell, Lieutenant-Governor the North-West Provinces, received an address from the stees of the M. A.-O. College, Aligarh, in the Strachey Hall that institution, and distributed the prizes to students of the llege. A large audience, including all the English residents the station and the leading native gentry of the district, assembled on the occasion. The address, which was read Mr. Syed Mahmood, ran as follows :—

"MAY IT PLEASE YOUR HONOUR,—We the trustees of the omedan Anglo-Oriental College, on behalf of ourselves and supporters of this College, offer you our heartfelt thanks for favour you have done us in visiting our College at great onal inconvenience to yourself.

"Our pleasure on this occasion far exceeds that which naturally feel when the Ruler of the Province condescends isit our institution. For we have in your Honour not only spected Ruler, but a patron who has for years shown his dship and sympathy for our College. The time of your